
سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
16
حصہ

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہوگیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تحیری سلسلہ۔ آئندہ نسلوں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

اس مرتبہ بھی فون کی گھنٹی معین وقفوں سے بجتی چلی جارہی تھی۔ اول خان پردوں کی کئی مضبوط ڈوریاں کاٹ کر لے آیا تھا۔ ہم دونوں نے بجتے ہوئے فون کو نظر انداز کر کے جان کو پھرتی سے باندھ ڈالا۔ آخر میں نے اس کے دہانے میں کپڑا ٹھونس کر لگام کی صورت میں ایک ڈوری دہانے سے گزار کر سر کے پیچھے باندھ دی تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد شور شرابانہ کر سکے

اس کام سے فارغ ہو کر اول خان نے استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا "اب ہمیں پوری ہوشیاری سے پچھلی قطار کے مشتبہ مکان میں گھسنا ہے۔ دیر ہوگئی تو ویرا کو وہاں سے ہٹادیا جائے گا۔"

مجھے معلوم تھا کہ میرا وہ فیصلہ خطرناک تھا۔ دونوں احاطوں کا صرف ایک کونا مشترک تھا اور جان اسی کونے سے سردار وجاہت اللہ کے گھر کے احاطے میں کودا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ مشتبہ مکان میں کوئی نہ کوئی اس کونے کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ ہم میں سے جو بھی ادھر کا رخ کرتا، کسی نادیدہ گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔

اسی طرح پھاٹک کے ذریعے اندر پہنچنا آسان نہیں تھا۔ اول خان کے آدمی نے پھاٹک پر ایک مسلح چوکیدار کی موجودگی کی خبر دی تھی۔ جان کی مشکوک سرگرمیوں کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ چوکیدار اجنبیوں کو کسی روک ٹوک کے بغیر اس مکان میں داخل ہونے دیتا۔ ویسے بھی ان دنوں ہر امریکن اپنی سلامتی کی خاطر مقامیوں اور خاص طور پر اجنبی چہروں سے دور ہی رہنا پسند کرتا تھا۔

معاً میرے ذہن میں بجلی کی طرح ایک خیال آیا اور میں نے لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے؟" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور اول خان آنکھیں پھاڑ کر مجھے گھورتا رہ گیا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ میں نے یک بیک فون سننے کا فیصلہ کیوں کرلیا تھا۔

"ہیلو.... کیا تم انگریزی سمجھ سکتے ہو؟" چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد دوسری طرف سے کسی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر انگریزی میں سوال کیا۔

"ہاں.... مگر بولنا مشکل ہے" میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ میرا لہجہ بھی بگڑا ہوا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور وہاں کیا کر رہے ہو؟" نرمی سے سوال کیا گیا۔

"میرا نام سنی ہے، مجھے مسٹر جان نے کل رات یہاں بلایا تھا۔ میں اس وقت سے اندھیرے میں یہاں پھنسا ہوا ہوں۔ اب خدا خدا کر کے مسٹر جان آئے ہیں تو ان پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔"

"جان پر دورہ پڑ گیا ہے؟" دوسری طرف سے حیرت سے پوچھا گیا۔

"ہاں صاحب۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ تھام کر کراہتے ہوئے نیچے گر گئے اور اب بے ہوش ہیں" میں نے بگڑے ہوئے اور ناموزوں الفاظ جوڑ جوڑ کر اپنا پیغام اس تک پہنچادیا۔

"اوہ۔ یہ تشویش کی بات ہے مگر تم کس فون سے بات کر رہے ہو؟" اس نے چالاکی سے پوچھا۔

"اسی فون سے جو کئی بار بج چکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تو وہ مسلسل بجے جا رہا تھا۔"

"تم نے پہلے فون اٹھایا تھا؟" وہ بہت محتاط انداز میں مجھ سے

بازپرس کررہا تھا۔

"مسٹر جان نے مجھے فون چھونے سے خاص طور پر روکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب گھنٹی بند ہی نہیں ہورہی تھی تو میں نے پریشان ہوکر ریسیور اٹھالیا تھا مگر مسٹر جان کا حکم یاد آتے ہی بات کیے بغیر ریسیور رکھ دیا" میں نے اپنے لہجے میں بے چارگی کا تاثر پیدا کرتے ہوئے اٹک اٹک کر بتایا۔

"پھر تم نے اب فون کیوں اٹھایا؟"

"مجبوری تھی" میں نے بے بسی سے کہا "مسٹر جان بے ہوش ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کروں۔ انہیں طبی امداد کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ اگر تم ان کے دوست ہو تو مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔ پہلے میری ایک دو باتوں کا جواب اور دے دو۔" "جو جی چاہے پوچھ لو' میں تیار ہوں مگر اب مجھے یہاں وحشت ہورہی ہے۔"

"جان سے تمہاری ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے تو ابھی پہلی مرتبہ ان کی صورت دیکھی ہے۔ دراصل میں پرنس ساگا کا آدمی ہوں۔ پرنس کی ہدایت پر کل مسٹر جان کو فون کیا تو انہوں نے مجھے یہاں پہنچنے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے بعد سے میں یہاں بیٹھا ان کا انتظار کررہا تھا" میں نے سنی کی پوری کہانی من و عن دہرادی تاکہ اسے کوئی شبہ نہ رہے۔

"جان نے مجھے بتایا تھا کہ اس غیر آباد گھر میں صرف ایک کورڈلیس فون لگا ہوا تھا جس کا ریسیور وہ اپنے ساتھ رکھتا ہے پھر تم وہاں کس فون کی گھنٹیاں سنتے رہے ہو؟" ٹیڑھا سوال اس نے آخر میں پوچھا تھا۔

"جہاں کورڈلیس فون لگا ہوا ہے وہاں کوئی اور فون نہیں ہے" میں نے پورے اعتماد سے کہہ ڈالا "مسٹر جان نے یہی دیکھ کر تمہیں بتایا ہوگا۔ یہ گھنٹی والا عام فون ایک خواب گاہ میں ہے۔ میں نے آج کئی بار اس کی آواز سنی ہے اور اس وقت بھی اسی سے بات کررہا ہوں۔ تم چاہو تو خود آکر دیکھ سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آتا ہوں" اس کی پُرسکون آواز سن کر میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم ساگا کے آدمی ہو تو تمہیں ایسے کاموں کی اونچ نیچ بھی معلوم ہوگی۔ تم گھر سے باہر نکل کر احاطے کی پچھلی دیوار کی طرف منہ کرو تو تمہارے بائیں ہاتھ پر جو کونا ہوگا' میں وہیں سے اندر کودوں گا' باہر آکر میرا انتظار کرو۔"

"اوہ۔ تو تم اس وقت اتنے قریب موجود ہو؟" میرے لیے حیرت کا اظہار کرنا ضروری تھا۔

"جان بھی میرے ہی پاس تھا۔ ہم بہت گہرے دوست ہیں۔ بس میں ابھی آتا ہوں۔"

"کمال ہوگیا۔ مسٹر جان اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی چوبیس گھنٹوں بعد میرے پاس آئے ہیں۔"

"یہ سب مت سوچو۔ جان بہت سے کاموں میں الجھا ہوا ہے۔ اب میں فون بند کررہا ہوں۔"

"گڈبائے..... بائے بائے!" میں نے احمقانہ انداز میں یہ کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"خدا کی پناہ! تمہاری کھوپڑی ہر وقت نت نئے گل کھلانے کے لیے تیار رہتی ہے" اول خان بے یقینی کے عالم میں کہہ رہا تھا "اب اس سے کیا طے ہوا ہے۔"

"وہ خود دیوار پھاند کر چوہے دان میں آرہا ہے" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں سامنے رہ کر اس کا استقبال کروں گا۔ تم اللہ ورایو کے ساتھ کہیں چھپے رہنا۔" "تم نے واقعی شیطانی دماغ پایا ہے۔ اگر وہ اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھ آگیا تو میں۔ سمجھوں گا کہ اس نے سفارت کاری میں رہ کر ساری عمر جھک ماری ہے۔ تمہیں اس کا استاد ہونا چاہیے۔"

"دشمن کے خلاف کام کرنے والا ذہن سلطان شاہ جیسے دوستوں کے سامنے جواب دے جاتا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ بے یقینی اور تناؤ کے عالم میں کئی گھنٹے گزارنے کے بعد میں نے پہلی بار اسے خوش گوار موڈ میں دیکھا تھا۔ باہر نکلتے ہی اول خان نے میرا ساتھ چھوڑ کر اللہ ورایو کے ساتھ احاطے کی بغلی دیوار کی طرف دوڑ لگادی۔ میری دانست میں اس کی وہ احتیاط ضروری تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے غیر ضروری طور پر ہم تینوں کا یک جا رہنا سنگین خطرات کا سبب بن سکتا تھا۔

میں قدرے تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کونے پر پہنچ گیا جہاں سے ہمارے شکار کو دام میں آنا تھا۔

مجھے وہاں کھڑے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ اوپر سے کسی نے سنی کہہ کر پکارا۔

نامعلوم غیر ملکی کی آواز پہچان کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے اپنے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے فوراً ہی اس آواز کا جواب دیتے ہوئے کہا "لیس سر! میں موجود ہوں۔"

جواب دیتے ہوئے میں نے دیوار پر نگاہ ڈالی تو وہاں کسی کا پتا نہیں تھا۔ میرے جواب دیتے ہی چھریرے بدن والا ایک شخص دیوار پر ابھرا اور کسی بندر کی سی پھرتی سے دیوار پر چڑھ کر نیچے کود آیا۔ اس کے زمین سے اٹھنے سے پہلے ہی میں نے اس کی پتلی سی گدی تھام کر بیم گن کی نال اس کی کنپٹی سے لگادی۔

"آواز نکالی تو مار ڈالوں گا" میں نے صاف اور شستہ انگریزی میں اسے دھمکی دی "خاموشی سے اٹھو اور میرے ساتھ عمارت کی طرف بڑھتے چلے آؤ۔ وہاں جان تمہارا منتظر ہے۔"

"تو کیا تم سنی نہیں ہو؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ اس کا ذہن صورتِ حال کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

"سنی مرچکا ہے۔ میں اس کی بھٹکتی ہوئی روح ہوں۔ آؤ' اندر چلتے ہیں۔"

میں نے گدی کھینچ کر اسے اس کے قدموں پر کھڑا کردیا۔ اسی کے ساتھ میں نے اس کے بدن اور لباس کے مختلف حصوں پر ہاتھ

پھیر کر اندازہ لگالیا کہ وہ مسلح نہیں تھا۔

وہ جان اور راس المیڈا کی طرح کوئی پیشہ ور دہشت گرد نہیں بلکہ ایک پڑھا لکھا اور جوان سفارت کار تھا۔ ویسے بھی وہ اس وقت سنی جیسے بے ضرر آدمی کے فرضی پیغام پر اپنے علیل دوست کی خبر گیری کے لیے آیا تھا۔ اس لیے اس کے ہتھیار بند ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس کے اٹھتے ہی اول خان بھی اندھیرے میں سے نکل کر سامنے آگیا۔

"ٹریپ۔ تم لوگوں نے پہلے ہی سے یہاں کوئی جال بچھایا ہوا ہے" اول خان کو دیکھتے ہی وہ تشویش زدہ آواز میں بولا مگر میں نے اس کو جواب دینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر پیش قدمی جاری رکھی۔

"میں کوئی اخلاقی مجرم نہیں ہوں۔ میری گردن چھوڑ دو اور اپنے ہتھیار جیبوں میں رکھ لو" چند قدم چلنے کے بعد اس نے میری گرفت میں کسمسا کر کہا "میں ایک عیال دار سرکاری افسر ہوں اور اپنے ساتھ تمہاری بھی سلامتی کا خواہاں ہوں۔ میں مزاحمت کیے بغیر تمہاری ہدایات پر عمل کرتا رہوں گا۔"

اس کی باتوں نے مجھے چونکا دیا۔ مجھے اس کے لب ولہجے سے صداقت کی بُو آرہی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ راس المیڈا اور جان جیسے سفاک بھیڑیوں کا ساتھ دینے والا کوئی شخص اتنا سیدھا اور راست گو بھی ہوسکتا ہے۔ میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ اس نے فوراً ہی میرا شکریہ ادا کیا تھا۔

تھوڑی سی دیر میں دوسرے حریف کو راہداری سے اندر لے جاتے ہوئے مجھے خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ روشن کمرے میں داخل ہوا تو بندھے ہوئے جان پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر اندرونی کرب کے اثرات ابھر آئے "یہ اچھا سلوک نہیں ہے" وہ دھیرے سے بولا "تم نے اسے بری طرح زخمی کرکے لہولہان کیا ہوا ہے اور پھر کسی چوپائے کی طرح بے دست وپا کرڈالا ہے۔ مجھے یہ جان کر دکھ ہوا ہے کہ تم لوگ اتنے شقی القلب ہو۔"

"شکر ادا کرو کہ جان زندہ ہے۔ وہ ہم پر غالب آجاتا تو ہمیں ایک پل بھی نہ جینے دیتا" اول خان نے طنز و حقارت سے کہا "تم بھی اسی کے ساتھی ہو۔ ایسی معصومانہ باتیں کرکے تم اپنی چمڑی نہیں بچاسکتے۔"

"میں کسی کا ساتھی نہیں ہوں" اس نے احتجاج کیا "میں بڑوں کے احکام کی تعمیل کررہا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں خوں ریز... جھگڑوں میں ملوث ہونے جارہا ہوں۔ مجھے اپنے گھر اور فیملی سے پیار ہے۔ میں اپنی ملازمت کی کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے سکھ چین کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔"

وہ ابتدا ہی سے عجیب باتیں کررہا تھا۔ میں نے پوچھا "اگر تم اتنے ہی امن پرور اور نرم دل ہو تو جان کے ساتھ مل کر یہاں کیا کرنا چاہ رہے تھے۔ ہر شریف آدمی دوسروں کے گھر میں دیوار پھاندنے کے بجائے دروازے سے آنے کو ترجیح دیتا ہے اور تم چور کی طرح یہاں آئے ہو۔"

"ابھی تک مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو۔ یہ بات یہیں صاف ہوجانی چاہیے تاکہ تم لوگوں کو میری صحیح پوزیشن کا علم ہو سکے۔ میں [illegible]م پیشہ ہوں اور نہ کسی جرم کا فریق بننا پسند کروں گا۔" "تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔ شاید تم پاکستان میں پہلے امریکن سفارت کار ہو جو اپنے بڑوں کے فلسفے سے برگشتہ نظر آرہے ہو۔ میں تمہیں بولنے کے لیے وقت دے سکتا ہوں" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں قومی مفاد کی خاطر سرکاری اور ذاتی حیثیت میں ہر طرح سے راس المیڈا اور جان سیموئیل کی مدد کروں" اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنی کہانی چھیڑ دی "کل منہ اندھیرے جان میرے گھر پہنچا تو اس کے ساتھ ویرا لائیڈ بھی بے ہوشی کی حالت میں موجود تھی۔ میں نے ان دونوں کو اپنی چھت کے نیچے پناہ دی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کسی سنگین معاملے میں ملوث ہونے جارہا ہوں..."

اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی میں نے بے یقینی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "اب ویرا کہاں ہے؟"

"خواب آور دواؤں کے زیرِ اثر میرے گھر کے ایک آرام دہ کمرے میں سورہی ہے" اس نے برجستہ جواب دیا "مجھے کافی عرصے سے بتایا جارہا ہے کہ ویرا لائیڈ کو ڈینی نامی ایک بدمعاش نے اغوا کیا ہوا ہے۔ پچھلے دنوں ان دونوں کے بارے میں انعامی اشتہارات بھی چھپوائے گئے تھے۔ میری دانست میں یہ ہر امریکن سول سرونٹ کا فرض ہے کہ اپنی ہم وطن خاتون کی بازیابی اور وطن واپسی کے لیے اقدامات کرے...."

"ڈینی میں خود ہوں۔" میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ کر کہا "یہ بالکل غلط ہے کہ ویرا کو اغوا کیا گیا تھا۔ ویرا اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی ہے۔ امریکن ایجنٹ اسے یہاں سے اغوا کرکے اپنی سرزمین پر لے جانا چاہتے ہیں جہاں ظلم و ستم کا ایک ہولناک سلسلہ اس کا منتظر ہے۔"

وہ چونک کر بولا "تمہاری صورت جب ہی کچھ شناسا لگ رہی تھی۔ رہا ویرا کا معاملہ تو ابھی تک اس سے میری بات نہیں ہوسکی۔ وہ ہوش میں آئے گی یا بیدار ہوگی تو خود ہی حقیقت بتادے گی۔ میرے لیے یہ سب ضمنی باتیں ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ میں نے صبح سے اب تک جو کچھ کیا' پوری نیک نیتی سے کیا ہے اور آئندہ جو کچھ کروں گا وہ بھی اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق ہی کروں گا۔ میرے اس مؤقف کو کوئی نہیں بدل سکتا۔"

"یہ بہت کیکر کا بیج معلوم ہوتا ہے" اول خان نے بھنّا کر اردو میں کہا "پھنس گیا ہے تو پٹڑی بدل کر ہمیں چونا لگانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم اسے یرغمال بنا کر اس کے گھر

جائیں گے تو ویرا کو دیکھ لیں گے۔ اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے خود ہی بتا دیا کہ ویرا اس حرامی کے گھر میں سو رہی ہے۔"

"شکل و صورت سے تم اتنے کم سن اور معصوم نہیں لگتے" میں نے اس سے کہا "تمہارے چہرے پر عمر اور تجربے کی لکیریں واضح ہیں مگر باتوں سے تم یہ ظاہر کر رہے ہو جیسے اپنے ملک کی سفارتی سرگرمیوں کے بارے میں تمہاری معلومات صفر سے زیادہ نہ ہوں۔ کیا تم ان معاملات میں واقعی اتنے کورے ہو؟"

"تمہاری دونوں باتیں درست ہیں" اس نے میرے تیکھے فقروں کا برا مانے بغیر متانت سے اعتراف کیا "میں نے ساڑھے سات برس مشی گن یونیورسٹی میں طلبا کو بزنس ایڈمنسٹریشن کے مضامین پڑھائے ہیں۔ چند مہینے پہلے ایک دوست کے اصرار پر میں نے وہ پیشہ چھوڑ کر فارن سروس میں شمولیت اختیار کی ہے۔ پانچ ماہ پہلے پاکستان میں تقرری سے پہلے مجھے اکیڈمی میں جو کچھ پڑھایا اور سمجھایا گیا وہ میرے اصولوں سے کہیں بھی متصادم نہیں تھا۔ ملک و قوم کا مفاد ہر شخص کو عزیز ہوتا ہے۔ میرا حلف بھی یہی تھا۔ سول سرونٹ مجرم نہیں' قانون کے پاسدار ہوتے ہیں۔ وہ جرم کیسے کرسکتے ہیں؟ وہی تو اپنے ہاتھوں سے آبیاری کرکے قانون کے پودے کو تناور درخت بناتے ہیں۔"

"اگر تم مکاری سے کام نہیں لے رہے تو مجھے کہنا پڑے گا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور' دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اکیڈمی میں پڑھائی اور سمجھائی جانے والی باتیں سادہ لوح لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ تمہارے بیشتر سفارت کاروں کا عملی کردار اور روپ بہت گھناؤنا ہوتا ہے۔ تم اپنی خفیہ فائلیں دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ پچھلے مہینوں میں پاکستان میں تمہارے متعدد سفارت کار میرے ساتھیوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے ہیں۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ یہاں سازشوں اور دہشت گردیوں میں ملوث تھے۔ میں ایسے چہروں کو بے نقاب کرنے کا عہد کیے بیٹھا ہوں تو تمہارے شکاری کتے میرے خون کی بُو پر ڈال دیے گئے ہیں۔ ان کی ناکامی پر جھلا کر مجھے اشتہاری مجرم ٹھہرا دیا گیا ہے۔"

"پاکستان میں پوسٹنگ کے بعد آج میں پہلی بار ایسے کسی تجربے سے گزرا ہوں جس میں جرم کا شبہ سر ابھار رہا ہے۔ مجھے یقین ہوجائے کہ مجھے کسی جرم میں آلۂ کار بنایا گیا ہے تو میں نوکری کی پروا کیے بغیر اپنے فیصلے کروں گا۔ میں تعلیم یافتہ ہوں۔ مجھے امریکا میں عتاب کا نشانہ بنایا گیا تو میں کینیڈا یا پھر جنوبی امریکا کے کسی ملک میں چلا جاؤں گا مگر زندگی اپنے ڈھنگ سے اور اپنے اُصولوں کے مطابق گزاروں گا۔ عزت کی روزی مجھے کہیں نہ کہیں مل جائے گی۔"

"اور تمہارے یقین کا پیمانہ کیا ہوگا؟" اول خان نے پوچھا۔ اس بار اس کا لہجہ احترام آمیز تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس شخص کی بے لاگ باتوں نے اول خان پر اثر ڈالا تھا۔

"وہ پہلے سے میری تحویل میں ہے۔ میرے افسران ویرا لائیڈ کو مغویہ قرار دیتے ہیں۔ تمہاری کہانی کچھ اور ہی ہے۔ یہ ٹیسٹ کیس ہوگا۔ ویرا نے تمہاری تائید کی تو میں تمہاری ہر بات کو مان کر تمہارا ساتھ دوں گا۔ ورنہ تم ہمیشہ مجھے اپنے دشمنوں کی پہلی صف میں کمربستہ پاؤ گے۔"

"کاش سارے امریکن تمہاری طرح حق پرست اور صاحبِ کردار ہوجائیں!" میں نے حسرت سے کہا۔

"بیشتر امریکن میری ہی طرح سوچتے ہیں" اس نے زور دے کر کہا "حق و انصاف اور انسانی آزادیوں کا جتنا شہرہ امریکا میں ہے' دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ ظلم وہ لوگ کرتے ہیں جو ان نعروں کی آڑ لے کر اقتدار کی چھوٹی بڑی کرسیوں پر براجمان ہوتے ہیں اور پھر ان نعروں کو بھٹی میں جھونک کر لوگوں کے اعتماد کا خون کرتے ہیں۔"

"اور تمہاری رائے عامّہ اتنی سادہ لوح ہے کہ پھر بھی اپنی حکومتوں کی سیاہ کاری سے بے خبر رہتی ہے۔"

"لوگوں کو کچھ خبر نہیں کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ امریکا میں واٹر گیٹ اسکینڈل کا بھانڈا پھوٹا تو حکومت کو ذلیل ہوکر جانا پڑا۔ باہر جو کچھ ہوتا ہے اس سے امریکنوں پر زیادہ اثر پڑتا ہے' نہ اس بارے میں انہیں بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ بیورو کریسی ایک منظّم ترین برادری ہے۔ ہر آنے والا اپنے پیش رو کے گناہوں اور غلط کاریوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ جرائم کبھی ریکارڈ پر نہیں لائے جاتے' سارا نظام زبانی احکام پر چلتا ہے اور آخر کار یہ سب سینوں میں دفن ہوجاتا ہے۔ ریکارڈ پر وہی کچھ لکھا جاتا ہے جو اکیڈمی میں پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے۔"

"تمہاری سوچ بہت واضح اور قابلِ رشک ہے" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "وجہ صرف یہ ہے کہ تم اُپنے تدریسی پس منظر کے ساتھ مکّاروں کے غول میں شامل ہوئے ہو۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میرے رابطے میں آنے والے تم پہلے سفارتی افسر ہو جسے حق اور ناحق کے درمیان موجود باریک سی لکیر نظر آتی ہے ورنہ تمہارے بیشتر ساتھی صرف نتائج سے سروکار رکھتے ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان نتائج کے لیے قانونی ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں یا طاقت اور غنڈا گردی کے زور پر قانون پامال کرکے ہدف حاصل کیا جاتا ہے۔"

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم میری باتوں پر دھیان دے رہے ہو۔"

"مگر تمہاری دو باتیں تمہارے ان صاف ستھرے نظریات سے واضح طور پر متصادم ہیں۔"

"تم نشان دہی کرو۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہوسکوں۔"

"دروازے سے گزرنے کے بجائے دیوار پھاند کر تم نے خلوت کا احترام پامال کیا ہے..."

"تمہارا اعتراض درست ہے مگر اس میں میری بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ مکان خالی ہے۔ میں نے جلد از جلد بے ہوش جان تک پہنچنے کے لیے وہ راہ اختیار کی ہے۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جان سیموئیل غیر قانونی طور پر اس گھر کا فون استعمال کر رہا ہے۔"

"مشکل حالات میں پیغام رسانی کے لیے بہت سے ایسے مواصلاتی ذرائع استعمال ہوتے ہیں جو عام حالات میں ممنوع ہوتے ہیں۔ ایک غیر آباد مکان کا فون استعمال کرنا کوئی بڑا جرم نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مجھے جان کی سرگرمیوں کی اصل نوعیت معلوم نہیں تھی۔ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ قتل و غارت گری کے دھندوں میں مصروف ہے تو میں اسے اپنی چھت کے نیچے پناہ بھی نہ دیتا۔ میری بیوی کو یہ جان کر دلی صدمہ ہوگا کہ آج کا سارا دن اس نے تیسرے درجے کے ایک مجرم کی مہمان داری کرتے ہوئے گزارا ہے۔ یہ سراسر میری غلطی تھی۔"

"تیسری بات یہ کہ تمہیں ساگا اور جان وغیرہ کے گٹھ جوڑ کا پورا پورا علم تھا۔"

"اس میں کیا خرابی نظر آتی ہے" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ ساگا اچھا آدمی نہیں ہے۔ تم نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں ساگا کا آدمی ہوں تو مجھے غلط کاموں کی اونچ نیچ بھی معلوم ہوگی۔ یہ بات اب میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"یہ غلط ہے" اس نے پورے اعتماد سے کہا "میری معلومات کے مطابق ساگا پاکستان کا ایک معزز اور بارسوخ شہری ہے جو اس پس ماندہ ملک میں اچھے اور بُرے ذرائع استعمال کرکے انسانی فلاح کے نیک کاموں کو آگے بڑھا رہا ہے۔ پسماندہ ملکوں میں تعلیم کی شرح عام طور پر کم ہوتی ہے۔ اگر وہاں انسانی بہبود کے لیے دھونس اور جبر سے کام لیا جائے تو اسے بُرا نہیں سمجھنا چاہیے۔"

"ساگا اور انسانی فلاح دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ اگر ہیروئن کے طلب گار کو اس نشے کی فراہمی کو تم انسانی فلاح کا کام سمجھتے ہو تو ساگا واقعی یہاں کا سب سے بڑا مصلح ہے" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ہیروئن یعنی موت کا سوداگر ہے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ہے نہیں بلکہ تھا۔ اب وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

"تو تم نے اسے بھی مار دیا" وہ بے اختیار بول اٹھا "تم میں یہی خرابی ہے کہ تم نے مجرموں کو سزا دینے کا اختیار یہاں کے قانون سے چھین کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ یہ قابلِ فخریات نہیں ہے۔"

"میں خرابی کا اعتراف کرتا ہوں مگر ساگا کا قاتل کوئی اور ہے۔ وہ کچھ دن اور زندہ رہتا تو شاید میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتے لیکن وہ اس سے پہلے ہی چل بسا۔"

"ہاں' جان کو سنی سے فون پر یہی خبر ملی تھی کہ وہ قریب المرگ ہے۔ مگر سنی کہاں ہے؟"

قتل و خونریزی کے ذکر پر وہ مضمحل ہوا جا رہا تھا۔ گو سنی کی لاش ایک کمرے میں موجود تھی مگر وہ اس کے انجام سے واقف نہیں تھا۔ میں نے جواب دیا "وہ جہاں بھی ہو' مکافاتِ عمل سے نہیں بچ سکے گا۔"

"اور جان کا کیا بنے گا؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"اصولی طور پر یہ میرا مجرم ہے۔ مجھے اس کی قسمت کا فیصلہ کرنا چاہیے لیکن ساتھ ہی یہ تمہارا دوست بھی ہے۔ میں اپنی طرف سے خیر سگالی کے اظہار میں کہہ سکتا ہوں کہ تم چاہو تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ طبّی امداد دینے کے بعد اس سے پوچھو کہ یہ تباہی کے راستے پر کیوں چل رہا ہے۔"

"میں تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں" اس نے تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "جان کو میں لے جاؤں گا مگر پھر راس المیڈا کا معاملہ باقی رہ جاتا ہے۔ جان بتا رہا تھا کہ وہ تمہارا قیدی ہے۔"

"میرا نہیں' وہ یہاں کے قانون کا قیدی ہے۔ اس کا ذکر درمیان میں مت لاؤ اور یہ بتاؤ کہ ویرا کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔ میں جلد از جلد اسے آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ویرا کی آزادی کو راس المیڈا کی رہائی سے مشروط نہ کردے۔

"یہ دونوں الگ الگ معاملات ہیں" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ ہر معاملے میں اس کا ذہن بہت واضح تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ویرا کو اس طرح اغوا کرکے یرغمال بنانا غیر قانونی اور غیر انسانی فعل ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہے تو میں اسے نہیں روکوں گا۔ اس کی رائے جاننے تک تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"تم کس بات کا انتظار کرنا چاہتے ہو؟" اول خان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جان اسے مسکّن دواؤں کی نپی تلی خوراک دے رہا تھا۔ رات کے کھانے کے لیے وہ گیارہ بجے کے لگ بھگ ہوش میں آئے گی۔ اس وقت ویرا سے بات کرلی جائے گی۔ اس نے تم سے نفرت کا اظہار کیا تو جان کو پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ ویرا کو سکون آور دوا دے کر دوبارہ گہری نیند سلا دے" اس کی تجویز معقول تھی۔

"اتنی دیر انتظار کیا جاسکتا ہے لیکن یہ وقت یہاں گزارنا

خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ جگہ سنی کی نظروں میں آچکی ہے۔ وہ اپنے کچھ حمایتیوں کے ساتھ دوبارہ ادھر کا رخ کر سکتا ہے" میں نے ایک فرضی خطرہ کھڑا کر کے اسے متبادل تجویز سوچنے پر مجبور کردیا۔ میری دانست میں بہترین صورت یہ ہوتی کہ ہم لوگ اسی کے گھر میں ویرا کے قریب رہ کر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے۔

میری توقع کے برعکس وہ ذرا بھی فکر مند ہوئے بغیر بے پروائی سے بولا "میں مزید کشت و خون نہیں دیکھنا چاہتا۔ جان کو یہاں سے ہٹانا ہی ہے۔ اگر تم لوگ شریفانہ رویّے کی یقین دہانی کراؤ تو یہ وقت میرے گھر میں گزار سکتے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ میری بیوی بہت حساس اور زود رنج واقع ہوئی ہے۔"

"تم بے فکر رہو" میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا "تمہاری چھت کے نیچے ہم شریف النفس مہمان ثابت ہوں گے لیکن ہم ابھی تک اپنے میزبان کے نام سے واقف نہیں ہیں۔"

"میرا نام جارج اسٹارک ہے۔ پہلے میں قونصل خانے میں ویزا افسر ہوا کرتا تھا۔ آج کل کمرشل سیکشن کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ میری بیوی کا نام نینسی ہے۔ بچوں کے نام ٹیڈ اور موہر ہیں۔"

مجھے جان سے نمٹنے کے بعد بھی ویرا تک پہنچنے کا معاملہ بہت مشکل اور سنگین نظر آرہا تھا لیکن جارج نے سامنے آکر ہماری مشکل کو اس قدر آسان کردیا تھا کہ مجھے اپنے مقدر کی یاوری پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ ہماری بہت ہی اچھی اور بُری باتوں سے واقف ہونے کے باوجود ہم سے اس طرح تعاون کر رہا تھا جیسے وہ بھی اس کے بڑوں کا حکم رہا ہو۔

"نینسی اسی قدر حساس اور زود رنج ہے تو میرا مشورہ ہے کہ جان کو اپنے گھر مت لے جاؤ" اول خان نے اسے رائے دی۔ "اس کے بگڑے ہوئے چہرے اور خون میں نہائے ہوئے دھڑ کو دیکھ کر وہ ہذیانی کیفیت سے دوچار ہو سکتی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ ٹانگیں چیرے جانے کی وجہ سے جان کی کافی جلد پھٹ چکی ہے..."

"بس، زیادہ منظر کشی مت کرو" جارج نے ہاتھ اٹھا کر اول خان کو خاموش کردیا "تمہاری بات میری سمجھ میں آرہی ہے" اس کی پیشانی پر اچانک ہی تفکر آمیز سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

"تم چاہو تو ہم اسے اسپتال پہنچا سکتے ہیں" میں نے اسے ایک اور پیش کش کی۔

"نہیں، تم اس کے جانی دشمن ہو۔ میں اسے تمہارے رحم و کرم پر چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے ٹکا سا جواب دے دیا اور میں سٹپٹا کر رہ گیا۔

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ موقع پا کر اول خان میرے قریب سرک آیا اور عام سے انداز میں اردو میں بولا "سنی کے بارے میں جھوٹ بول کر تم نے خطرہ مول لیا ہے۔ اس کی لاش یہاں سے غائب ہونی چاہیے ورنہ ہمارے ہاتھ آتا ہوا ایک شکار نکل جائے گا۔ ہم نے اسے مطمئن کردیا تو آگے چل کر یہ ہمارا مخبر بھی بن سکتا ہے۔"

"ابھی میں نے سنی کا نام سنا ہے" اول خان کے خاموش ہوتے ہی جارج بول پڑا "اس کے بارے میں تم لوگ اپنی زبان میں کیا باتیں کر رہے ہو؟"

"سنی کی طرف سے متوقع حملے کی بات ہو رہی تھی" میں نے جلدی سے کہا "جان کو یہاں چھوڑا گیا اور سنی پہنچ گیا تو وہ جان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہم نے تمہاری وجہ سے اپنے دشمن کو معاف کردیا ہے تو اب اسے زندہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مارا گیا تو ہمارا ایثار رائگاں جائے گا۔"

"تم مشورے کرو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔"

"یہ مخبر بننے والوں میں سے نہیں ہے" میں نے اردو میں اول خان سے کہا "یہ باتیں بعد میں کی جا سکتی ہیں۔ فی الحال یہ سوچو کہ مردے کا کیا کیا جائے۔ اس لاش کا جارج کی نظروں میں آنا واقعی مناسب نہیں ہے۔"

"میں کسی کو فون پر ہدایت دیے دیتا ہوں۔ ہم لوگوں کے یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اپنا کام کر گزرے گا۔"

"اللہ ورایو یہ کام کیوں نہیں کر سکتا؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا "وہ یہیں موجود ہے۔ ذرا سی دیر میں سنی کو غائب کر سکتا ہے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ یہاں آیا تھا۔"

"میں نے بھی سوچا تھا مگر وہ موٹر سائیکل پر آیا ہے۔ لاش کیسے لے جائے گا۔"

"اس وقت تمہاری کھوپڑی شاید کہر آلود ہو رہی ہے۔ اگر تم اپنی گاڑی اس کے حوالے کردو تو کسی دقت کے بغیر یہ کام خوش اسلوبی سے پورا ہو سکتا ہے۔"

"اور ہم اپنے اس نئے ہمدرد سے لفٹ لیں گے؟" اس کا لہجہ استفسار طلب تھا۔

"ہم اللہ ورایو کی موٹر سائیکل استعمال کرلیں گے۔ جارج کو یہ باور کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ ہم دونوں موٹر سائیکل پر سوار ہو کر یہاں آئے تھے۔ واپسی پر ویرا کے لیے ٹیکسی لے لی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اسے باتوں میں لگاؤ۔ میں اللہ ورایو کو ہدایات دے کر آتا ہوں۔"

"تم ہم پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا کہ جان کے لیے کیا کیا جائے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد تھکی ہوئی آواز میں جارج سے کہا "تم نے اس بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں دوسروں سے زیادہ امریکن نہیں ہوں" اس نے قدرے چڑچڑے لہجے میں جواب دیا "اگر جان کی کوئی اہمیت ہے تو اس کے بارے میں دوسروں پر بھی برابر کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے۔"

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی" میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں تک جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ میں نے پوری ذمّے داری سے اپنا کام نبھایا ہے۔ اس سے آگے میری مجبوریاں حائل ہیں۔ میں قونصل خانے کے ریذیڈنٹ میڈیکل آفیسر کو مطلع کیے دیتا ہوں۔ وہ خود ہی ایمبولینس بھیج کر جان کو یہاں سے اٹھوا لے گا۔ وہ بھی امریکی قومیت کا حامل ہے۔ اسے میرا ہاتھ بٹانا ہوگا۔"

اس کی وہ تجویز قابلِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ خطرناک بھی تھی۔ ہماری موجودگی میں جو لوگ جان کو لے جانے کے لیے آتے، ان کا جارج کے خیالات سے متفق ہونا قطعی ضروری نہیں تھا۔ ہماری موجودگی کی اطلاع ملتے ہی وہ محاذ آرائی پر کمربستہ ہو سکتے تھے۔ اگر ایمبولینس کی آمد کے ساتھ وہاں کوئی نیا ٹکراؤ شروع ہو جاتا تو ویرا کو نکال لے جانے کا معاملہ کھٹائی میں پڑ سکتا تھا۔

"میڈیکل آفیسر کو تم کیا کہانی سناؤ گے؟" میں نے تشویش سے سوال کیا۔

"کہانی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو ہوا ہے، وہ صاف صاف بتادوں گا۔"

اس خبطی کے عزائم خطرناک تھے۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ حق و صداقت اور انصاف کا پرچم بلند رکھنے کی دھن میں وہ ہمارا بیڑا غرق کرنے کے پورے پورے اسباب مہیا کردیتا۔

"تمہاری اس کہانی میں ہمارا ذکر بھی آئے گا" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"لازمی بات ہے۔ جان خود بخود زخمی ہو کر تو اپنے ہاتھ پیر نہیں باندھ سکتا۔"

"تم یہ ذمّے داری مفرور سنی پر بھی ڈال سکتے ہو۔ مصلحت کی خاطر بولا جانے والا جھوٹ، جھوٹ نہیں کہلاتا" میں نے زور دے کر کہا۔ اس وقت تک اول خان موقع پا کر خاموشی سے باہر کھسک گیا تھا۔

"لیکن مصلحت آمیز جھوٹ بھی کیوں بولا جائے۔ میں نے باتیں چھپائیں تو جان ہوش میں آکر سب کچھ بتادے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں دروغ گوئی نہ کروں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اس کے پوچھے بغیر میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ تم لوگ اس وقت بھی میرے مکان میں موجود ہو۔ میرا مقصد کسی کو پکڑوانا یا سزایاب کرانا نہیں ہے۔ میں صرف اور صرف جان کی زندگی بچانے کا خواہش مند ہوں۔"

"سنو جارج!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر، اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "تم ایک اچھے آدمی ہو۔ جھوٹ، فریب اور مکاریوں سے بھرے اس دور میں تم جیسے لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ اسی احترام کی وجہ سے ہم نے ہتھیار واپس رکھ لیے ہیں اور تم سے کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں ورنہ ہمارے سامنے متبادل راستہ بھی موجود تھا۔ جان بتا چکا ہے کہ ویرا تمہارے گھر میں ہے۔ تمہارے نتھنے سے سر پر زخم لگا کر ہم تمہیں بھی جان کے ساتھ اس کمرے میں بند کردیں اور تمہارے گھر میں گھس جائیں تو کون ہمیں روک سکے گا۔ اس خوفناک کارروائی سے حساس اور نرم دل نینسی دہشت زدہ ہو جائے گی.... تمہارے لیے مسائل کھڑے ہو جائیں گے مگر ہم بہت آسانی سے ویرا کو نکال لے جائیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکے گی۔"

"میں تمہاری دھمکی سمجھ رہا ہوں" وہ بے چینی سے بولا۔ "تم چاہو تو مجھے گولی بھی مار سکتے ہو۔"

"ہم بے مقصد خوں ریزی نہیں کرتے۔ ہم دہشت گرد نہیں ہیں.... میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ میں نے تمہیں دھمکی نہیں دی ہے۔ حقائق سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب تمہارا رویّہ کچھ بھی ہو، ہم تم پر تشدد کر کے تمہارے اہلِ خانہ کو ہرگز ہراساں نہیں کریں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسے صدمات سے گزرنے والے بعض افراد عمر بھر کے لیے اپنا ذہنی توازن تک کھو بیٹھتے ہیں۔ نینسی پر یہ ظلم نہیں کیا جا سکتا۔"

میں نے تلخ کلامی کے بجائے نرم اور ہمدردانہ لہجے میں اسے وہی سمجھانے کی کوشش کی تھی جو وہ سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک صلح جو، راست گو اور مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا۔ اس کی ذکاوت میں بھی کوئی کلام نہیں تھا۔ وہ میری زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی روح کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"جان میرے پاس پناہ لینے آیا تھا۔ یہ بات کئی افراد کے علم میں ہے۔ اب وہ یہاں زخمی بلکہ بے ہوشی کی حالت میں بندھا ہوا پڑا ہے۔ تمہارے ذکر کے بغیر جان کی اس درگت کا جواز کہاں سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ جھوٹ بولنا تمہارے مزاج کے خلاف ہے۔ یہ بات تمہارے بڑے اور ساتھی بھی جانتے ہوں گے۔ تم ایک مرتبہ جو کچھ بتادو گے اس پر یقین کرلیا جائے گا۔ تمہیں جرح کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"مسئلہ تو یہی ہے کہ میں انہیں کیا بتاؤں؟ میں ایسی کہانی کہاں سے لاؤں جو تمہارے لیے بھی قابلِ قبول ہو۔"

"جان تمہارے پاس روپوش تھا لیکن تم کو جواب دہ نہیں تھا۔ تمہیں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کن لوگوں سے اور کس قسم کے رابطے کر رہا تھا۔ دس بجے وہ تمہارے احاطے کی دیوار کود کر ایک اہم کام کے بہانے سردار وجاہت اللہ کے احاطے میں پہنچا۔ اس نے دس منٹ بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو تم اسی راستے سے یہاں پہنچے اور تمہیں جان موجودہ حالت میں نظر آیا۔ تمہیں وہ پولیس کیس نظر آرہا تھا اس لیے تم نے اسے چھیڑنے یا اٹھا کر اپنے گھر لے جانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے میڈیکل آفیسر کو مطلع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت تیرنے لگی پھر اس نے تعریفی لہجے میں کہا "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جان چند منٹ میں واپسی کی یقین دہانی کرا کے ادھر آیا تھا۔ اس کہانی میں کسی کا نام نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر بات اپنی جگہ سچ اور پتھر کی طرح اٹل ہے۔"

"خوشی کی بات ہے کہ میرا مشورہ تمہیں قابلِ قبول محسوس ہو رہا ہے۔"

"اب انتظار کی کیا ضرورت ہے۔ میں یہیں سے ڈاکٹر مونڈیل کو فون کیے دیتا ہوں۔"

"ابھی ساڑھے دس بھی نہیں بجے۔ تھوڑا سا وقت گزر جانے دو۔ تمہارا اتنی سرعت سے تفتیش کے لیے نکل پڑنا دوسروں کے ذہن میں بھانت بھانت کے شبہات کو جنم دے سکتا ہے۔"

وہ ایک بہانہ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں اول خان کو اتنی مہلت دینی چاہتا تھا کہ وہ اللہ ورایو کو سنی کی لاش کے بارے میں پوری بات سمجھا کر واپس لوٹ آئے تاکہ اللہ ورایو ہمارے جاتے ہی اپنا کام کر سکے۔

"تمہارا کہنا ہے کہ ہمارے مشن کی طرف سے تمہارے اوپر عائد کیے ہوئے الزامات بے بنیاد ہیں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد جارج اسٹارک نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"یہ میرا کہنا نہیں، حقیقت ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پاکستان میں بھی کسی نہ کسی حد تک قانون کی حکمرانی ہے۔ اگر میں اتنا ہی خطرناک مجرم تھا تو مقامی حکّام ایک طویل مدت تک مجھے کیوں نظرانداز کرتے رہے۔ آخر کیا سبب ہے کہ میری اور راس المیڈا کی لڑائی چھڑتے ہی میرے اوپر الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ مقابلوں میں مار کھانے کے بعد وہ لوگ دوسرے حربوں سے مجھے زیر کرنا چاہ رہے ہیں۔"

اسی وقت اول خان باہر سے لوٹ آیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ اسے اپنے انتظامات میں کوئی غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔

جارج نے سرسری نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔ "مقامی حکّام کی چشم پوشی کی وجوہ بتائی جاتی ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ تم بعض حساس ایجنسیوں کے انفارمر بھی ہو۔ وہی تم کو بچاتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے بڑے ایک سرکاری انفارمر سے لڑ رہے ہیں" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "اگر ان کو معلوم ہے کہ میں کسی ایجنسی کا انفارمر ہوں تو انہیں مجھ سے دور رہنا چاہیے۔ اس ملک میں رہ کر یہاں کے کسی بھی سرکاری اہل کار کے خلاف کام کرنا سفارتی آداب کے منافی ہے۔ مجھ پر جھوٹا سچا الزام لگانے کے چکر میں وہ لوگ خود ہی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے پھرتے ہیں۔"

"معلوم ہو رہا ہے کہ ہم نے یہ رات جان کے سوگ میں اسی کے سرہانے گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے" اول خان نے بلند آواز میں دخل انداز ہوتے ہوئے ہم دونوں کو ٹوکا۔

"اوہ!" جارج یک بیک مضطرب ہو گیا "دیر ہونے سے نینسی پریشان ہو جائے گی۔ میں ڈاکٹر مونڈیل کو اپنے گھر سے بھی فون کر سکتا ہوں اور پھر ویرا کا قصہ بھی طے ہونا ہے۔"

ہم دونوں اس کے ساتھ دروازے کی طرف پلٹے مگر وہ جاتے جاتے جم کر کھڑا ہو گیا۔ چند ثانیوں تک وہ باری باری ہم دونوں کو گھورتا رہا پھر سپاٹ آواز میں بولا "یہ نہ سمجھنا کہ تم نے اپنی باتوں میں الجھا کر مجھے بے وقوف بنا لیا ہے۔ میں سوچ سمجھ کر تمہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ وہاں تم میرے یا میرے بال بچوں کے لیے کسی قسم کی دشواریاں کھڑی نہیں کرو گے۔"

میں نے اپنی جیب سے سنی کا بھرا ہوا ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "خیر سگالی کے اظہار میں میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔ ہم میں سے کوئی اپنے وعدے سے انحراف کرے تو اسے اسی ریوالور سے شوٹ کر دینا۔ ہمارے برتاؤ سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

اس نے میرے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور اسے چیک کر کے سیفٹی کیچ لگایا اور پھر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

وہ ایک جھٹکے سے واپسی کے لیے چلا تو میں نے راہداری کا ایک بلب روشن کر دیا۔ بلی کے تھیلے سے باہر آجانے کے بعد وہ احتیاطی تدابیر اپنی افادیت کھو بیٹھی تھیں۔

ویران عمارت کے فرش پر ہمارے قدموں کی آواز بہت نمایاں تھی۔ یہ قدرے عجیب سی بات تھی کہ سردار وجاہت اللہ نے کمروں میں پورے فرش پر دبیز قالین ڈلواتے ہوئے راہداریوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔ اس فرق کا ایک فائدہ ضرور تھا کہ کمروں میں موجود افراد کو آنے جانے والوں کی آہٹوں سے اپنے آس پاس ہونے والی نقل و حرکت کا مکمل علم ہو سکتا تھا اور شاید اس کنگال کروڑپتی کی سوچ بھی یہی رہی ہو۔

"ذرا اس کمرے میں چلو" اول خان نے جارج اسٹارک سے فرمائش کی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اسی کمرے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس میں سنی کی بگڑی ہوئی لاش موجود تھی۔

"سنی سے اس کمرے میں ہمارا ٹکراؤ ہوا تھا" اول خان نے ایک دیوار گیر بلب روشن کر کے کہا "پھر وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ یہاں گرد و غبار پر تمہیں جدوجہد کی علامات مل جائیں گی۔"

اس وقت کمرا خالی پڑا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اول خان مجھے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اللہ ورایو کو محض ہدایات دینے کے بجائے سنی کی لاش اپنی گاڑی میں ڈال کر وہاں سے روانہ کر دیا تھا۔ ہمارے حساب سے میدان صاف ہو چکا تھا۔

"تم مجھے اس کمرے میں کیوں لائے ہو؟" جارج نے الجھ کر اول خان سے سوال کیا۔

"محض تمہاری تسلی کے لیے" اول خان نے دیدہ دلیری سے کہا "ورنہ تم یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ ہم نے سنی کو مار کر کہیں ڈال دیا ہے اور تم سے غلط بیانی کر رہے ہیں۔"

"اس وقت سب کٹھ پتلیاں ہیں۔ میری نظروں میں صرف دو افراد کی اہمیت ہے" اس نے کمرے سے نکل کر دوبارہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "جان سیموئیل اور ویرا لائیڈ۔ جان کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے اور ویرا کو اس کی مرضی کے مطابق تمہارے یا جان کے ساتھ رہنے کی آزادی ملنی چاہیے۔ سنی صرف ایک بہانہ تھا، جان کی بدقسمتی کا بہانہ۔ وہ آیا اور جان کے لیے ایک مشکل صورتِ حال پیدا کر کے چلا گیا۔"

"میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ جان کو اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی" اول خان اردو میں بڑبڑایا "اس کے زخموں سے کافی خون بہہ چکا ہے اور بند پپوٹوں کے نیچے اس کی آنکھوں کی پتلیاں بہت اوپر جا چکی ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے وہ بھی جہنم واصل ہو جائے گا۔"

جارج اول خان کی زبان سے اردو سن کر چونکا تھا۔ میں نے اسے اطمینان دلانے کے لیے ناخوشگوار لہجے میں اول خان سے کہا۔ "تم جان کے لیے اپنے ان ہمدردانہ جذبات کا اظہار اردو کے بجائے انگریزی میں بھی کر سکتے تھے۔ تمہارے اردو بولنے سے جارج کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"فطری بات ہے۔" جارج نے میری تائید کی "مگر یہ بات بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ اضطراریا بے ساختگی کے عالم میں ہر شخص اپنی مادری زبان ہی بولتا ہے۔ ویسے یہ کیا کہہ رہا تھا؟"

"سوری جارج!" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "مجھے جان کی حالت تشویش ناک لگ رہی ہے مگر مجھے یہ بات انگریزی میں کہنی چاہیے تھی۔ ان نازک لمحات میں باہمی اعتماد سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"تم لوگوں کی گاڑی کس طرف ہے؟" جارج نے باہر کھلی فضا میں پہنچنے کے بعد پوچھا "اب ہم دیوار کے بجائے گیٹ سے مکان میں داخل ہوں گے۔ اپنی گاڑی اسی طرف لے چلو۔"

"ہم موٹر سائیکل پر آئے ہیں" اول خان نے کہا "تم ڈینی کے ساتھ چلو۔ میں موٹر سائیکل ادھر لے آتا ہوں۔"

باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں میری متجسس نگاہیں ہر سمت میں دوڑ رہی تھیں لیکن اللہ ورایو کا کہیں پتا تھا، نہ اول خان کی گاڑی کہیں موجود تھی۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سنی کی لاش ٹھکانے لگانے کے مشن پر روانہ ہو چکا تھا۔

"اگر آج کے دور میں سفارتی کاموں کا مطلب سازشوں کو پروان چڑھا کر ناپسندیدہ لوگوں کی سرپرستی کرنا رہ گیا ہے تو یہ کام مجھے راس نہیں آسکے گا" میرے ساتھ اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے جارج خود کلامی کے انداز میں آزردگی سے کہنے لگا۔ "میرے لیے تعلیم و تدریس کا پیشہ ہی بہتر تھا۔"

"سیاست اور سفارت قناعت پسند یا راست باز لوگوں کے لیے نہیں ہوتی" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شعبے ان اولوالعزم اور دنیا دار لوگوں کے لیے ہیں جو راتوں رات دولت، شہرت اور اقتدار پر قابض ہونے کا آئیڈیل لے کر ساری عمر جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ تمہارے لیے مشی گن یونیورسٹی ایک بہتر جگہ تھی۔"

"جب میں دیوار سے کودا اور تم نے میری گردن ناپی تو مجھے اپنے وجود پر شرم آنے لگی تھی۔ میری ایسی اہانت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ غنیمت ہوا کہ میرا واسطہ تم جیسے شریف حریف سے پڑا۔ کوئی عادی مجرم ہوتا تو وہ مجھے گولی ہی مار دیتا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن ایسی شرمناک موت سے ضرور ڈرتا ہوں جس کے بعد میرے بیوی بچے بھی میرے کردار کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں۔ بڑوں سے ورثے میں ملنے والی داغ دار شہرت نئی نسل کی ہر کامیابی کو نگل جاتی ہے۔"

چکر کاٹ کر ہم جلد ہی جارج کے مکان کے قریب پہنچ گئے۔ اول خان نے عقل مندی کی کہ ہمارے بعد وہاں آیا ورنہ گیٹ پر رکنے والی موٹر سائیکل چوکیدار کو چوکنا کر سکتی تھی۔

جارج نے گھنٹی بجانے کے بجائے چوکیدار کو آواز دے کر گیٹ کھلوایا۔ مسلح اور چاق و چوبند چوکیدار اپنے مالک کو دو اجنبی چہروں کے ساتھ باہر موجود پا کر حیران رہ گیا۔ اس کی دانست میں اس کے مالک کو گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ جارج دیوار پھاند کر پیچھے والے احاطے میں کودا تھا۔

نگاہوں میں تیرتی ہوئی حیرت کے باوجود چوکیدار جارج سے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ وہ باوقار انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اول خان نے اپنی موٹر سائیکل باہر ہی چھوڑ دی جسے چوکیدار اندر دھکیل لایا۔

جارج کا مکان بہت خوب صورت تھا۔ لان میں جا بجا بنی ہوئی کیاریوں اور بے شمار گملوں میں کھلے ہوئے رنگا رنگ موسمی پھول خوب بہار دے رہے تھے۔ برآمدے میں واقع داخلی دروازہ بند تھا۔ شاید اس کی بیوی پچھلے حصے میں اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

جارج نے ہمیں برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی آرام دہ کرسیوں پر بٹھایا اور خود دروازے پر دستک دینے کے بجائے برآمدے سے اتر کر گھر کے پچھلے حصے کی طرف چل دیا۔

"اس وقت جارج کی نیت میں فتور آجائے تو ہم لوگ بہت آسانی سے مار لیے جائیں گے" اول خان نے دھیرے سے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا لیکن بہت زیادہ مطمئن بھی نہیں تھا۔

"مجھے اس سے کسی گڑبڑ کی امید نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کی واپسی تک ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ ستارے ساتھ نہ دے رہے ہوں تو سایہ بھی زمین سے اٹھ کر حملہ آور ہوتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔"

بظاہر ہم دونوں کرسیوں پر براجمان تھے لیکن ہماری بے چین

نظریں مسلسل چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ آخر کئی منٹ بعد برآمدے میں کھلنے والے دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔

وہاں جارج اکیلا کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے سائے لرزاں تھے۔ اس کی دعوت پر ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ اس آراستہ کمرے میں آرائش کے لیے ثروت و امارت کے مظاہرے سے زیادہ سلیقے سے کام لیا گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر تحفظ' تازگی اور آرام کا احساس ہوا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ نینسی بہت حساس عورت ہے" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "وہ اس بات پر پریشان ہوگئی ہے کہ میں دیوار سے جاکر گیٹ سے واپس آیا ہوں اور دو مقامی میرے ساتھ ہیں۔ کراچی میں مقیم امریکنوں کو درپیش خطرات کی باربار کی یاددہانیوں نے نینسی کو مقامیوں سے خوف زدہ کیا ہوا ہے.... وہ تمہاری میزبانی نہیں کرسکے گی۔ میں اس وقت اسکاچ کی شدید طلب محسوس کررہا ہوں۔ تم دونوں کیا پسند کروگے؟"

"میں تمہارا ساتھ دوں گا" جارج کی پیش کش پر میرے دل کے کسی خانے میں خوابیدہ مے نوشی کی خواہش اچانک بیدار ہوگئی۔ اول خان کی طرف اشارہ کرکے میں نے بات جاری رکھی۔ "اس کے لیے جوس لے آؤ۔"

"گڈ!" جارج کے پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیرگئی "مجھ سے ملنے والے بیشتر پاکستانی شراب سے انکار نہیں کرتے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں کو بنیاد پرست کیوں کہا جاتا ہے؟"

اس کا وہ بے ساختہ اور معصومانہ سوال بہت سخت تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اول خان کا چہرہ سرخ ہوگیا پھر اس نے سنبھل کر کہا "یہ سیاسی باتیں ہیں۔ ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔"

ڈرائنگ روم سے ملحق کھانے کا کمرا تھا۔ جارج ایک کیبنٹ میں سے جملہ لوازم ٹرے میں رکھ کر وہیں لے آیا پھر اس نے فرج میں سے آئس ٹرے بھی نکال لی۔ مغربی آداب و روایات کے مطابق پہلے اس نے فروٹ جوس کی بوتل سے اول خان کا گلاس لبریز کیا پھر میرے اور اپنے گلاسوں میں ڈبل پیگ کے برابر اسکاچ انڈیلی۔ میرے لیے وہ مقدار بقدرِ اشکِ بلبل تھی جس سے حلق تر ہونا بھی محال تھا۔

میں نے اپنے گلاس کی مقدار میں خود اضافہ کیا تو جارج حیران رہ گیا "تم تو اسکاچ بھی بیئر کی طرح لیتے ہو۔"

"نہیں' میں اس میں ٹھنڈا پانی ملاؤں گا" میرے جواب پر اس نے اخلاقاً ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اٹھ کر ٹھنڈے پانی کی بوتل لینے چلا گیا۔ میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

اس نے برف کے ڈلے ڈالے' میں نے اپنے گلاس کو پانی سے بھرلیا پھر بھی میرے گلاس کا رنگ گہرا تھا۔

"ہماری نئی دوستی کے نام!" جارج نے جام تجویز کیا۔ دونوں گلاس بیک وقت لبوں تک گئے اور پھر میز پر آگئے۔ جارج نے اپنے لب تر کیے تھے۔ میرے دہانے سے معدے تک آگ کی ایک گہری لکیر اترتی چلی گئی تھی۔

"ویرا کہاں ہے؟ ہمیں اس کے پاس لے چلو" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"وہ ایک خواب گاہ میں سو رہی ہے۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ گیارہ بجے کے قریب ہوش میں آئے گی۔ اتنی دیر تک تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ سوتی ہوئی عورت کے کمرے میں مردوں کا جانا مناسب نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور دوبارہ بولا "سوا دس بج رہے ہیں۔ اب میں ڈاکٹر مونڈیل سے بات کرلوں۔"

وہ اپنا گلاس لے کر ڈرائنگ روم کے اس گوشے میں چلا گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔

"اگر ویرا کے ہوش میں آنے سے پہلے ڈاکٹر مونڈیل یہاں آگیا اور اس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کردیا تو کیا ہوگا؟" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا اور میں بھی مضطرب ہوگیا۔

اس بارے میں مَیں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ڈاکٹر مونڈیل سردار وجاہت اللہ کے مکان سے جان کو اٹھاکر رخصت ہوجاتا۔ اصولی طور پر اسے پہلے جارج کے گھر آنا چاہیے تھا پھر اسے ساتھ لے کر جان کی طرف جانا چاہیے تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جارج کو کس طرح فون کرنے سے روکوں؟

میں نے جارج کی طرف دھیان دیا تو وہ فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کا مونڈیل سے رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ اس بارے میں کچھ سوچنا بے سود تھا۔ اب ہمیں آنے والے وقت کی تیاری کرنی تھی۔ ڈاکٹر مونڈیل ہمیں کسی بھی طرح آسانی سے نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

کئی منٹ تک میرا ذہن ان ہی باتوں میں الجھا رہا۔ گلاس میں سے آتشیں سیال میرے معدے میں منتقل ہوتا رہا اور پھر میں نے مدافعانہ سوچ یکسر مسترد کردی۔

ہم ہر قیمت پر ویرا کو آزاد کرانے کا مشن لے کر گھر سے نکلے تھے۔ تشدد آمیز ٹکراؤ کے بعد خوش قسمتی سے جارج اسٹارک ہمارے سامنے آگیا۔ اس کے مفاہمانہ رویّے کی وجہ سے ہمارے بعد کے مراحل آسان ہوگئے اور ہم لڑے بھڑے بغیر اس وقت جارج کے مکان میں موجود تھے۔

جہاں تک جارج اور اس کے بیوی بچوں کا تعلق تھا' میں ان میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا لیکن ڈاکٹر مونڈیل اگر ہمارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتا تو اسے طاقت کے بل پر زیر کیا جاسکتا تھا اور پھر ہم طاقت ہی کے بل پر ویرا کو وہاں سے نکال لے جاسکتے تھے۔

اس ناخوش گوار تصادم کے نتیجے میں جارج اور اس کے اہلِ خانہ کا متاثر ہونا ناگزیر تھا مگر جارج اس کے لیے ساری ذمے داری ہمارے سر نہیں ڈال سکتا تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے افکارِ تازہ سے باخبر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ خوش ہوکر بولا "خدا کا شکر ہے کہ تم نے ان خطوط پر سوچنا شروع کردیا ورنہ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے جارج کے گھر سے رخصت ہونے تک تم مہاتما بن کر عدم تشدد کی زندگی اپنالوگے۔"

جارج ٹیلی فون پر گفتگو سے فارغ ہوکر ہم لوگوں کے پاس لوٹ آیا۔

"ڈاکٹر مونڈیل ایمبولینس میں اپنے دو آدمی لے کر آرہا ہے" اس نے آتے ہی اعلان کیا "سامنا ہوجائے تو تم دونوں کو اس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس وقت جان کے لیے بہت فکرمند ہے۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔"

"تو کیا وہ سیدھا تمہارے گھر آرہا ہے؟" اول خان بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

"اور کہاں جائے گا؟ سردار وجاہت اللہ کا گھر اس کے لیے اجنبی ہے" اس نے کہا اور اپنا گلاس خالی کرکے یہ کہتا ہوا اٹھ گیا کہ وہ نینسی کو دیکھ کر چند منٹ میں واپس آجائے گا۔

"میں سنتا رہا ہوں کہ مغرب میں خاندانی رشتے بہت کمزور اور ہر احترام سے عاری ہوتے جارہے ہیں لیکن جارج اپنے رویّے سے ان سب باتوں کو غلط ثابت کررہا ہے" اول خان نے خوش گوار حیرت سے کہا۔

"جارج اسٹارک کی ذات میں اخلاق' کردار اور زندگی کی دوسری قدروں کا ایک عمدہ تسلسل موجود ہے۔ اسے اپنی عزتِ نفس عزیز ہے۔ فریب کاری سے نفرت ہے' وہ قناعت پسند ہے اور اسی لیے بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے۔ لالچی اور مکار شخص تو شاید اپنی ذات سے بھی وفادار نہیں ہوتا" میں کہنے لگا "زندگی بہت سی اقدار کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جارج کو صحیح تربیت اور صحبت ملی ہے اس لیے وہ مثالی رویّوں کا عادی نظر آتا ہے۔ بگڑے ہوئے لوگ قدم قدم پر ان اقدار کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

اس کی واپسی تک ہم دونوں اسی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ اپنے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے وہ اسی لائق تھا کہ اس کے بارے میں باتیں کی جاتیں اور اس کی کامیاب زندگی سے سبق لیا جاتا۔

جب وہ سر جھکائے اپنے لیے اسکاچ کا دوسرا گلاس بنا رہا تھا تو میں یہ سوچ کر دل ہی دل میں نادم ہورہا تھا کہ میں امریکنوں کو مجموعی طور پر ہمیشہ برے القاب سے یاد کرتا رہا تھا جب کہ جارج بھی امریکن ہی تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ جارج سے پہلے جو لوگ مجھ سے ٹکرائے وہ سب ہی چالاک' مکار اور خونی درندے تھے۔ ایسے لوگوں کے ذریعے کسی بھی قوم کا صحیح تعارف حاصل نہیں ہوتا کیونکہ قوم بہرحال افراد ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ افراد کے مزاجوں کا تضاد ظاہر کرنے کے لیے راس المیڈا اور جارج اسٹارک کی صورت میں دو جیتے جاگتے امریکن میرے سامنے تھے۔

ڈیفنس کراچی کا ایک کشادہ اور بہت پُرسکون علاقہ ہے جہاں اندرونی حصوں میں ٹریفک کا شور تو درکنار' ہارن کی آواز بھی بھولے بھٹکے ہی سنائی دیتی ہے۔ جارج کا مکان ایسے ہی علاقے میں واقع تھا۔ باہر ہارن کی تیز آواز گونجی تو ہم تینوں ہی بری طرح چونکے تھے۔

"یہ باہر کے کسی آدمی کی حرکت ہے" جارج نے خوش دلی سے کہا "ڈیفنس کے مکین عام طور پر یوں ہارن نہیں بجاتے۔"

"ہاں.... ڈیفنس میں سارے ہی فرشتے جو رہتے ہیں" اول خان نے زہرخند کے ساتھ کہا۔

"نہیں' یہاں چور' ڈاکو' اسمگلر اور قاتل بھی ضرور رہتے ہوں گے۔ یہاں ہر مکان اپنی جگہ پر ایک جزیرہ ہے۔ کسی کو غرض نہیں ہوتی کہ اس کے پڑوس میں کون رہ رہا ہے۔ اس ماحول میں بدنام لوگوں کو چھپنے کا موقع مل جاتا ہے مگر وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی ایسی حرکتوں سے گریز کرتے ہیں تاکہ نظروں میں نہ آئیں...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ مسلح چوکیدار دروازے پر آموجود ہوا تھا۔

"ڈاکٹر مونڈیل ایمبولینس میں آئے ہیں۔ آپ کو باہر بلا رہے ہیں" جارج کے متوجہ ہونے پر اس نے انگریزی فقرے جس لب و لہجے میں ادا کیے تھے اس کا قریب ترین ترجمہ یہی ہوسکتا تھا۔

"میں آتا ہوں" جارج یہ کہہ کر سرعت سے باہر نکلتا چلا گیا۔

میرے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ ڈاکٹر مونڈیل نے خود اندر آنے کے بجائے جارج کو باہر بلایا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جلد از جلد جان تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ وہاں جان جس ابتر حالت میں پڑا ہوا تھا اس کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ مونڈیل طبی امداد کا فوری آغاز کرکے اسے جلد از جلد کسی آپریشن تھیٹر تک لے جانا چاہے گا اور یوں واپسی میں بھی اس سے سامنا ہونے کا خطرہ ٹلتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"گلاس جلدی ختم کرلو" اول خان نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"کیوں؟ کیا ارادہ ہے تمہارا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"پونے گیارہ بج چکے ہیں" اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کرتے ہوئے کہا "جارج دس پندرہ منٹ میں واپس نہیں آسکے گا۔ ڈاکٹر مونڈیل بھی آگیا ہے۔ ہمیں جلد از جلد ویرا تک پہنچنا چاہیے۔"

جارج اسٹارک کی غیر موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر مکان کے اندرونی حصوں میں گھسنا غیر اخلاقی حرکت تھی۔ بات صرف جارج کی ہوتی تو میں سختی سے اول خان کی مخالفت کرتا لیکن جارج جن لوگوں کے لیے کام کررہا تھا وہ بدترین فتنہ گر تھے اور اخلاقی نزاکتوں پر غور کرنے سے زیادہ حریف کو ادھیڑ ڈالنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

اول خان کے ساتھ اندرونی حصے میں چکراتے ہوئے مجھے یہ اندیشہ لاحق تھا کہ ہم ویرا کی تلاش میں کہیں فینسی کی خواب گاہ میں نہ جا گھسیں۔ اس بدتمیزی پر خوف کی وجہ سے وہ شاید ہمیں تو کچھ نہ کہتی لیکن جارج پر ضرور برہم ہوتی کہ اس نے تہذیب سے عاری مقامیوں کو اپنے گھر میں کھلا چھوڑ دیا تھا۔

ہم نے کہیں طبع آزمائی کرنے سے پہلے یکے بعد دیگرے ہر بند دروازے کا جائزہ لے ڈالا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس گھر میں سونے کے صرف تین ہی کمرے تھے۔ ان میں سے اگلے سرے پر بنا ہوا کمرا ایسا تھا جو بیرونی دروازہ ہونے کی صورت میں شاید پورے گھر سے الگ تھلگ ہوکر گیسٹ روم کا کام دے سکتا تھا۔

اول خان نے آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھما کر زور ڈالا مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اول خان نے دروازے کے اوپری اور نچلے حصوں پر دباؤ ڈالا تو وہ اپنی جگہ سے ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا بلکہ باہر سے مقفل کیا گیا تھا۔

فینسی یا بچوں کے زیر استعمال ہونے کی صورت میں وہ دروازہ بولٹ ہونا چاہیے تھا۔ جارج کی باہر موجودگی میں دروازہ مقفل ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لازمی طور پر بے ہوش ویرا کو اسی کمرے میں رکھا گیا تھا۔

اول خان پنجوں کے بل چلتا ہوا کہیں غائب ہوگیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے پاس موٹے اور پتلے کئی تار کے ٹکڑے موجود تھے جو اس نے میرے حوالے کردیے۔

اس کی اس حرکت پر میں مسکرا کر رہ گیا اور فوراً ہی تار کی مدد سے تالا کھولنے کی کوشش شروع کردی۔

نقب زنی کو میں نے کبھی بھی پیشے کے طور پر نہیں اپنایا تھا لیکن مختلف قسم کے پیچیدہ تالوں کو کھولنا ہمیشہ میرا شوق رہا تھا۔ ڈیڑھ لیور والا وہ ہضمی قفل صرف نمائشی تھا۔ تیسری کوشش میں تالا کھل گیا۔

دروازہ کھول کر ہم دونوں پھرتی سے اندر گھسے۔ سامنے ہی مسہری پر کوئی نازک سا وجود چادر میں لپٹا سو رہا تھا۔ اول خان نے دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کرلیا اور میں مسہری تک پہنچ گیا۔

بدن پر سے چادر ہٹائے بغیر میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ویرا ہی تھی۔ اس نے سر سے پیر تک چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ میں نے دھیرے دھیرے اس کے چہرے سے چادر کھینچ لی۔

وہ ذرا کسمسائی مگر اس کی گہری نیند یا بے ہوشی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر پپوٹوں کی چلمن گری ہوئی تھی۔ اس سے نیچے لمبی لمبی پلکوں کی جھالر سجی ہوئی۔ سرخ وسفید چہرے پر ایسا بیکراں اطمینان پھیلا ہوا تھا جیسے وہ دشمن کی قید کے بجائے اپنے کمرے میں سو رہی ہو۔

"جارج نے اسی لیے کسی عورت کی خواب گاہ میں اجنبی مردوں کے داخلے کی مخالفت کی تھی" اول خان نے مجھے ٹھوکا دے کر کہا "گھورنے کے بجائے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

سچ یہ ہے کہ ایک طویل وقفے کے بعد اسے بے حجابی کے ساتھ عالمِ خواب میں دیکھ کر مجھ پر بے ساختہ رقت سی طاری ہونے لگی تھی۔ میں نے جھرجھری لے کر خود کو سنبھالا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی منرل واٹر کی بوتل سے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

پتا نہیں ویرا کے ذہن پر سے مسکن دوا کے اثرات ختم ہورہے تھے یا یہ پانی کے چھینٹوں کا کمال تھا کہ ویرا پہلے کسمسائی پھر اس نے آنکھیں کھولے بغیر کسل مندانہ انداز میں کئی انگڑائیاں لیں اور آخر کار ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت ویرا کی نیلگوں آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو میرا چہرہ اس کے سامنے موجود تھا۔ خمار اور بے یقینی کے عالم میں اس نے دو تین مرتبہ آہستہ آہستہ پلکیں جھپکائیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک والہانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید وہ خوشی سے بے قابو ہوکر چیخ ہی پڑتی مگر میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کردیا۔

"خود پر قابو رکھو۔ ابھی ہم دشمن کے گھیرے میں ہیں" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

وہ اچھل کر بستر سے نیچے آئی اور میرے سینے سے لپٹ گئی۔ وہ اس کا بے ساختہ ردِعمل تھا جس سے اپنائیت پھوٹ رہی تھی۔ فرطِ جذبات یا پھر مسکن دوا کے اثرات سے اس کا بدن ہولے ہولے کپکپا رہا تھا۔ اسی عالم میں اس نے اول خان کو دیکھا اور پھر میری بانہوں سے نکل کر اس سے بغل گیر ہوگئی۔

اس ناگہانی افتاد پر اول خان کے فرشتے کوچ کرگئے۔ وہ بوکھلا کر اپنے دونوں ہاتھ ویرا کے سر پر پھیرنے لگا اور پھر آہستگی سے اسے اپنے بدن سے الگ کردیا۔

"اس بار مجھے یقین نہیں تھا کہ کوئی میری مدد کے لیے پہنچ سکے گا"

وہ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولی "میری سگریٹ پینے کی ایک سادہ سی خواہش نے مجھے موت کے دہانے میں پہنچا دیا تھا مگر میں اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے تیار تھی۔ کیا انہوں نے تم کو بھی پکڑ کر یہاں قید کردیا ہے؟"

"عورت!" میں دھیمے سے غرایا "ہوش کی باتیں کرو۔ قیدی ہوتے تو ہم دونوں بھی تمہاری طرح انٹا غفیل پڑے ہوئے ہوتے۔ ایسے منحوس کلمات منہ سے مت نکالو اور بھاگنے کی تیاری کرو۔"

ویرا اس وقت بھی اسی جینز اور جیکٹ میں ملبوس تھی جو وہ اپنے اغوا کے وقت پہنے ہوئے تھی۔

"ہم لوگ اس وقت کہاں ہیں؟" ویرا نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا پھر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ جان مجھے نشہ آور دوائیں دیتا رہا ہے۔ میں بہت زیادہ کمزوری اور نقاہت محسوس کررہی ہوں۔"

"تمہیں کندھے پر نہیں بٹھایا جائے گا۔ بکھرے ہوئے بالوں میں برش پھیر کر اپنا حلیہ درست کرو تاکہ دشمنوں کو منہ دکھانے کے قابل ہوسکو۔ ان کی ٹولی کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہے۔"

ویرا فوراً ہی دیوار گیر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے پہنچ گئی اور جلدی جلدی حلیہ درست کرنے لگی۔

چند ہی ثانیوں میں ہم تینوں اس کمرے سے باہر نکل آئے۔ گھر میں بدستور سناٹا تھا۔ فینسی اور جارج کے بچے غالباً اپنے اپنے کمروں میں محصور ٹیلی وژن وغیرہ سے محظوظ ہونے لگے تھے کیونکہ اس مرتبہ راہداری میں کسی انگریزی پروگرام کی دبی دبی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اول خان نے پوچھا۔

"بس جارج کا انتظار کریں گے۔" میں نے بے ساختہ جواب دیا "وہ آجائے تو پھر ہم گھر چل دیں گے۔"

"اس چکر میں مت پڑو۔ پتا نہیں ڈاکٹر مونڈل کیا گل کھلا بیٹھے۔

اس وقت میدان صاف ہے۔ خاموشی سے نکل چلو۔ تم پر مروت کا ایسا ہی دورہ پڑگیا ہے تو بعد میں فون کرکے جارج سے معذرت کرلینا۔ اب تک اس کا نمبر بھی آبزرویشن ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہوگا۔"

"گھر سے دوبارہ بات نہیں ہوئی۔ پتا نہیں جان نے دس بجے وہاں فون کیا تھا یا نہیں۔" میں نے کہا۔

"ضرور کیا ہوگا۔ وہ زبان سے کچھ بھی کہتا رہا ہو، اس کے لیے راس المیڈا بہت اہم ہے۔ غزالہ یا سلطان شاہ سے بات ہونے کے بعد ہی وہ سنی سے ملاقات کے لیے نکلا ہوگا اور جارج کا نمبر ریکارڈ پر آگیا ہوگا۔"

"جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرو۔" پورے پس منظر سے لاعلمی کے باوجود ویرا کو اندازہ ہوگیا کہ ہمارے لیے وقت سب سے زیادہ اہم تھا۔ وقت کھو دینے کے بعد ہم افسوس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔

ہم جارج کی واپسی کا انتظار کیے بغیر خاموشی سے وہاں سے نکل بھاگتے تو جارج سے ہمارے آئندہ تعلقات بگڑ سکتے تھے لیکن ہمارا حفاظت سے نکل جانا یقینی تھا۔ اگر ہم وہاں رکتے اور جارج کے ساتھ ڈاکٹر مونڈیل آکر کوئی ہنگامہ کھڑا کردیتا تو سب کچھ خطرے میں پڑجاتا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت سواری کے نام پر ہمارے پاس صرف ایک موٹر سائیکل تھی۔

اس وقت مجھے ایک بات کی خلش تھی کہ خوش گوار ماحول میں کافی دیر تک ایک ساتھ رہنے کے باوجود میں جارج اسٹارک سے نیلو ربا میبے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھ سکا تھا۔

میں نے چند سیکنڈ میں وہاں سے فوراً نکل جانے کا فیصلہ کرلیا اور پھر ہم تینوں برآمدے میں نکل گئے۔

جارج کے مسلح چوکی دار نے ہم تینوں کو حیرت سے دیکھا اور پوچھا "صاحب! جارہے ہو؟"

"ہاں۔ ہوسکتا ہے کہ جارج کو واپسی میں دیر ہوجائے۔ ہم زیادہ دیر تک نہیں رک سکتے۔"

چوکی دار کی آنکھوں میں شکوک وشبہات کی واضح جھلکیاں نظر آرہی تھیں مگر وہ مجبور تھا۔ اس کا مالک ہم لوگوں پر اعتماد کرکے ہمیں گھر میں چھوڑ گیا تھا۔ اگر ہم ویرا کو اپنے ساتھ لے جارہے تھے تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"تم تینوں اس موٹر سائیکل پر ہی جاؤ گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ اس وقت تک اول خان موٹر سائیکل گیٹ سے باہر لے جا کر انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ چوکی دار نے مزید کہا "صاحب پچھلی گلی میں گیا ہے۔ وہ بس واپس آتا ہی ہوگا۔ اس کا انتظار کرلو

تو وہ تمہیں گاڑی دے دے گا۔"

"ہمیں کہیں جانے کی جلدی ہے۔ جارج کو معلوم ہے۔"

اسے حیران و پریشان چھوڑ کر ہم باہر آ گئے۔

شاید ہم تینوں ہی موٹر سائیکل چلا سکتے تھے لیکن اس کا تجربہ کسی کو نہیں تھا اور پھر تین سواریوں کے ساتھ یہ معاملہ اور بھی دشوار نظر آرہا تھا۔ باہر نکلتے ہی ویرا اول خان کے پیچھے چپک کر بیٹھی تو وہ بدک گیا۔

"تم پیچھے بیٹھو۔" وہ بوکھلا کر بولا "اس طرح تو میں کہیں حادثہ کر بیٹھوں گا۔"

"مجھے چکر آرہے ہیں۔ پیچھے سے میں کہیں لڑھک جاؤں گی۔ بیچ میں تم دونوں کا سہارا رہے گا۔"

وہ بڑی احمقانہ صورتِ حال تھی۔ ایک مرتبہ باہر آجانے کے بعد ہمارے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے ڈاکٹر مونڈیل اپنی ایمبولینس سمیت گلی میں نمودار ہو سکتا تھا۔

میں نے ویرا کو زبردستی اتارا' اس کی جگہ خود سنبھالی اور وہ بڑبڑاتی ہوئی میرے پیچھے بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ ڈال کر میری کمر مضبوطی سے کس لی تھی تاکہ گرے تو مجھے ساتھ لے کر ہی گرے۔

اول خان نے گیئر ڈال کر ایک جھٹکے سے موٹر سائیکل چلا دی۔ وہ پہلا جھٹکا اس کے اناڑی پن کا کھلا ثبوت تھا۔ ہماری موٹر سائیکل چند گز بھی نہیں گئی ہوگی کہ سامنے سے اونچی اور بند باڈی والی ایک سفید ایمبولینس گلی میں مڑتی ہوئی نظر آئی اور اول خان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"وہ آگئے اور اب ہمیں کچل دیں گے۔" اول خان ہذیانی انداز میں بولا۔ اس وقت تک ویرا کو ایمبولینس کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔

چند ثانیوں میں وہ دیو ہیکل ایمبولینس اس گلی میں گھوم چکی تھی۔ مڑتے ہوئے اس کی رفتار سست تھی۔ جوں ہی اس کا زاویہ سیدھا ہوا' ہم تینوں ایمبولینس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نہا گئے۔ اس تیز روشنی کے ریلے میں موٹر سائیکل کی مسکین سی ہیڈ لائٹ اپنا وجود کھو بیٹھی تھی۔

"یوٹرن لے کر موٹر سائیکل پوری رفتار سے دوڑا دو۔ شاید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان نے یوٹرن لینے کی کوشش کر ڈالی۔ رفتار کم ہونے کی وجہ سے موٹر سائیکل بری طرح ڈگمگائی' ویرا کے حلق سے ایک سریلی سی بے ساختہ آواز بلند ہوئی اور پھر موٹر سائیکل واپس دوڑنے لگی۔ جارج کے مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ چوکی دار اس وقت بھی ذیلی کھڑکی کھولے کھڑا تھا۔

وہ موٹر سائیکل بنانے والوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ کبھی اس ننھی سی جان پر تین آدمی سوار ہو کر موت کے دہانے سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ تنگ نشست پر ہم تینوں جونکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے بیٹھے تھے۔ اول خان ہمارے دباؤ کی وجہ سے جزوی طور پر پٹرول کی فولادی ٹنکی پر جا چڑھا تھا۔ اول خان نے شاید ایک ہی مرتبہ میں پورا تھروٹل لیور کھینچ لیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار لحہ بہ لحہ تیز ہو رہی تھی لیکن انجن کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کھلے راستوں پر وہ ایمبولینس کی برق رفتاری کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

میں نے سر گھما کر دیکھا تو ایمبولینس شاید جارج کے گیٹ پر رکی ہوئی تھی مگر اس کے ہیڈ لیمپس بدستور روشن تھے۔ معاملہ صرف جارج کا ہوتا تو وہ شاید بات کو سنبھال لیتا مگر وہاں ساری ذمے داری چوکی دار کے سر آپڑی تھی۔ چوکی دار ہمارے اچانک فرار کے بارے میں جارج کو جو کچھ بتا رہا ہوگا وہ ڈاکٹر مونڈیل بھی سن رہا ہوگا۔ وہ ہم لوگوں کے بارے میں جو بھی بری بھلی رائے قائم کرتا' وہ ایک الگ بات تھی۔ اس کا فوری فیصلہ یہی ہوتا کہ موٹر سائیکل پر بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے پہلے انہیں پکڑا جائے اور پھر ان کے بارے میں جارج کی کہانی سنی جائے۔

"موٹر سائیکل کسی بھی پتلی گلی میں لیتے چلے جاؤ جہاں ایمبولینس ہمارا پیچھا نہ کر سکے۔" انجن کے تیز احتجاجی شور اور ہوا کے دباؤ کی وجہ سے میں نے تقریباً چیخ کر اول خان کو ہدایت دی۔

"یہاں سالی کوئی پتلی گلی ہی نہیں ہے۔" اول خان کی جھلائی ہوئی آواز آئی "ہر طرف چوڑی چوڑی سڑکیں ہی سڑکیں ہیں۔ ذرا دیکھو تو۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ رک گئے ہیں۔"

"ہاں' وہ رکے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اضطراری طور پر سر گھمایا تو ایمبولینس کی رکی ہوئی روشنیاں دھیرے سے حرکت میں آگئیں۔ میں چیخ پڑا "وہ دوبارہ چل پڑے ہیں۔ اپنی رفتار بڑھاؤ اور گزری وغیرہ کی طرف نکلنے کی کوشش کرو۔ ڈیفنس میں ہمیں پناہ نہیں ملے گی۔ وہ ہمیں روند ڈالیں گے۔"

"کتنا مزہ آرہا ہے۔" ویرا اپنا چہرہ میرے شانے پر ٹکا کر ہولے سے منمنائی "رات کی بھیگی بھیگی ہواؤں میں ہم دونوں کتنے قریب ہیں۔ قید سے رہائی ملی تو ایسی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جی چاہ رہا ہے کہ دبوچ کر تمہیں مسل ڈالوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی میری کمر پر اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہو گئی۔

"ویرا کی بچی۔" میں بے اختیار برس پڑا "ہوش میں رہو' میرا دم گھٹ جائے گا۔ تمہیں یہ احساس بھی نہیں کہ ہم کس قدر خطرناک پوزیشن میں ہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ ہمیں کچلنے پر قادر ہو جائیں گے۔"

"کچل دیں۔" اس بار وہ میرے کان سے اتنے قریب ہو کر بولی تھی کہ میں نے اپنے چہرے پر اس کے سانسوں کی حرارت محسوس کی تھی۔ وہ بالکل سرگوشیانہ آواز میں کہہ رہی تھی "مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے۔ وہ کچلیں گے تو ہم دونوں ایک ساتھ ہوں گے۔ جلنے والے اپنی آگ میں بالکل ہی جھلس کر رہ جائیں گے اور......"

"ہوش میں رہو ویرا۔" میں غرایا "ورنہ میں کہنی مار کر تمہیں چلتی موٹر سائیکل سے نیچے پھینک دوں گا۔"

"یار کیوں شور مچائے جا رہے ہو۔" اول خان بے زاری کے عالم میں بولا "دو کی سیٹ پر تین آدمی بیٹھتے ہیں تو تھوڑی سی تنگی ہوتی ہی ہے۔ مجھے تم نے ٹنکی پر دھکیلا ہوا ہے۔ اب میں بھی تمہیں کہنی مارنے لگوں۔"

ہوا اور سرگوشیانہ لہجے کی وجہ سے ویرا کی بے ہودہ بکواس اول خان کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی جب کہ میری اونچی آواز وہ پوری طرح سن رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں محض بے آرامی کی وجہ سے ویرا کو جھاڑ رہا تھا۔

جارج کے گھر سے فرار ہوتے ہوئے ہم تینوں نے کچھ بھی نہیں سوچا تھا۔ ایمبولینس نظر آنے کے بعد ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ ہمیں ان سے آگے دوڑ لگانی چاہیے۔ اول خان سیدھا جانے کے بجائے راستے کے تقریباً ہر موڑ اور کراسنگ کو پوری مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ جگہ جگہ مڑنے کی وجہ سے ایمبولینس اپنی پوری رفتار پر نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ یہ بات ہمارے حق میں تھی۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہی محفوظ فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ہم کسی کچی آبادی کے قریب پہنچ جائیں تو ہمیں اپنے تعاقب میں آتے ہوئے مشینی عفریت سے نجات مل سکتی تھی۔

ویرا چھیڑ چھاڑ اور فقرے بازی پر تلی ہوئی تھی مگر میں اس کی طرف سے پتھر بن کے رہ گیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس قدر روح فرسا حالت میں جب موت ہم سے ذرا ہی دور چلی آرہی تھی' اس کی جمالیاتی حس کیوں کر کام کر رہی تھی مگر وہ ویرا تھی۔ اس کے بارے میں پہلے سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ایک جگہ مجھے خیابانِ تنظیم کا بورڈ نظر آیا تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ اول خان دانستہ یا نادانستہ طور پر موٹر سائیکل کو بالکل صحیح راستے پر دوڑا رہا تھا۔ خیابانِ تنظیم ختم ہوتے ہی اول خان نے موٹر سائیکل بائیں طرف گھما دی اور ڈھلتی ہوئی رات کا روشن بازار امید کی کرن بن کر نظر آنے لگا۔

موٹر سائیکل شور مچاتی' پوری قوت سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔ پیچھے آنے والوں کے پاس ہتھیار نہیں تھے یا پھر انہیں موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ وہ چلتی گاڑی سے فائرنگ کر کے ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتے۔ بس وہ کسی مقناطیس کی طرح مسلسل ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

بازار کا آغاز ہوتے ہی اول خان نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے پر لے جا کر اسی رفتار سے کچے میں اتار دی۔ چند جھٹکے کھانے کے بعد موٹر سائیکل بجری کے ایک ڈھیر میں پھنس کر پھسلی

اور زمین پر لہراتی ہوئی دور تک چلی گئی۔ وہاں موجود ٹھیلے والوں اور دکان داروں میں شور مچ گیا۔ اس وقت وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی لیکن پھر بھی کافی لوگ موٹر سائیکل کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ ہم تینوں ایک دوسرے میں گتھے ہوئے بجری کے ڈھیر پر پڑے رہ گئے۔

ہمارے گرنے کا منظر دیکھنے والے چند افراد ہماری طرف بھی آئے لیکن زیادہ بڑی بھیڑ کی توجہ بہت آگے جا کر بند ہونے والی موٹر سائیکل پر مرکوز تھی۔ وہ لوگ حیران تھے کہ موٹر سائیکل کے سوار کہاں غائب ہو گئے تھے۔

چند لمحوں بعد سفید ایمبولینس تیز رفتاری سے ہمارے سامنے سے گزری۔ جواں سال لیکن باریش ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر جارج اسٹارک بھی موجود تھا۔ ہم تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کپڑے جھاڑتے ہوئے بجری کے ڈھیر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تماشائیوں کی پُراشتیاق نظریں ویرا کے دلکش سراپا پر جم گئی تھیں۔

"جاؤ بھائی۔ کچھ نہیں ہوا۔ ہم ٹھیک ہیں۔" اول خان نے ذرا تیزی سے کہا۔

اسی وقت سڑک پر کسی گاڑی کے ٹائروں کا تیز شور بلند ہوا اور پھر ہم نے ایمبولینس کو اس بھیڑ کے پاس رکتے دیکھا جو موٹر سائیکل کے گرد جمع ہوتی جا رہی تھی۔

وہ غیر ملکیوں کی ایمبولینس تھی۔ اس مقام پر ایک حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مونڈیل کو وہاں پوچھ گچھ کرنے کا موقع مل سکتا تھا جو ہمارے حق میں بہتر نہ ہوتا۔

"ایمبولینس رکی ہے۔" ہمارے قریب موجود لوگوں میں سے کسی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "چوٹ آئی ہو تو وہیں چلے جاؤ۔ وہ لوگ اسپتال پہنچا دیں گے۔"

"ہم ٹھیک ہیں۔ تم ذرا موٹر سائیکل کا دھیان رکھنا۔ ہم قدوس میاں کو لے کر ابھی آتے ہیں۔" اول خان نے خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا اور ایک قریبی گلی میں گھستا چلا گیا۔ ہم دونوں اس کے پیچھے ہو لیے۔

وہ خاصی تنگ، گندی اور بل کھاتی ہوئی گلی تھی۔ ہم تینوں سر جھکائے تیزی سے آگے بڑھتے رہے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہم لوگ جلد از جلد وہاں سے دور نہ نکلے تو ہمارے دشمن حادثے کے زخمیوں کی تلاش کے بہانے ان گلیوں میں بھی آ سکتے تھے۔ ڈاکٹر مونڈیل نے دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لانے کی اطلاع دی تھی۔ جارج اسٹارک کے مل جانے کے بعد ان کی تعداد چار ہو چکی تھی۔ وہ کوئی بڑا خطرہ مول لئے بغیر آسانی سے ہماری تلاش کا بیڑا اٹھا سکتے تھے۔

ڈیفنس کی منظم، پُرفضا اور صاف ستھری آبادی کے پہلو میں چھوٹے بڑے، کچے پکے اور بھانت بھانت کے مکانوں کا وہ طویل سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح پُرپیچ گلیوں سے جڑتا ہوا دور تک چلا گیا ہے۔ ہم تینوں سمت اور فاصلے کا کوئی تعین کئے بغیر کافی دیر تک ان گلیوں میں چلتے رہے لیکن ہمیں کھلی سڑکیں نظر نہ آئیں تو مجھے احساس ہوا کہ ہم اسی بھول بھلیاں میں چکراتے پھر رہے تھے۔ بعض راستوں سے ہم دو اور تین مرتبہ گزر چکے تھے۔

"اب تک وہ لوگ مایوس ہو کر واپس جا چکے ہوں گے۔ ہم کب تک یہاں بھٹکتے رہیں گے؟" اچانک ویرا مجھ سے پہلے بول پڑی "میری حالت ابتر ہے۔ اب مجھے چلتے ہوئے چکر آ رہے ہیں۔"

"رات کی بھیگی بھیگی ہواؤں میں ہمیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلتے چلتے افق کے اس پار اتر سکتے ہیں جہاں پریوں کے دیس میں سورج کا پیارا سا گھر ہے۔" میں نے اسے سلگانے کے لیے اس کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کس قسم کا مذاق ہے؟" اول خان نے مجھے گھور کر کہا "اس بے چاری کی حالت بگڑ رہی ہے اور تمہیں ایسا گھٹیا مذاق سوجھ رہا ہے۔ کم از کم موقع محل تو دیکھ لیا کرو۔"

ویرا زیرِ لب مسکرانے لگی۔ میں نے جل کر اول خان سے کہا۔

"جب میں موٹر سائیکل پر اس کے شکنجے میں تھا، اس وقت یہ بھی ایسی ہی بکواس کر رہی تھی۔ وہ تمہیں بری نہیں لگی تھی بلکہ اس وقت بھی مجھ پر بگڑ رہے تھے۔"

"یہ چکر چلتے رہتے ہیں۔" ویرا نے موضوع بدلتے ہوئے اول خان سے کہا "مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ مجھے کہاں سے نکالا گیا ہے؟ جان کہاں ہے اور راس المیڈا کس حال میں ہے؟"

"یہ ساری باتیں گھر چل کر ہی معلوم ہو سکیں گی۔" اول خان بے زاری سے بولا "فی الحال اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ تم آزاد ہو اور راس المیڈا ہماری تحویل میں ہے۔ اب ہمیں سنجیدگی سے یہاں سے نکلنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ہمارے سروں پر مسلسل مچھروں کے بڑے بڑے غول منڈلا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ صبح ہم ملیریا میں تپ رہے ہوں۔"

"اب نکل ہی جائیں گے۔ نکلنے کے بعد مجھے راس المیڈا کی طرف لے چلو۔" ویرا نے خوشامدانہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو کہ وہ میرا پرانا حریف ہے۔ میں فوراً ہی اس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتی ہوں۔"

"اس وقت ہم گھر جائیں گے۔ تمہیں پہنچانے کے بعد میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔ آج کل میرے بچوں کو مجھ سے پھر شکایت ہونے لگی ہے۔ تم لوگوں کے ساتھ میں انہیں بالکل ہی فراموش کر بیٹھتا ہوں۔"

"یہ واقعی زیادتی ہے۔" ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا "مگر راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"وہ اسٹیشن فور پر ہے۔ اب تم چالاک بننے کی کوشش نہ

کرو۔" اول خان طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "میرے بغیر تم وہاں پہنچ ہی نہیں سکو گی۔ ویسے بھی وہ ممنوعہ علاقہ ہے۔"

میں ان دونوں کی باتوں میں دخل دیے بغیر اپنی یادداشت کے سہارے راس المیڈا کی فردِ جرم مرتب کرتا رہا۔ اس نے آزاد رہ کر ایک لمبے عرصے تک ہمیں ناکوں چنے چبوائے تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اس سے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے کے ساتھ نیلور بابیے کے بارے میں باز پرس کی جائے۔



ویرا کی واپسی اس کے اغوا سے کہیں زیادہ ڈرامائی اور غیر متوقع تھی۔ اسے دیکھ کر غزالہ اور سلطان شاہ کے چہرے بے اختیار کھل اٹھے تھے۔ اول خان ہمارے ساتھ اوپر فلیٹ تک نہیں آیا تھا اس لیے پوری بے تکلفی اور فراخ دلی سے ویرا کو خوش آمدید کہا گیا تھا۔

اللہ ورایو نے سنی کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد اول خان کی گاڑی ہمارے فلیٹ کے قریب پہنچا دی تھی۔ ہم لوگ ٹیکسی سے اترے تو وہ خود ہی اول خان سے آ ملا اور اول خان نیچے سے ہی اپنی گاڑی لے کر گھر روانہ ہو گیا۔

ویرا اپنے نرم و نازک وجود کے برعکس عملی طور پر بہت سخت جان بلکہ ڈھیٹ واقع ہوئی تھی لیکن جان سیموئیل نے اسے نہ جانے کون سی دوا دی تھی کہ گرم جوشی اور خوش مزاجی کے مظاہرے کے باوجود وہ اندر سے بجھی بجھی سی تھی اور جلد ہی اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی۔

راس المیڈا کے ساتھ ہم لوگوں نے ایک طویل اور صبر آزما جنگ لڑی تھی جس کا آغاز وادیٔ گالان سے واپسی پر چینغا سرائے میں ایلن سیمفریال اور پیٹر کنگ سے ملاقات ہوتے ہی ہو گیا تھا۔ کشت و خون دشمن کا مقدر بنتا رہا۔ میری حمایت کے نتیجے میں جہانگیر کو بھاری مالی اور کاروباری نقصانات سے دوچار ہونا پڑا جن کا ازالہ انشورنس سے بہرحال ہو جاتا تھا۔ مجھے قلق ان دو افراد کا تھا جو اسپیشل ٹاسک فورس کے پرانے اہل کار تھے اور ان خونیں جھڑپوں کا ایندھن بن گئے تھے۔ ان میں سے سرور کی موت کا زخم بالکل تازہ تھا۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ اسے مارنے والا بھی زیادہ دنوں تک زندگی کے مزے نہیں لوٹ سکا تھا۔

وہ اعصاب کو تھکا دینے والی ایک طویل لڑائی تھی جس میں راس المیڈا اور اس کے سرپرستوں نے مجھے زیر کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیے تھے لیکن اس کا انجام ان کی امیدوں سے بہت مختلف نکلا تھا۔ ویرا کی بحفاظت بازیابی کے بعد راس المیڈا ہمارا قیدی تھا۔ اس کے اثر رسوخ اور دولت مندی کے طلسم کو توڑا جا چکا تھا۔ امریکا کی سرزمین پر وہاں کے صدر سے اپنی شرائط منوانے اور اسے جمی لائیڈ کے قتل پر مجبور کرنے والا راس المیڈا مجبوری اور بے کسی کی عبرت آموز تصویر بنا اسٹیشن فور کی ایک کوٹھری میں بند تھا۔

بستر پر گرتے ہی مجھے گہری نیند نے آ لیا۔ طویل بے خوابی اور مسلسل جسمانی مشقت نے میرے اعصاب کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا۔ گھر اور بستر کا آرام میسر آتے ہی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ اگلی صبح آنکھ کھلی تو مشرق سے سورج طلوع ہو رہا تھا مگر میرے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے۔

میں نے شیو وغیرہ بنا کر دیر تک تیز شاور کے نیچے غسل کیا۔ پوری تیاری کے بعد چائے بنانے کے ارادے سے میں باہر نکلا تو مسہری خالی تھی۔ باہر نکل کر پتا چلا کہ غزالہ پہلے ہی چائے بنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ اول خان اپنے دفتری معمولات کی وجہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ میں نے اس کے گھر فون کیا تو وہ ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ فون پر آتے ہی بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم آنکھ کھلتے ہی مجھے فون کرو گے۔"

"نیند خوب آئی لیکن خوابوں میں رات بھر سفید ایمبولینس پیچھا کرتی رہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "خدا کی پناہ! ایسے سفاک دشمن میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔ تمہارے ستارے اچھے تھے کہ تم جلد ہی ڈیفنس کی ویران اور کشادہ سڑکوں سے موٹر سائیکل نکال لائے ورنہ وہ کہیں بھی ہمیں پیس کر خاموشی سے فرار ہو جاتے۔"

"مجھے دفتر جانے کی عجلت ہے۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے۔"

"ابھی تم غیب دانی کا دعویٰ کر رہے تھے۔" میں نے ہنس کر اسے یاد دلایا۔

"کل رات دس بجے اس نمبر سے فلیٹ پر فون کیا گیا تھا۔ یہی جارج اسٹارک کے گھر کا نمبر ہو سکتا ہے۔" اس نے ڈیفنس کے علاقے کا ایک فون نمبر دہرانے کے بعد کہا اور میں اس کے قیاس کا قائل ہو گیا۔

پچھلی رات کے سنسنی خیز واقعات کے بعد میں شدت سے جارج سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

میں نے جارج کے گھر کا فون ملایا تو پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی میری کال کے انتظار میں فون سے لگا بیٹھا تھا۔ پھر میرے کانوں میں ایک غیر ملکی نسوانی آواز آئی۔ اس نے متجسسانہ آواز میں صرف ہیلو کہا تھا مگر اس کے کہے ہوئے اس واحد لفظ سے بھی تشویش جھلک رہی تھی۔

"میں جارج سے بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"وہ فون پر نہیں آ سکتا۔" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے جارج کا نام سنتے ہی اس کی آواز رندھنے لگی ہو "تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں اسے بتا دوں گی...... اپنی آواز سے تم مقامی معلوم ہوتے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ کل رات تم ہی ایک اور آدمی کو لے کر

جان سے ملنے آئے ہو؟"

میں نے بہت تیزی سے سوچا۔ فون پر اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ پریشان تھی۔ شاید رات کے واقعات ہی اس زود حس عورت کی پریشانی کا سبب رہے ہوں۔ میرا اعتراف سن کر وہ شکوے شکایت کے انداز میں میری معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کرسکتی تھی۔ میں نے کہا "ہاں، میرا نام ڈیبی ہے۔"

"ڈیبی۔" اس نے حسرت وغصے کے انداز میں دہرایا "تم نے ہمارا سکھ چین برباد کردیا...... تمہیں معلوم ہے کہ جان سیموئیل رات کو طبی امداد ملنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا؟ شاید پھر بھی ہمیں کسی عذاب سے نہ گزرنا پڑتا۔ ڈاکٹر مونڈیل اس کی لاش اٹھانے کے بعد جارج کو گھر کے باہر اتار کر چلا جاتا مگر اس نے تم تینوں کو بائیک پر دیکھ لیا۔ ایمبولینس دیکھ کر تم پلٹ کر بھاگے تو اسے شبہ ہوگیا اور جان بے چارہ پھنس گیا۔"

"شاید تم نینسی بول رہی ہو۔ میں......" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے برہم ہو کر میری بات کاٹ دی۔

"تم جیسے سنگ دل اجنبی کے لیے میں نینسی نہیں ہوں۔ تمہیں میرا پہلا نام لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے مسز جارج کہو...... جارج نے مجھے بتادیا کہ تم نے اس کے اعتماد کو کس طرح ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں مسز جارج!" میں نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہوا، اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جارج کو واپس لوٹنے میں دیر ہوئی اور ویرا ہوش میں آگئی۔ وہ بہت سے مجرمانہ فنون میں طاق ہے۔ اپنے کمرے کا تالا کھول کر ٹہلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی اور پھر اس نے ہمیں فوراً ہی بھاگنے پر مجبور کردیا۔ وہ جارج کو جان کا شریکِ کار سمجھ رہی تھی اور اس کی واپسی کے خطرے سے خوف زدہ تھی۔"

میری تراشی ہوئی اس برجستہ کہانی میں کوئی جھول نہیں تھا۔ لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا "تم لوگ رکے رہتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ڈاکٹر مونڈیل باہر سے چلا جاتا۔ ویرا کو اپنی مرضی کے مطابق تمہارے ساتھ جانے کی آزادی مل جاتی۔ رہا جان تو وہ مر ہی چکا تھا۔ اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تم تینوں کے فرار نے سب کچھ تباہ کردیا۔ فخر سے سینہ تان کر کام کرنے والے جارج کو آج معذرت خواہانہ وضاحتیں کرنی پڑ رہی ہوں گی۔"

"برا نہ مانو تو ذرا سی تفصیل بتادو۔ میرے دل میں جارج کی عظمت نقش ہوچکی ہے۔ ہوسکا تو میں اس کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، میں اس کا برا نہیں چاہتا۔"

"موٹر سائیکل پر فرار ہونے والوں کے بارے میں چوکی دار نے بتایا تو ڈاکٹر مونڈیل کے کان کھڑے ہوگئے۔ اسے بھنک مل چکی تھی کہ جان نے ویرا لائیڈ کو ہمارے گھر میں قید کیا ہوا ہے۔ اس کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ویرا کو نکال لے جانے والا کون ہوسکتا ہے۔ رات دو بجے تک پورے علاقے کی خاک چھاننے کے بعد ڈاکٹر مونڈیل نے جارج کو گھر پہنچادیا تھا۔ جارج بہت فکر مند تھا۔ وہ ساری رات نہیں سوسکا۔ صبح سویرے دو تفتیشی افسر گھر آکر اسے لے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔ وہ دفتر میں نہیں ہے۔ پتا نہیں اسے کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"یہ واقعی بہت برا ہوا۔ میں جارج کے لیے دعا کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ میں نے اس کے لیے کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس پر میرا ساتھی ہونے کا مستند ٹھپا لگا دیا جائے گا۔ کاش اس سادہ لوح شخص نے مشی گن یونیورسٹی کی ملازمت نہ چھوڑی ہوتی!"

"پچھتاوے بہت سے ہیں۔ کاش جان نے ہمارے گھر کا رخ نہ کیا ہوتا۔ کاش جان نے سنی کو نہ بلایا ہوتا۔ کاش جارج کی تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ آج کی ٹھوس حقیقت یہ ہے کہ تم مزے کر رہے ہو اور میرا جارج مصائب کا سامنا کر رہا ہوگا...... تم نے یہاں فون کس لیے کیا ہے؟"

"میں اس سے معذرت کرنی چاہ رہا تھا کہ کل رات اس سے ملے بغیر اٹھ آیا......"

"خدا کے لیے اب ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔" وہ روہانسی آواز میں تقریباً چیخ پڑی "پتا نہیں اب تم اسے کس نئے عذاب میں پھنسوانا چاہتے ہو۔ میں تمہاری کسی بھی بات پر صرف اس وقت اعتبار کرسکوں گی جب تم ویرا کو میرے گھر پہنچادو گے۔ وہ ہماری اجازت کے بغیر لے جائی گئی ہے۔ اسے لوٹنا چاہیے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ جارج کو ویرا کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا پھر یہ اجازت کی بات کہاں سے آگئی؟"

"وہ اس وقت کی بات تھی جب تم یہاں رکے رہتے اور بات نہ بگڑی ہوتی۔ اب معاملہ خراب ہوچکا ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔ اگر ویرا تمہاری بیوی نہیں ہے تو تم اس سے دست بردار کیوں نہیں ہوجاتے؟"

"مجھے ڈر ہے کہ تمہاری باتوں کا جواب دینے میں میری زبان سے کوئی گستاخانہ بات نہ نکل جائے۔ مزید گفتگو بے سود ہے۔ زندگی رہی تو کبھی بھلے وقت میں تم سے بات یا ملاقات ہوگی۔"

میں نے فون بند کردیا۔ غزالہ میرے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی اور قریب کھڑی ہوئی وہ گفتگو سن رہی تھی۔

"آپ کو وہاں فون ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" غزالہ نے فوراً ہی اعتراض جڑ دیا۔

"بہت ضروری تھا۔ ابھی نیلو ربا میبے کا معاملہ بالکل اندھیرے میں ہے۔ جارج ہوتا تو اس پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔" میں نے گرم گرم چائے کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔ پچھلی رات میں اسے بتا چکا تھا کہ سنی ساگا کا وہ دو لفظی پیغام جان تک پہنچانے کے چکر

میں مارا گیا تھا۔ ویرا کو راستے میں ہی اس خفیہ پیغام کے بارے میں بتادیا گیا تھا۔

"آپ کی بات تو کافی دیر سے ہو رہی تھی اور کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

میں نے تفصیل دہرادی۔ جارج کے زیرِ عتاب آنے کے سوا وہ سب باتیں ہماری مکمل کامیابی کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ ایلن اور پیٹر کی ہلاکت سے جان سیموئیل کی موت تک راس المیڈا نے اپنے متعدد آدمی گنوائے تھے۔ مجھے نہیں یاد تھا کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی اتنی قلیل سی مدت میں اپنے کسی حریف کو اتنا بھاری جانی نقصان پہنچایا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ویرا بھی تیار ہو کر کمرے سے باہر آگئی۔ سلطان شاہ کے آجانے پر غزالہ نے میز پر باقاعدہ ناشتا لگادیا۔ وہاں بیٹھتے ہی ویرا نے مجھ سے جارحانہ لہجے میں باز پرس شروع کردی۔

ابتدا میں مجھے اس پر خاصا غصہ آیا اور میں نے بھی اسے ٹیڑھے جوابات دیے مگر پھر مجھے احساس ہوا کہ کشمیر روڈ پر ہونے والے تصادم کے درمیان میں ہی اسے اغوا کرلیا گیا تھا اس لیے وہ ان تمام اہم واقعات سے بالکل بے خبر تھی جو اس کی قید کے دوران رونما ہوتے چلے گئے۔

میں نے مفاہمانہ رویّہ اختیار کر کے ترتیب وار واقعات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جان سیموئیل کی موت اور جارج اسٹارک کے عتاب میں آجانے کے بعد ہمارے سامنے صرف راس المیڈا ہی رہ گیا تھا جو نیلو ربا میبے جیسے عجیب وغریب الفاظ کے مفہوم پر کوئی روشنی ڈال سکتا تھا۔ یہ بات ہم سب جانتے تھے کہ راس المیڈا سے بہت سی ایسی باتیں بھی اگلوائی جاسکتی تھیں جن کی مدد سے پاکستان کو ایک لمبی مدت تک دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

ویرا کا اصرار تھا کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے راس المیڈا کو اس کے قبضے میں آجانا چاہیے۔ پہلے ویرا کو شبہ تھا لیکن بعد میں اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ جمی لائیڈ کو راس المیڈا کے ایما پر ہی موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ویرا اپنے باپ کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے کیفرِ کردار تک پہنچا کر اپنے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔

راس المیڈا کے بارے میں وہ اہم فیصلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ اس خبیث مجرم کی دہری شخصیت تھی۔ راس المیڈا کے نام سے وہ شہر میں دو سلور آئیز چمکا کر چیدہ چیدہ بدمعاشوں کو اپنے سپر آئی مین ہونے کا یقین دلاتا اور بھیانک جرائم کا ارتکاب کرتا پھر رہا تھا تو راڈنی آرک کے نام سے اسے سفارتی مراعات حاصل تھیں۔ وہ خطرناک اور حساس مجرم ایس ٹی ایف کی تحویل میں تھا۔ اول خان ہمیشہ کہتا رہا کہ وہ کوئی سرکاری یا نیم سرکاری فورس نہیں تھی

مگر میں جانتا تھا کہ وہ لوگ اپنی اپنی جگہ محدود خود مختاری رکھنے کے باوجود سخت ڈسپلن کے تابع تھے۔ بڑے فیصلے اوپر کی سطح پر ہوتے تھے جن کا نفاذ ہر درجے کے افسر اور جوان کیا کرتے تھے۔

وہ بحث طویل پکڑنے لگی تو میں نے اول خان سے رجوع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ فون پر بتایا گیا کہ وہ کافی دیر سے اپنے دفتر سے نکلا ہوا تھا۔ آپریٹر میری آواز پہچانتا تھا اور میرا احترام بھی کرتا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ راس المیڈا کے بارے میں میرے کسی سوال کا جواب نہیں دے گا۔ خوش اسلوبی سے بات کو ٹال دے گا اس لیے میں نے فون بند کردیا۔

بارہ بجے اول خان خود ہی فلیٹ پر آگیا اور چہکتے ہوئے بولا۔ "خوب! آج چاروں پھر سر جوڑے بیٹھے ہو!"

"راس المیڈا زیرِ غور ہے۔ میں اس تک پہنچنے کے لیے بے چین ہوں۔" ویرا بولی۔

"خدا کی قدرت ہے ورنہ کل تک تمہارے بدلے اسے آزاد کرنے کی باتیں ہو رہی تھیں۔" سلطان شاہ نے ویرا کی واپسی کے بعد پہلا چبھتا ہوا تبصرہ کیا اور ویرا اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"یہ نہ بھولو کہ ویرا کے اغوا کی وجہ سے خاصا گند سمٹ گیا ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔

"تو کیا وہ لوگ ویرا سے جھاڑو پھروانے کا کام لیتے رہے تھے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ابے الو!" میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "سنی اور جان سیموئیل صرف اس وجہ سے مارے گئے کہ ویرا اغوا کرلی گئی تھی۔ وہ دونوں بیچ میں نہ آئے ہوتے تو ہمیں نیلو ربا میبے کا بھی علم نہ ہو پاتا۔"

"یہ نیلو ربا میبے کیا بلا ہے؟" سلطان شاہ نے چونک کر پوچھا۔ اس نے وہ الفاظ پہلی بار سنے تھے۔

"یہ تم بتاؤ گے!" میں نے اول خان سے کہا "راس المیڈا اس بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"ابھی تک یہ ایک خفیہ پیغام ہی ہے۔ کوئی بھی اس کا مفہوم سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ بس ایک بات سامنے آئی ہے کہ کافی عرصے پہلے امریکنوں نے شور مچایا تھا کہ نیلور کے ایٹمی ری ایکٹر کے لیے خریدا جانے والا یورینیم چوری چھپے ہتھیار سازی کی سطح تک افزودہ کیا جارہا ہے۔ پھر یہ بات بھی دب گئی تھی۔"

"میرے لیے پیغام میں نیلو ربا میبے کا ذکر ہی تشویش ناک ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سوچتے ہوئے کہا "باہر سے ہونے والی دوسری سازشوں سے قطعِ نظر پاکستان کی ایٹمی تنصیبات ہمیشہ سے مغربی حریفوں کی نگاہوں میں کھٹکتی رہی ہیں۔ ایران سے بلوچ کراس ڈیل سے تحت ٹریلروں پر آنے والے ایٹمی سازو سامان کو ویرا نے خوف ناک تباہی سے بچایا تھا ورنہ ایک ٹریلر میں پوشیدہ

ریموٹ کنٹرول بم کے ذریعے سب کچھ راکھ کردیا جاتا۔ اس ریموٹ کا تعلق ایک امریکن سٹیلائٹ سے تھا۔ مجھے یہ کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے......"

"یہ باتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔" اول خان نے میری بات کاٹ کے کہا "کرنل جیسی جونز کا دستِ راست البرٹو ویلسیا ایک مدت تک ظفربن کر میری ناک کے نیچے سازشیں کرتا رہا اور مجھے پتا نہیں چل سکا۔ اس کی نظریں کھوٹہ کی تنصیبات پر تھیں۔ پھر بل جونز نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا تھا۔ راس المیڈا نے کے ٹائین سے کینوپ کو نشانہ بنانا چاہا اور ناکام رہا۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار یہ لوگ نیلو ربا ہیبے کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہوں۔"

"میں وہی پوچھ رہا ہوں۔" میں نے کہا "راس المیڈا اس بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"پہلی دفعہ یہ الفاظ سن کر وہ بری طرح چونکا تھا پھر انجان بن گیا۔ اب تو وہ تقریباً بہرا بن گیا ہے۔ پوچھے گئے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دیتا۔ ہمارا منہ دیکھتا رہتا ہے۔"

"اسے معلوم تھا کہ اس پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ اسے ویرا سے اپنے تبادلے کی آس ہے۔ تم نے اسے بتایا تو نہیں کہ ہم ویرا کو آزاد کرا چکے ہیں؟" بات کرتے کرتے میں اچانک پوچھ بیٹھا۔

"نہیں، اسے تبدیلیوں کی بھنک بھی نہیں ملی" اول خان مسکراتے ہوئے بولا "اس کے لیے بدترین ذہنی جھٹکا یہ ہوگا کہ ویرا اچانک خود اس کے سامنے پہنچ جائے۔ یہ ترکیب کارگر نہ ہوئی تو تھرڈ ڈگری چل پڑے گی۔"

"اس پر تھرڈ ڈگری ہی آزمانی پڑے گی۔ یہ لوگ سخت جان معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں نے اوپر والوں کو تفصیلی رپورٹ دے دی ہے۔ صبح سے میں اسی کام میں مصروف تھا..."

میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "اس رپورٹ میں یہ اضافہ کرلیتا کہ ڈاکٹر مونڈیل کے پہنچنے سے پہلے ہی جان کا قصہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ رات کو اس کی لاش لے کر گیا تھا۔"

"مجھے یہی امید تھی۔ میں نے اپنی رپورٹ میں اسے قریب الرگ ظاہر کیا ہے لیکن دوسری خبریں خاصی پریشان کن ہیں۔" اول خان نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ لوگ راس المیڈا کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے کیونکہ وہ ایک مستند مجرم اور عالمی دہشت گرد ہے۔ مقامی اخبارات میں اس کے خلاف مواد کی اشاعت کے بعد حالات بہت بدل چکے ہیں لیکن انہوں نے دفترِ خارجہ میں راڈنی آرک کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ داخل کردی ہے اور اس کی تلاش کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کردیا ہے۔"

"ان سے پوچھا جائے کہ راڈنی آرک کہاں سے اور کن حالات میں غائب ہوا ہے۔ وہ سچ بولیں گے تو انہیں راس المیڈا کی بات کرنی ہوگی۔ جھوٹ خود ہی پکڑلیا جائے گا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"راس المیڈا ان کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ آسانی سے اسے فراموش نہیں کریں گے۔ نیول انٹیلی جنس کی اطلاعات ہیں کہ مسقط کی بندرگاہ پر لنگر انداز امریکی بحریہ کے ایک جہاز نے کل سے کچھ مشکوک سرگرمیاں شروع کی ہوئی ہیں۔ اٹھارہ کمانڈوز کو لے جانے والے ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے ساحلی پٹی پر کمانڈو ایکشن کی مشقیں ہورہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے طور پر سراغ لگانے کی کوششیں کررہے ہوں کہ راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"تو کیا وہ راس المیڈا کو نکال لے جانے کے لیے مسقط سے کوئی کمانڈو ایکشن بھی کرسکتے ہیں" سلطان شاہ نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"جو شخص امریکا کے صدر تک براہِ راست رسائی رکھتا ہو اس کی اہمیت میں تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا باپ پھر بھی شریف اور فرماں بردار آدمی تھا جو اپنے بڑے کا احترام کرتا تھا۔ راس المیڈا کمینہ اور بلیک میلر ہے۔ اسے بچانے کے لیے وہ لوگ سب کچھ کر گزریں گے۔"

"یہ خبر نکلنی نہیں چاہیے کہ راس المیڈا ایس ٹی ایف کی تحویل میں ہے" میں نے تشویش سے کہا "بات پھیلتی ہے تو پھر پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ ان کے مخبر پورے شہر میں فعال ہوچکے ہوں گے۔"

"ہاں۔ اب بات راس المیڈا سے بڑھ کر سرکاری اہل کاروں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ وہ کامیابی کے لیے اپنے تمام وسائل کو استعمال کریں گے۔ اسی لیے ہمیں جلد از جلد راس المیڈا کا قصہ طے کرلینا چاہیے۔"

"یہ ہمارے بس کی بات کہاں ہے" سلطان شاہ بولا "اگر وہ تھرڈ ڈگری کے استعمال کے باوجود زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوا تو ہم انتظار کے سوا کیا کرسکیں گے۔"

اول خان نے اپنے گلے پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "جب تک وہ زندہ ہے، ہم ایک لمحے کے لیے بھی سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔ مجھے صرف دو دن کی مہلت دی گئی ہے۔ پرسوں اس کا فیصلہ ہوجانا چاہیے۔"

"کیسا فیصلہ؟" ویرا کے چہرے پر الجھن کے آثار ابھر آئے۔ "ذرا کھل کر بتاؤ کہ مہلت سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"وہ جب تک زندہ رہے گا، عذاب بنا رہے گا" اول خان نے کہا "ہمیں راس المیڈا سے جو کچھ معلوم کرنا ہے اس کے لیے مجھے دو دن دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کہیں نہ کہیں سے اس کی لاش برآمد ہونی ضروری ہے تاکہ اس کے ہمدردوں کی ساری امیدیں خاک میں مل جائیں۔ اس کی موت راس المیڈا کی حیثیت سے

سامنے آئے گی تو راڈنی آرک کا قصہ خود بخود دب جائے گا۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس میں اوپر سے کوئی واضح حکم جاری کردیا جائے تو سوچنے سمجھنے کی ہر گنجائش ختم ہوجاتی ہے۔ حکم کی ہر قیمت پر تعمیل کی جاتی ہے۔ پرسوں شام تک راس المیڈا کی لاش گڈانی بیچ کی بپھری ہوئی لہروں کے حوالے کردی جائے گی۔"

"اگر یہ طے ہوچکا ہے تو وقت بہت کم ہے۔ راس المیڈا کی غلط فہمی دور ہوجانی چاہیے۔"

"اس وقت میں اسی لیے لینڈ کروزر جیسی کشادہ گاڑی لے کر آیا ہوں تاکہ اسے ویرا کے رخِ زیبا کی زیارت کراسکوں۔ جلدی تیار ہوجاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ راس المیڈا کے خاتمے تک ہم لوگوں کو اسٹیشن فور پر ہی مسلسل قیام کرنا پڑے۔ وہاں رہنے یا شہر واپس آنے کا انحصار راس المیڈا کے رویّے اور حالات پر ہوگا۔"

"حد ہوگئی" سلطان شاہ نے جھلا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "اہم ترین بات سب سے آخر میں بتا رہے ہو۔ میں نے تو آج تک اس کی منحوس صورت بھی نہیں دیکھی ہے۔ آج یہ خواہش بھی پوری ہوجائے گی۔"

اسٹیشن فور جانے کے لیے ہمیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔ چائے کا ایک نیا دور مکمل کرتے ہی ہم پانچوں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، میں اس کے برابر میں براجمان ہوگیا۔ بقیہ تینوں افراد پیچھے سما گئے اور ہمارا کارواں آنے والے وقت سے بے خبر، اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگیا۔

شہر کے پُرہجوم راستوں پر لینڈ کروزر کا سفر خاموشی سے جاری رہا۔ ہم پانچوں ہی خاموشی سے اپنی اپنی جگہ گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جوں ہی گاڑی سہراب گوٹھ پر واقع میونسپل چنگی ناکے سے آگے نکلی، ویرا بول پڑی "اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے، وہ سب ناقابلِ یقین سا ہے۔ راس المیڈا کو آزاد کیے بغیر مجھے رہا کرا کے تم لوگوں نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ کل میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اب میں کبھی راس المیڈا سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے سکوں گی۔"

"اسے صرف تمہارے لیے زندہ رکھا گیا ہے۔" اول خان نے ہنس کر کہا "میرا خیال ہے کہ اب اسے تمہاری آزادی کی ٹرافی قرار دے کر تمہارے حوالے کردیا جانا چاہیے۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے اسے جان سیموئیل کی موت سے بے خبر رکھا ہے۔ وہ میرے اور اپنے تبادلے کی خوش فہمی میں زبان بندی اختیار کیے ہوئے ہے۔ میں اچانک اس کے سامنے جاؤں گی تو وہ ہل کر رہ جائے گا۔"

"تمہاری یہ خوش فہمیاں ہی کسی دن تمہیں لے ڈوبیں گی۔" سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا "تمہارے سر پر سینگ نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر وہ دہل جائے گا۔ اس کا نام راس المیڈا ہے۔ تم نے بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا تو وہ اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہاری گردن مروڑ کر رکھ دے گا۔"

"بڑوں کی باتوں میں اپنی ٹانگ مت اڑاؤ۔" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "وہ سازشیں کرنے اور پیچھے سے وار کرنے میں ماہر ہے۔ آمنے سامنے مقابلے میں اس نے ہمیشہ بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔"

"تمہارا آج تک اس سے آمنا سامنا نہیں ہوا پھر تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ وہ تم پر پیچھے سے ہی وار کرے گا؟" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے ذو معنی لہجے میں سوال کیا۔

"اپنی زبان کو لگام دو۔" ویرا کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ۔۔۔۔۔ "اب تم نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔ بعض اوقات تم اپنی زہریلی باتوں کی وجہ سے ناقابلِ برداشت ہوجاتے ہو۔"

"میں تمہیں مشق کرا رہا تھا۔ یہ نہ سمجھنا کہ راس المیڈا تمہارے حسن سے مرعوب ہوکر میٹھی میٹھی باتیں کرنی شروع کردے گا۔ اسٹیشن فور پر تمہیں زہر میں بجھے ہوئے الفاظ کا سامنا کرنا ہوگا۔" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

"یہ سلطان شاہ اپنی ٹانگ اڑا کر ہمیشہ بے مقصد باتیں شروع کردیتا ہے۔" ویرا بطور خاص کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بدمزگی سے بولی "میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ سارے ہی واقعات تم لوگوں کی کامیابی کی نشان دہی کررہے ہیں لیکن ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن پر کچوکے لگا رہی ہے۔ میں......"

"وہ زندگی بھر کچوکے لگاتی رہے گی۔" سلطان شاہ اس کی بات کاٹ کے بے پروائی سے بولا "تم بار بار اپنی سگریٹ نوشی کی خواہش پر بھونڈی ندامت کا اظہار کرکے کوئی تمغا حاصل نہیں کرسکتیں۔ وہ تمہاری بدترین حماقت تھی اور تم زندگی بھر اس پر پچھتاتی رہوگی......"

پتا نہیں ویرا نے اسے کیوں اپنی بات پوری کرنے کا موقع دیا۔ وہ تینوں پچھلی نشست پر تھے اس لیے میں انہیں نہیں دیکھ سکا۔ سلطان شاہ کے اچانک خاموش ہونے پر میں نے اپنا سر گھمایا تو ویرا اسے پھاڑ کھانے والی قہربار نظروں سے گھور رہی تھی۔ مجھے فوراً ہی اندازہ ہوگیا کہ اگر غزالہ ان دونوں کے درمیان حائل نہ ہوتی تو ویرا برہمی کے عالم میں سلطان شاہ کی گردن دبوچ چکی ہوتی۔

"تم ڈیڈی کے ساتھ دنیا کے کئی ملک دیکھ چکے ہو مگر تمہاری کھوپڑی ابھی تک مینڈک کے اس ننھے بچے جتنی ہے جو ہری پور کے کسی کنوئیں کی تہ میں پلا بڑھا ہو۔" قدرے توقف کے بعد ویرا الفاظ چبا چبا کر بولنے لگی "میں نے ایک غلطی کی تھی اور اس کا پورا پورا خمیازہ بھگت چکی ہوں۔ میری اس غلطی کی وجہ سے تم میں

سے کسی کو کوئی خراش تک نہیں آئی۔ مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے......"

"پھر تم کس بات کا ذکر کر رہی تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔

"یہ ہمیشہ شیطان کی طرح ٹانگ اڑا کر میرا ذہن پٹڑی سے اتار دیتا ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولی "مجھے جارج اسٹارک کی فکر ہے۔ وہ ایک اچھا اور سچا امریکن ہے۔ وہ پیشہ ورانہ منافقت کا قائل نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میری رہائی کے الزام میں اس شریف آدمی کو بہت برے وقت سے گزرنا پڑے گا۔"

"اس کے سوا اُس بھیڑ میں سے جو بھی ہمارے مقابلے پر میدان میں آیا' وہ نہایت سنگ دل بلکہ سفاک ثابت ہوا ہے۔" غزالہ نے پُرخیال لہجے میں کہا "ہوسکتا ہے کہ ناکامی کی جھنجلاہٹ میں وہ بھیڑیے جارج اسٹارک کی زندگی کا چراغ ہی گل کردیں اور اس کے بیوی بچے ساری زندگی کے لئے بے سہارا ہوجائیں۔"

"یہ نہیں ہوسکے گا۔" ویرا نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔ "جارج اسٹارک کوئی لاوارث آدمی نہیں ہے جسے دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے موت کے گھاٹ اتارا جاسکے۔ اس کو ہر طرح سے پریشان کیا جاسکتا ہے لیکن وہ اسے مارنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔ اسے کچھ ہوا تو اس کی بیوی واشنگٹن میں وزارتِ انصاف کے درودیوار ہلادے گی۔ امریکا میں وہی لوگ خسارے میں رہتے ہیں جو حرص' لالچ یا دوسری وجوہ کی بنا پر عام آدمی کی سطح سے بھی نیچے گر کر کمانے کے لیے کام کرنے لگتے ہیں۔ وہاں عام آدمی کی پشت پر قانون کی پوری قوت کی حمایت موجود ہوتی ہے جس سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا۔"

"اسے ٹریفک کے کسی مصنوعی حادثے میں بھی مارا جاسکتا ہے۔" سلطان شاہ بولا۔

"وہ لوگ بے مقصد خوں ریزی میں یقین نہیں رکھتے۔ اپنے کسی آدمی کو مارتے یا سزا دیتے ہیں تو اس کا مقصد دوسرے کارندوں کو وارننگ دینا ہوتا ہے کہ فرائض سے غفلت برتنے کی صورت میں وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ کوئی کسی فرضی حادثے میں قتل کردیا جائے تو اس سے اُس کی موت کے علاوہ کیا مقصد حاصل ہوگا؟ کسی کو سزا دینے کے لیے ان کے پاس موت سے کہیں زیادہ دہشت ناک متبادل موجود ہوں گے۔ ان عذابوں میں گِھر کر ان کے معتوب موت کی آرزو کرتے ہوں گے لیکن موت ان سے دور بھاگتی ہوگی۔"

"ویری گڈ!" سلطان شاہ خوش ہو کر بولا "امریکن سیکرٹ ایجنسیوں کے اصول بنانے والی ہستی جب ہمارے درمیان موجود ہے تو ہمیں کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ہم گدھے گھوڑے بیچ کر سکون کی گہری نیند سوسکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ہم نے اب تک یہ بات کیوں نہیں سوچی۔"

"اسے اپنی زبان کی خارش مٹانے دو۔" ویرا کے برسنے سے پہلے ہی میں ناصحانہ انداز میں بول پڑا۔

"اپنی زبان کی خارش دور کرنے کے لیے یہ میرے ہی پیچھے کیوں پڑتا ہے۔ گاڑی میں تم تینوں بھی تو موجود ہو۔ یہ تمہارے ساتھ جھک کیوں نہیں مارتا؟" وہ بھنّا کر بولی۔

"آدمی اسی سے الجھتا ہے جس سے اسے کوئی خاص رغبت ہوتی ہے۔" غزالہ نے ذو معنی مسکراہٹ سے ویرا کو جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ستائے بغیر سلطان شاہ کا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے!" ویرا سلطان شاہ کو گھور کر سرہلاتے ہوئے بولی۔ "یہی بات ہے تو میں پہلی فرصت میں اس کا ہاضمہ درست کرنے کا کوئی مستقل بندوبست کروں گی۔ یہ مرض خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اس سے غفلت برتی گئی تو یہ جلد ہی ہیضے کا شکار ہوجائے گا۔"

"سلطان شاہ کے معاملے میں تم اکثر زودرنجی کا مظاہرہ کرنے لگتی ہو۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "تمہیں خوش دلی کے ساتھ اس کی نوک جھوک کا جواب دینا چاہیے۔"

"یہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے تو میں دیکھوں کہ تم کتنی دیر تک خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ اس کی باتیں بعض اوقات تو ہڈیاں تک سلگا دیتی ہیں۔"

"میری کوشش ہوتی ہے کہ میں تم سے نہ الجھوں مگر تمہاری بے سروپا باتیں اکثر مجھے بولنے پر مجبور کردیتی ہیں۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "اگر جارج اسٹارک کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہمیں اس کے بارے میں پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جان سیموئیل کی سازش میں شریک رہا ہے اور اسے اپنی حرکتوں کی تھوڑی بہت قیمت ادا کرنی چاہیے۔"

"وہ درندوں کی بھیڑ میں ایک صاف گو اور نیک دل انسان ہے۔" میں نے کہا "اس کی ذات میں مجھے ایک باکردار اور آبرو مند امریکن کا بھرپور عکس نظر آتا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کے بارے میں فکرمند ہوا جاسکتا ہے۔ اگر ہر شخص اچھے انسانوں کو درندہ صفت مجرموں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کا رویّہ اختیار کرلے تو پھر دنیا میں کہیں بھی بھلائی نہیں پنپ سکے گی۔ ہر شخص دوسروں کو روند کر اپنا قد بلند کرنے کے چکر میں پڑجائے گا۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔" اول خان نے کچے راستوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے لقمہ دیا "برے لوگوں سے نفرت اور اچھے انسانوں سے محبت کا اظہار ہی رواداری کو فروغ دیتا ہے۔ اتنا سا فرق بھی نہ رہے تو پھر بدی کے مقابلے میں خیروعافیت کی راہ اختیار کرنے کی کیا ترغیب باقی رہ جائے گی۔"

"یہ سب افلاطونی باتیں ہیں۔" سلطان شاہ نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "معافی اور درگزر کا سبق دینے والے پادری کی گدّی پر کوئی زوردار تھپڑ رسید کرے تو وہ اپنی ساری تقریر بھول کر تھپڑ مارنے والے کا گریبان پکڑلے گا اور اس پر مغلظات کی بھرمار کردے گا...... یہ دور منافقت کا ہے۔ جو کرتے ہو' اس کا بھول کر بھی ذکر نہ کرو اور جو گاتے پھرتے ہو' اس پر ہرگز عمل نہ کرو۔ یہ کامیابی کی کنجی ہے۔ جارج اسٹارک کے بارے میں تم لوگوں کے خیالات قابلِ قدر ہیں۔ میں بھی کسی نہ کسی حد تک ان سے متفق ہوں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ تمہارے یہ نادرِ روزگار خیالات جارج اسٹارک تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر وہ کسی عذاب میں مبتلا ہوچکا ہے تو اس وقت دل بھر کر ہم سب کو کوس رہا ہوگا کیوں کہ اس کی دانست میں ہم ہی اس کے مصائب کے ذمے دار ہیں۔"

"اس وقت تم پر چڑچڑاپن سوار ہے۔" غزالہ نے سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر نرمی سے کہا "ہماری باتوں سے متفق ہونے کے باوجود بحث کرکے تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہ رہے ہو؟"

"بالکل صاف اور سیدھی سی بات ہے۔ ہم نے خود کو بھلا کر ویرا کے ایما پر اپنی ساری ہمدردیاں جارج اسٹارک کے لیے وقف کردی ہیں۔ یہ ہمدردیاں بھی صرف باتوں تک محدود ہیں جن سے جارج اسٹارک کو کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا جب کہ نادیدہ خطرات ہمارا بیڑا غرق کرسکتے ہیں۔"

"تم کن نادیدہ خطرات کی بات کررہے ہو؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

"وہ نادیدہ ضرور ہیں لیکن ناگفتہ نہیں ہیں۔ تم خود ہی بتاچکے ہو کہ نیول انٹیلی جنس والے مسقط کے ساحل پر لنگرانداز امریکن بحری جہاز پر مشکوک مشقوں کی خبر دے رہے ہیں اور......"

"اوہ!" اول خان نے اس کی بات کاٹ کر ایک گہرا سانس لیا اور کہا "وہ ایک دورازکار امکان تھا مگر میں نے تم لوگوں سے اس کا ذکر کرڈالا تھا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ راس المیڈا جیسے وی وی آئی پی کے غائب ہونے پر وہ بری طرح حواس باختہ ہوگئے ہیں اور ہر طرف ڈنڈ پیلتے پھر رہے ہیں۔"

"نہیں دوست!" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "سلطان شاہ صحیح خطرے کی نشان دہی کررہا ہے۔"

میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی سلطان شاہ نے بات اچک لی اور بولا۔ "میری چھٹی حِس بتارہی ہے کہ آنے والا وقت خطرناک ہے اور تم لوگ جارج اسٹارک کی فکر میں گھلے جارہے ہو۔ مجھے قطعاً اندازہ نہیں کہ آنے والے وقت میں کیا ہوسکتا تھا مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہ خوش گوار نہیں ہوگا۔"

"اور تم سلطان شاہ کے اس اندازے سے متفق ہو؟" اول خان نے دو سنگلاخ ٹیلوں کے درمیان لینڈ کروزر کی رفتار کم کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اول خان! یہ مجبوری ہے!" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ابھرنے والی تشویش کی لہر کو دباتے ہوئے کہا "شاید ہم سب کا حافظہ کمزور ہوگیا ہے جو ہم ماضیِ قریب میں پیش آنے والے واقعات تک بُھلا بیٹھے ہیں۔"

"تم کن واقعات کا ذکر کررہے ہو؟" ویرا نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"مائی ڈیر ڈارلنگ! ان واقعات کا تعلق تمہاری ذات سے ہی ہے" میں نے مڑ کر طنز سے کہا "شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ تمہارے ہم وطنوں نے تمہاری نقل وحرکت کے ذریعے میرا سراغ لگانے کے لیے تمہارے جسم میں ایک ایسا ننھا سا آلہ نصب کردیا تھا جو ان کے ریسیور کے لیے ہروقت طاقت ور ریڈیو سگنلز نشر کرکے انہیں تمہاری لمحہ بہ لمحہ پوزیشن سے آگاہ رکھتا تھا اور تم مفرور ہوتے ہوئے بھی ہروقت ان کی دسترس میں ہوتی تھیں۔"

"اوہ خدا!" ویرا بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کراہی۔ "کوئی بات ذہن میں کھنکھجورے کے پیروں کی طرح چبھ رہی تھی لیکن کچھ یاد نہیں آرہا تھا...... تمہارا حافظہ قابلِ رشک ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تم ہی نے میرے بدن میں ہلکا سا شگاف لگا کر وہ چِپ نکالا تھا اور پھر کسی دور افتادہ مقام کی طرف روانہ کردیا تھا۔"

"گُڈ!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "کچھ عرصے کے لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ تم کراچی سے بہت دور چلی گئی ہو۔ یہ خبیث امریکن سیکرٹ ایجنٹ اپنی جنگ میں روایتی حربوں سے جدید ترین ٹیکنالوجی تک ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ آج کل ان کے لیے راس المیڈا بہت اہم ہے۔ ہم اسے اسٹیشن فور میں قید کرکے خوش ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اپنے اس اہم آدمی کی حفاظت کے لیے انہوں نے اس کے بدن میں بھی کوئی خفیہ چِپ لگایا ہوا ہو۔ یہ......"

"ارے باپ رے!" سلطان شاہ میری بات کاٹ کر تقریباً اچھلتے ہوئے بولا "اتنی بھیانک منظر کشی نہ کرو۔ میری چھٹی حِس کی ذرا سی تنبیہہ کو تم نے پاتال سے اٹھا کر عرش پر پہنچادیا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

میرے اس انکشاف پر اول خان اضطراری طور پر لینڈ کروزر کی رفتار میں خاصا اضافہ کرچکا تھا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اگر ڈیڈی کا اندازہ درست ہے تو راس المیڈا کو قید کرکے ہم اسٹیشن فور کی رازداری کھوچکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ڈیڈی کا دماغ صحیح رخ پر چل نکلا ہے۔ آخر مسقط کے ساحل پر اینڈ نے والے امریکن فوجیوں پر کیا افتاد آن پڑی ہے کہ انہوں نے اچانک ایک اٹھارہ نفری کمانڈو ایکشن کی مشقیں شروع کردی ہیں۔"

"راس المیڈا کے جسم میں چھپا ہوا چِپ ہر لمحے طاقت ور ریڈیو سگنل نشر کررہا ہے جو کسی نہ کسی امریکن بیس یونٹ پر وصول کیے جارہے ہیں۔" میں نے اپنے ذہن میں جمنے والے نقشے کو الفاظ میں ڈھالتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "ان طاقت ور سگنلز کے سہارے انہیں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ پچھلے پچاس ساٹھ گھنٹوں سے راس المیڈا کسی ایک ہی مقام پر ہے۔ سگنلز اس مقام کی نشاندہی کررہے ہیں اور اب وہ اپنے اس اہم ترین آدمی کو بازیاب کرانے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہیں جس کے لیے امریکا کا صدر بھی فکرمند ہوگا۔ آنے والے انتخابی مہم میں یہودی ووٹوں پر مکمل ترین

کنٹرول کی وجہ سے راس المیڈا امریکا کے موجودہ صدر کی ضرورت بلکہ ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ راس المیڈا کی مدد کے بغیر وہ اگلی مدت کے لیے امریکا کا صدر منتخب نہیں ہوسکتا۔ اس کی رہائی کے لیے وہ اٹھارہ نفری کمانڈو ایکشن کے بجائے دو چار امریکی بحری بیڑوں کو بھی حرکت میں لے آئے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔"

"تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔" اول خان نے تحیر زدہ آواز میں کہا "پاکستان کے دفاعی معاملات سے اسپیشل ٹاسک فورس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے لیکن کل میں نے کہیں سنا ہے کہ بحرِ ہند میں مامور ساتواں امریکن بحری بیڑا خیر سگالی کے مشن پر اچانک ہی کراچی کی بندرگاہ سے باہر کھلے پانیوں میں لنگر انداز ہوچکا ہے۔ ساتواں بحری بیڑا مسقط کے مقابلے میں اسٹیشن فور سے بہت قریب ہے۔ اس میں ایک دیو پیکر طیارہ بردار جہاز بھی شامل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مسقط میں مشقیں کرنے والے کمانڈوز کو پورے ساز و سامان کے ساتھ ساتویں بحری بیڑے کی تحویل میں دے دیا جائے اور پھر وہ وہیں سے اسٹیشن فور کا رخ کرنے کی کوشش کریں۔"

"اول خان! ہم وقت کھو رہے ہیں۔ گاڑی کی رفتار تیز کرو۔" میں نے حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور لینڈ کروزر کے طاقت ور انجن کی غراہٹوں نے یک بیک غضب ناک روپ دھار لیا۔ ناہموار کچے راستوں پر وہ دیو ہیکل جیپ بری طرح اچھلتی کودتی اپنے طے شدہ راستوں پر بڑھنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں کسی مسکّن دوا کی ضرورت ہے۔"

چند ثانیوں کے بعد ویرا کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے مجھے مخاطب کیا تھا لیکن میں اپنی نشست پر یوں انجان بنا بیٹھا رہا جیسے میں نے ویرا کی بات ہی نہ سنی ہو۔

"کیا تم ہواؤں سے بات کررہی ہو؟" چند ثانیوں بعد سلطان شاہ کی آواز ابھری۔

"میں ڈیڈی سے پوچھ رہی تھی۔" ویرا بولی "معلوم ہوتا ہے کہ تشویش کی وجہ سے اس کے کانوں کے پردے بھی سُن ہو کر رہ گئے ہیں۔ بے چارہ اس وقت سخت عذاب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔"

"میں کچھ کہوں گا تو تم پھر بلبلانے لگو گی کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہورہی ہے۔" میں نے کہا۔

"میرے ساتھ زیادتیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔" وہ بولی۔

"میں مصطفےٰ زیدی ہوں، نہ تم شہناز گُل۔ پھر تمہیں مسکّن دوائیں کیوں یاد آرہی ہیں؟"

"تم اس وقت راس المیڈا سے خوف زدہ معلوم ہو رہے ہو۔ بلاوجہ ذرا سی بات کا اتنا بڑا بتنگڑ بنا دیا تھا کہ ساتویں بحری بیڑے کو میدان میں اتار لائے۔ آدمی کے اعصاب پر جب کسی حریف کی اتنی دہشت سوار ہونے لگے تو اسے سکون آور بلکہ خواب آور دوائیں بہت فائدہ پہنچاتی ہیں۔"

"ساتویں بحری بیڑے کی بات میں نے نہیں، اول خان نے چھیڑی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ راس المیڈا کوئی معمولی قیدی نہیں ہے۔" میں نے کہا "اس کے ہمدرد اسے آزاد کرانے کے لیے کوئی بھی بڑا قدم اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں ان تمام امکانات پر نظر رکھنی ہوگی۔"

"یہ معقول بات ہے لیکن راس المیڈا کے بدن میں کوئی چپ پوشیدہ ہونا یا اس کی رہائی کے لیے بحریہ کی طرف سے کسی کارروائی کا مفروضہ بالکل لغو اور بے سروپا ہے۔" ویرا بولی "اول خان نے راس المیڈا کو آج اسٹیشن فور نہیں پہنچایا ہے۔ وہ وہاں دو راتیں گزار چکا ہے۔ اس دوران میں جان سیموئیل نے بھی فون پر اس سے بات کی تھی اور وہ میرے بدلے اسے آزاد کرانے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔ اگر ان لوگوں کو ریڈیو سگنلز سے یا کسی بھی ذریعے سے راس المیڈا کے موجودہ ٹھکانے کا علم ہوجاتا تو وہ اب تک وہاں حملہ آور ہوچکے ہوتے۔"

"آنے والا وقت ہی بتا سکے گا کہ ہم میں سے کون صحیح خطوط پر سوچ رہا ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "میرا نظریہ ہے کہ وہ پُرتشدد کارروائی کے نتیجے میں راس المیڈا کی موت کا خطرہ محسوس کررہے ہیں اسی وجہ سے وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں امید رہی ہوگی کہ جان سیموئیل تمہارے بدلے اپنے آقا کو آزاد کرالے گا لیکن جان سیموئیل کی موت اور تمہاری ڈرامائی آزادی کے بعد بازی ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اب وہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کریں گے۔ ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تم فکر مت کرو۔ ہم ہر طرح تیار ہیں۔" اول خان نے پُر اعتماد لہجے میں کہا "بظاہر اسٹیشن فور ایک ویرانے میں بنی ہوئی سال خوردہ بیرکوں کا نام ہے لیکن اسپیشل ٹاسک فورس کے جوان جہاں بھی موجود ہوتے ہیں، وہاں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوتے ہیں۔ اُدھر کا رخ کرکے وہ زندہ نہیں لوٹ سکیں گے۔"

"شاید اب ہم اسٹیشن فور کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔" غزالہ نے دھیمے سے کہا۔

"تم نے کیسے اندازہ لگالیا؟" اول خان نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

غزالہ ہنستے ہوئے بولی "ویسے تو سپر ہائی وے سے گاڑی کچے میں اترتے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ اسٹیشن فور قریب ہے مگر میں نے ابھی ابھی ایک مسلح آدمی کو ٹیلے کی اوٹ میں چھپتے دیکھا ہے۔ شاید ان راستوں پر فورس کے مسلح محافظ دن رات موجود رہتے ہوں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" اول خان نے ہنس کر وہ بات وہیں اڑا دی۔

چند منٹ بعد ہی لینڈ کروزر بیرکوں کے درمیان بنے ہوئے اس میدان میں جا رکی جہاں چونا لگے ہوئے سفید پتھروں اور چونے کی لکیروں سے راستے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ لینڈ کروزر کو دیکھتے ہی دو مسلح اور چاق و چوبند افراد گاڑی کے قریب آپہنچے۔ ان کے جسموں پر عام شہری لباس موجود تھا اور شانوں سے ہلکی خود کار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

جیپ کی چابی ان میں سے ایک کے حوالے کرکے اول خان اس بیرک کی طرف چل دیا جس میں اس کا دفتر واقع تھا۔

غزالہ ایس ٹی ایف کے اس ٹھکانے پر پہلی بار آئی تھی اس لیے وہ ہر چیز کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس ویرانے میں پائی جانے والی نیم فوجی ترتیب اور صفائی واقعی حیران کن تھی۔

فریڈم لاج سے گرفتار ہونے والی ایلس اسٹیشن فور کی قیدی رہی تھی۔ ہم سب کو معلوم تھا کہ اس کی پالتو سیامی بلی کے دھماکے سے پھٹنے کے نتیجے میں وہاں ایسی تباہی پھیلی تھی کہ عارضی طور پر سارا مواصلاتی نظام درہم برہم ہو کے رہ گیا تھا لیکن اول خان کے آدمیوں نے قلیل سی مدت میں اس تباہی کے سارے آثار مٹا کر وہاں... ساری سہولتیں اس طرح بحال کی تھیں کہ کسی نقصان کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

اول خان کے کمرے میں آرام دہ فرنیچر کی کمی تھی۔ اس کے مہمانوں میں دو عورتوں کو دیکھتے ہی اس کے آدمی کسی قریبی کمرے سے دو نرم کرسیاں لے آئے اور اول خان نے اپنی میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہی سرخ رنگ کا ایک ایرپیس اٹھا لیا۔

"چیف کالنگ ریڈیو کنٹرول۔ رپورٹ!" اس نے ایرپیس دہانے کے قریب لا کر کہا۔

"سب ٹھیک ہے سر!" دوسری طرف سے ایک کرخت مردانہ آواز ابھری "دو مرتبہ قیدی کے لیے کسی نامعلوم آدمی کا فون آیا تھا۔ ہماری طرف سے بات کرانے سے انکار پر اس نے گالیاں دے کر فون بند کردیا۔"

"مقامی تھا یا غیر ملکی؟" اول خان نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"کوئی گورا تھا۔ امریکن لب و لہجے میں انگریزی بول رہا تھا.... دوسری بات سر! کسی کمانڈر سعید کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنی چاہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے نمبر آپ کو معلوم ہے۔"

"نیول انٹیلی جنس کا نمبر ملاؤ۔ کوبرا تھری کے پاس ورڈ پر آپریٹر کمانڈر کے پی اے سے لائن ملا دے گا۔ اس سے میں خود بات کروں گا۔ آؤٹ!" اول خان نے یہ کہہ کر سرخ ایرپیس قدرے زور سے میز پر رکھ دیا۔

اس وقت اول خان کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھی چمک رہی تھیں۔

"یہ کمانڈر سعید کون ہے جس کے پی اے سے بات کرنے کے لیے بھی پاس ورڈ ضروری ہوتا ہے؟" میں نے اول خان کے چہرے پر نظریں گاڑ کے سوال کیا۔

"اس کے پاس یقیناً کوئی اہم خبر ہوگی۔ وہ نیول انٹیلی جنس کی ایریا کمان میں تیسرے نمبر پر ہے۔ میں نے مسقط اور کراچی کے مضافاتی سمندر میں جاری سرگرمیوں کے بارے میں اسے اعتماد میں لیا تھا۔ وہ یقیناً ہمیں تازہ ترین اور مستند خبریں سنا سکے گا۔"

"یہ کام بعد میں بھی ہوسکتے تھے۔" ویرا نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "پہلے ہمیں راس المیڈا کی خبر لینی چاہیے۔ اس وقت ہم پورے ہاتھی کو چھوڑ کر اُس کی دم ٹٹولنے میں لگ گئے ہیں۔"

سلطان شاہ اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکا اور ہنستے ہوئے بولا "بعض اوقات تم ایسے ایسے محاورے بول جاتی ہو کہ تمہاری اردو دانی پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ محاورہ تو تمہاری ہی ایجاد معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے محاوروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ویرا نے رُکھائی سے جواب دیا "اپنی بات واضح کرنے کے لیے جو کچھ ذہن میں آتا ہے کہہ گزرتی ہوں۔ یہاں بیٹھ کر ہم لوگ وقت برباد کررہے ہیں۔"

"اس فون کا تعلق بھی راس المیڈا سے ہے۔" اول خان نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "بدلے ہوئے حالات سے باخبر ہونے کے بعد ہم راس المیڈا سے صحیح باز پُرس کرسکیں گے۔"

ویرا نے بے پروائی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگئی۔ اس کے رویّے سے صاف ظاہر ہو رہا

تھا کہ راس المیڈا اس کے اعصاب سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اس کے سوا ویرا کو کسی اور بات سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ جلد از جلد راس المیڈا کے سر پر سوار ہو کر اس سے جمی لائیڈ کے خون کا حساب لینا چاہتی تھی۔

چند ثانیوں بعد فون کی گھنٹی بجی اور اول خان نے اپنی میز پر رکھا ہوا اسپیکر فون آن کردیا۔

"کمانڈر سعید کا پی اے لائن پر ہے سر!" آپریٹر کی آواز آئی۔ اس کے بعد ہی دوسری طرف سے کہا گیا "سر! ہولڈ کریں۔ میں کمانڈر صاحب سے لائن ملاتا ہوں۔"

"ہیلو!" قدرے توقف کے بعد اسپیکر فون پر ایک دبنگ آواز ابھری۔

"کہو' کیسے یاد کیا تھا تم نے؟ مجھے ابھی ابھی تمہارا پیغام ملا ہے۔" اول خان نے کہا۔

"تمہاری اطلاعات درست ہیں۔" دوسری طرف سے کیے جانے والے اس انکشاف نے ویرا کو بھی چونکا دیا۔ کمانڈر سعید کہہ رہا تھا "لبرٹی نامی تباہ کن جہاز کئی ہفتوں سے مسقط سے دور لنگر انداز ہے۔ وہ لوگ بالکل ایٹ ایز تھے۔ کوئی جنگی مشق یا سرگرمی نہیں تھی لیکن پرسوں سے ان کا ایک ہیلی کاپٹر مشتبہ سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ آج علی الصباح وہ ہیلی کاپٹر لبرٹی سے ایک لمبی پرواز کر کے کولمبیا نامی جہاز پر آیا تھا جو دوسرے جنگی جہازوں کے ساتھ کراچی کے جنوب مغرب میں کھلے سمندر میں لنگر انداز ہے۔"

"اوہ! یعنی ان کے ارادے خطرناک ہیں۔" اول خان نے حیرت سے کہا۔

"پوری بات سنو گے تو تم حیران رہ جاؤ گے۔" کمانڈر سعید کی آواز ابھری "چند گھنٹے پہلے کولمبیا کے چیف ریڈیو افسر نے کراچی نیول بیس کو اطلاع دی ہے کہ ان کا ایک ہیلی کاپٹر عملے کے بیس افراد کے ساتھ معمول کی پرواز کے دوران غائب ہوگیا ہے۔ یہ وہی ہیلی کاپٹر ہے جو لبرٹی سے پرواز کر کے کولمبیا پر آیا تھا۔"

"کیا وہ درست کہہ رہے ہیں؟" اول خان نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔ کمانڈر سعید کے پے در پے انکشافات نے اسے پریشان کردیا تھا۔

"ہمارے ریڈار پر اس ہیلی کاپٹر کو آخری بار شمال کی جانب نیچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا گیا' تھا۔ اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ وہ لوگ کراچی کے قرب و جوار میں کسی مشن پر نکلے ہیں۔"

"وہ کوئی خفیہ مشن ہے تو انہوں نے کراچی نیول بیس کو غلط اطلاعات دے کر اس معاملے میں کیوں ملوث کیا؟ ان کا وہ ہیلی کاپٹر اپنا مشن پورا کر کے خاموشی سے کولمبیا پر واپس آسکتا تھا۔"

"یہی بات مجھے بھی پریشان کر رہی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لوگ ضرورت سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں ان سے اسی طرح نمٹنا پڑے گا۔"

"کوئی مجبوری نہ ہو تو مجھے بھی بتاؤ کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد کمانڈر سعید کی آواز آئی۔ "انہیں معلوم ہے کہ نیول انٹیلی جنس سمیت کئی کوسٹل ایجنسیاں کراچی کے اہم ترین ساحل کی دن رات نگرانی کرتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مشتبہ ہیلی کاپٹر کو دیکھ سکتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ عام حالات میں ایسے مشتبہ ہیلی کاپٹر کو مار گرایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس کی گمشدگی کی اطلاع دے کر اسے تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی اس حرکت کے نتیجے میں وہ ایک گم شدہ ہیلی کاپٹر ہے جسے مشتبہ قرار دے کر گرایا نہیں جاسکے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں ہماری سرزمین پر ایسی کسی کارروائی کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"یہ مجھے واضح طور پر اپنا کیس نظر آرہا ہے۔" اول خان نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ راڈنی آرک والا معاملہ تو نہیں ہے؟" کمانڈر سعید کے لہجے میں بلا کا تجسس تھا۔

"بالکل وہی ہے۔ وہ مردود میری تحویل میں ہے۔ شاید ٹریسر چپ کے اشاروں کے ذریعے انہیں پتا چل گیا ہے کہ راس المیڈا کو کہاں رکھا گیا ہے اور اب وہ کمانڈو ایکشن کے ذریعے اسے نکال لے جانے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ اب تک وہ میری تمام توقعات پر پورے اترتے چلے آئے ہیں۔"

"وش یو گڈ لک' اولڈ بوائے۔" کمانڈر سعید کی آواز میں گرم جوشی سمٹ آئی "یہ بہت بڑا شکار ثابت ہوگا۔ تم چاہو تو اسٹیشن فور کی فضائی حدود کی حفاظت کے لیے کوئی طیارہ فضا میں بھیجا جاسکتا ہے۔"

"نہیں کمانڈر...... تم لوگ اس معاملے سے باہر رہو۔ وہ کھلا میدان سمجھ کر بے خوفی سے آئیں گے اور مارے جائیں گے۔ ہم لوگوں کے پاس سارا ایمونیشن فوج سے مختلف ہے۔ تباہی کے بعد دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کرسکے گی کہ اس ہیلی کاپٹر کو کسی سرکاری ایجنسی نے تباہ کیا ہے۔"

"تشویش کی بات یہ ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر اب تک کہاں ہے؟" کمانڈر سعید نے پوچھا۔

"وہ ساحلی پٹی پر کہیں نہ کہیں لینڈ کر کے چھپ گئے ہوں گے اور مقررہ وقت پر حرکت میں آئیں گے۔ تم فکر مت کرو۔ میں ان کی تباہی کی خبر سب سے پہلے تم ہی کو دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم انہیں دیکھ بھی لیں تو نظر انداز کردیں؟"

"یہی بہتر رہے گا۔" اول خان نے کہا "انہیں اپنے ہدف تک پہنچنے کا موقع ملنا چاہیے۔"

رسمی کلمات اور نیک خواہشات کے تبادلے کے بعد اول خان

نے فون بند کردیا۔

اس وقت میرے وجود میں اضطراب کی ایک ہولناک لہر بیدار ہوچکی تھی۔ میں نے فوراً ہی اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اول خان سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ موقع کی نزاکت سمجھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"دونوں عورتیں یہیں رکیں گی۔" میں نے سب کو اٹھتے دیکھ کر سخت لہجے میں کہا۔

غزالہ دوبارہ بیٹھ گئی لیکن ویرا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے گھورنے لگی۔

اس وقت اس سے بحث بے سود تھی۔ میں اول خان کے ساتھ دفتر سے باہر چل دیا۔

تیز تیز قدموں سے طویل برآمدہ طے کرنے کے بعد اول خان ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا جہاں دو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ وہ اپنے بڑے کو دیکھتے ہی ایڑیاں بجا کر اٹینشن ہوگئے۔

اول خان نے دروازے کی مضبوط کنڈی کھول کر پہلا قدم بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے ویرا اسے دھکیل کر برق رفتاری سے کمرے میں گھستی چلی گئی۔

ہم تینوں کے اندر پہنچنے سے پہلے ہی اونچی چھت والا وہ کمرا اذیت میں ڈوبی ہوئی مردانہ چیخوں سے لرز اٹھا۔

شاید راس المیڈا اس وقت نرم بستر پر دراز تھا۔ ویرا اندر پہنچتے ہی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ راس المیڈا کے لیے وہ دہرا صدمہ تھا۔ پہلی بات یہ کہ ویرا آزاد ہو کر اس کے سر پر مسلط ہوچکی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اس کے تیور بہت خطرناک تھے۔

ویرا کافی دنوں سے سہل پسندی کی زندگی گزار رہی تھی لیکن اس وقت اس کے بدن میں بلا کی پھرتی اور توانائی عود کر آئی تھی۔ اس نے راس المیڈا کو وحشیانہ انداز میں اپنی ٹھوکروں پر رکھا ہوا تھا اور وہ گراں ڈیل بھیڑیا ویرا کی ٹھوکروں سے بچنے کی ناکام کوششوں میں خون میں نہاتا جا رہا تھا۔

پھر ویرا نے موقع ملتے ہی ایک جھٹکے سے اس کی قمیص کے چیتھڑے اڑا دیے۔

وہ منظر دیکھ کر میرے ہاتھ پیروں میں بھی خارش ہو رہی تھی مگر میں رکا رہا کیوں کہ ویرا اپنے حریف پر بری طرح غالب آرہی تھی اور کمانڈر سعید کی گفتگو کے بعد فوری ضرورت کا احساس کرچکی تھی۔

اس نے آناً فاناً میں راس المیڈا کے ریچھ جیسے بالوں سے بھرے ہوئے اوپری دھڑ کو برہنہ کردیا' اس کا داہنا بازو بے رحمی سے موڑ کر اس کی پشت سے لگایا اور اسے جھٹکے دے کر راس المیڈا کے بدن پر سوار ہوگئی۔ اس کا بایاں ہاتھ بہت تیزی کے ساتھ راس المیڈا کا بدن ٹٹولنے میں مصروف تھا۔

"مل گیا۔" اچانک وہ ہانپتے ہوئے غرائی "چاقو لاؤ!" اس وقت اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

راس المیڈا نے خطرہ بھانپ کر پوری طاقت سے ویرا کو الٹ کر اس کی گرفت سے نکل جانا چاہا لیکن ویرا اس وقت نرم و نازک دوشیزہ نہیں رہی تھی۔ اس نے حلق سے ایک تیز آواز نکال کر زور لگایا' کھٹ کی ایک واضح آواز کے ساتھ راس المیڈا کے داہنے بازو کا کوئی جوڑ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا۔

اس اثنا میں اول خان نے اپنی جیب سے کھٹکے دار چاقو نکال کر ویرا کو تھما دیا تھا۔

راس المیڈا کے پرانے زخموں سے بھی دوبارہ خون بہنے لگا تھا۔ اس کے خون کے دھبوں نے ویرا کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا تھا مگر ویرا بے خوف تھی اور وہ واضح طور پر دہشت زدہ نظر آرہا تھا۔

ویرا نے اچانک ہی اس کی داہنی کلائی چھوڑ دی اور راس المیڈا کا وہ بازو بے جان ہو کر ایک طرف ڈھلک گیا۔ جوڑ اتر جانے کی وجہ سے اس کی لمبائی میں نمایاں اضافہ ہوچکا تھا۔

اپنے حریف کا بازو چھوڑتے ہی ویرا نے کھٹکا دبا کر چاقو کا تیز پھل برآمد کیا اور پھر نہایت بے رحمی سے وہ پھل اپنے شکار کے داہنے پہلو میں پسلیوں سے نیچے بھونک دیا۔ چاقو کے لگائے ہوئے زخم سے زندہ اور گاڑھے خون کی دھار بہہ نکلی۔

راس المیڈا تکلیف سے دہرا ہوگیا۔ ویرا نے زخم سے چاقو کا پھل باہر کھینچ کر اپنی انگلیاں لہولہان شگاف میں ڈال دیں۔ وہ بہت بے چینی کے ساتھ اس چپ پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی تھی جو مسلسل سگنلز نشر کر کے راس المیڈا کی نشان دہی کر رہا تھا۔

آخر کار ویرا اچھل کر راس المیڈا کے جسم پر سے اتر گئی۔ اس کا ایک ہاتھ راس المیڈا کے گندے خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اسی ہاتھ کی انگلیوں میں کوئی چیز موجود تھی جو خون کی وجہ سے ناقابلِ شناخت ہوگئی تھی۔

راس المیڈا ننگے فرش پر پڑا کراہتا اور تڑپتا رہا۔ ویرا نے اپنے ہاتھ ایک چادر سے صاف کیے۔ خون کی تہ اتر جانے کے بعد اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی نرم اور لچک دار پلاسٹک کی وہ تھیلی بھی نظر آنے لگی جس میں سلیکون کا ایک مخروطی چپ موجود تھا۔

وہ مختصر اور سخت جان لاسلکی چپ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اسے شاید آگ میں جلا کر بھی ناکارہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ ویرا نے غور سے اس ننھی سی تھیلی کو دیکھا اور پھر اسے فرش پر ڈال کر اپنے جوتے کی سخت ایڑی سے کچلنے لگی۔ اول خان نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹایا۔ ویرا الگ ہٹ گئی اور اول خان نے قریب سے فائر کر کے اس چپ کو تباہ کردیا جو راس المیڈا اور اس کے ہمدردوں کے درمیان مسلسل ایک خاموش رابطے کا کام سر انجام دے رہا تھا۔ فرش پر بارود کے دھبے کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تمہیں چپ کو تباہ کرنے کی اہمیت یاد رہی۔" اول خان سیفٹی کیچ لگا کر ریوالور دوبارہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم جوشِ انتقام میں اسے بھول ہی نہ جاؤ۔"

"کمانڈر سعید کے انکشافات کے بعد اسے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔" ویرا گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولی "اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب ہیلی کاپٹر والوں پر وقت پڑ جائے گا۔"

مجھے احساس ہوا کہ ہم چاروں ہی وہاں موجود تھے لیکن غزالہ نہیں تھی۔

"غزالہ کہاں رہ گئی؟" میں نے حیران ہو کر سلطان شاہ سے پوچھا۔

"تم خود ہی تو اسے اول خان کے دفتر میں روک کر آئے ہو" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"جاؤ۔ اسے بھی یہیں بلا لاؤ۔ میں نے تو دونوں عورتوں کو رکنے کے لیے کہا تھا۔"

"کیا تم غزالہ کو کمزور اعصاب کا مالک سمجھتے ہو؟" سلطان شاہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"تم نرے گھامڑ ہو" میں اس کی سادہ لوحی پر مسکرا کر رہ گیا۔

"میرا ارادہ راس المیڈا کو برہنہ کرکے اس کے بدن میں چھپے ہوئے چپ کو تلاش کرنے کا تھا۔ عورتوں کے....."

"میں سمجھ گیا" اس نے درمیان میں سے ہی میری بات کاٹ دی "اس کا مطلب ہے کہ تم تینوں ہی چپ حاصل کرنے کا ارادہ کرکے ادھر آئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تم راس المیڈا کی گوشمالی کرو گے۔"

"ویرا نے اس کی اچھی خاصی گوشمالی کی ہے۔ اس کا داہنا بازو ڈیڑھ دو انچ لمبا ہو چکا ہے۔"

سلطان شاہ قائل ہوتے ہی غزالہ کو بلانے کے لیے اس کمرے سے چلا گیا۔

میں راس المیڈا کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بائیں ہاتھ سے اپنے پہلو کا زخم دبائے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ ایک طرف جھول رہا تھا جب کہ اس شانے پر ورم نمودار ہونے لگا تھا۔

"تم سب درندے ہو" ہمیں اپنی طرف متوجہ پا کر راس المیڈا غراتے ہوئے بولا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے ساتھ رہ کر ویرا اتنی خونخوار ہو گئی ہو گی۔"

"ابھی میں نے صرف چپ حاصل کیا ہے" ویرا اسے گھورتے ہوئے بولی "میرا اور تمہارا اصل حساب کتاب اب شروع ہو گا۔ میں دیکھوں گی کہ اب تمہیں میرے چنگل سے کون نکالتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ذہن میں میرے خلاف زہر بھرا گیا ہے۔ تم یقین کرو کہ جمی لائیڈ کے قتل میں میرا کوئی کردار نہیں تھا۔ صدر کو شبہ ہو گیا تھا کہ جمی لائیڈ ایف بی آئی کا مخبر بھی ہے۔"

"یہ صفائی پیش کرکے تم کون سا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" اول خان نے بڑھ کر سوال کیا۔

"میں اس وقت تم لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ اس وقت مجھے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری سرزمین پر یوں بے یار و مددگار نہیں مرنا چاہتا۔ میں خود کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ میری مدد کرو، میں تمہاری کسی ہدایت سے سرمو انحراف نہیں کروں گا۔"

راس المیڈا کے ان ذلت آمیز فقروں نے مجھے حیران کر دیا۔

وہ صیہونی نسل پرست اور عالمی دہشت گرد تھا۔ امریکا میں وہ زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ تصور کیا جاتا تھا۔ تباہ کن سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے سلسلے میں اس کا ذہن اتنا زرخیز تھا کہ اس نے امریکا جیسی سپرپاور کے صدر کو اپنے سامنے بے بس کیا ہوا تھا، پاکستان میں اس نے تخریب کاریوں کے ایک ہولناک سلسلے کا آغاز کیا ہوا تھا لیکن ویرا کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد وہ یک بیک کسی چوہے سے زیادہ حقیر نظر آنے لگا تھا۔

"نیلو ربا میے کیا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کی علامات نظر آئیں پھر اس نے کہا "یہ بھی بتا دوں گا مگر پہلے میرے زخموں کا بندوبست کرو۔ خون اسی طرح بہتا رہا تو تم اپنے کسی سوال کا جواب حاصل نہیں کر سکو گے۔"

اسی وقت غزالہ، سلطان شاہ کے ساتھ اس کمرے میں آ گئی۔

"تم لوگ اسے دیکھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں" اول خان نے چونک کر اردو میں کہا "ہو سکتا ہے کہ چپ تباہ ہونے کے بعد آنے والے مہمان بھٹکتے ہی رہ جائیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں اپنے عملے کو ضروری ہدایات دے کر واپس آتا ہوں۔ میری واپسی تک اس کی زندگی کا چراغ گل نہ کرنا۔"

"فکر مت کرو" ویرا عجیب سے لہجے میں بولی "یہ اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہے۔"

اول خان عجلت آمیز انداز میں اس کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

"اس وقت تم پوری دنیا سے کٹ چکے ہو" ویرا نے راس المیڈا سے کہا "یہاں میلوں دور تک ویرانہ ہی ویرانہ ہے۔ تمہاری چیخ پکار پر کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا۔ تمہارے ہمدرد تمہیں راڈنی آرک کہنے پر مصر ہیں۔ ہم تمہیں راس المیڈا کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی شرائط پیش کرنے کے بجائے ہمارے چند سوالوں کے جواب دے ڈالو۔"

ویرا کے نپے تلے الفاظ میں یہ پیغام پنہاں تھا کہ ہم اسے زندہ رکھ کر دنیا کو اس کا اصل روپ دکھانا چاہتے تھے۔ راس المیڈا نے وہ نکتہ بھانپ لیا اور مصالحانہ انداز میں بولا "میں نیلو ربا میے کے سوا تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔ اس کا جواب اس وقت ملے گا جب تم مجھے دنیا کے سامنے پیش کرو گی۔"

ویرا آگے بڑھی۔ راس المیڈا نے دہشت زدہ ہو کر بہت سرعت سے اپنے زخمی وجود کو سمیٹا اور فرش کو چھوڑ کر پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اس وقت وہ سبک اندام ویرا کے مقابلے میں مار کھایا ہوا... بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ جسیم اور قد آور ہونے کے ساتھ اس کے برہنہ دھڑ پر اگے ہوئے گھنے سیاہ بال، زخمی چہرے پر بڑھا ہوا شیو اور دائیں پہلو کے زخم سے جھولتے ہوئے لوتھڑے اس کی ہیبت میں کئی گنا اضافہ کر رہے تھے۔

ویرا رک کر تضحیک آمیز نظروں سے اسے گھورنے لگی۔ راس المیڈا کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر جھول رہے تھے۔ ان میں داہنے ہاتھ کا طول خاصا بڑھا ہوا تھا۔

اچانک ویرا کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے اچھلی، اس کے دونوں جوتے پوری قوت کے ساتھ راس المیڈا کے بائیں شانے پر پڑے اور وہ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ فرش پر جا گرا۔ ویرا اس کے شانے کو ادھیڑ کر ہتھیلیوں کے بل فرش پر ٹکی اور فضا میں قلابازی کھا کر دوبارہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔

ویرا کی اس بے مثال مہارت پر میں حیران رہ گیا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے حریف پر وار کیا تھا۔ ضرب لگنے تک اس کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا فضا میں اڑ کر کدھر حملہ آور ہونے والی تھی۔

اسے خوف تھا کہ کہیں ویرا دوبارہ چاقو سنبھال کر اس کے سر پر سوار نہ ہو جائے اس لیے وہ بوکھلا کر لڑکھڑاتا ہوا جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بار اس کا بایاں ہاتھ بھی لمبا ہو چکا تھا۔ ویرا نے یکے بعد دیگرے اس کے دونوں شانے اتار کر اسے ہاتھوں کے آزادانہ استعمال سے معذور کر دیا تھا۔

"ساگا تمہارے لیے کیا کام کر رہا تھا؟" ویرا نے سفاکانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"وہ اس علاقے میں بننے والی ہیروئن پر اجارہ داری حاصل کرنا چاہتا تھا" راس المیڈا نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں دھیرے دھیرے کہا "مجھے سرمائے کی ضرورت ہے اور خطیر سرمایہ صرف ہیروئن کی تجارت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ میرا ایک پرانا خواب تھا جو شاید اب پورا نہیں ہو سکے گا۔"

"ہیروئن کی تجارت اور شی کی سربراہی دو متضاد باتیں نہیں ہیں؟"

"شی ہیروئن کی تجارت کی سب سے بڑی سنڈیکیٹ ہے۔ فرق اتنا تھا کہ جمی لائیڈ کے زمانے میں شی دنیا کے خاص خاص علاقوں میں ہیروئن کو فروغ دیتی تھی۔ میں اسے کھلی منڈیوں میں لے جاتا

چاہتا تھا تاکہ دولت کے انبار حاصل کرسکوں اور میرا یہی خواب آج مجھے لے ڈوبا" وہ سخت اذیت میں ہونے کے باوجود ویرا کے سوالوں کے جواب ٹالنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

"اور دولت کے یہ انبار تمہیں ڈیوڈ اسٹارز کے لیے درکار تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"سرمایہ وہیں کام آتا" اس نے اعتراف کیا "ڈیوڈ اسٹارز کو کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ آج وہ تنظیم اتنی مضبوط ہوچکی ہے کہ کسی سہارے کے بغیر بھی دن بہ دن ہر طرف چھاتی چلی جائے گی۔"

"تمہارا ہونا یا نہ ہونا بھی اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنے گا؟"

"اس سوال کا جواب آنے والا وقت دے گا۔ میں اپنے حصے کا کام کرچکا ہوں۔"

"نیلو ربا جیسے ساگا کا کیا تعلق تھا؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"پھر وہی سوال!" وہ کراہا "میرے ہاتھ پیر توڑ کر تم میری زبان نہیں کھلوا سکتے۔"

ویرا نے فرش پر پڑا ہوا خون آلود چاقو اٹھا کر چادر سے صاف کیا اور خطرناک نظروں سے راس المیڈا کو گھورتے ہوئے بولی۔

"اب میں اس سے تمہارے جسم پر اَن گنت شگاف لگاؤں گی اور پھر تمہارے ان زخموں میں پسی ہوئی مرچیں بھردی جائیں گی۔ تم بھول رہے ہو کہ تھرڈ ڈگری بڑے بڑوں کا دماغ درست کردیتی ہے۔"

"ٹھہرو!" یہ کہتے ہوئے راس المیڈا نے شاید مدافعانہ انداز میں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کے جھولتے ہوئے بازو بس اپنی جگہ پر ہل کر رہ گئے۔ شانے اتر جانے کی وجہ سے عضلات بھی ناکارہ ہوگئے تھے۔ اس کوشش میں اس کے چہرے پر بے پناہ کرب کا ایک گہرا سایہ آکر گزر گیا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم مجھے میرے اصل روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہو؟" اپنی اذیت پر قابو پانے کے بعد اس نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ہمارے عزائم ہیں۔ تمہیں ان سے سروکار نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے تلخی سے کہا۔

"تم ابھی چاہو تو ایک پریس کانفرنس بلالو۔ میں ہجوم کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کرلوں گا.... مجھے زندہ رہنے کی کوئی موہوم سی ضمانت بھی مل جائے تو میں تمہارے بڑے سے بڑے سوال کا جواب دے دوں گا۔"

ویرا اس وقت چاقو کے پھل پر انگلی پھیر رہی تھی۔ اس نے چاقو کی نوک اپنی چٹکی میں دبائی اور پھر تیزی سے چاقو راس المیڈا کے پیٹ کی طرف پھینک دیا۔ چاقو فضا میں چکراتا ہوا اپنے ہدف کی طرف لپکا تو راس المیڈا بے بسی سے چیخ پڑا۔ اس کے ہاتھ آزادانہ حرکت سے معذور تھے۔ اس نے اپنے جسم کو بل دے کر چاقو سے بچنا چاہا اور چاقو اس کے داہنے پہلو کے پہلے زخم سے ذرا نیچے پیوست ہوتا چلا گیا۔

"آؤ۔ فی الحال اسے یوں ہی چھوڑ دو" میں نے ویرا کا بازو تھام کر نرمی سے کہا "بھوک اور پیاس کی حالت میں اس کے زخموں کی تکلیف بڑھے گی تو اس کا دماغ ٹھکانے پر آجائے گا۔"

ویرا میری طرف پلٹی اور پھر میرا اشارہ سمجھ کر دروازے کی طرف چل دی۔

"ظالمو! میرے پیٹ میں سے یہ چاقو تو نکالتے جاؤ" راس المیڈا بے بسی سے گڑگڑایا۔

"یہ اسی طرح پیوست رہے گا۔ آہنی پھل میں نمی اور ہوا کی وجہ سے زنگ آنا شروع ہوگا تو تمہارے جسم میں اس کا زہر سرایت کرنے لگے گا۔ تم سسک سسک کر اسی طرح مرجاؤ گے" میں نے رک کر سفاکانہ لہجے میں کہا اور پھر خود بھی اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یا خدا!" راس المیڈا کی لرزتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی "کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ سفاک درندے مجھے زندہ رکھیں گے یا مار ڈالیں گے.... تو مجھ پر اپنا رحم فرما۔"

راس المیڈا کی وہ فریاد عبرت کا ایک شاہکار تھی۔ انسان جب بااختیار ہوتا ہے تو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح روند کر اپنا راستہ بناتا رہتا ہے۔ اسے خدا یاد رہتا ہے' نہ خدا کے بندوں سے محبت کا دھیان آتا ہے' لیکن جب وہی انسان طاقت و اختیار سے محروم ہوکر بے سروسامان ہوجاتا ہے تو اسے اپنے معمولی معمولی دکھوں پر خدا یاد آنے لگتا ہے۔ وہ ان رعایتوں کا طالب نظر آتا ہے جو وہ بھلے وقتوں میں دوسروں سے چھینتا رہا تھا۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اپنی ذات کے یہ تضادات کسی انسان کو کبھی نظر نہیں آتے۔

میں ان لوگوں کے قریب پہنچا تو سلطان شاہ' ویرا سے کہہ رہا تھا "تم نے دل کھول کر راس المیڈا سے اپنے مصنوعی باپ کا انتقام لے لیا ہے۔ اب اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا' وہ بونس کے طور پر ہوگا۔"

"مصنوعی باپ! یہ تم کیا بک رہے ہو؟" ویرا نے بھنا کر پوچھا۔

"قدرتی ہوتا تو تمہیں اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے کبھی انکار نہ کرتا" سلطان شاہ نے بوکھلا کر وضاحت کرنے کی کوشش میں مزید بگاڑ کے امکانات روشن کردیے "ایسے باپ کو نرم الفاظ میں تم اور کیا کہو گی؟"

میں نے معاملے کی نزاکت بھانپتے ہوئے فوراً ہی موضوع بدل دیا اور ویرا سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ اب راس المیڈا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ نیلو ربا جیسے کے بارے میں بولے گا یا خاموش رہے گا؟"

"اس کے فرشتے بھی بولنے پر مجبور ہوجائیں گے" ویرا نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں خود بھی اسے سوچنے کی مہلت دینے کے بارے میں سوچ رہی تھی اسی لیے میں نے تمہارا مشورہ مان لیا ورنہ تم دیکھتے کہ میں اس کا کیا حشر کرتی۔ یہ تماشا اب اول خان کی موجودگی میں ہوگا۔"

"اتنی مار دھاڑ اور چاقو زنی کے بعد اب کون سا حربہ باقی رہ گیا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اسے مصلوب کروں گی" ویرا نے سفاکانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ صلیب کی توہین ہوگی۔ راس المیڈا ایسے اعزاز کا مستحق نہیں ہے" سلطان شاہ بولا۔

"اسے فرش پر چت لٹا کر اس کی دونوں ہتھیلیاں کیلوں سے فرش میں گاڑنا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا" ویرا نے کہا "ایسی حالت میں اس کے بدن کو کسی گرم سلاخ سے داغا بھی جاسکتا ہے۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم اول خان کے دفتر میں پہنچے تو وہ وہاں موجود نہیں تھا لیکن ہم لوگوں کے لیے دیگر لوازم کے ساتھ چائے تیار تھی۔ اس کے آدمی نے ہمارے پہنچتے ہی پیالیاں تیار کرنی شروع کردیں۔

"اول خان کا خیال ہے کہ راس المیڈا کے بدن میں چھپا ہوا چپ تباہ ہونے کے بعد اس کی تلاش میں آنے والے بھٹک سکتے ہیں۔ مجھے یہ خیال سراسر خوش فہمی معلوم ہوتا ہے۔" چائے پیتے ہوئے غزالہ نے کہا۔

"یہ بات اول خان بھی جانتا ہے" میں نے کہا "اگر وہ لوگ راس المیڈا کی تلاش میں ہیں تو پچھلے سگنلز کی روشنی میں اس مقام کا تعین کرکے اپنے نقشے وغیرہ بنا چکے ہوں گے اور اسی کے مطابق کارروائی کریں گے۔ سگنلز کا سلسلہ یکلخت موقوف ہونے سے وہ الجھن میں پڑسکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ادھر آنے والے ہیلی کاپٹر میں اس چپ سے براہِ راست رہنمائی حاصل کرنے والا کوئی خاص آلہ نصب ہو جو ان کی مدد نہ کرسکے مگر یہ ناممکن ہے کہ چپ تباہ ہونے کے بعد اسٹیشن فور ہر خطرے سے محفوظ ہوگیا ہو۔"

"میں بھی بالکل یہی باتیں سوچ رہی تھی مگر میرے شبہات ذرا منتشر سے تھے" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

"تم دونوں کا دماغ ایک فری کوئنسی پر کام کرتا ہے اسی لیے تمہاری گاڑی کامیابی سے چل رہی ہے۔" ویرا نے برجستہ تبصرہ کر ڈالا "سوچ میں زیادہ فرق ہو تو معاملہ گڑبڑ ہوجاتا ہے۔"

"ویسے تو تمہارے دماغ کی فری کوئنسی بھی ڈینی سے ملتی ہے" سلطان شاہ نے شوخی سے کہا۔

"میں ہر ٹیڑھے اور سیدھے آدمی کے ساتھ سمجھوتا کرسکتی ہوں لیکن تمہاری کھوپڑی میری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ کس کا مقدر پھوٹے گا" ویرا نے بے رحمی سے اسے رگڑ ڈالا۔

غزالہ نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "گھر کی بات گھر میں طے ہوجائے تو کسی کا مقدر پھوٹنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ تم دونوں لڑ بھڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ گزارہ کر ہی لو گے۔"

"وہ تو اب بھی ہو رہا ہے" ویرا نے خفت کے کسی مظاہرے کے بغیر کہا پھر اچانک ہی میری طرف متوجہ ہوگئی "راستے میں تم نے مسکن دواؤں کے حوالے سے کسی مصطفیٰ زیدی اور شہناز گل کا حوالہ دیا تھا' یہ دونوں کون ہیں؟"

"نئے دور کے دو چاہنے والے تھے" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا "موصوف بہت اچھے شاعر تھے اور وصال کے موسم میں کبھی کبھی مسکن دوائیں استعمال کرتے تھے۔ اب یہ کہانی اخباروں میں دفن رہ گئی ہے۔"

ہم لوگوں نے باتیں کرتے ہوئے چائے ختم کرلی لیکن اول خان واپس نہیں آیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

بظاہر میری تشویش کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ اس وقت ہم سب اسپیشل ٹاسک فورس کے گڑھ میں بیٹھے ہوئے تھے جو ان دنوں کے حالات میں شہر کا محفوظ ترین علاقہ تصور کیا جاسکتا تھا۔ میں نے دفتر سے برآمدے میں نکل کر اول خان کے آدمی سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ چند منٹ پہلے راس المیڈا والے کمرے میں جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔

اول خان کی واپسی تقریباً دس منٹ بعد عمل میں آئی۔ اس کے چہرے سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری کسی اینٹی ائرکرافٹ گن میں خرابی پیدا ہوگئی ہے" ویرا نے اس سے کہا۔

"دونوں گنیں بالکل ٹھیک ہیں۔ ہیلی کاپٹر گرانے کے لیے تو لمبی رینج کی رائفل بھی بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے" اول خان نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میری تشویش کا سبب کچھ اور ہی ہے۔"

سب کی استفسار طلب نگاہیں اول خان کے گمبھیر چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"تم جا کر اپنا حلیہ درست کرو" اول خان نے ویرا سے کہا۔ "تمہارے چہرے اور کپڑوں پر راس المیڈا کے خون کے داغ بہت بدنما معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کرلوں گی" ویرا نے بے پروائی سے کہا "پہلے تم اپنی تشویش کا سبب بتاؤ۔"

"میں نے تمہارے بے رحمانہ تشدد کی فرضی کہانیاں سنا کر راس المیڈا کو زبان کھولنے پر آمادہ کرلیا ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا ہے' وہ بہت تشویشناک ہے۔"

اول خان کے خاموش ہونے پر ویرا اضطراری طور پر بول پڑی۔ "خاموش کیوں ہوگئے؟ بات پوری کرو۔"

"راس المیڈا نے پاکستان میں اپنی مسلسل ناکامیوں کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اور اس کے اہم ساتھی سفید فام ہونے کی وجہ سے ہر جگہ نظروں میں آجاتے ہیں اور کام بگڑ جاتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے بھارت سے را کے دو تجربے کار ایجنٹوں کو پاکستان بلایا تھا۔ انہیں سمندری راستے سے پاکستان پہنچانے کا کام ساگا کو سونپا گیا تھا۔ نیلو ربا میسے اس مشن کی تکمیل کا پیغام تھا۔"

"یعنی نیلور کے تجرباتی ری ایکٹر سے اس قصے کا کوئی تعلق نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"شاید براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ را کے ایجنٹ یہاں قدم جمانے کے بعد نیلور کی طرف بھی متوجہ ہوجائیں۔ وہ یہاں آئے ہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلائیں گے۔"

"وہ راس المیڈا کی مدد کے لیے آئے تھے تو اسے ان کے ٹھکانے کا علم بھی ہونا چاہیے" ویرا نے کہا۔

"انہیں کشمیر روڈ والی کمین گاہ کے فون پر جان سیموئیل سے رابطہ کرنا تھا۔ اس سے مل بیٹھنے کے بعد آئندہ کا کوئی پروگرام طے کیا جانا تھا۔ ہماری کارروائی کے نتیجے میں کشمیر روڈ والا ٹھکانا ویران ہوگیا، جان مارا گیا۔ اب کچھ پتا نہیں کہ وہ دونوں کہاں ہوں گے اور کیا کررہے ہوں گے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ راس المیڈا نے تمہیں چکما دینے کی کوشش نہیں کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جھوٹ کو میں ہرگز اتنی اہمیت نہ دیتا۔ وہ موت سے بہت زیادہ خائف ہے۔ دہشت زدہ ہونے کے بعد اس نے جو کہانی سنائی ہے، وہ قابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔"

"وہ چاہتا تو اسے بھارتی قونصل خانے سے را کے ایجنٹوں کی خدمات مستعار مل سکتی تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے مجھ سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہ سوال میں نے بھی پوچھا تھا۔ راس المیڈا بالکل نئے چہروں سے کام لینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھارت کے سفارتی عملے کے ساتھ ساتھ را کے مقامی ایجنٹ ہماری متعلقہ ایجنسیوں کی نظروں میں ہیں۔ ان سے کام لینے کی کوشش کی گئی تو اس کا سارا کھیل چوپٹ ہوکر رہ جائے گا۔ یہ دلیل خاصی وزنی اور قرینِ قیاس ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ڈینی کو ایک مرتبہ پھر کراچی کے بازارِ حسن کے پھیرے لگانے پڑیں گے" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی اور فکرمندی سے کہا۔

"وہ کیوں؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا "تمہیں وہ گندہ علاقہ کیوں یاد آرہا ہے؟"

"مجبوری ہے۔ ساگا اپنا [illegible] وہیں گزارتا تھا۔ اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات وہیں سے مل سکیں گی۔ اسی طرح ہم را کے ان دونوں خطرناک ایجنٹوں کا سراغ لگا سکتے ہیں۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے" میں نے تیزی سے کہا "اگر وہ دونوں پاکستان کی سرزمین پر اجنبی ہیں تو ساگا اور جان کی موت کے بعد اب بالکل بے یار و مددگار رہ گئے ہوں گے اور جلد ہی اپنے ان ساتھیوں سے ملنے کی کوشش کریں گے جو پہلے سے یہاں موجود ہیں اور کام کررہے ہیں....."

"وہ کسی سے ملے بغیر واپس بھی جاسکتے ہیں" ویرا نے رائے ظاہر کی "کوئی بھی ہوشیار سیکرٹ ایجنٹ اجنبی سرزمین پر زیرِ زمین دنیا کے سرغنوں سے رابطہ کرنے کے گُر اچھی طرح جانتا ہے۔ ساگا نہ سہی، اس کی جگہ دوسرے بہت سے لوگ انسانوں کو غیر قانونی طور پر یہاں لانے اور یہاں سے لے جانے کا کام کرتے ہوں گے۔"

"وہ لوٹ جاتے ہیں تو قصہ ہی پاک ہوجاتا ہے" میں نے کہا۔

"انہیں یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ کچھ بریفنگ ضرور دی گئی ہوگی۔ انہوں نے اسی کی روشنی میں یہاں رک کر ہاتھ پیر پھیلانے شروع کردیے تو کیا ہوگا؟"

"تم سب اپنی اپنی ذات میں یہاں کے ایک عام شہری ہو" ویرا نے زور دے کر کہا "بعض اوقات نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ تم یہاں کے قانون کے محافظوں سے چھپتے پھرے ہو۔ ایسی صورت میں تمہیں بہت زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ان ہی کاموں کی تنخواہ لیتے ہیں اور وہ اپنے فرائض انجام دینا جانتے ہیں۔"

"تمہاری یہ تادیل مجھ پر لاگو نہیں ہوتی۔ میں ایک ذمے دار افسر ہوں" اول خان نے احتجاج کیا۔

"تمہیں آج تک یہی نہیں معلوم کہ تم سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری۔ پھر تم اپنی ذمے داری کا تعین کیسے کرسکتے ہو؟ تم پورے ملک کے ٹھیکے دار نہیں بن سکتے۔"

"ویرا!" میں نے سختی سے کہا "تم بہت ذہین اور ہوشیار ہو لیکن ہمارے درمیان مایوسی اور بددلی پھیلانے کی کوشش مت کرو۔ اول خان کی ذمے داری کا تعین اس کے رسوخ اور اختیارات سے ہوجاتا ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ یہ تھوڑی دیر پہلے نیول انٹیلی جنس کے کس افسر سے بات کررہا تھا۔"

"میں حقائق بیان کررہی تھی" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "میرا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ تم لوگ راس المیڈا پر اپنا کام ختم کرچکے ہو تو اسے میرے حوالے کردو۔ میں اسے میدان میں دوڑا دوڑا کر ہلاک کروں گی۔ یہ میرا حق ہے۔ تم لوگوں کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔ اپنا دل ٹھنڈا کرلینا لیکن اس سے پہلے اپنا حلیہ درست کرلو" اول خان نے کہا "میں پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ مجھے راس المیڈا کے لیے صرف دو دن دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس

کی لاش کو کہیں نہ کہیں سے برآمد ہونا چاہیے۔ موقع ملا تو یہ کام آج ہی پورا کرلیا جائے گا۔"

ویرا ایک آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ دفتر سے نکل کر عقبی حصے کی طرف چلی گئی جہاں غسل خانہ موجود تھا۔

"کولبیا سے غائب ہونے والا ہیلی کاپٹر نہ جانے کب نمودار ہوگا؟" ویرا کے جانے کے بعد سلطان شاہ نے خودکلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"وہ کہیں نہ کہیں چھپے ہوئے ہوں گے اور اندھیرا پھیلنے کے بعد اپنے مشن پر نکلیں گے" غزالہ نے رائے ظاہر کی۔

وہ ایک پیشہ ورانہ مسئلہ تھا اس لیے اول خان خاموش نہ رہ سکا۔ اس نے کہا "وہ آئے تو اندھیرا پھیلنے سے قبل یا پھر علی الصباح آئیں گے۔ اجالے میں اوپر سے ہدف کا تعین آسانی سے ہوجاتا ہے۔ اندھیرے میں اس قسم کے مشن عام طور پر ناکام رہتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ان کا ہیلی کاپٹر واقعی کسی حادثے کا شکار ہوگیا ہو" سلطان شاہ بولا۔

"راس المیڈا کے جسم سے چپ برآمد ہونے کے بعد یہ سوچنا بے سود ہے" اول خان کا لہجہ اٹل تھا۔

تھوڑی دیر میں ویرا ہاتھ منہ دھوکر واپس آگئی۔ لباس پر پڑے ہوئے خون کے داغ بدستور موجود تھے۔

اس نے آتے ہی راس المیڈا کے بارے میں اپنا مطالبہ دہرایا اور ہم ایک مرتبہ پھر دفتر سے نکل کھڑے ہوئے۔ باہر آکر مجھے حیرت ہوئی کہ اسٹیشن فور کے پارکنگ ایریا میں موجود گاڑیاں غائب ہوچکی تھیں۔ اسی کے ساتھ وہاں نفری کی کمی بھی محسوس ہورہی تھی۔

وہ صرف میرا مشاہدہ نہیں تھا۔ وہ تبدیلیاں اتنی نمایاں تھیں کہ سلطان شاہ نے بھی محسوس کرلیں۔ ہماری الجھن بھانپ کر اول خان نے بتایا کہ دشمنوں کی متوقع فضائی مہم جوئی کے خطرے کی وجہ سے اس نے میدان میں جمع گاڑیوں کو اس علاقے میں دور تک پھیلادیا تھا تاکہ فضا سے کسی زمینی اڈے کی موجودگی کا سراغ نہ مل سکے۔ اس حکمتِ عملی کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ ایس ٹی ایف کے مستعد اہل کار اپنی گاڑیوں میں موجود رہ کر کافی دور تک فضائی حدود پر نگاہ رکھ سکتے تھے اور اپنی رینج میں آنے والے مشتبہ ہیلی کاپٹر کو گراسکتے تھے۔

ایس ٹی ایف کا خاصا عملہ گاڑیوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ جو لوگ باقی رہ گئے تھے انہیں بیرکوں میں محدود ہوجانے کے احکام دے دیے گئے تھے۔ ان حفاظتی اقدامات کے بعد وہ علاقہ خاصا محفوظ نظر آنے لگا تھا۔

ہم ان تبدیلیوں اور تیاریوں پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے راس المیڈا کے کمرے میں پہنچے تو وہ بہت ابتر حالت میں فرش پر پڑا ہوا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"ہم نے تمہیں امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے" راس المیڈا سے سامنا ہوتے ہی میں اضطراری انداز میں بول پڑا حالانکہ وہاں پہنچنے تک میرے ذہن میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"میرے جسم سے بہت خون بہہ چکا ہے" وہ کمزور آواز میں بولا۔ اس کے آس پاس فرش پر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے اس کی شکایت کی کھلی تصدیق کررہے تھے۔

"تھوڑی دیر میں تمہاری ساری تکلیفیں دور ہوجائیں گی" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا "ہم نے نیلو ربا میسے کے بارے میں تمہاری کمزور کہانی سن لی ہے۔ اب ذرا یہ بھی بتادو کہ ڈیوڈ اسٹارز میں تمہارا جانشین کون ہے؟"

"جب تک میں زندہ ہوں، کوئی میرا جانشین بننے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو پھر آئزک بیل میرا انتقام لے گا۔ نیل..... نیلو ربا میسے کے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ تمہیں اس پر اعتبار نہیں تو یہ میرا قصور نہیں ہے۔ مجھے تمہاری انسانی ہمدردی کی ضرورت ہے۔"

"اپنے قدموں پر کھڑے ہوجاؤ اور ان لوگوں کا تصور کرو جو تمہارے رفیق کار تھے اور فریڈم لاج کی چھت پر تمہارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ کیا وہ کسی انسانی ہمدردی کے حق دار نہیں تھے؟"

"ڈینی! تم تلخ ہورہے ہو" اس کی آواز سے خوف جھلکنے لگا۔ "کیا اب تم وعدہ خلافی کروگے؟"

"نہیں، میں اپنی مٹی سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔ میں وعدہ شکن اور ضمیر فروش نہیں ہوں۔ اٹھو اور اس بند کمرے سے باہر آکر دیکھو کہ کھلے آسمان کے نیچے ہماری زمین کتنی خوب صورت لگتی ہے۔"

اس کی پھولی ہوئی آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزنے لگے۔ وہ اٹھتے ہوئے بڑبڑایا "اپنی مٹی سے کیا ہوا عہد..... تمہاری باتوں سے خون کی بو آرہی ہے..."

"یہ تمہارے اپنے خون کی بدبو ہے جو تمہیں ستارہی ہے" میں نے بے رحمی سے کہا "اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اس بند اور سڑتے ہوئے کمرے سے نکل کر تازہ ہوا کی خوشبو اپنے وجود میں سمیٹو، یہ سعادت تمہیں دوبارہ نہیں ملے گی۔"

اس کی سہمی ہوئی نظریں میرے چہرے سے پھسل کر اول خان کے بشرے پر مرکوز ہوگئیں "تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے ویرا کی بربریت سے محفوظ رکھوگے مگر اب ڈینی پر خون سوار ہے۔ یہ کیا ہورہا ہے؟"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ باہر آجاؤ" اول خان نے نرمی سے کہا۔

وہ چلا تو اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں پر یوں جھول رہے تھے جیسے مفلوج ہوچکے ہوں۔ ورم آلود

شانے آگے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے۔ ہم پانچوں نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

وہ جیسے ہی دروازے سے باہر نکلا' ویرا نے لپک کر اُس کی پشت پر زوردار لات رسید کی اور وہ چیخیں مار کر دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ وہ رو دینے والی آواز میں گھگیاتا ہوا بہت مشکل سے برآمدے کے پختہ فرش سے اٹھا تو ویرا دوبارہ اس کے سر پر مسلط ہوچکی تھی۔ جاتے جاتے اس نے اول خان کی جیب سے ریوالور اچک لیا تھا۔

"اب دوڑو اور دوڑ کر میری دسترس سے نکلنے کی کوشش کرو۔ تم پانچ منٹ تک مجھ سے دور رہنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں زندگی مل جائے گی ورنہ جہنم کے دہانے پر میرا باپ تم سے اپنا حساب بے باق کرنے کا انتظار کررہا ہے" ویرا نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اس سے کہا "تم اس کے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

اس نے ویرا کی طرف دیکھا اور کانپ اٹھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے دوڑ لگادی۔ اس نے ویرا کی آنکھوں میں اس کے عزائم کی تحریر بالکل صاف پڑھ لی تھی۔

راس المیڈا کے دوڑتے ہی ویرا کسی معصوم بچے کی طرح قلقاری مار کر ہنس پڑی پھر اس نے بھی اپنے شکار کے تعاقب میں دوڑ لگادی۔ اس وقت تک راس المیڈا برآمدے سے اتر کر میدان میں پہنچ چکا تھا۔ وہ نڈھال اور زخمی تھا۔ ویرا جوان اور تندرست تھی۔ وہ چند لمحوں میں اپنے شکار تک پہنچ گئی۔ اس نے پیچھے سے راس المیڈا کو اڑنگی لگائی اور وہ فضا میں اچھل کر ایک مرتبہ پھر خاک چاٹنے پر مجبور ہوگیا۔

"اٹھو اور بھاگو!" ویرا پوری قوت سے دہاڑی۔ اس کی وحشیانہ آواز میں ایسی تاثیر تھی کہ راس المیڈا ایک مرتبہ پھر میدان میں دوڑتا ہوا نظر آیا۔

"یہ واقعی بربریت ہے" غزالہ پھریری لے کر بولی "اب اسے گولی ماردینی چاہیے۔"

"یہ بربریت ضرور ہے لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ اس کا نشانہ راس المیڈا ہے۔ اپنے اعمال کی بنا پر وہ اس سے زیادہ پُراذیت موت کا حق دار ہے اور پھر ویرا کو اس وقت کون روک سکے گا۔ تم نے سنا نہیں کہ اس کی آواز سے کیسی درندگی جھلک رہی ہے۔"

"تم میرے دفتر میں جاکر بیٹھو۔ یہ کھیل زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گا" اول خان نے غزالہ کے شانے پر تھپکی دے کر نرمی سے کہا اور غزالہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اس کے دفتر کی طرف چل دی۔

میدان راس المیڈا کی کربناک چیخوں اور ویرا کے وحشیانہ قہقہوں سے گونجتا رہا۔ ویرا بار بار اسے دوڑا کر گرا رہی تھی۔ ایک بار راس المیڈا اس بری طرح ڈھیر ہوا کہ زمین پر گھسٹنے اور رینگنے کے باوجود اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

اس وقت وہ اذیت اور دہشت سے بلبلا کر لرزہ خیز آواز میں دہاڑیں مار رہا تھا۔

"ویرا! اب اس باسٹرڈ کو شوٹ کردو" اول خان نے تقریباً چیخ کر کہا۔ چوہے اور بلی کے اس کھیل میں ویرا ہم لوگوں سے کافی دور نکل چکی تھی۔

اس وقت ویرا پر دیوانگی طاری ہوچکی تھی۔ اس نے وہیں سے چیخ کر کہا "میں اس پر گولی ضائع نہیں کروں گی۔" یہ کہہ کر اُس نے خاک و خون میں آلودہ دشمن پر ٹھوکریں برسانی شروع کردیں۔

اسی وقت اول خان کے ہاتھ میں دبے ہوئے مخصوص ایرپیس پر آواز آنے لگی "گن پوسٹ ون والے اپنی ٹیلی اسکوپ میں ایک ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ دائروں کی صورت میں ایک بڑے علاقے میں گھومتا ہوا رفتہ رفتہ اسی طرف آرہا ہے۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟"

"فی الحال اسے آنے دو" یہ کہتے ہوئے اول خان سمیت ہم سب کی نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ جائزہ لیتا ہوا آرہا ہے۔ لوکل نیٹ ورک پر سب کو بتادو کہ میری ہدایت کے بغیر فائر نہ کیا جائے۔"

"اوکے سر!" اول خان سے ہدایت لینے کے بعد جب وہی آواز ہر ایک کو عمومی ہدایت جاری کرنے لگی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اول خان کا وہ مخصوص ایرپیس ایک محدود دائرے میں کام کرنے والے کسی لاسلکی نظام سے وابستہ تھا۔

مغرب کی طرف جھکتے ہوئے سورج کی تیز کرنوں سے آنکھوں کو بچانے کے لیے میں نے اپنی پیشانی پر ہتھیلی کا چھجا بنایا اور پھر میری نگاہیں فضا میں بھٹکنے لگیں۔ آسمان دور دور تک صاف پڑا ہوا تھا۔ فضا بھی خاموش تھی۔ بس ویرا کے قہقہے یا راس المیڈا کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

رفتہ رفتہ ہوا کے دوش پر کسی ہیلی کاپٹر کے انجن کا دھیما شور سنائی دینے لگا۔ وہ آواز بتدریج قریب آتی جارہی تھی۔ اول خان کا ایرپیس خاموش رہا۔ اس کے آدمی غیر ضروری جوش اور زورِ بیان کا مظاہرہ کرنے کے بجائے مکمل انہماک سے اپنا کام سرانجام دینے کے عادی تھے۔

ہیلی کاپٹر کے انجن کا لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتا ہوا شور شاید ویرا نے بھی سن لیا۔ اس نے اپنے قریب المرگ حریف کو بھول کر آسمان پر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں پھر وہ زمین پر پڑے ہوئے راس المیڈا پر جھک گئی۔

فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ دشمن کے ساتھ کیا سلوک کررہی تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ ویرا اس ہولناک انتقام کے آخری لمحوں کا حساب برابر کررہی تھی۔

ویرا کے واپس لوٹنے تک آسمان پر سیاہی مائل ہیلی کاپٹر کا وجود نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس ویرانے میں پنہاں ہولناک خطرات سے بے خبر نیچی پرواز کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ سیدھا آتے آتے اس ہیلی کاپٹر نے اچانک داہنی سمت کا راستہ اختیار کرلیا۔ میرے اضطراب میں اضافہ ہوگیا۔ مگر جلد ہی میرے خدشات غلط ثابت ہوگئے۔ ایک لمبا چکر لینے کے بعد ہیلی کاپٹر دوبارہ پرانے راستے پر آگیا۔

اپنے وجود میں بیک وقت اٹھارہ مسلح کمانڈوز اور ان کے وزنی سازوسامان کو چھپالینے والا وہ دیوپیکر مشینی عفریت ایک بڑے دائرے کی صورت میں پرواز کرتا ہوا ہماری نظروں سے معدوم ہوکر بیرکوں کے اوپر سے آگے نکلتا چلا گیا۔ اس کا شور تیز ہونے کے بعد دھیما ہونے لگا تھا۔

"وہ آگے نکل گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بیرکوں کی اہمیت کا ادراک نہیں کرسکے" اول خان نے پہلو بدلتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں کہا "اب وہ میری گنوں کی رینج سے نکل جائیں گے۔"

"اس پر فائر کرنے سے پہلے یہ یقین کرلینا ضروری ہے کہ وہی ہمارا مطلوبہ ہیلی کاپٹر ہے" سلطان شاہ نے اول خان کو یاد دلایا۔ "ایسا نہ ہو کہ عجلت میں ہم اپنا ہی کوئی نقصان کر بیٹھیں۔"

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہیلی کاپٹر کو نہیں' اس پر بنے ہوئے نشانات دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے نشان واضح تھے۔ وہی ہمارا ہدف ہے۔"

اسی وقت ویرا ہمارے پاس آپہنچی اور پُرسکون لہجے میں بولی۔ "آخر کار راس المیڈا کے ہمدردوں نے اپنا راستہ تلاش کر ہی لیا۔ وہ بالکل صحیح وقت پر یہاں پہنچے ہیں لیکن تمہارے ہتھیار کیوں خاموش ہیں؟"

"وہ کہیں نہ کہیں اتریں گے" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا پھر اچانک اپنی رسٹ واچ دیکھنے لگا۔

اس کا وہ انداز اس قدر غیر معمولی تھا کہ میں اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے ساڑھے پانچ بجے اپنے بڑوں کو رپورٹ دینی ہے۔ ابھی تو صرف چار ہی بجے ہیں" اس کے جواب نے میری الجھن دور کردی۔

"اس ہیلی کاپٹر کو فضا ہی میں مار لیا جاتا تو بہتر تھا" ویرا کہنے لگی۔ "اس میں تربیت یافتہ کمانڈو بھرے ہوئے ہوں گے۔ وہ ایک بار کہیں لینڈ کرنے کے بعد اپنے مورچے جمانے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ٹھکانے لگانا بہت مشکل ثابت ہوگا۔ پورا علاقہ اچھے خاصے میدانِ جنگ میں تبدیل ہوکر رہ جائے گا۔"

ویرا کی وہ رائے سو فیصد درست تھی۔ اس پر کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

فضا میں ہیلی کاپٹر کا مدھم شور دوبارہ سنائی دیا تو اول خان کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ میرا بازو دباتے ہوئے بولا "پہلے وہ سروے کررہے تھے۔ اب شاید کسی منتخب مقام کی طرف لوٹ رہے ہیں۔"

"اس ویران اور بے آب و گیاہ علاقے میں ان خالی بیرکوں سے زیادہ بہتر جگہ کون سی ہوسکتی ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "وہ یقیناً اسی طرف آئیں گے۔"

"راس المیڈا مرچکا ہے یا تم اسے بے ہوش کرکے آئی ہو؟" غزالہ ویرا سے پوچھ رہی تھی۔

"اب وہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گا۔ میں نے اس کی گردن توڑدی ہے" ویرا نے اطمینان سے کہا۔

اس بار ہیلی کاپٹر کا شور تیزی سے قریب آرہا تھا۔ وہ ابھی تک ہماری نظروں میں نہیں آیا تھا کہ اچانک اول خان کے ایرپیس پر اضطراری آواز ابھرنے لگی "سر! ہم ہیلی کاپٹر کو دیکھ رہے ہیں۔ اس میں سے چھاتا برداروں نے باہر کودنا شروع کردیا ہے۔ دو..... تین.....چوتھا بھی کود چکا۔"

اس کی بات پوری ہونے تک ہیلی کاپٹر ہماری نظروں کے سامنے آگیا۔ چھاتا بردار کمانڈوز کو اتارنے کی وجہ سے اس بار وہ قدرے زیادہ بلندی پر پرواز کررہا تھا۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس میں سے دو ہیولے کھلی فضا میں کودے اور پھر ان کے سرمئی پیراشوٹ کھل کر فضا میں تن گئے۔

"فائر..... چھاتا برداروں کو زمین پر آنے سے پہلے ہی اڑادو۔" اول خان نے ایرپیس میں حکم جاری کیا۔

اس وقت تک ہمارے سامنے فضا میں تیرتے ہوئے چھاتا برداروں کی تعداد چار ہوچکی تھی۔ جو ہماری نظروں سے اوجھل تھے' وہ ان کے علاوہ تھے۔ اس وقت ہوائیں تیز نہیں تھیں اس وجہ سے سارے پیراشوٹ بہت مختصر زاویہ بناتے ہوئے آہستہ آہستہ نیچے آرہے تھے۔

اچانک فضا دو زبردست دھماکوں سے لرز اٹھی۔ ایک موٹی سی آتشی لکیر اپنی راہ میں آنے والے ایک چھاتا بردار کو نیست و نابود کرتی ہوئی ہیلی کاپٹر کے نیچے سے گزر گئی۔ دوسری طرف سے فائر کیا جانے والا گولہ عین اپنے ہدف پر پہنچا اور فضا میں پرواز کرتا ہوا ہیلی کاپٹر ایک زوردار دھماکے سے آگ اور دھوئیں کے کثیف بگولے میں تبدیل ہوکر زمین کی طرف آنے لگا۔

وہ فیصلہ کن لمحات اس قدر سنسنی خیز اور ہیجان انگیز تھے کہ مسرت سے بے اختیار ہماری چیخیں نکل گئیں۔ اینٹی ائرکرافٹ گنوں کے راؤنڈ فائر ہوتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے سہرائی وے کے اس دور افتادہ ویرانے میں اچانک بارودی بہار آگئی ہو۔ ہر طرف لمبی رینج کی بھاری رائفلوں کے نغمے گنگنانے لگے۔

الیس ٹی ایف کے اہل کار بھی آخر گوشت پوست کے انسان ہی تھے۔ ہیلی کاپٹر کی تباہی پر غالباً وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکے تھے اور دھواں دھار فائرنگ کرکے اپنی خوشی کا اظہار کررہے تھے۔

وہ سب پیشہ ور جنگجو تھے۔ ان کی وہ فائرنگ ایسی اندھا دُھند بھی نہیں تھی۔ جو لوگ ہیلی کاپٹر میں موجود تھے وہ اسی میں کندۂ جہنم بن کر رہ گئے تھے اور جو فضا میں تیرتے ہوئے نیچے آرہے تھے وہ ان گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ ایک غضب ناک گولی اپنے زندہ لٹکے ہوئے شکار سے بھٹک کر اُس کی پھولی ہوئی پیراشوٹ کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی اور تحفظ کی وہ چھتری تباہ ہوتے ہی اس کے آخری سرے پر لٹکا ہوا کمانڈو کششِ ثقل کے زیرِ اثر بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ نیچے آنے لگا۔ اسے سہارنے والی پیراشوٹ نے سکڑ کر محض ایک رسّی کی سی صورت اختیار کرلی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ کمانڈو لرزہ خیز رفتار سے سنگلاخ زمین سے آ ٹکرایا۔ وہ ہم سے بہت دور گرا تھا مگر ہم میں سے ہر شخص کو اندازہ تھا کہ اس کے چیتھڑے دور دور تک بکھر گئے ہوں گے۔

ہیلی کاپٹر کا جلتا ہوا ڈھانچا زمین پر گرنے کے بعد دہکتے اور بھڑکتے ہوئے الاؤ میں تبدیل ہو کر فضا میں دھوئیں کے کثیف بادل اگل رہا تھا۔ اس میں آنے والے یقیناً مہلک بارودی ہتھیاروں سے لیس رہے ہوں گے کیونکہ تپش میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس الاؤ میں متعدد دھماکے بھی گونج رہے تھے۔ ان آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ طاقتور بارودی اسلحے کے پھٹنے سے پیدا ہو رہی تھیں۔

بظاہر اسپیشل ٹاسک فورس کچھ بھی نہیں تھی۔ سرکاری کاغذوں پر تو سرے سے اس کا وجود ہی نہیں تھا مگر اس ہوش ربا میدانِ کارزار میں وہ فورس اپنی تمام تر تابناکیوں کے ساتھ مستعد اور فعّال تھی۔ دشمنوں پر کاری وار ہو رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے شکم سے برآمد ہوتے ہوئے چند سورماؤں کو میں نے خود گنا تھا۔ باقی وہ تھے جو ہماری نگاہوں سے دور فضا میں کودے تھے اور پھر ہوا کے رخ پر تیرتے ہوئے ہماری نظروں کے سامنے آگئے تھے۔ میری یادداشت کے مطابق ان کی کل تعداد نو سے زیادہ نہیں تھی۔ ان میں سے ایک کو اینٹی ائرکرافٹ گن کے گولے نے فضا میں بکھیر کے رکھ دیا تھا۔ باقی رہ جانے والوں کو دور مار رائفلوں کی گولیاں چاٹتی جا رہی تھیں۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ان کمانڈوز میں سے دو تین زمین کو چھو لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور پھر اس ویرانے میں موت و حیات کا ایک طویل معرکہ چھڑ جائے گا لیکن ان میں سے آخری کمانڈو بھی محض چند فٹ کی بلندی پر ایک خون آشام گولی کا نشانہ بن گیا اور مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

"بریوو!" اول خان ایریَل اپنے دہانے کے قریب لا کر جذبات آمیز لہجے میں بولا "دشمن کو مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اب ہمیں صرف ان کی لاشوں کا شمار کرنا ہے۔ ہر شخص واپس لوٹ آئے۔ جلتے ہوئے ملبے کو اپنے محاصرے میں لے لو۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچا ہو گا۔"

محاذ صاف ہو چکا تھا۔ دشمن عبرتناک شکست سے دوچار ہوا تھا۔ بہت تیزی کے ساتھ فائرنگ کا تسلسل ٹوٹنے لگا اور پھر فضا پر ایک بھیانک سناٹا طاری ہو گیا۔

"کس قدر دہشت انگیز ہے یہ خاموشی بھی!" اول خان جھرجھری لے کر بولا۔

"کسی بھی بڑی بربادی سے پہلے اور بعد میں ایسا ہی جاں گسل سنّاٹا ہو جایا کرتا ہے۔" ویرا نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "اس وقت تمہارے آدمیوں نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔" اول خان نے پورے انکسار سے کہا۔ "مہینوں پر محیط جنگ کا آخری مقابلہ اسی وقت ہوا ہے اور میرے آدمیوں نے دشمن کو بے دست و پا کر کے بھون ڈالا ہے۔"

"بھُنا ہوا یہ دشمن اب تمہارے گلے بھی پڑ سکتا ہے۔" سلطان شاہ کی بھرائی ہوئی آواز نے ہر ایک کو چونکا دیا۔

"کیا ہذیان بک رہے ہو؟" ویرا نے اس کی طرف گھوم کر تضحیک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہذیان نہیں، یہ حقیقت ہے۔ تم اول خان سے میرے بیان کی تصدیق کر سکتی ہو۔"

ویرا مشینی انداز میں اول خان کی طرف متوجہ ہو گئی اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تمہارا پیارا اور ڈینی کا دُلارا کیا کہہ رہا ہے؟ اس کی بات تمہاری سمجھ میں آرہی ہے؟"

"اس وقت میرا ذہن ایک بڑی کامیابی کے نشے سے ماؤف ہو چکا ہے۔ راس المیڈا اپنے سارے حمایتیوں سمیت مارا جا چکا ہے۔ اس کے آگے میں کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ اپنے دوست سے پوچھو کہ یہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔" اول خان نے ویرا سے کہا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اسٹیشن فور کو درپیش خطرے کا سدِّباب تو کر لیا ہے لیکن ابھی تک اس کے نتائج کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس ہیلی کاپٹر کی عملے سمیت گمشدگی ریکارڈ پر موجود ہے۔ جوں ہی اس کی تباہی کی تصدیق ہو جائے گی، یہ علاقہ بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ اگر ایس ٹی ایف نے یہ جگہ نہیں چھوڑی تو اس حادثے کی ساری ذمے داری اسی پر آجائے گی۔ فوری طور پر فورس کو یہاں سے ہٹا لے جانا ناگزیر ہو چکا ہے۔"

وہ بات بہت واضح تھی۔ اول خان کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیلتے چلے گئے۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم لوگ اپنی موجودگی کی ساری علامات مٹا کر یہاں سے نکل جاؤ؟" ویرا نے اول خان سے سوال کیا۔ اس صورتِ حال پر تو وہ بھی پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"مجبوری کے عالم میں سب کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ بات ہمیں پہلے ہی سوچ لینی چاہئے تھی۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں جو کچھ ہوا، اس میں تمہاری مرضی یا ارادے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ یہاں اترنے کا ارادہ نہ کرتے اور آگے نکل جاتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ یہاں ہونے والی خونریزی تم پر مسلّط کی گئی ہے۔ تم انہیں جہنم واصل نہ کرتے تو وہ تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔"

"تمہارے لئے یہ ایک بہترین ٹھکانا ثابت ہوا تھا۔ اسے چھوڑ کر میں پریشان ہو جاؤں گا۔"

"عارضی طور پر یہاں سے کوچ کرنا ہی ہو گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہیلی کاپٹر کے بارے میں چھان بین کا زور ٹوٹنے کے بعد تم دوبارہ یہاں آسکو گے۔"

معاملے کا وہ رخ واقعی بہت سنگین تھا۔ ہیلی کاپٹر اور اس سے کودنے والے کمانڈوز کی موت میں آتشیں ہتھیاروں کے استعمال کا ہر واضح ثبوت اس طرح موجود تھا کہ کسی بھی طرح اسے مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ ان شواہد کی روشنی میں ہیلی کاپٹر اور اس کے عملے کی مکمل تباہی کو اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کولمبیا والے اس تباہی کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ہر قیمت پر یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ ہیلی کاپٹر کی تباہی میں کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ غنیمت یہ تھا کہ انہوں نے خود ہی ہیلی کاپٹر کی گمشدگی کی اطلاع دی ہوئی تھی ورنہ غیر سرکاری طور پر ان کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوتا کہ راس المیڈا کے جسم میں پوشیدہ چپ کے سگنلز نے اس کے قید ہو جانے کی نشان دہی کی تھی اور اسے قید کرنے والے لوگ ہی ہیلی کاپٹر اور اس کے عملے کی تباہی کے ذمے دار تھے۔

اندرونِ خانہ جو سازشیں چل رہی تھیں، وہ فریقین کے لئے کھلے رازوں کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہم اُن کے عزائم سے واقف تھے اور وہ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ جان سیموئیل مرنے سے پہلے ویرا اور راس المیڈا کے تبادلے کی جو کوششیں کرتا رہا، ان کی بنا پر یہ بات کھل چکی تھی کہ راس المیڈا میرا قیدی تھا اور مجھے اسپیشل ٹاسک فورس کی پشت پناہی حاصل تھی۔ گو جان سیموئیل کوئی شہادت دینے کے لئے زندہ نہیں رہا تھا لیکن جارج اسٹارک ان لوگوں کی بازپُرس کا نشانہ بنا ہوا تھا۔

وہ ایک راست گو اور باکردار آدمی تھا۔ معاملے کی سنگینی کے پیشِ نظر وہ جو حقائق بیان کرتا، وہ پوری تصویر مکمل کر سکتے تھے۔ جان سیموئیل کی سودے بازی کی کوششوں کو ناکام بنا کر ہم ویرا کو جارج کے گھر سے نکال لے گئے اور پھر اپنی راہ پر لگنے والوں کو پوری سفاکی سے ختم کر دیا۔

جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ اپنے دشمنوں کی خوف آور طاقت کے باوجود ہم نے نمایاں کامیابی حاصل کی تھی جس پر پچھتانے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ فوری ضرورت دشمنوں کے جوابی وار سے بچاؤ کی تھی۔ وہ اپنے اتنے بڑے نقصان کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے تھے۔

اس وقت تک جو خطرناک کھیل ہوتا رہا، وہ درپردہ چل رہا تھا لیکن ہیلی کاپٹر کی تباہی کا معاملہ سرکاری سطح پر اچھالا جاتا اور مقامی حکام اخلاقی طور پر اس واقعے کے ذمے داروں کی تلاش پر مجبور ہو جاتے۔ ان تمام متوقع مضمرات سے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی کہ ایس ٹی ایف سرعت سے وہ ٹھکانا چھوڑ دیتی اور ہم لوگ بھی کچھ دنوں کے لئے روپوش ہو جاتے۔

ہیلی کاپٹر کی تباہی پر ہونے والا شور و غوغا کچھ عرصے میں ختم ہو ہی جاتا تھا۔ اس کے بعد ہم دوبارہ میدان میں اتر کر ان لوگوں کو تلاش کر سکتے تھے جو نیلو ربا بیبے کے حوالے سے پاکستان میں آئے ہوئے تھے۔

وہاں تباہ ہونے والے دیو پیکر ہیلی کاپٹر کے ملبے میں لگی ہوئی آگ بہت شدید تھی۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ آگ جلد ہی سرد ہونے والی نہیں تھی۔ شعلوں کی تیزی ختم ہونے کے بعد بھی ملبہ کئی دن تک اس قابل نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کا جائزہ لیا جا سکے۔

اوّل خان نے اپنے آدمیوں کو جلتے ہوئے ہیلی کاپٹر کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تھا لیکن نئے تجزیے کے بعد اس قدم کی کوئی افادیت باقی نہیں رہی تھی اس لئے وہ ہمارے ساتھ اپنے دفتر میں آ بیٹھا تھا۔

کافی دیر کی مغز زنی کے بعد جب ہم سب ایک فیصلے پر متفق ہو گئے تو اول خان نے کمانڈر سعید سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ہر خفیہ ایجنسی کی طرح نیول انٹیلی جنس کا بھی اپنا ایک پیچیدہ طریقۂ کار تھا۔ ایسے اداروں کے ذمے دار اہلِ کار عام طور پر پسِ پردہ رہ کر خاموشی سے کام کرتے ہیں اور نجی زندگی میں بھی لوگوں میں زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتے۔ اپنی اسی محتاط روش کی وجہ سے وہ مواصلاتی رابطوں پر آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے ماتحت غیر ضروری افراد کو مختلف حیلوں بہانوں سے بالا ہی بالا ٹال دیتے ہیں۔ اول خان کو اپنے ماتحت عملے کے اسی سلوک سے بچانے کے لئے کمانڈر سعید نے اسے کوبرا تھری کا کوڈیا پاس ورڈ دیا ہوا تھا۔ اس مرتبہ اول خان نے اپنے آپریٹر سے مدد لئے بغیر اپنے اسپیکر فون پر کمانڈر سعید کا نمبر ملایا۔

سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف کے آپریٹر کی سپاٹ مشینی آواز ابھری تو اول خان نے کسی تمہید کے بغیر اپنا پاس ورڈ بتا کر کمانڈر سعید سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اسپیکر پر چند ثانیوں تک ایک ولولہ انگیز جنگی نغمے کی موسیقی گونجتی رہی پھر پی اے کے بجائے براہِ راست کمانڈر سعید کی آواز سنائی دی۔

اس نے دبنگ اور پُرجوش لہجے میں اول خان کی مزاج پُرسی کی تو وہ بولا۔ "اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے اندازے درست ثابت ہوئے اور ہم سُرخرو رہے ہیں لیکن ہمارے ساتھ وہی مشکل آن پڑی ہے جو موٹے کو گرا کر مارنے والے منحنی سے آدمی کو درپیش تھی۔"

"اوہ! تم خاصے خوشگوار موڈ میں ہو۔" کمانڈر سعید کی تحیّر زدہ

آواز ابھری۔ "منحنی آدمی کا کیا قصہ ہے؟"

"وہ موٹے کے سینے پر سوار ہو کر اُس کی ٹھکائی کر رہا تھا اور آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ تماشا دیکھنے والوں نے حیرت سے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ اس ڈر سے رو رہا ہے کہ جب وہ تھک کر موٹے کے سینے پر سے اترے گا تو وہ اٹھ کر اُس کی جوائی مرمّت شروع کر دے گا اور حلیہ بگاڑ دے گا۔ اس وقت میں بھی کچھ ایسی ہی پریشانی سے دوچار ہوں۔"

کمانڈر سعید کے جاندار قہقہے میں زندگی کی پوری گھن گرج موجود تھی۔ اس نے پوچھا۔ "سرخروئی کے ذکر کے بعد یہ پریشانی کچھ ناقابل فہم لگتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ برڈی برڈ کہاں ہے۔"

"بھیانک شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ میدان صاف پا کر بے خوفی سے ادھر آئے تو مار گرائے جائیں گے۔ ان کے پیراٹروپرز نے یہاں اترنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بھی فضا میں بھون ڈالے گئے۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا لیکن اب میرا یونٹ یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں' یہ تو ہے۔" اس نے برجستہ کہا۔ "لیکن یار' تم نے زبردست کام کیا ہے۔ یہ سالے خود کو سن آف اے گن سمجھتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں' اپنے میزبانوں کے سینے پر مونگ دلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کولمبیا کے چیف ریڈیو افسر نے بس آدمی آن بورڈ ہونے کی خبر سنائی تھی۔ ہوا باز اور اس کے معاون کے علاوہ اٹھارہ میرین کمانڈو رہے ہوں گے اور تم نے ان سب کو مار دیا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تمہارے یہاں سیلف ڈسپلن چلتا ہے۔ تم نے سوچا اور پورے خلوص سے انہیں مار ڈالا۔ ہم انہیں تلاش بھی کر لیتے تو اتنی آسانی سے مار نہیں سکتے تھے۔ ہمیں ان کی رپورٹ کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑتا.... تم بے فکر رہو۔ تم نے موٹے کو مار مار کر اُس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اب تم اسے چھوڑ بھی دو گے تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"مجھے یہاں سے جانا تو ہو گا۔" اول خان نے افسردگی سے کہا۔ "کوچ میرے منصوبے میں نہیں تھا۔"

"تمہارے پاس بہت وقت ہے۔" کمانڈر سعید کے لہجے سے بے فکری مترشح تھی۔ "وہاں جو کچھ ہو رہا ہے' ہونے دو اور اپنا ساز و سامان سمیٹ کر لیبر چھاؤنی میں گھس کر کسی بھی میدان میں ڈیرا ڈال دو۔ جنگی مشقوں کی وجہ سے وہاں آج کل کافی گنجائش ہے۔ میں رات میں کسی وقت جلتے ہوئے ملبے کے دیکھے جانے کی رپورٹ ریکارڈ کروں گا۔ سب جانتے ہیں کہ ایسی چیزیں رات کے اندھیرے میں ہی صاف نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔ یہ بات زیادہ اہم ہے کہ انہیں اپنی جسارت کا منہ توڑ جواب مل چکا ہے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ اسے حادثہ قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ فضا میں اترے ہوئے متعدد کمانڈو گولیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ یہ بات فوراً ہی واضح ہو جائے گی کہ ہیلی کاپٹر زمین سے ہونے والی کسی کارروائی کا نشانہ بنا ہے۔"

"فکر مت کرو۔ وقت اور مہلت سے فائدہ اٹھاؤ۔ بکھری ہوئی لاشیں سمیٹ کر آگ میں جھونک دو۔ کھلے ہوئے پیراشوٹ کاٹ کر غائب کر دو۔ آگ سے چلنے والی گولیاں کسی بھی طرف پیوست ہو سکتی ہیں۔ کولمبیا والوں کی طرح ہم بھی اصل واقعات سے بے خبر ہوں گے۔ قیاس آرائیاں چلتی رہیں گی۔ میرے آدمی نت نئے نکتے نکال کر انہیں تھکا ڈالیں گے۔ کچھ بھی نہیں ہو سکے گا تو آخر میں یہ تباہی مفرور ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے کھاتے میں ڈال دی جائے گی۔ دنیا جانتی ہے کہ آج کل ہم ان سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔"

"راس المیڈا اور اس کے ٹریسر چپ کو تم بھول رہے ہو۔" اول خان بولا۔

"وہ سب آف دی ریکارڈ باتیں ہیں۔ ان کا حوالہ دے کر وہ خود پھنس جائیں گے۔ انہوں نے معصوم بن کر ہیلی کاپٹر گم ہونے کی رپورٹ دی' ہم ان سے زیادہ معصوم بن کر ملبہ ملنے کی اطلاع دے دیں گے۔ راس المیڈا کا نام وہ مر کر بھی نہیں لیں گے کیونکہ اس کی آمد سرے سے ریکارڈ پر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟ جب تک اس کا انجام سامنے نہیں آئے گا' راڈنی آرک کا قضیہ چلتا رہے گا اور وہ اس کے حوالے سے دباؤ ڈالتے رہیں گے۔"

"اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کل سمندر سے اس کی پھولی ہوئی لاش مل جائے گی۔"

"گڈ!" کمانڈر سعید کی آواز سے پسندیدگی مترشح تھی۔ "ہم لوگ بھی دشمنوں کے بدترین دشمن ہیں لیکن تم ہماری مجبوریوں سے واقف ہو۔ ڈسپلن اور ضابطے سے ہٹ کر ہم ایک مکھی بھی نہیں مار سکتے۔ یہ اچھا ہوا کہ راس المیڈا جیسے خطرناک دہشت گرد کا معاملہ شروع سے ہی تمہارے ہاتھوں میں رہا ہے۔"

"میرے نہیں' ڈیزی کے ہاتھوں میں رہا ہے۔" اول خان نے میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی تصحیح کی۔ "آج کل ایس ٹی ایف کے لئے بڑے شکار وہی فراہم کر رہا ہے۔"

"یہ کوئی خطرناک سویلین ہے۔ میں نے اکثر اس کا ذکر سنا ہے۔ یہ کیا بلا ہے؟"

"نیم پاگل اور خبطی آدمی ہے۔" اول خان نے مجھے آنکھ مار کر کہا۔ "وہ ہر وقت ملک کے دشمنوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے اور حیران کن بات ہے کہ اسے ایسے لوگ ملتے رہتے ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ کمانڈر سعید کی بے خوف اور حوصلہ افزا باتوں نے اول خان کی پریشانیاں کافی حد تک دور کر دی تھیں اور اس کی خوش مزاجی بحال ہو چلی تھی۔

"میں کسی وقت اس دلچسپ شخص سے ملنا چاہوں گا۔" کمانڈر سعید کہہ رہا تھا۔

"جب چاہو گے' اسے لے آؤں گا۔ راس المیڈا کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ پچھلے دنوں سمندری راستے سے را کے دو خطرناک اور شاطر ایجنٹ پاکستان بلکہ کراچی میں داخل ہوئے ہیں۔ اب ڈیزی ان کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں جلد ہی کوئی بات سامنے آ جائے۔"

"اوہ!" کمانڈر سعید اس نئے انکشاف پر شاید چونک پڑا تھا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"دو چار دن سے زیادہ پرانا قصہ نہیں ہے۔" اول خان نے جواب دیا۔

"وہ چاہے تو اس کے بارے میں مَیں اس کی تھوڑی بہت مدد کر سکتا ہوں۔"

"اس کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تو ایک قومی کام ہے۔" اول خان نے فوراً ہی کہا۔ "آنے والے ایجنٹ یقینی طور پر یہاں کسی بڑے ارادے سے ہی آئے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ایک گہرے سانس کے بعد کمانڈر سعید کی آواز ابھری۔ "مشکل یہ ہے کہ تم لوگ آئین اور قانون سے ماورا ایک ادارہ ہو۔ عام حالات میں کوئی سرکاری محکمہ بلکہ سروسز والے بھی تم سے ربط ضبط رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے ورنہ ہماری معلومات اور تمہاری خود مختاری سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

کمانڈر سعید درست کہہ رہا تھا۔ ایس ٹی ایف والے پولیس' رینجرز اور فوج سے بہت مختلف مقاصد کے لئے کام کرتے تھے۔ وہ اندھیری راتوں میں چلنے والی خونی آندھی کی طرح اپنے ہدف پر حملہ آور ہو کر سرعت سے اسے نگل جانے پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے عمل کا پیمانہ صرف ان کا یقین تھا۔ وہ جسے اپنا مجرم سمجھ لیتے تھے' اسے کسی حالت میں نہیں بخشتے تھے اور میں بارہا دیکھ چکا تھا کہ دوست اور دشمن کے بارے میں ان کے فیصلے غلط نہیں ہوتے تھے۔

"تم ڈیزی کی مدد کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔" اول خان نے اسے یاد دلایا تھا۔

"ہاں' اپنے فرائض کی بجا آوری میں بہت سے ایسے حقائق بھی ہمارے علم میں آتے رہتے ہیں جن کا تعلق دوسرے سرکاری اداروں سے ہوتا ہے۔ ہم یہ حقائق متعلقہ محکموں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان پر کارروائی کرنا یا نہ کرنا ان کے سربراہوں کی صوابدید پر ہوتا ہے۔ میں کراچی کے ساحل پر انسانوں کی غیر قانونی آمدورفت کا کاروبار کرنے والے دو بڑے ناموں سے واقف ہوں۔ را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں وہ ضرور بتا سکیں گے۔"

"وہ دونوں اتنے ہی بدنام ہیں تو تم ان پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالتے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بار یہ حماقت کی تھی۔" کمانڈر سعید کا لہجہ یک بہ یک تلخ ہو گیا۔ "دوسرے دن ہی ڈیفنس سیکریٹری نے اوپر کے دباؤ پر انہیں رہا کرانے کے لئے فون کر ڈالا تھا۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ڈیفنس سیکریٹری پر دباؤ ڈالنے والا کس رتبے اور اختیار کا مالک رہا ہو گا۔"

"یہ کرپشن کی بدترین شکل ہے۔" اول خان آزردہ ہو کر بولا۔ "اور سفارش کی یہی لعنت ہمارے پیروں کا بوجھ بن کر ہمیں بربادی کے سمندر میں غرق کرتی جا رہی ہے۔"

"مجھے ڈیفنس سیکریٹری کے الفاظ آج بھی یاد ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ ہر ادارے کو اپنے دائرے میں رہ کر کام کرنا چاہئے۔ نیول انٹیلی جنس کا محکمہ کوسٹ گارڈ' امیگریشن پولیس یا شہری پولیس کی سطح کے کاموں میں الجھ گیا تو اس کا اصل کام بہت پیچھے رہ جائے گا... اور شاید وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ ہماری بھیجی ہوئی خبریں فائلوں میں دفن کر دی جاتی ہیں۔ بعد میں کسی نے انسانوں کے ان دونوں اسمگلروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔"

"تمہارا ڈیفنس سیکریٹری کوئی خرانٹ اور پرانا بیورو کریٹ رہا ہو گا۔ ایسے لوگ دریا میں اتر کر بھی اپنا دامن تر نہیں ہونے دیتے۔ مطلوبہ آدمیوں کو رہا کراتے ہوئے اس نے تمہیں سوچنے کے لئے ایک نیا فلسفہ دے دیا..."

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس نے اپنی سفارش کو ملامت کا روپ دے ڈالا تھا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ انسانوں کی اسمگلنگ سے میرے محکمے کا کیا تعلق ہے۔ یہ امیگریشن کے قصے ہیں اور ان ہی لوگوں کو سنبھالنے چاہئیں لیکن اب دیکھو کہ تم اسی راہ سے را کے دو ایجنٹوں کی آمد کی خبر دے رہے ہو اور یہ دفاعی معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارا دفاعی نظام را والوں کا خصوصی ہدف بن چکا ہے۔"

"میں تو ذرا آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ دفاع میں ہماری ایٹمی صلاحیتوں کے خلاف مخبری اور تخریب کاری ان دنوں را والوں کے محبوب ترین شعبے ہیں۔ تم کن دو بڑے اسمگلروں کی بات کر رہے تھے؟"

"حاجی دل مراد اور غفور بھٹی اس بڑے کاروبار کو کنٹرول کرتے ہیں۔ بھارت کے ویران ساحلوں سے جواں سال مگر ننگی بھوکی بنگلہ دیشی عورتیں یہاں لائی جاتی ہیں اور یہاں سے بہت سے لوگ مشرقِ وسطیٰ اور خلیجی ریاستوں کی طرف روانہ کئے جاتے ہیں جن میں نارکوٹکس بلکہ ہیروئن لے جانے والے بھی شامل ہوتے ہیں۔"

"تم بہت دلچسپ اور باخبر آدمی ہو۔" اول خان نے ادب و احترام کے دائرے میں رہتے ہوئے کہا۔ "آج پہلی بار تم سے اتنی طویل گفتگو ہوئی ہے جس نے مجھے متاثر کیا ہے۔ حاجی دل مراد کے نام سے مجھے سخی مراد...."

اس نے قہقہہ لگا کر اول خان کی بات کاٹ دی اور کہا۔ ”تم بتاؤ یا نہ بتاؤ مگر اندر کی خبریں مجھے مل ہی جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یحییٰ مراد اپنے غیر ملکی آقاؤں کے کندھے پر سوار ہو کر ملکی سیاست میں اپنا قد بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہی اپنے کزن دلی داد کا قاتل تھا مگر حاجی دل مراد کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ بھٹ آئی لینڈ کے قریب واقع ایک چھوٹے سے جزیرے کا اکلوتا مالک ہے اور ایک ایسی خوابگاہ میں اپنی راتیں بسر کرتا ہے جو ایک مصنوعی سمندری نہر پر شیشے کا فرش ڈال کر تعمیر کی گئی ہے۔ سمندر چڑھتا ہے تو نہر کا پانی اس کے پیروں کو چھوتا ہوا شیشے کے فرش پر بہنے لگتا ہے۔ پانی اترتا ہے تو وہ مصنوعی نہر ایک پتلی سی پختہ نالی میں محدود ہو جاتی ہے۔“

”حیرت ہے کہ کراچی کے گرد و نواح میں بھی لوگ ایسی تخیلاتی زندگی گزار رہے ہیں۔“

”کراچی باخبر لوگوں کے لئے ایک جنتِ ارضی ہے جہاں پیسے کے زور پر دنیا کی ہر آسائش مل جاتی ہے۔ یہ ساری آسائشیں کہیں بھی مفت نہیں ملتیں۔ اسی کراچی میں جب باہر سے بے خبر لوگ آتے ہیں تو یہاں کی بلند و بالا عمارتوں تلے اپنے سائے تک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جہاں سایہ تک ساتھ چھوڑ دے‘ وہاں کسی اجنبی کو کوئی جیتا جاگتا ساتھی کیسے مل سکتا ہے؟“

”تو کیا تمہارا مشورہ یہ ہے کہ ڈینی خود اس جزیرے پر جا کر حاجی دل مراد سے ملے؟“

”نہیں‘ اس طرح اُس سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ وہ اجنبیوں سے دور رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کراچی کے کسی اچھے علاقے کے بجائے اپنے جزیرے پر رہتا ہے۔ میں خود کوئی راہ نکالوں گا۔“

”حاجی دل مراد کے علاوہ تم نے غفور بھٹی کا ذکر بھی کیا تھا۔“

”وہ دونوں ایک ہی کینڈے کے آدمی ہیں۔ خود کوئی کام نہیں کرتے لیکن اپنی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔“

”آدمیوں کی اسمگلنگ کے لئے انہوں نے عملہ رکھا ہوا ہو گا؟“ اول خان کا لہجہ استفسار طلب تھا۔

”ان کی کہانیاں عجیب سی ہیں۔ عشروں پہلے یہ اپنی بادبانی کشتیوں کے ملاح ہوا کرتے تھے۔ سمندر میں جال ڈال کر مچھلیاں پکڑتے اور فش ہاربر پر انہیں نیلام کر کے اپنی قلیل سی روزی کماتے تھے مگر اب سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ سارے غیر قانونی کام لانچوں کے مالکان کرتے ہیں اور یہ دونوں ان سے اپنا حصہ وصول کرتے ہیں۔ کراچی کے اطراف کے ہر غیر قانونی گھاٹ اور کھاڑی کو چھونے والی لانچ ان کا حصہ دینے پر مجبور ہے۔ ساحل پر اترنے والوں کے لئے پانچ سو روپے فی کس اور باہر جانے والوں کے لئے یہ ڈھائی ہزار فی کس لیتے ہیں۔ میں ان پر دباؤ ڈالوں گا تو کراچی اور بمبئی کے درمیان کام کرنے والوں سے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ڈینی کے جانے سے وہ اچٹ جائیں گے۔“

کمانڈر سعید کی وہ بات جاری تھی کہ میں نے اول خان کی میز پر سے قلم اور کاغذ لے کر ایک سطر لکھی ”اس سے نیلور بامبے کے بارے میں پوچھو“ اور پھر وہ کاغذ اول خان کے سامنے کر دیا۔

”تم نے اپنی زندگی سمندر میں گزاری ہے۔ نیلور بامبے بھی اب ایک ساحلی پہیلی معلوم ہوتی ہے۔ ان دو الفاظ نے کافی دنوں سے مجھے زچ کیا ہوا ہے۔ تم اس پر کوئی روشنی ڈال سکتے ہو؟“

”بمبئی کو انگریزی میں بامبے ہی لکھا اور کہا جا سکتا ہے۔ نیلور کراچی کے طویل ساحل پر نیلم پوائنٹ سے آگے ایک محفوظ ترین سمندری گھاٹ کا نام ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟“

”یہ دونوں الفاظ را کے ایجنٹوں کی آمد کے بارے میں ایک خفیہ پیغام کی صورت میں سامنے آئے تھے۔ میں اسے نیلور کے تحقیقی ری ایکٹر سے متعلق سمجھ رہا تھا۔“

”تمہارا قیاس بھی درست ہو سکتا ہے۔ سیکرٹ سروس والے اکثر ذو معنی اشارے کرتے ہیں۔ یہ بتا کر تم نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ شاید را والے بمبئی سے نیلور نامی گھاٹ پر لائے گئے ہوں گے۔ اُس طرف غفور بھٹی کا سکّہ چلتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تم سے کل یا پرسوں رابطہ کروں گا۔“ اول خان کے چہرے پر آسودگی پھیل گئی۔

”تمہارے پاس رات دس بجے تک وقت باقی ہے۔ میں اس کے بعد ہی ہیلی کاپٹر کا جلتا ہوا ملبہ دیکھنے کی اطلاع دوں گا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔“ کمانڈر سعید کی آواز آئی۔

اول خان نے ان باتوں کی تائید کی اور پھر اسپیکر فون بند کر دیا۔

”بڑی عجیب بات ہے کہ نئی مشکلات کا آغاز ہوتے ہی پرانے مسائل حل ہوتے ہوئے نظر آنے لگے ہیں۔“ ویرا نے انگڑائی لے کر کہا۔ ”اب کچھ دنوں کے لئے آرام ملتا ہوا نظر آ رہا ہے۔“

”راس المیڈا کی مدد کے لئے آنے والے اب زیادہ دیر تک نہیں بچ سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ سعید خود ہی ان کا کھوج نکال کر قصہ پاک کر دے۔ ایسے معاملات میں وہ ہمیشہ بہت سفاک ثابت ہوا ہے۔“ اول خان نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اسے سب کچھ بتا دیا گیا مگر ایک اشارے کا ذکر نہیں کیا گیا۔“ غزالہ بولی۔

اول خان نے چونک کر اپنی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

”اسے نیلور بامبے والے پاس ورڈ کے ساتھ ساگا کے بارے میں بھی بتا دیا جاتا تو غفور بھٹی کا حافظہ آسانی سے تازہ ہو سکتا تھا۔

بھارت سے آنے والے ایجنٹوں کو ساگا نے ہی شہر میں کہیں پہنچایا ہو گا۔“ غزالہ نے فوراً ہی اپنی بات کی وضاحت پیش کر ڈالی۔

غزالہ کا پیش کیا ہوا وہ نکتہ بہت جاندار تھا۔ اول خان نے فون پر دوبارہ کمانڈر سعید سے رابطہ کیا اور اسے نیلور بامبے نامی سازش میں پرنس ساگا کے کردار سے آگاہ کر کے فون بند کر دیا۔ اس نے کسی بھی مرحلے پر اس کو یہ جتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ میں اس کے ساتھ موجود تھا۔

ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ اول خان کے اسلام آباد رپورٹ دینے کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے شہر کے کسی محفوظ علاقے میں اپنے یونٹ کے نئے پڑاؤ کے انتظامات کرنے تھے۔ اس نے اپنے اریٹس پر اپنے کسی ذمے دار آدمی کو ہدایات دیں کہ سب لوگ جلتے ہوئے ملبے وغیرہ کو بھول کر اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں وہاں سے بستر بوریا سمیٹ کر کوچ کی تیاری کر لیں۔ وہاں آبادی اور انسانی موجودگی کی علامات مٹا دی جائیں۔ میدان میں چونے کی لکیریں مٹا کر چونے سے رنگے ہوئے پتھروں کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ تین آدمیوں پر مشتمل ایک فعال ٹیم چھاتا برداروں کی لاشوں کو جلتے ہوئے ملبے میں ڈال دے اور ان کے کھلے ہوئے پیراشوٹوں کو یکجا کر کے اس طرح نذرِ آتش کر دیا جائے کہ ان کا کوئی سراغ باقی نہ رہے۔

”کیسی مجبوریاں ہیں۔“ اس کے فارغ ہونے پر سلطان شاہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ”تمہارے آدمی اپنی ہی زمین پر خانہ بدوش بنے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک ٹھکانے کو بناتے اور سنوارتے ہیں اور جب زمین کے اس ٹکڑے سے اپنائیت کی بو آنے لگتی ہے تو وہ کسی اور ٹھکانے کا رخ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔“

”ہم پیشہ ور مہاجر ہیں۔“ اول خان نیم دلانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”کہیں بھی عمر بھر کا ساز و سامان کر کے اپنا گھر نہیں بناتے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے دباؤ یا پر ملکی سلامتی کی ضروریات کے تحت کسی بھی وقت ہمیں اپنا ٹھکانا بدلنا پڑ جائے گا اس لئے ہر پڑاؤ پر ناگزیر اور کم سے کم لوازم کے ساتھ گزارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری ہر ہجرت اپنی ہی زمین کے ایک ٹکڑے سے دوسرے ٹکڑے کی جانب ہوتی ہے۔ جگہ ضرور بدل جاتی ہے مگر مٹی کی بو باس وہی رہتی ہے۔“

”حیرت ہے کہ اس مادّی دور میں بھی کچھ لوگ ایسی قناعت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔“ سلطان شاہ نے پورے خلوص سے کہا۔ ”ورنہ ہر طرف مقابلے کی ایک تھکا دینے والی دوڑ نظر آتی ہے۔“

”ہم نیم فوجی انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بیشتر فوجیوں میں اس سے زیادہ قناعت نظر آتی ہے۔ خدا کی اس بادشاہی میں ہر طرح کی مخلوق رہتی ہے۔ کچھ لوگ مٹی پر پیر رکھنا بھی پسند نہیں کرتے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مٹی ہی میں لوٹ پوٹ کر اپنی ساری عمر گزارتے ہیں پھر اسی میں سو جاتے ہیں۔“

بات کرتے ہوئے اول خان نے مضطربانہ انداز میں اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ ساڑھے پانچ بجے فون کرنے کے لئے تخلیئے کا خواہش مند نہ ہو۔ میں نے فوراً ہی اسے پیشکش کر ڈالی۔ ”اگر تم اکیلے میں فون کرنا چاہ رہے ہو تو ہم باہر جا سکتے ہیں۔“

”تم ہر بات کو عین موقع پر محسوس کر لیتے ہو۔“ اس نے ہنس کر کہا اور ہم چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر دروازے کا رخ کر لیا۔

میں نے برآمدے کے ایک ستون سے ٹک کر سگریٹ سلگا لی۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے برآمدے میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

اس وقت بھی ہماری بیرک سے بہت دور ہیلی کاپٹر کا ملبہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ دوسری آتش خیز اشیا کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں ایندھن کا ذخیرہ بھی موجود رہا ہو گا جو اس آگ کو بھڑکائے ہوئے تھا۔ آگ سے خارج ہونے والے دھوئیں کے سیاہ بادل ہلکی ہلکی ہواؤں کے ساتھ ایک وسیع علاقے میں اس طرح پھیل گئے تھے کہ وہاں مطلع ابر آلود ہونے کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔

ایس ٹی ایف کی گاڑیاں ہر طرف سے سمٹ کر دوبارہ بیرکوں کے سامنے جمع ہو چکی تھیں اور فورس کے اہلکار بہت تیزی سے اپنا سارا ساز و سامان مال بردار ٹرکوں میں منتقل کر رہے تھے۔

میں ستون کے سہارے کھڑا پُرخیال نظروں سے دشمن کی چتا کا نظارہ کرتا رہا۔ ان لوگوں نے اپنا کام صحیح منصوبہ بندی سے کیا تھا اور پورے علاقے کا فضائی سروے کرنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر اترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان سے بڑی غلطی یہ سرزد ہوئی تھی کہ وہ ہمارے ٹھیک ٹھیک اندازوں اور پیش بندیوں کا ذرا بھی ادراک نہیں کر سکے تھے اور اپنی اس کج فہمی کے نتیجے میں عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایس ٹی ایف کی ایک گاڑی کہیں سے نمودار ہو کر ہیلی کاپٹر کے جلتے ہوئے ملبے کے قریب رکی اور پھر کئی افراد اس پک اپ کے پچھلے حصے میں سے وزنی لاشیں اتار کر جلتے ہوئے ملبے میں پھینکنے لگے۔ وہ ان کی روانگی کی تیاریوں کا ایک اہم مرحلہ تھا۔

ہمیں تقریباً دس منٹ تک برآمدے میں انتظار کرنا پڑا۔ ویرا اور غزالہ طویل برآمدے کے آخری سرے تک دو چکر لگانے کے بعد میرے قریب ہی آ کھڑی ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ تھکے ماندے انداز میں ایک سیڑھی پر بیٹھا‘ تنکے سے زمین پر لکیریں لگا رہا تھا۔

آخر اول خان اپنی اہم فون کال سے فارغ ہو کر خود ہی باہر آ گیا اور بولا۔ ”اب تم لوگ اندر آ سکتے ہو۔ میں نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔“

"اندر آکر کیا کرنا ہے۔ اب ہمیں واپس لوٹنا چاہئے۔ تمہیں بھی یہ جگہ چھوڑنے کی تیاری کرنی ہے۔" میں نے آخری کش لے کر سگریٹ کا بچا ہوا حصہ چٹکی سے دور اچھالتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں کئی دنوں تک یہاں قیام کرانے کے ارادے سے لائے تھے مگر اب تمہیں خود اپنا یہ ٹھکانا چھوڑنا پڑ رہا ہے۔" ویرا نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "انقلاب آتے ہیں تو سب کچھ کتنی تیزی سے بدل کے رہ جاتا ہے۔"

"تم لوگوں کے آنے سے واقعات کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں اکیلا ہی سارے معاملات میں سر کھپاتا رہتا تو شاید ہیلی کاپٹر سے آنے والوں کا معاملہ ہی بہت طول پکڑ جاتا۔ مجھے خوشی ہے کہ چند ہی گھنٹوں میں یہ سارے قصے نمٹ گئے ورنہ ہم راس المیڈا تک پہنچنے کے بعد ایک ہی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔" اول خان نے بائیں ہاتھ سے اپنا سر سہلاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ "اب دیکھو کہ کمانڈر سعید سے کیا خبریں ملتی ہیں۔"

"ہو سکے تو اس کا نمبر مجھے دے دینا۔" میں نے چونک کر یاد دلایا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں نئی جگہ پر جمنے میں کچھ وقت لگ جائے۔ تم میرے پاس ورڈ کے حوالے سے اس سے بات کر لینا۔ وہ خود بھی تمہارا گرویدہ معلوم ہوتا ہے۔" اول خان بولا۔

اول خان ہمیں اپنی گاڑی میں لایا تھا۔ ہماری واپسی کے لئے اس نے لینڈ کروزر کی چابی میرے حوالے کرنا چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔ منتقلی کے اہم موقع پر اسے لینڈ کروزر جیسی کثیر المقاصد اور طاقت ور گاڑی سے محروم کرنا مناسب نہیں تھا۔ آخر اس نے ایک ڈرائیور ہمارے حوالے کر دیا جو ہمیں گھر چھوڑ کر اول خان کی گاڑی واپس اسی مقام پر لے آتا۔ اول خان ویسے بھی اندھیرا پھیلنے تک وہیں رکنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"آج کے واقعات نے بڑوں کو فکر مند کر دیا ہے۔" اول خان نے ہمارے ساتھ لینڈ کروزر کی طرف جاتے ہوئے بتایا۔ "وہ اس جارحانہ مداخلت کو کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔"

"لیکن کمانڈر سعید کی باتیں تو بہت حوصلہ افزا تھیں۔" میں نے کہا۔

"وہ اس واقعے سے ہمیں بری الذمہ قرار دینے کی باتیں تھیں۔ میرے بڑے کو خوشی ہے کہ وہ اتنے ہمدردانہ انداز میں سوچ رہا ہے لیکن وہ ان کے مستقبل کے عزائم کو تبدیل نہیں کر سکتا۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ وقت آئے گا تو ان کی سازشوں کا تدارک بھی کر لیا جائے گا۔ ان سے ہر مقابلے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ تمہارے بڑوں کو خوش ہونا چاہئے کہ آج راس المیڈا کے فتنے کے خاتمے کے ساتھ ان کا ایک بڑا مشن بھی مکمل تباہی سے ہمکنار ہوا ہے۔ آنے والے دنوں کے بارے میں تشویش کا اظہار کر کے اس دن کی اہمیت کم نہیں کی جا سکتی۔"

"اور ہاں" وہ چونک کر بولا۔ "میں ایک بات بتانی بھول ہی گیا۔ راس المیڈا کی لاش سمندر سے برآمد نہیں ہو گی۔ اسے یہیں چھوڑ دیا جائے گا تاکہ صبح کے اخبارات میں اس کی خبر آ سکے۔"

وہ بہت مناسب تجویز تھی۔ ان دونوں واقعات کو یکجا کر کے حکام بہت سے مسائل اور وضاحتوں سے بچ سکتے تھے اور دوسری طرف رائے عامہ بھی بنائی جا سکتی تھی۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہوتا جیسے وہ راس المیڈا کو قید کرنے والوں اور بحری کمانڈوز کا مقابلہ رہا ہو جس میں دہشت گرد اپنے سارے حریفوں کو ختم کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ راس المیڈا کے بارے میں پہلے ہی اخبارات میں اتنا مواد چھپ چکا تھا کہ مقامی طور پر اس کے لئے ہمدردی کی کوئی لہر پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

اول خان سے گفتگو ختم کر کے ہم لینڈ کروزر میں شہر کے لئے روانہ ہو گئے۔



اگلے دن کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ خبروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ہمارے لوٹ آنے کے بعد اول خان نے کچھ اور لوگوں سے بھی رابطے کئے تھے اور انہیں مزید معلومات فراہم کی تھیں۔

اعلیٰ حکام نے ہیلی کاپٹر کے پُراسرار حادثے میں مرنے والوں کے لئے تعزیتی پیغامات دینے کے ساتھ اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ اپنے بیڑے سے بھٹکا ہوا ہیلی کاپٹر ساحل سے ایک طویل فاصلہ طے کر کے اس ویرانے میں کیسے جا پہنچا تھا جہاں راس المیڈا جیسا رسوائے زمانہ دہشت گرد اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں پوری کر رہا تھا۔ وہ ایک خیال انگیز سوال تھا اور یہ رہنمائی فراہم کر رہا تھا کہ گمشدگی کی آڑ میں وہ ہیلی کاپٹر دراصل راس المیڈا کی تلاش میں ہی نکلا ہوا تھا کہ حریفوں کی زد میں آ گیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکنوں کی ایک دُکھتی ہوئی رگ پر بھی ہاتھ ڈال دیا گیا تھا۔

جان سیموئیل تک رسائی کے چکر میں سردار وجاہت اللہ کے غیر آباد مکان میں جو کچھ ہوا تھا، اس کا اخباروں میں ذکر آیا تھا نہ ان واقعات کی کوئی رپورٹ کی گئی تھی مگر ایک بڑے تحقیقاتی افسر کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کر دیا گیا تھا کہ راس المیڈا کے بارے میں امریکن قونصل خانے کا جارج اسٹارک نامی افسر بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ اس سے رابطے کی ہر باضابطہ کوشش ناکام رہی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ وہ شدید علالت کی وجہ سے زیرِ علاج تھا اور اسے ملاقاتیوں سے بالکل دور رکھا گیا تھا۔

جارج اسٹارک ان لوگوں کی بہت بڑی کمزوری بنا ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اسے کسی بھی پاکستانی افسر سے ملوایا گیا تو وہ اپنی راست گوئی کی بنا پر ان کے ہر فریب کا پردہ چاک کر دے گا جس

میں راس المیڈا کے سفارتی مراسم کا ذکر سرِفہرست ہوتا۔

"یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے سب کچھ سنبھال لیا گیا ہو" اخبار پڑھ کر ویرا نے دھیرے سے کہا۔

"ہمیں جو کچھ کرنا تھا، وہ کر گزرے ہیں۔ دشمن ان زخموں کی کسک دیر تک محسوس کرتا رہے گا۔ جن لوگوں کو حالات سنبھالنے ہیں، وہ اپنے کام سے واقف ہیں۔ اس بارے میں ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم نے اپنا انتقام لے لیا" سلطان شاہ نے ویرا سے کہا "یہ بڑی بات ہے کہ تمہیں اپنا عہد پورا کرنے کا موقع مل گیا۔ اس بار راس المیڈا بچ نکلتا تو وہ پاکستان میں رکنے کی حماقت ہرگز نہ کرتا اور تم ہاتھ ملتی رہ جاتیں۔ دیکھا جائے تو اس کھیل نے تمہاری ایک ذرا سی بات کی وجہ سے اتنا طول پکڑا ہے۔"

"شاید اب تم پھر وہی پرانا گیت گاؤ گے کہ میں نے کشمیر روڈ والے واقعے میں سگریٹ لائٹر جلا کر کھیل بگاڑنے کی داغ بیل ڈالی تھی؟" ویرا نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

"بگڑنے کی ضرورت نہیں" وہ جلدی سے بولا "سکون سے بات کرو۔ تمہاری کوشش تو یہی تھی کہ سب کچھ ختم ہو جائے۔ راس المیڈا تمہاری پرورش کی ذمے داری لے لے اور ہم لوگ کشمیر روڈ سے ناکام و نامراد لوٹ آئیں لیکن قدرت نے تمہاری اس تخریب کاری میں بھی بہتری کی ایک راہ پیدا کر دی۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم میرے اوپر تنقید کر رہے ہو یا میری تعریف کرنی چاہ رہے ہو۔"

"کشمیر روڈ پر تم گڑبڑ نہ کرتیں تو سارا کھیل وہیں ختم ہو جاتا۔ نئی زندہ رہتا، جارج اسٹارک جیسا ایمان دار امریکن ہماری نظروں میں نہ آتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ راس المیڈا کے لیے امریکنوں کی حمایت اور فکر مندی کی انتہا واضح نہ ہوتی۔ یوں سمجھو کہ اس ذرا سی گڑبڑ کے بعد بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور مفت میں ان کے بیس بحری کمانڈوز کو چاٹ گئی۔"

"نیلو ربا میسے والی بات بھی اسی چکر میں کھلی ہے" غزالہ نے کہا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسپیکر فون کا ریسیور اٹھایا تو میرے کان میں وہ سریلی سی آواز آئی جو غیر ملکی فون کال ملتے ہوئے سنائی دیتی ہے۔ اس آواز پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مخصوص اشارے کے فوراً ہی بعد ریسیور میں ایک بھاری مردانہ آواز میں میرے بارے میں پوچھا گیا۔ وہ کوئی غیر ملکی تھا اور انگریزی بول رہا تھا۔

میں نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے فرار یا روپوشی کے چکر میں ڈال دوں تاکہ وہ فون میرے دشمنوں کی طبع آزمائی کا مرکز نہ بن سکے لیکن اس طرح مجھے بولنے والے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بارے میں جاننے کی واحد صورت یہی تھی کہ گفتگو کو حتی الامکان طول دیا جائے۔

میں نے لمحہ بھر میں ارادہ بدل کر انگریزی میں کہا "ڈینی گھر پر موجود نہیں ہے۔ تم کون ہو؟"

"وہ کب تک واپس آئے گا؟" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میں اس کا گھریلو ملازم ہوں۔ وہ مجھے ہر بات بتا کر نہیں جاتا۔"

"گھریلو ملازم؟" اس کی آواز تضحیک آمیز ہو گئی "پاکستان جیسے جاہل اور پس ماندہ ملک میں انگریزی بولنے والے معمولی ملازم کب سے ملنے لگے؟"

"انگریزی پاکستان کی سرکاری زبان ہے اور یہاں معقول تنخواہ پر ہر زبان جاننے والے لوگ مل جاتے ہیں۔ تم اپنی آواز سے غیر ملکی معلوم ہو رہے ہو۔ شاید تمہیں یہاں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔"

"میں اس وقت نیویارک سے بول رہا ہوں" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مگر میں پاکستان اور ڈینی کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ ڈینی نے جو کچھ کیا ہے، بہت برا کیا ہے۔ اسے بتا دینا کہ میں جلد ہی پاکستان آ رہا ہوں۔ اب اس کا وقت بہت کم رہ گیا ہے۔"

اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا مگر میں نے انجان بن کر سادگی سے پوچھا "تاریخ اور فلائٹ کا نمبر بتا دو تاکہ تمہیں لیا جا سکے۔ تم میرے مالک کے کوئی دوست معلوم ہوتے ہو۔"

"تم اُلو کے پٹھے ہو" اس کی غراہٹ ابھری "مسخرے کی طرح باتیں کرنے کے بجائے کان کھول کر سن لو کہ میں اس کی گردن توڑنے کے لیے آؤں گا۔ راس المیڈا کا خون معاف نہیں کیا جائے گا۔"

"تم راس المیڈا کے کوئی وارث ہو سکتے ہو جب کہ ڈینی ہمیشہ اسے لاوارث کتا کہتا رہا ہے۔"

"شاید تم خود ہی ڈینی ہو" وہ کسی فوری خیال کے تحت بولا۔ "اور اب اپنے انجام سے خوفزدہ ہو کر چھپنے کی کوشش کر رہے ہو مگر یہ یاد رکھو کہ اب تمہارے دن گنے جا چکے ہیں۔"

"اگر ڈینی تمہارے لیے اتنا ہی اجنبی ہے تو تم مجھے ڈینی سمجھ کر بات کر سکتے ہو۔ کبھی کبھی وہ اپنی مہمات پر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ میں اس کی ساری نہیں تو بیشتر مصروفیات سے ضرور باخبر رہتا ہوں۔"

"میرے فون سے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ میرا ہاتھ ہر وقت اس کے گریبان پر ہے۔ اس نے دوسروں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ میں کسی بھی وقت اسے مسل کر رکھ دوں گا۔"

"تمہاری یہ فون کال ڈینی کو ذرا بھی خوفزدہ نہیں کر سکے گی۔ یہ نمبر جان سیموئیل کو معلوم تھا۔ مرنے سے پہلے اس نے یہ نمبر

دوسروں کو بھی بتا دیا ہوگا۔ ڈینی کو ڈرانے کے لیے کوئی ڈھنگ کی بات بتاؤ۔"

"اس کے ساتھ کتیا کی بچی بھی بری طرح ماری جائے گی" میرے نقیبوں نے اسے بھڑکا دیا۔

"پتا نہیں اس عامیانہ گالی سے تم اپنی ماں کو کیوں یاد کررہے ہو۔"

"ویرا آج کل ڈینی کی ماں بنی ہوئی ہے۔ وہ دونوں ایک ساتھ موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ نیویارک کے بجائے تم ملک الموت کے حجرے سے بول رہے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری یہ گھٹیا باتیں اپنے مالک کے سامنے نہیں دہرا سکوں گا۔ تم اس قدر ڈرپوک چوہے ہو کہ یہاں سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی اپنا نام بتاتے ہوئے ڈر رہے ہو......"

"ڈیوڈ اسٹار کوئی نام نہیں' ایک تحریک ہے اور اب وہ ڈینی کے خون کی پیاسی ہے۔"

"پھر تم آئزک بیل سے ضرور واقف ہوگے" میں نے شوشا چھوڑا "اسے یہ بتادینا کہ راس المیڈا نے مرنے سے پہلے اسے بہت گالیاں دی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے بعد آئزک اپنی نالائقیوں سے ڈیوڈ اسٹارز کو تباہ کردے گا۔"

"تم ڈینی ہو..... گندے سوڑ! تم ڈینی ہو" وہ اضطراری طور پر بول پڑا "یہ باتیں ایک معمولی ملازم کے بس کی نہیں ہیں۔ تم کان کھول کر سن لو کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔"

اس نے اعتراف نہیں کیا تھا مگر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ آئزک بیل ہی ہوسکتا تھا۔ شاید اسے راس المیڈا کی موت کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوچکا تھا اور اس نے مایوسی کے عالم میں مجھے فون کر ڈالا تھا۔ نیویارک اور کراچی کے وقت میں دس گھنٹے کا فرق ہوتا ہے' اس لحاظ سے آئزک بیل رات کے بارہ بجے فون پر مایوسانہ ہذیان بک رہا تھا۔ اس کی وہ کیفیت ناقابلِ فہم نہیں تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ راس المیڈا کی موت کی خبر نے اس کے پرستاروں اور خیر خواہوں میں صفِ ماتم بچھادی ہوگی۔

"میں مسلسل تمہاری بکواس سن رہا ہوں۔ اب فون بند کردو اور کہیں غرق ہوجاؤ" میں نے درشتگی سے کہا "یہاں آؤ گے تو میں تمہیں اپنے جسم کا ایک اہم بال دوں گا۔ تم نے اسے سیدھا کر دکھایا تو میں خود ہی ذبح ہونے کے لیے تمہارے سامنے لیٹ جاؤں گا۔"

جواب میں اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے مغلظات کا دریا بہانا شروع کردیا۔ میرے لیے اس کی ذات میں مزید کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

جتنی دیر تک میں فون پر باتیں کرتا رہا' وہ تینوں حیرت اور بے یقینی سے میرا چہرہ تکتے رہے۔ میری یک طرفہ بے سروپا گفتگو نے انہیں بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔

"راس المیڈا کی موت کی خبر امریکا پہنچ چکی ہے" ان میں سے کسی کے سوال سے پہلے ہی میں نے بتانا شروع کردیا "یہ فون وہیں سے آیا تھا۔ بولنے والے نے اعتراف نہیں کیا مگر وہ آئزک بیل ہی ہوسکتا تھا۔"

"اس کے اس فون کا کیا مقصد تھا؟" ویرا نے تجسس سے سوال کیا۔

"کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی تھی" میں نے ہنس کر کہا "وہ احمقانہ انداز میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسے میرے فون نمبر تک سے واقفیت حاصل ہے اس لیے وہ جب چاہے' مجھے مار سکتا ہے۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے" غزالہ نے کہا "جان کے ذریعے یہ فون نمبر نہ جانے کن کن لوگوں تک پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے ذریعے کوئی بھی دشمن اس فلیٹ تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔"

"یہ خطرہ اپنی جگہ بجا ہے مگر یہ مکان چھوڑنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"

"تم یہاں سے کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پوچھا "ایسا آرام دہ مکان آسانی سے نہیں ملے گا۔"

"فی الحال میں یہیں رہ کر دیکھنا چاہوں گا کہ ان میں سے کون ادھر کا رخ کرتا ہے۔ اب انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میرے ہاتھ بہت مضبوط ہیں۔ ادھر آنے والے زندہ بچ کر نہیں جاسکیں گے۔"

جب تک راس المیڈا زندہ تھا' ہم ہر لمحے اسی کی تلاش میں سرگرداں تھے اور وہ ہماری بُو پر لگا ہوا تھا۔ اس کی موت کے بعد مجھے اپنی سرگرمیوں میں وقفہ آتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

لاہور سے کراچی آنے کے بعد میں نے جب سے ٹی میں شمولیت اختیار کی تھی' میرا سارا وقت منشیات یا ان سے پیدا ہونے والے مسائل میں ہی گزرا تھا۔ ابتدا میں میرا کام شہر میں چرس کی باقاعدہ فراہمی تک محدود تھا پھر ہیروئن کے آتے ہی میری ذمے داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ میں نے بہت کم مدت کے لیے ہیروئن کے فروغ کے لیے کام کیا اور پھر اس کی تباہ کاریوں کے جیتے جاگتے مناظر دیکھ کر اس سے اتنا متنفر ہوا کہ بات بڑھتے بڑھتے ٹی سے بغاوت تک پہنچ گئی۔

وہ برسوں پرانی بات تھی۔ اس کے بعد میں اَن گنت محاذوں پر لڑتا رہا لیکن ہیروئن اور اس سے کمائی ہوئی بے اندازہ دولت مجھے ہر بڑی مجرمانہ سرگرمی میں کارفرما نظر آئی۔ یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ہیروئن کے بل پر جرائم پیشہ دہشت گردوں نے ایک مضبوط اقتصادی نظام قائم کرلیا تھا اور دن بہ دن طاقت حاصل کرتے جارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ راس المیڈا نے جمی لائیڈ کو ہٹا کر ٹی پر اپنا قبضہ جمایا تھا۔ بظاہر میری لڑائی راس المیڈا اور اس کے ہمدردوں سے تھی لیکن وہ کھیل بھی ہیروئن کے گرد گھوم رہا تھا۔ راس المیڈا اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا لیکن اس کا مشن آگے بڑھانے والوں کا نیا سرخیل میدان میں آچکا تھا۔

آئزک بیل کے فون کے بعد سے میرے ذہن کے کسی گوشے میں بار بار یہ تحریک پیدا ہورہی تھی کہ میں امریکا کی سرزمین پر جاکر ٹی اور ڈیوڈ اسٹارز کے ادغام کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کروں۔ ان لوگوں کی جڑوں پر وار کیے بغیر آئے دن کی فتنہ انگیزیوں پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔

میرے لیے امریکا کا رخ کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ ویزا اور دوسری سفری دستاویزات کے حصول میں ادل خان میری مدد کرسکتا تھا۔ ویرا کو خوشی ہوتی کہ اس بہانے اسے اپنے وطن جانے کا موقع مل رہا ہے۔ غزالہ اور سلطان شاہ کو تو ہمیشہ ہی تبدیلیوں کی تلاش رہتی تھی مگر ایسا کوئی فیصلہ فوری طور پر نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ راس المیڈا کا معاملہ تازہ تھا اور دوسری طرف را کے دو خاص... ہرکارے پاکستان کی سرزمین پر موجود تھے۔ ان کی بیخ کنی کیے بغیر میں ادل خان کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں ڈرائنگ روم میں تنہا رہ گیا۔ دوسرے لوگ اِدھر اُدھر مصروف ہوچکے تھے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے آواز دھیمی کرکے ٹیلی وژن کھول دیا۔

ٹیلی وژن کے پروگرام پھیکے اور بے جان تھے۔ میری طبیعت پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ میں ٹی وی بند کرکے وہاں سے نکلا تو غزالہ کچن میں مصروف تھی۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں جا گھسا۔

میں ایک طویل غسل کے بعد لباس تبدیل کررہا تھا کہ سلطان شاہ میرے کمرے کا دروازہ کھول کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر آگھسا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ اس قدر پریشان کیوں ہو؟" میں نے غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"تین آدمی ہلاک اور سترہ زخمی ہوئے ہیں" اس نے بالکل بے تکے انداز میں کہا۔

"یہ کہاں کی خبر ہے اور تم تک کیسے پہنچی ہے؟" میں نے قدرے جھلا کر پوچھا۔

"یہ جوابی کارروائی معلوم ہوتی ہے" وہ بولا "صدر اور جناح اسپتال کے قریب طاقت ور بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں جن میں یہ نقصان ہوا ہے۔ میں اپنے بستر پر لیٹا ریڈیو پر گانوں کا فرمائشی پروگرام سن رہا تھا کہ مختصر خبروں کے بلیٹن میں یہ خبر بھی نشر کی گئی۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" میں نے اپنے اعصاب پر قابو پاکر سوال کیا۔

"بلیٹن میں صرف آج صبح کا ذکر تھا۔ وقت نہیں بتایا گیا۔"

"ایسی وحشیانہ کارروائی پر ہر دردمند آدمی کو صدمہ ہونا چاہیے مگر تم کچھ زیادہ ہی پریشان ہوگئے ہو۔"

"تم خود غور کرو کہ اس دھماکے کے ذمے دار کون ہوسکتے ہیں۔"

"دہشت گردوں کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ وہ صرف دہشت گرد ہوتے ہیں۔ کوئی بھی یہ کارروائی کرسکتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ راس المیڈا بھی بہت بڑا دہشت گرد تھا۔ شہر بلکہ ملک بھر میں مہینوں سے ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ پھر راس المیڈا کے مرتے ہی یہ تباہی کیسے نازل ہوگئی؟"

"وہ لوگ ابھی اپنے صدمے ہی سے نہیں سنبھل سکے ہوں گے۔ اس کارروائی کو اندھا دھند طریقے پر ان سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ دس میں سے ایک امکان یہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"اور تم کہاں جانے کی تیاری کررہے ہو؟" اس کا لہجہ ناقدانہ ہوگیا۔

"شہر کی سڑکیں ناپنے کا ارادہ تھا۔ اب وہ جگہیں بھی دیکھ لوں گا جہاں بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔"

"تم بے مقصد بہت کم باہر نکلتے ہو۔ سچ بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے۔"

"ابھی میرا ذہن بالکل صاف ہے۔ باہر نکلنے کے بعد کوئی پروگرام بن جائے تو دوسری بات ہے۔"

ایک مرتبہ پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر اپنی خواب گاہ میں موجود ایکس ٹینشن کا ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر میرے وجود میں طمانیت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

ادھر سے ادل خان کہہ رہا تھا "میں رات گئے گھر لوٹ آیا تھا۔ اب تک ہمارا نیا پڑاؤ جم چکا ہوگا۔ سوچا کہ ادھر جانے سے پہلے تم سے بات کرلوں۔ ابھی ہمارے پاس فون نہیں ہے۔"

"چلتے ہوئے ایک ایڈریس ہی دے دیتے تو رابطہ کرنے میں بروقت آسانی رہتی۔"

"فی الحال ہمارے پاس وہی ایک طاقتور سیٹ ہے۔ ایک ایڈریس تحویل سے نکل جانے کے بعد ہم نے وہ پورا سسٹم بند کردیا تھا۔ نیا سسٹم آئے گا تو تمہاری شکایت دور ہوجائے گی۔"

اس کی باتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ شہر میں ہونے والے دھماکوں سے لاعلم تھا۔ میں نے اسے سلطان شاہ کی سنی ہوئی خبر سے آگاہ کیا تو وہ چونک پڑا۔

تفصیل سننے کے بعد اس نے جو تبصرہ کیا وہ سلطان شاہ کی رائے سے ہم آہنگ تھا۔

میرے پاس اعتراض تیار تھا۔ اس نے کہا "اس وقت کوئی امریکن ایسی جرائت نہیں کرسکتا۔ تمہاری یہ بات سو فیصد درست ہے کہ اکیس لاشیں اٹھانے کے بعد ان پر سوگ کے ساتھ دہشت بھی طاری ہوگی لیکن تم را والوں کو کیوں بھول رہے ہو۔ ان کے دو آدمی راس المیڈا کے بلاوے پر ہی آئے تھے۔ اخبارات دیکھنے کے بعد انہوں نے شہر میں اپنی موجودگی کا احساس دلانے کا کوئی بندوبست کرلیا ہوگا۔"

"شہر میں موجود بھارتی سفارت کاروں میں را کے کتنے آدمی ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"کہا جاتا ہے کہ پاکستان آنے والے ہر سفارت کار کو را والے تربیت دے کر بھیجتے ہیں تاکہ معلومات کے حصول کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے پائے۔ کل سترہ نفوس میں تین آدمی را کے جانے پہچانے ایجنٹ ہیں۔"

"ان کے ذریعے ہم نئے آنے والوں تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ویسے عام حالات میں بھی را کے تینوں ایجنٹوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔"

"تمہارے چھوڑے ہوئے ویرانے کی کیا خبریں ہیں؟ کیسی کہانیاں بن رہی ہیں؟"

"رات کو ہم اندھیرے میں وہاں سے روانہ ہوئے تو سلگتا ہوا ملبہ کسی بھیانک شمشان کا سماں باندھ رہا تھا۔ اب وہاں کے معاملات دوسرے متعلقہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ کوئی خبر مل گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں دوسروں کے معاملات میں عام طور پر دلچسپی نہیں لیتا۔"

"ادھر کی خیر خبر رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک مرتبہ پھر معزول کردیا جائے...."

"میری روزی اور عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ان چیزوں کی کبھی پروا نہیں رہی۔ میں اپنے کام سے پورا پورا انصاف کرتا ہوں اور نتیجہ اس پر چھوڑ دیتا ہوں۔ حالات نارمل رہے اور میں رات کو گھر آیا تو تمہیں فون کروں گا۔ اس وقت اس بارے میں مزید باتیں ہوں گی۔"

وہ اس کی طرف سے بات ختم کرنے کا اشارہ تھا۔ میں نے بھی گفتگو کو طول نہیں دیا۔ فون بند کرکے میں مڑا تو خلافِ توقع سلطان شاہ غائب تھا۔

میں پوری طرح تیار ہوکر کمرے سے کچن کے دروازے پر پہنچا تو غزالہ نے بڑی حیرت سے میرا جائزہ لیا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، میں ہوا خوری کے لیے جارہا ہوں۔ شام تک لوٹ آؤں گا" میں نے محبت سے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے پیچھے سے سلطان شاہ کے زبردستی کھانسنے کی آواز آئی۔

غزالہ شرما کر چولھے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ سلطان شاہ اس قلیل سی مدت میں اپنے بدن پر کپڑوں سے جوتے تک منڈھ کر تیار ہوچکا تھا اور پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم کہاں جارہے ہو؟" میں نے انجان بن کر خشک لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے ساتھ جارہا ہوں" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ "عورتوں کے ساتھ یہاں رہ کر کیا کروں گا۔"

"میں تمہیں نہیں لے جاؤں گا" میں نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"غصہ مت کرو" وہ میرے قریب آکر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "آوازیں سن کر ویرا باہر نکل آئی تو میرے علاوہ اسے بھی ساتھ لے جانا پڑے گا۔ وہ راستے بھر تمہارا دماغ چاٹتی رہے گی۔"

میں بے بسی سے اسے گھور کر رہ گیا اور ایک جھٹکے سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سلطان شاہ اپنی کامیاب بلیک میلنگ پر فاخرانہ انداز میں زیر لب مسکرا رہا تھا۔

سلطان شاہ نے گاڑی روانہ ہوتے ہی بموں کے دھماکوں والی جگہیں دیکھنے کی فرمائش کی تو میں نے چڑ کر وہ ارادہ منسوخ کردیا حالانکہ پہلے میں خود ہی ادھر سے گزرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"تم ہنستے بولتے ہوئے اچھے لگتے ہو" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ کی زبان چل پڑی "بلاوجہ اپنے اوپر غصہ طاری کرکے تم ساری مردانہ وجاہت تباہ کرلیتے ہو۔"

"ذرا پیچھے کا خیال رکھو" میں نے بلاوجہ عقب نما آئینے پر نگاہ ڈال کر سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟ کیا کوئی گاڑی پیچھا کررہی ہے" اس نے تیزی سے پوچھا۔ وہ پہلو بدل کر اپنی سیٹ میں فوراً ہی یوں ترچھا ہوکر بیٹھ گیا تھا کہ کن انکھیوں سے پیچھے کا جائزہ بھی لے سکے۔

"ہاں۔ مجھے کالی ٹویوٹا پر شبہ ہورہا ہے" میں نے اسے پوری طرح وہم میں ڈال دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ میرے قبضے میں تھی۔ میں ٹریفک کی آڑ لے کر اپنی گاڑی کی رفتار اس طرح گھٹاتا بڑھاتا رہا کہ وہ کالی کار کئی کوششوں کے باوجود گنجان ٹریفک میں مجھ سے آگے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ سلطان شاہ وقفے وقفے سے پیچھے کا جائزہ لے رہا تھا اس لیے اسے میرے اس مشغلے کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ وہ پوری سنجیدگی سے اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ کالی ٹویوٹا ہمارا پیچھا کررہی تھی۔

وہ وقفے وقفے سے پرجوش لہجے میں تبصرے بھی کرتا جارہا تھا۔ کلفٹن برج سے اترتے ہوئے وہ بے بسی سے بولا۔ "خدا کی قدرت ہے کہ شہر کے ہر کونے میں کوئی نہ کوئی واقعہ تمہاری آمد کے انتظار میں رکا رہتا ہے.... اب گھومنے نکلے ہو تو اس منحوس گاڑی نے پیچھا کرنا شروع کردیا۔"

بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی "تم نرے گھامڑ ہو۔ اتنی شاندار گاڑی کو منحوس کہہ رہے ہو۔"

پل اترنے کے بعد میں نے داہنی طرف جگہ خالی کی اور کالی کار زن سے آگے نکل گئی تو سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح میرا منہ تکتے ہوئے بولا "یہ تو آگے نکل گئی۔"

"تم یہی چاہتے تھے نا؟ اب کیا پریشانی ہے تمہیں؟" میں نے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں بالکل مطمئن اور خوش ہوں" وہ منہ پھلا کر بولا۔

ہوٹل میٹروپول کے سگنل تک پہنچنے سے پہلے میں اپنے اس بے مقصد سفر کی کسی سمت کا تعین کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ مجھے حاجی دل مراد اور غفور بھٹی کے نام یاد آگئے اور میں نے اس ٹریفک سگنل سے بائیں طرف مڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ شہر میں بے مقصد بھٹکنے سے بہتر تھا کہ وقت کو کام میں لایا جاتا۔

وہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ کاروباری ایام میں آئی آئی چندریگر روڈ پر صبح سے رات تک ٹریفک کی اس قدر کثرت رہتی ہے کہ وہاں گاڑی چلانی مشکل ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس پی آئی ڈی سی ہاؤس کے قریب واقع ریلوے پل سے آگے مولوی تمیزالدین روڈ پر سڑک صاف ستھری رہتی ہے۔ ویسے بھی ان دنوں مائی کلاچی بائی پاس کا منصوبہ نہیں تھا اس لیے وہاں بہت کم ٹریفک رہتا تھا۔ میں نہایت اطمینان سے اس راستے پر گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا پل پر سے کیماڑی کی طرف مڑ گیا۔

"تم بہت دیر سے خاموش بیٹھے ہوئے ہو" میں نے گاڑی موڑ کر سلطان شاہ کو چھیڑا۔

"جب تم کرنٹ مارنے لگتے ہو تو خاموشی میں ہی عافیت نظر آتی ہے۔"

"تمہیں پتا ہے کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟" میں نے اسے مزید اکسایا۔

"یہ راستہ کیماڑی کی طرف جاتا ہے۔ اس سے آگے حاجی دل مراد کا جزیرہ ہے۔"

"خوب!" میں نے اس کے حافظے کی داد دے کر کہا "تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ کمانڈر سعید نے اسے اجنبیوں سے دور رہنے والا شخص قرار دیا تھا۔"

"وہی کیا' سارے بڑے مجرموں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے جاں نثاروں میں گھرا رہنا پسند کرتے ہیں۔ بھیڑ بھاڑ سے انہیں خوف آتا ہے۔ پتا نہیں تم ادھر کیوں جارہے ہو۔ مناسب تیاری اور منصوبہ بندی کے بغیر میں تمہیں ادھر کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"مشورے کا شکریہ۔ ہم کھلے سمندر میں تھوڑی دیر تک موٹر بوٹ کی سیر کرکے لوٹ آئیں گے۔ مجھے خود کشی کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ حاجی دل مراد کی بات تم ہی نے چھیڑی ہے۔"

"اگر تمہیں دل مراد میں دلچسپی نہیں ہے تو ادھر کا راستہ کیوں لیا ہے؟"

"کہیں نہ کہیں تو جانا ہی تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں سمندر کی سیر کرادی جائے۔"

"اب یہ احسان بھی میرے سر پر ہی رکھو گے؟" وہ تنک کر بولا۔

"مجبوری ہے کیونکہ اس وقت یہاں تمہارے سوا اور کوئی دستیاب نہیں ہے۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ پرورش پارہا ہے تو اسے جھٹک دو اور آگے سے گاڑی موڑ لو" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "دل مراد جیسے لوگ بہت گھنے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ساحل پر بھی اس کے کارندے پھیلے ہوئے ہوں گے۔ تم اس کا نام زبان پر لاؤ گے اور اسے خبر مل جائے گی۔"

میں راستے میں اپنی دل بستگی کے لیے اس سے الجھتا چلا آیا تھا ورنہ حقیقت میں میرا کوئی پلان نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اس کے اصرار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور گاڑی ایک طرف پارکنگ میں لگادی۔

پتھروں سے بنی ہوئی قدیم ایک منزلہ عمارت میں بنے ہوئے راستے سے گزر کر ہم اس سائبان کے نیچے پہنچ گئے جس سے آگے سمندر کا پانی جھلملا رہا تھا۔

ہمیں دیکھ کر کئی افراد ہماری طرف آئے۔ وہ ہمیں بادبانی کشتی یا موٹر بوٹ میں کھلے سمندر میں سیر کرانے کی پیشکش کررہے تھے۔ نیچے پانی میں انجنوں اور انسانوں کا ملا جلا شور سنائی دے رہا تھا۔ سائبان کے نیچے بنے ہوئے پختہ گھاٹ سے سمندر میں اترنے والی سیڑھیوں کے ساتھ فی سواری کے حساب سے چلنے والی متعدد بوٹس لنگر انداز تھیں اور اگلی بوٹ کے بعد اپنی باری کی منتظر تھیں۔

کرائے والی ان کشتیوں میں سیاحوں کی تعداد آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں تھی۔ بیشتر مسافر وہ تھے جو منوڑہ اور اس کے قرب و جوار میں واقع جزائر سے اپنی روزی کمانے کے لیے منہ اندھیرے کراچی چلے آتے تھے اور پھر مناسب رقم کمانے کے بعد شام سے پہلے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔

مسافروں میں مردوں سے زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ ان میں سے بعض دور ہی سے بیمار نظر آرہے تھے۔ شاید ان بیماروں کو سمندر میں گھری ہوئی اپنی آبادیوں میں علاج معالجے کی زیادہ سہولتیں میسر نہیں تھیں جس کی وجہ سے بیماروں کو کراچی لانا اور لے جانا ناگزیر تھا۔

سمندر کا سینہ چیر کر اپنی روزی کمانے والے مچھیروں اور ملاحوں کی وہ نسلیں صدیوں سے یوں ہی رہتی بستی چلی آرہی تھیں۔ کراچی کی پرشکوہ عمارتوں اور پرہجوم بازاروں کو دیکھ کر بھی ان غریبوں کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں آتا تھا۔ وہ اپنی اپنی قسمتوں پر شاکر رہنے کے عادی تھے۔ ایمان کی مضبوطی اور دنیا کی رنگینیوں سے بے نیازی کا احساس درحقیقت ایسے ہی صابر و شاکر چہروں کو دیکھ کر تقویت پکڑتا ہے۔

میرے لیے وہ تماشا نیا نہیں تھا۔ میں پہلے بھی اس طرف آتا رہا تھا اور میں نے اس چھوٹے سے گھاٹ پر نئی اور پرانی قدروں کا

ایسا امتزاج دیکھا تھا جو دلوں کو سکون اور روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ میں اپنے گردو پیش سے لطف اندوز ہوتا ہوا داہنی طرف چل دیا جہاں پانی کی لہروں پر پرائیویٹ کشتیاں ہلکورے لے رہی تھیں۔

ہمیں اس طرف آتا دیکھ کر کئی چہروں پر امید کے دیے روشن ہوگئے۔

ہم نے ایک آدمی سے بات کی۔ اس نے ہمیں اشارے سے سفید رنگ کی ایک صاف ستھری موٹر بوٹ دکھائی جس پر چھوٹا سا کیبن بھی بنا ہوا تھا۔

اس نے ایک طویل چکر کے چار سو روپے طلب کیے۔ اس کی مسکینی اور شرافت کو دیکھتے ہوئے میرا دل نہ چاہا کہ اس سے مول تول کروں مگر خود کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالا رکھنے کے لیے ایسی گفتگو ضروری تھی۔ وہ ساڑھے تین سو روپے میں ہمیں سمندر کی سیر کرانے پر رضا مند ہوگیا۔

سودا ہوجانے کے بعد پتا چلا کہ سفید موٹر بوٹ اس کی نہیں تھی۔ وہ گھاٹ پر مسافروں کو گھیر گھار کر بوٹ والوں سے اپنا معاوضہ لیتا تھا۔ بوٹ کا دو نفری عملہ اس کے مالک اور اس کے نوخیز بیٹے پر مشتمل تھا۔ ان دونوں نے ہمیں سیڑھیوں سے اپنی بوٹ تک پہنچنے میں کافی مدد دی کیونکہ درمیان میں دوسری بہت سی کشتیاں حائل تھیں اور پانی کے مدو جزر کے ساتھ بری طرح ہل رہی تھیں۔ انہیں ہٹائے بغیر سفید بوٹ کو سیڑھیوں تک لانا ممکن نہیں تھا۔

گاہک مل جانے پر ہماری بوٹ کے ناخدا کا سینہ قدرے تن گیا تھا۔ دوسری کشتیوں پر کھڑے ہوئے ملاح اور ناخدا اسے رشک و رقابت کی ملی جلی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ باپ بیٹے نے صاف نشستوں کو مزید رگڑ کر ادب اور احترام سے ہمیں بٹھایا پھر معمر ناخدا نے وھیل پر جاکر انجن اسٹارٹ کردیا۔ نوخیز لڑکے نے برابر والی کشتی کے بانس سے بندھا ہوا رسا کھول کر سمیٹا اور پھر بوٹ آہستہ آہستہ گھوم کر گھاٹ سے دور ہونے لگی۔ کشتی کے پیچھے پانی میں ایک سفید سی لہریے دار لکیر بنتی جارہی تھی۔

ہم دو آدمیوں کے لیے وہ موٹر بوٹ کافی بڑی تھی۔ بوٹ چینل سے باہر نکلی تو داہنی طرف برتھوں پر لنگر انداز مال بردار جہازوں کی قطاریں نظر آئیں۔ بھانت بھانت کے پرچموں اور خوشنما رنگوں والے جہازوں کی وہ بھیڑ بہت دلکش تھی۔ موٹر بوٹ کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی مگر سامنے کھلا سمندر ہونے کی وجہ سے وہ مناظر ایک ہی جگہ تھمے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

کراچی کی بندرگاہ کی اپروچ سے باہر پائپوں اور بڑے بڑے والوؤں سے لیس پختہ آئل جیٹی ہمارے بائیں ہاتھ پر تھی۔ خوردنی اور دیگر اقسام کا تیل لانے والے چھوٹے جہازوں سے سپر ٹینکر تک بندرگاہ میں داخل ہوئے بغیر سارا تیل طویل پائپوں کے ذریعے ساحلی ٹنکیوں میں منتقل کرسکتے تھے۔

بظاہر میں ان نظاروں میں ڈوبا ہوا تھا مگر میری نظریں باپ بیٹے پر مرکوز تھیں۔ اس وقت تک وہ دونوں ہی مصروف تھے۔ جوں ہی موٹر بوٹ کھلے سمندر میں آئی' معمر ملاح نے وھیل اپنے بیٹے کے حوالے کیا اور خود ہمارے پاس آکھڑا ہوا۔ اس کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی لیکن پختہ رنگ کی جلد پر بے شمار لکیروں کی صورت میں تجربے کی تحریر نمایاں تھی۔

نگاہیں چار ہونے پر وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانت موتیوں کی قطاروں کی طرح چمکنے لگے۔ "صاب یہ جرمنی کا جہاز ہے۔ وہ فرنچی لوگ کا کنٹینر شپ ہے جو پرسوں آیا ہے......" اس نے داہنی طرف اشارے کرکے ہمیں بتانا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کھڑے کیوں ہو؟ یہاں ہمارے پاس بیٹھ جاؤ!" میری پیشکش پر وہ ہمارے سامنے والی سیٹ کے ایک کنارے پر معذرت خواہانہ انداز میں ٹک گیا۔

"ادھر سمندر میں لوگ ڈرتا ہے۔ بولتا ہے بوٹ بچہ لوگ کو مت دو" وہ کہنے لگا "تم دلیر لوگ ہے۔ ہمارا بیٹا فس کلاس بوٹ چلاتا ہے۔ اس کا اینٹی کارڈ بنے گا تو اسے بھی لیسنس مل جائے گا۔"

"تمہارا بچہ پڑھنے جاتا ہے؟" گفتگو کو ہمدردانہ نجی رنگ دینے کی خاطر میں نے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ اس نے اداسی سے کہا "کیسے پڑھیں گا؟ ہم نے یہ موٹر بوٹ قسطوں پر خریدا ہے۔ روزی ملے یا نہ ملے' قسط دینا پڑتا ہے۔ شہر کا لوگ ابھی کلفٹن جاتا ہے۔ ادھر کوئی کوئی آتا ہے۔ دھندا بہت خراب ہوگیا ہے۔ کبھی کبھی دھکے پر اکھا دن خراب ہوجاتا ہے' کوئی نہیں ملتا۔ موٹر بوٹ کا ہیلپر روز کا سو روپیہ لیتا ہے۔ ہم کدھر سے دے گا۔ اسی لیے بچہ لوگ ہمارا ہیلپر ہے۔"

"بڑی کٹھن زندگی ہے تمہاری..... رہتے کہاں ہو؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اُدھر!" اس نے شمال مغرب کی طرف سمندر میں نظر آنے والے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا "بھٹ آئی لینڈ پر ہم لوگ کا گھر ہے۔ روز موٹر بوٹ دھکے پر باندھ کر رات بارہ بجے والی لانچ سے ہم لوگ گھر جاتا ہے۔ صبح پھر واپس آنا پڑتا ہے۔"

"اپنی بوٹ میں گھر نہیں جاتے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈیزل بہت جلتا ہے" اس نے معصومانہ بیچارگی سے کہا "لانچ چار روپے کرایہ لیتا ہے۔ خدا کا شکر ہے ہمارا سب لوگ بھوکا اٹھتا ہے مگر بھوکا نہیں سوتا۔ گزارہ ہوجاتا ہے۔"

"بھٹ آئی لینڈ پر رہنے والوں کا یہی حال ہوگا" میں نے کہا۔

"ارے نہیں صاب!" وہ برا مان کر بولا "ادھر پیسے والا لوگ بھی رہتا ہے۔ اپنا حاجی دل مراد آج تجوری کھولے تو سارا کراچی خرید لے گا..... اپنا اپنا نصیب ہے۔ موٹر بوٹ کا قسط اترے گا تو ہمارا بھی دن بدلے گا۔ سمندر سے موٹر بوٹ میں بہت سامان کراچی آتا ہے۔ جہاز باہر لنگر ڈال کے مال نیچے ہریا کردیتا ہے۔ اس میں بہت پیسہ ہے مگر قسط والا لانچ ادھر نہیں جاسکتا۔"

کام کی بات نکل آئی تھی۔ مجھے یاد تھا کہ کمانڈر سعید نے حاجی دل مراد کو کسی جزیرے کا مالک بتایا تھا مگر ہماری بوٹ کا ناخدا اسے بھٹ آئی لینڈ کا باسی بتارہا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ دل مراد کی امارت کی وجہ سے اسے اپنا کر بھٹ آئی لینڈ کی عزت میں اضافہ کرنا چاہ رہا ہے۔ میں نے انجان بن کر سوال کیا "حاجی دل مراد تمہارے جزیرے پر ہی رہتا ہے؟"

"اور کدھر رہے گا۔ اس کا گھر میں شیشے کا زمین ہے اندر رنگا رنگ بتی جلتا ہے اور جب پانی چڑھتا ہے تو ادھر بھی بہتا ہے۔ شہر کا لوگ ادھر جاکر پاگل ہوجاتا ہے۔"

"وہ غریبوں کی مدد نہیں کرتا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کس کس کا مدد کرے گا؟ جو بنتا ہے وہ کرتا رہتا ہے۔ ہر لڑکی کا شادی پر پانچ ہزار روپیہ دیتا ہے۔ ہمارے ساتھ دس دوسرا لوگ کو بھی اس نے موٹر بوٹ دلایا ہے۔ ابھی وہ اور کیا کرے گا؟"

میں اس سے حاجی دل مراد اور اس کی پراسرار مصروفیات کے بارے میں بہت سی باتیں کرنی چاہ رہا تھا لیکن وہ اندر سے اتنا دکھی تھا کہ دوسروں کے بارے میں زیادہ سوچنے یا بولنے کا عادی نہیں تھا۔ وہ دل مراد کے بارے میں ایک آدھ فقرہ بول کر پھرتی سے پٹڑی بدل لیتا تھا۔ میرے بار بار ٹوکنے سے اسے میری نیت پر شبہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے میں نے چند ناکام کوششوں کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑدیا۔

رفتہ رفتہ بات سلطان شاہ کی سمجھ میں آگئی تھی کہ میں ادھر کیوں آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے ناخدا سے دل مراد کا تحیر خیز مکان دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے فوراً ہی اپنی جوابی شرائط پیش کردیں جن میں سو روپے کا اضافی معاوضہ سرِفہرست تھا۔

دوسری شرائط یہ تھیں کہ حاجی دل مراد کے گھر میں ہر کس و ناکس کا داخلہ ممکن نہیں تھا اس لیے وہ جزیرے کا چکر کاٹ کر دور سے اس کا شاندار مکان دکھا سکتا تھا۔ ہمیں دوربین یا کیمرے سے اس کے گھر کا جائزہ لینے یا تصویر بنانے کی اجازت نہیں تھی۔

ہمارے پاس دوربین یا کیمرے کا وجود نہیں تھا۔ سلطان شاہ معاوضے پر اس سے الجھتا رہا۔ آخر پچاس روپے میں بات بن گئی اور وہ اپنے بیٹے کو ہٹاکر خود وھیل پر جم گیا۔ اس کا بیٹا ہماری طرف آنے کے بجائے موٹر بوٹ کے پیندے میں جمع ہوجانے والا وہ پانی باہر پھینکنے میں مصروف ہوگیا جو اونچی لہروں کی بوچھاڑ سے اندر آرہا تھا۔

موٹر بوٹ کے انجن کی غراہٹ تیز ہوتی چلی گئی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ہمارا ناخدا اپنی کشتی کو اسپیڈ بوٹ بنانے پر تل گیا ہو۔ جھاگ اڑاتی ہوئی دیو پیکر موجوں کا سینہ چیر کر ہماری موٹر بوٹ تیز رفتاری سے رخ بدلتی رہی۔ وہ بندرگاہ سے دور ہوکر بھٹ آئی لینڈ کے آثار سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

وہ بہت طویل فاصلہ نہیں تھا۔ چند ہی منٹ میں ہماری موٹر بوٹ بھٹ آئی لینڈ کے پسماندہ ساحل کے متوازی دوڑ رہی تھی اور پھر کسی کے کہے بغیر وہ مکان ہماری نظروں میں آگیا جو اپنی وسعت کے اعتبار سے کسی حویلی سے کم نہیں تھا۔

ساحل پر اس کی ایک دیوار پانی میں آگے تک بڑھی ہوئی تھی۔ ساحلی محلِ وقوع کی وجہ سے وہ مکان جزیرے کی دوسری آبادی سے بالکل الگ ہوکر رہ گیا تھا۔ اپنے رقبے کے سوا اس میں باہر سے کوئی خصوصیت نظر نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ عام گھروں کی طرح سپاٹ چھت والا ایک منزلہ گھر ہی تھا جس کی بلندی قدرے زیادہ تھی۔

اس مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے معمر ناخدا نے گردن گھما کر ہمیں وہی بات بتائی جو ہم پہلے سے جان چکے تھے۔ انجن اور لہروں کے ہم آہنگ شور میں ناخدا کی آواز دب کر رہ گئی۔ ہم نے اس سے کچھ پوچھا' نہ اس نے اپنی بات دہرانے کی ضرورت محسوس کی۔ سفر اسی رفتار سے جاری رہا۔

جلد ہی ہماری موٹر بوٹ بھٹ آئی لینڈ سے دور نکل گئی۔ ایک مرتبہ پھر ہم کھلے سمندر میں تھے جہاں سمندر کی سطح کے ساتھ ساتھ جابجا آبی پرندوں کے غول منڈلا رہے تھے۔ وہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ جوں ہی پانی کی سطح پر مچھلی یا کوئی اور آبی مخلوق نمودار ہوتی تھی' کوئی بھوکا پرندہ تیزی سے اس پر حملہ آور ہوتا اور پانی میں چونچ ڈال کر شکار کو دبوچتے ہی بلندیوں کی طرف پرواز کرجاتا۔

ناخدا کو ہم سے جو کچھ ملنے کی امید تھی' وہ پوری ہوچکی تھی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہ ہمارے اس تفریحی سفر کو مختصر کرکے زیادہ سے زیادہ ڈیزل یا رقم بچانے کی کوشش کررہا تھا۔ ہم دونوں کو بھی سمندر اور سمندری حیاتیات سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔

اس نے منوڑہ کے ایک مختصر سے حصے کے قریب سے ہوکر موٹر بوٹ کو واپسی کی راہ پر ڈالا تو ہم نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس دوران میں ناخدا مسلسل موٹر بوٹ چلاتا رہا۔ اس نے دوبارہ ہمارے پاس آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہماری موٹر بوٹ تھکے ماندے انداز میں سست روی سے مسافر لانچوں والے چینل میں داخل ہورہی تھی اور بالاخر وہ خالی سیڑھیوں کے ساتھ جالگی۔

رقم ادا کرکے ہم دونوں موٹر بوٹ چھوڑ کر اوپر آگئے۔ سب کو معلوم تھا کہ ہم سمندر کی سیر سے واپس لوٹے ہیں لہٰذا اس بار پُرامید نظروں نے ہمارا پیچھا نہیں کیا اور چند منٹ بعد ہم اپنی گاڑی

میں سفر کررہے تھے۔

"یہاں آکر تمہیں کیا حاصل ہوا؟" آخر کار سلطان شاہ وہ متوقع سوال پوچھ ہی بیٹھا۔

"گھر بیٹھے رہتے تو جو چار باتیں معلوم ہوئی ہیں' وہ بھی نہ معلوم ہوتیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے دل مراد کا گھر دیکھ لیا۔ اس تک پہنچنا زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ ذاتی جزیرے کے بجائے گنجان آباد بھٹ آئی لینڈ پر ہی رہتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ کمانڈر سعید کو اس بارے میں مغالطہ ہے۔"

"ہم نے دل مراد کا مکان بہت دور سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں ہم کوئی رائے قائم نہیں کرسکتے۔"

"کمال ہے کہ تم آنکھوں دیکھی ایک حقیقت سے چشم پوشی کررہے ہو۔"

"چشم پوشی کے ساتھ نظر بندی کے بارے میں بھی سوچ لو۔ بظاہر وہ بھٹ آئی لینڈ کے ایک ساحلی حصے پر قابض ہے لیکن جو شخص سمندری پانی کو اپنی خواب گاہ میں سے گزار سکتا ہو اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ اپنی حویلی کے گرد ایک وسیع سمندری نالا تیار کرکے اسے بھٹ آئی لینڈ سے الگ ایک ذیلی جزیرے کی صورت دے دے؟ یہ ایسی بات ہے جو ساحل پر اترے بغیر نہیں دیکھی جاسکتی۔"

"شاید تمہارا اندازہ درست ہے" میں نے خندہ پیشانی سے اپنی شکست تسلیم کرلی "کمانڈر سعید جیسا پیشہ ور آدمی کوئی غیر مستند بات زبان سے نہیں نکال سکتا۔"

ہم ٹمبر پونڈ کے سامنے سے گزرے تو میرے ذہن میں عرصے پہلے ہونے والی وہ خوفناک معرکہ آرائی تازہ ہوگئی جو خالی کنٹینروں کے جنگل میں لڑی گئی تھی۔ اس مقابلے میں ٹریلر پر قابض ہونے کے بعد ہی ہم اس قابل ہوسکے تھے کہ فریڈم لاج کے شٹر کھلوا کر وہاں کوئی کارروائی کرسکیں۔

واپسی میں میرا موڈ معمول پر آچکا تھا۔ سلطان شاہ کی خواہش سے بڑھ کر میں خود بھی ان مقامات کا جائزہ لینا چاہتا تھا جہاں صبح بموں کے دھماکے ہوئے تھے۔

صدر کے اس حصے کی طرف جانے والے راستے پر ٹریفک جام تھا۔ شاید ہر شخص ادھر ہی سے گزر کر گھر جانے کے چکر میں تھا۔ میں خود بھی کافی دیر تک اسی بھیڑ میں پھنسا رہا پھر چند جارحانہ کرتب دکھا کر اپنی گاڑی کو ایک گلی کے راستے جام سے نکال لے جانے میں کامیاب ہوگیا۔

شہر کے مرکزی حصے کا ایک طویل چکر کاٹ کر ہم شارع فیصل کے چوراہے پر پہنچے تو وہاں پولیس کی گاڑیوں نے جناح اسپتال کی طرف جانے کا راستہ مسدود کیا ہوا تھا۔ ٹریفک کی روانی کی وجہ سے وہاں رک کر کسی سے پوچھ گچھ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ بس آثار کچھ ایسے تھے جیسے وہ پورا علاقہ تفتیش کرنے والوں کی زد میں آیا ہوا ہو۔ ان کی آزادانہ کارروائیوں کے لیے اہل کاروں نے وہ سڑک ہی بند کردی تھی۔

"جناح اسپتال کے ساتھ امراض قلب کے قومی ادارے کا راستہ بھی بند کردیا گیا ہے۔" آگے نکل جانے کے بعد سلطان شاہ غصیلے لہجے میں بولا "اس وقت کسی کو دل کا دورہ پڑ جائے تو پولیس والوں کی حرکتوں کی وجہ سے اسے طبی امداد بھی نہیں مل سکے گی۔"

"ایسا شاید نہ ہو" میں نے خوش فہمی کا سہارا لے کر کہا "وہ راستہ عام لوگوں کے لیے بند کیا گیا ہے۔ مریضوں کو ادھر جانے سے نہیں روکا جارہا ہوگا۔"

سلطان شاہ مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے کھڑکی کی طرف منہ پھیر کر زیر لب بڑبڑاتا رہا۔

یہ اس کی فطرت تھی کہ وہ کسی بات پر الجھتا تھا تو پھر الجھتا ہی چلا جاتا تھا۔ میں ایسے مواقع پر اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے کی پالیسی پر عمل کیا کرتا تھا۔

آپس میں مزید کوئی بات کیے بغیر ہم گھر پہنچے تو سورج غروب ہورہا تھا۔

وہاں ویرا قہربار نظروں کے ساتھ میرے استقبال کے لیے تیار تھی میرے اندر گھستے ہی اس نے کاٹ کھانے والے لہجے میں سوال کیا "دیکھ آئے بموں کے دھماکوں والی جگہ؟"

"میں ڈرائیونگ کے لیے نکلا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم سو رہی ہوگی ورنہ تمہیں بھی ساتھ لے لیتا۔ اتنی سی بات پر تم اپنا موڈ کیوں خراب کررہی ہو؟" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"تم دونوں کہاں گئے تھے؟" اس بار ویرا نے سلطان شاہ سے سوال کیا تھا۔

"کہیں بھی نہیں.... بے مقصد آوارہ گردی کررہے تھے۔ واپسی پر متاثرہ علاقوں سے گزرنا چاہا تو وہاں راستے مسدود ہیں۔ میں زبردستی ڈیبی کے ساتھ لگ گیا تھا۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم دونوں نے اتنا وقت بے مقصد گزارا ہوگا۔"

اس وقت سمندر کی سیر یا حاجی دل مراد کا گھر دیکھنے کا ذکر کرنا اپنی شامت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ حقیقت کچھ نہ ہونے کے باوجود دل مراد کے نام میں ایک تجسس تھا۔ ویرا اس کا نام سنتے ہی اور زیادہ بھڑک اٹھتی۔ میں نے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا "تم یقین کرو کہ ہم وقت برباد کرکے آئے ہیں۔"

ویرا جھانسے میں آگئی۔ اس وقت میں نے جھوٹ بولا تھا نہ حقیقت بیان کی تھی۔ میرے الفاظ کا تعلق نتائج سے تھا مگر وہ بات ویرا کی سمجھ میں نہیں آئی اور اس کے چہرے کے عضلات نرم پڑ گئے۔

"ویرا غصے کے عالم میں ٹیکسی کے ذریعے تمہاری تلاش میں نکلنا چاہ رہی تھی۔ میں نے بہت مشکل سے اسے روکا ہے۔" جھگڑا نمٹ جانے پر غزالہ نے مجھے بتایا۔

"فی الحال بھول کر بھی ایسا قدم نہ اٹھانا" میں نے بوکھلا کر کہا "زخم خوردہ دشمن کم ظرف ہو تو بہت خطرناک ہوجاتا ہے۔ اس وقت وہ صرف تم کو پہچانتے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلیاں کیے بغیر تم باہر نکلیں تو کہیں نہ کہیں پہچان لی جاؤ گی۔ تازہ معاملات سرد ہونے تک تمہیں احتیاط برتنی ہوگی۔"

"میں جب تک یہاں رہوں گی' جلد کی رنگت کا معاملہ رہ رہ کر مجھے ستاتا رہے گا۔"

"جلد کی رنگت ہی نہیں' تمہارے تیکھے خدوخال بھی مغرب کی چغلی کھاتے ہیں۔"

"کسی وقت میری کھوپڑی سنک گئی تو میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر چہل قدمی کے لیے نکل پڑوں گی۔"

"ہم لوگ کوشش کریں گے کہ ایسی نوبت نہ آنے پائے" میں نے کہا۔

"تمہاری ہر بات پر ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے تاکہ تم خوش رہو" سلطان شاہ دانت نکال کر بولا۔

غزالہ ایک مرتبہ پھر غیر جانب دار ہوگئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہم دونوں کھانا کھائے بغیر گھر سے چلے گئے تھے۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور چائے کے ساتھ متعدد لوازم لا کر میز پر جمع کردیے۔

ہم لوگ چائے نوشی میں مصروف تھے کہ اول خان نے اچانک پہنچ کر سب کا دل خوش کردیا۔

"اس وقت یہاں چائے تیار ملی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وقت کا پہیہ اب میرے حق میں گھوم رہا ہے۔ اس وقت مجھے گرم اور تیز چائے کی شدید خواہش محسوس ہورہی تھی" یہ کہتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے سلطان شاہ کی پیالی اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگالی۔

"امریکن سفارتی افسران اس وقت شدید پریشانیوں میں گھر گئے ہیں" چائے کے دو گھونٹ لینے کے بعد اول خان نے کہا "ہر بات ان کے خلاف جارہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ مدافعانہ رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"تم کس حوالے سے یہ بات کررہے ہو؟" میں نے اس سے وضاحت طلب کرنی چاہی۔

"ہر حوالے سے سمجھ لو۔ تمہارے ذہن میں کیا بات آرہی ہے؟" اول خان خوش مزاجی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔

میں نے پلک جھپکتے میں ایک دور از کار نکتہ سوچ کر کہا "کیا یہ بات جارج اسٹارک کے بارے میں ہے؟"

"انہوں نے اسے بیمار قرار دے کر کڑی نگرانی میں محصور کیا ہوا ہے۔ انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ جارج کے صحت یاب ہوتے ہی وہ اس سے ملاقات کا بندوبست کرائیں۔ اب وہ خاموشی سے اسے یہاں سے نہیں نکال سکیں گے۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اسے واقعی بیمار کردیں اور ابتر حالت میں بہتر علاج کے بہانے اسے یہاں سے نکال لے جائیں۔ ایسی صورت میں بھی انہیں ہمارے دفتر خارجہ کو پیشگی اطلاع دینی پڑے گی۔"

"یہ تم کیا لے بیٹھے" ویرا چڑ کر بولی "پہلے راس المیڈا کی بات ہونی چاہیے۔"

"راڈنی آرک کی گمشدگی کے بعد وہ اس کی تصاویر فراہم کرچکے ہیں جو راس المیڈا کی ہی ہیں۔ تصاویر کی لاش سے اتنی گہری مماثلت کی وجہ سے لاش کی شناخت کو متنازع بنادیا گیا ہے۔ فنگر پرنٹس کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔"

"اسے ٹال مٹول نہ سمجھو۔ یہ وقت حاصل کرنے کے بہانے ہیں" میں نے کہا "وہ کسی بھی شخص کے جعلی فنگر پرنٹس دے دیں گے۔ کون ثابت کرے گا کہ وہ راڈنی آرک کے فنگر پرنٹس نہیں ہیں۔"

"راڈنی آرک اور راس المیڈا ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔ یہ بات کہیں نہ کہیں ثابت ہوکر رہے گی" اول خان نے اصرار کیا "تفتیش سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن مجھے بتایا گیا ہے اس بات پر بھرپور زور دیا جائے گا۔"

"وہ راڈنی آرک کی بازیابی کے مطالبے سے دستبردار ہوجائیں گے تو یہ معاملہ خود بخود سرد خانے کی نذر ہوجائے گا۔ ہمارے زور دینے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔

"سفارتی محاذ پر ایسی ہی شطرنجی چالیں چلی جاتی ہیں۔ یہ بات وہ بھی جانتے ہیں کہ راڈنی آرک کی گمشدگی کو بھول جانے کا کیا مطلب ہوگا۔ وہ یہاں اپنی سرگرمیاں محدود کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ اس وقت ان کے سامنے ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ ان کا ہیلی کاپٹر اس مقام پر کیسے پہنچ گیا جہاں راس المیڈا مارا جاچکا تھا۔ یہ بہت الجھی ہوئی باتیں ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کا پورا کھیل بے نقاب ہوچکا ہے" وہ بولا۔

"یہ سب دکھاوے کی کاغذی لڑائیاں ہیں" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "تمہیں ان کی رگ رگ سے واقفیت حاصل ہوچکی ہے۔ وہ تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ان پر ساری تباہی ڈیبی اور اسپیشل ٹاسک فورس کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ وہ اس الزام کو ثابت نہیں کرسکتے اس وجہ سے خاموش ہیں۔ کام کی بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ یہاں اپنی سرگرمیاں محدود کرنے پر مجبور ہوجائیں گے مگر میری ایک بات کہیں لکھ لو کہ وہ ڈیبی کو معاف نہیں کریں گے۔"

"تمہارا یہ فتویٰ تشویشناک ہے" غزالہ نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔

"اس کا سبب ہے" ویرا زور دے کر بولی "اداروں کی لڑائیاں مدتوں چلتی ہیں کیونکہ ان میں عہدوں کا تسلسل ہوتا ہے۔ اچھے اور

برے افسر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے محاذ آرائی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے لیکن فرد صرف اپنی زندگی تک لڑ سکتا ہے۔ اس کی زندگی کا چراغ گل کردیا جائے تو اس سے وابستہ سارے خطرات وہیں ختم ہوجاتے ہیں۔ وہ ڈینی کے بارے میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے۔"

"آج اس کا اظہار بھی ہوچکا ہے" سلطان شاہ نے ویرا کی بات میں اضافہ کیا۔

"کیا اظہار؟" اول خان نے چونک کر پوچھا۔

سلطان شاہ نے نیویارک سے آنے والی دھمکی آمیز فون کال کی کہانی دہرا دی۔

"بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے" اول خان نے پوری بات سن کر حقارت سے کہا "وہ سب مل کر بھی ڈینی کا بال بیکا نہیں کرسکتے۔ اب تک انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ڈینی ایک فرد نہیں ہے۔ وہ اعزازی طور پر ایس ٹی ایف کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ ہماری منصوبہ بندیوں میں ڈینی کے کردار پر خصوصی بحثیں ہوتی ہیں۔ یہ راز کی بات ہے جو میں آج پہلی بار تم لوگوں کو بتا رہا ہوں۔ میں نہ رہا تب بھی ایس ٹی ایف ڈینی کی بھرپور پشت پناہی کرے گی۔"

"یہ تمہاری بڑائی ہے کہ تم اتنے کھلے دل سے میری عزت افزائی کررہے ہو" میں نے اول خان کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا "مگر مجھے ایس ٹی ایف سے الگ ہی رکھو۔ تمہارا کڑا ڈسپلن میرے بس سے باہر ہے۔ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہنا جانتا ہوں۔ یہ بزدل مجھ سے نفرت کرنے کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ میں جلد ہی ان کے گھر میں گھس کر انہیں سبق سکھاؤں گا۔"

حیرت سے اول خان کی آنکھیں پھیل گئیں "ذرا سی بات پر اتنا اشتعال!"

"یہ اس وقت کی بات نہیں ہے" میں نے کہا "میں پہلے ہی امریکا کا رخ کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں مگر اس میں کچھ وقت لگے گا۔ میں اپنے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔"

"اس بات کو یہیں ختم کردو" اول خان نے اضطراری انداز میں اپنی چائے کی پیالی خالی کرکے کہا "ابھی ہم کو نیلو ربا مبے والے ایجنٹوں کے بارے میں بھی کچھ کرنا ہے۔"

"کیا ہم یہ فرض نہیں کرسکتے کہ وہ مایوس ہوکر واپس چلے گئے ہوں گے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کیسے فرض کرلیں۔ تم آج کراچی میں ہونے والے دھماکوں کو کیوں بھول رہی ہو۔"

"کیا اس بارے میں کچھ شواہد سامنے آئے ہیں؟" غزالہ نے اس سے جوابی سوال کرڈالا۔

"شواہد بھی سامنے آجائیں گے مگر میں ان کی تاریخ کی روشنی میں سوچتا ہوں" اول خان نے تحمل سے کہا "پاکستان میں وہ ہمیشہ بموں کے دھماکوں سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ ان کا مخصوص طریقۂ واردات ہے۔ پچھلے چند برسوں سے وہ سندھ کے اندرونی علاقوں سے بڑھ کر کراچی میں بھی امن وامان کے مسائل پیدا کرنے لگے ہیں۔ ان کو کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"ان کے بارے میں کمانڈر سعید کیا کہتا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ابھی بات کرتا ہوں" وہ وال کلاک پر نگاہ ڈال کر بولا "وہ آٹھ نو بجے تک اپنے دفتر میں رہتا ہے۔ اس وقت بھی وہیں ہوگا۔"

اول خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے کمانڈر سعید کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

معمول کے مراحل کے بعد وہ لائن پر آیا تو آتے ہی شکوہ کرنے لگا کہ اس کے بار بار فون کرنے پر بھی اول خان کے گھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اول خان ہنس پڑا "اسٹیشن فور چھوڑنے کے ساتھ میرے گھر کا نظام بھی گڑبڑ ہوگیا ہے۔ بیوی بچے چھٹیاں ہونے کی وجہ سے آج صبح ہی پشاور کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔"

"مجھے تشویش ہونے لگی تھی کیونکہ اب میرے پاس تمہارا وہی رابطہ تھا۔ غفور بھٹی سے میری بات ہوگئی ہے۔ وہ ساگا کے حوالے سے دو مشتبہ آدمیوں کی آمد کی کہانی سنا رہا ہے۔"

"وہ کون ہیں اور آج کل کہاں ہوسکتے ہیں؟" اول خان وہ خبر سنتے ہی جوش میں آگیا۔

"یہ سب اسے نہیں معلوم" کمانڈر سعید کا جواب حوصلہ شکن تھا "ابتدا میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بتا سکا تھا۔ ان راستوں سے اتنے لوگ آتے جاتے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ یاد رکھنا ناممکن ہے۔ جب اسے ساگا کا حوالہ دیا گیا تو اسے یاد آگیا کہ سات آٹھ دن پہلے بمبئی سے آنے والی لانچ کے ذریعے دو ایسے آدمی نیلور گھاٹ پر اترے تھے جنہیں لینے کے لیے ساگا خود وہاں آیا تھا۔"

"اور ساگا مرچکا ہے" اول خان نے مایوسانہ لہجے میں کہا "ہم بند گلی میں کھڑے ہیں۔"

"میں اس سچویشن کو سمجھ رہا تھا۔ غفور بھٹی نے اپنی یادداشت کے سہارے ان دونوں کا جو حلیہ بتایا ہے' اس کی بنیاد پر میرے آرٹسٹ الگ الگ خاکے بنا رہے ہیں۔ وہ مکمل ہوگئے تو غفور بھٹی کی مدد سے انہیں اصل چہروں سے قریب تر لایا جائے گا" کمانڈر سعید اسپیکر فون پر کہہ رہا تھا۔

"یہ خاصا طویل کام ہوگا۔ اس وقت تک وہ نجانے کہاں ہوں گے۔"

"یہ کام کل مکمل ہوجائے گا۔ یوں سمجھو کہ غفور کی یادداشت نے اسے دھوکا نہ دیا تو یہ خاکے تصاویر کا بدل ثابت ہوں گے۔ ان کی مدد سے تم دونوں کو تلاش کرسکو گے۔"

"میں ان تصاویر کا انتظار کروں گا۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ تم نے نیلور گھاٹ کے وجود سے آگاہ کرکے مجھے ایک ذہنی عذاب سے نجات دلا دی ہے۔ موجودہ حالات میں مجھے ان خاکوں پر ہی انحصار کرنا ہوگا۔"

"ایک بات یاد رکھنا۔ اگر وہ اتنی رازداری کے ساتھ آئے ہیں کہ انہوں نے غیر قانونی راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے اور پھر وہ ساگا کی مدد سے شہر پہنچے ہیں تو وہ ہر قیمت پر اپنے معروف ساتھیوں سے دور ہی رہیں گے۔ یہ نکتہ ان کی تلاش میں مددگار ثابت ہوگا۔"

"اپنے ساتھیوں سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ہوٹل وغیرہ میں ٹھہرے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ چھوٹے اور درمیانہ درجے کے ہوٹلوں میں ان کا سراغ مل سکتا ہے۔"

"ہوٹل والے غیر ملکیوں کو سفری دستاویزات کے بغیر نہیں ٹھہراتے۔ وہ چوری چھپے آئے ہیں۔ کیا انہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ مل گئی ہوگی؟"

"پاکستان اور بھارت کے باشندے ایک دوسرے سے بہت مختلف نہیں ہوتے۔ ہوسکتا ہے کہ ساگا نے انہیں اندرون ملک سے آئے ہوئے مہمانوں کے طور پر ہوٹل میں جگہ دلائی ہو۔"

"ہاں.... وہ کہیں نہ کہیں تو ٹھہرے ہی ہوں گے۔ خاکے مل جائیں تو میں آدمی پھیلا دوں گا۔"

"ہیلی کاپٹر کا قصہ اُلٹا ان کے گلے پڑ گیا ہے۔ اب وہ کہہ رہے ہیں کہ سمت بتانے والے آلات کی خرابی کی وجہ سے ہیلی کاپٹر ادھر نکل گیا ہوگا۔ اس بات کا اب بھی کوئی جواب نہیں ہے کہ آلات ہی خراب تھے تو اس تیز رفتار ہیلی کاپٹر نے تیس پینتیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے میں سارا دن کیوں لگا دیا۔"

"اگر وہ سارا دن بھٹک کر پرواز کرتا رہا تھا تو اس کی ٹنکی میں کتنا ایندھن تھا" اول خان نے اپنی طرف سے ایک نیا سوال پیدا کرتے ہوئے کہا "ان کی کمزوری ہاتھ آگئی ہے تو اب انہیں بری طرح رگید دیا جانا چاہیے تاکہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔"

"ایسا ہی بندوبست ہو رہا ہے۔ راس المیڈا کی لاش وہاں ملنے سے اس معاملے میں بہت جان پڑ گئی ہے۔ آخری لمحات میں کیا جانے والا یہ فیصلہ بہت زبردست تھا۔"

وہ دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ حقائق وہی تھے جو اول خان بتا چکا تھا۔ اس بارے میں دونوں ہی کی الگ الگ آرا تھیں۔ شاید کمانڈر سعید تبادلۂ خیال کرکے ان واقعات کے نئے خدوخال ابھارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

کمانڈر سعید کی آواز میں را کے ایجنٹوں کی آمد کی کہانی سننے کے بعد سے میرا ذہن مسلسل کام کررہا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا۔ مجھے یاد آیا کہ سنی نے نادرہ کے مکان کے تہ خانے سے ساگا کی بازیابی کے سلسلے میں اپنے دو مددگاروں کا ذکر کیا تھا جن میں سے ایک کا نام رمیش چند تھا۔ فخرو نامی دوسرے آدمی سے میں مل چکا تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں رمیش چند ہی را کا ایجنٹ نہ رہا ہو۔ ایسے لوگ اپنے مشن کی خاطر بازارِ حسن تو کیا اس سے بھی گئی گزری جگہوں پر گزارہ کرسکتے تھے۔

رمیش چند اور فخرو کے بارے میں سنی کی کہی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے مجھے یاد آگیا کہ رمیش چند اس بازار میں نووارد نہیں تھا۔ سنی کے بیان کے مطابق اس کے دونوں مددگار بازارِ حسن کے بہت پرانے اور بے خوف دلّال تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ان میں سے ایک کا نام ہندوانہ تھا۔

اول خان اپنی گفتگو سے فارغ ہوا تو میں اپنی ذہنی مشقت سے مایوس ہوچکا تھا۔

"اسکیچ کل کسی وقت ملیں گے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُرخیال لہجے میں کہا "اس وقت تک ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ دُور کا ایک سِرا مل گیا ہے تو ہمیں اس کے سہارے آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔"

"اس قدر پُرپیچ فقرے کیوں استعمال کررہی ہو؟" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "نیلو ربا مبے کے الفاظ ساگا نے سنی سے کہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر وہ خفیہ پیغام جان یا راس المیڈا تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ بات اب کھلی ہے کہ راس المیڈا نے را کے آدمیوں کی میزبانی ساگا کے حوالے کی تھی۔ یہ ایک سراغ ضرور ہے مگر اس کے سہارے کیا پیش رفت ہوسکتی ہے؟"

ویرا کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت اُس کا ذہن کہیں اور مصروف ہو۔ زیادہ پریشان کن حالات میں وہ کبھی کبھار ایسی کیفیت سے دوچار ہوجاتی تھی۔

"ساگا دل پھینک اور اوباش آدمی تھا" ویرا نے دھیمی آواز میں مجھ سے تائید چاہی۔

"سوال جواب کے بجائے کھل کر بات کرو۔ ساگا کے بارے میں ہم سب کی معلومات برابر ہیں۔"

"ایسے لوگ عورتوں پر اپنی اہمیت اور بڑائی کا رعب جھاڑنے کے لیے اکثر انہیں اپنا رازداں بنا لیتے ہیں" ویرا میرے اعتراض کا برا مانے بغیر کہنے لگی "ہوسکتا ہے کہ ساگا بھی نادیہ کو ہر بات بتاتا رہا ہو...."

میں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑا "تم بہت دور کی کوڑی لائی ہو۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ دن رات گھر میں عیش کرنے والا مرد اپنی ہر معمولی سرگرمی کو بھی بڑھا

چڑھا کر بیان کرتا ہے جیسے وہ بستر پر لیٹے لیٹے بہت سے کارنامے سرانجام دے رہا ہو۔ نادیہ سے پوچھ کچھ سود مند ثابت ہوسکتی ہے۔"

"یہ کام اس علاقے کے پولیس والے بھی کرسکتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"نہیں' یہ ذمے داری اول خان کو لینی ہوگی" میں نے اپنا فیصلہ سنادیا "پولیس سے مدد لی گئی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ خبر اصل مجرموں تک پہنچ جائے۔"

"میں انہیں اپنے نئے کیمپ میں نہیں بلوا سکتا" اول خان نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میری پوچھ گچھ علاقے کے تھانے میں ہی ہوگی۔"

"یہ کام تم نادیہ کے کوٹھے پر بھی کرسکتے ہو مگر اسے اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے اصل سوال کیا ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنی بات واضح طور پر بیان کررہا ہوں۔"

"تم چاہتی ہو کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھا جائے" اول خان نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا "ادھر میرا گھر خالی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں یہ کام اسی وقت کرڈالوں۔"

اول خان کی وہ رضاکارانہ پیشکش بہت مناسب تھی۔ کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"وہ دفتر سے تھکا ہارا آیا تھا اور تم نے پھر اسے دوڑا دیا۔" غزالہ نے ویرا سے کہا۔

"ایسی ہی ہمدردی تھی تو تم نے اسے کیوں نہیں روک لیا؟" ویرا نے آنکھیں نکال کے جواب دیا۔

ان دونوں کو برسرپیکار چھوڑ کر میں اپنے کمرے کی طرف ہولیا تاکہ کپڑے تبدیل کرسکوں۔

میں واپس آیا تو ویرا ڈرائنگ روم سے غائب تھی۔ غزالہ نے اس کی کمی ٹیلی وژن سے پوری کرلی تھی۔ سلطان شاہ بڑے صوفے پر ٹانگیں پسارے بیٹھا تھا۔

"تم نے اسے ناراض تو نہیں کردیا؟" میں نے غزالہ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اسے اپنے کمرے میں جانے کا بہانہ چاہیے تھا۔ وہ ناک بھوں چڑھاتی ہوئی گئی ہے حالانکہ میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی۔ آپ چاہیں تو سلطان شاہ سے تصدیق کرسکتے ہیں" غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی۔

"سورج ڈوبے کافی دیر ہوچکی ہے۔ وہ کمرے میں جاکر اپنا شغل شروع کرچکی ہوگی۔ پوچھو گے تو کہہ دے گی کہ موڈ آف ہونے کے بعد وہ مے نوشی کے سوا اور کیا کرسکتی ہے۔"

"تم اسے اتنی اچھی طرح سمجھتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے۔"

"پسند؟ میں تو کہتا ہوں کہ وہ جس کے گلے پڑے گی اس کی زندگی عذاب کردے گی۔"

"یعنی تم اپنے مستقبل کے بارے میں زیادہ پُرامید نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"فکر مت کرو۔ میرا مستقبل محفوظ اور شاندار رہے گا۔ امید کے بارے میں ویرا سے پوچھ لینا۔"

"جاؤ۔ ذرا دیکھ کر آؤ کہ وہ اپنے کمرے میں گھس کر کیا کررہی ہے۔"

"اس وقت معافی دے دو" وہ اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے بولا "ایسی حالت میں مَیں اس کا سامنا کرنے سے گریز کرتا ہوں۔ وہ گلے پڑ گئی تو میرا باہر آنا مشکل ہوجائے گا۔"

غزالہ شوخ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے جارہی تھی۔

"دروازے سے ہی جھانک کر لوٹ آنا" میں نے اس پر دباؤ ڈالنا چاہا۔

"اس وقت یہ نیک کام تم خود کرلو۔ مَیں بعد میں تمہاری خدمت کروں گا" وہ اڑیل ٹٹو بن کر رہ گیا۔

میں تیز قدموں سے درمیانی راستہ طے کرکے ویرا کے کمرے کے سامنے پہنچا اور بند دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر فوراً ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسی لمحے اندر سے ویرا کی کم اِن کی آواز آئی اور میں دروازہ کھول کر اُس کے سامنے موجود تھا۔

وہ نہایت سکون سے ایک کرسی پر بیٹھی سگریٹ کا دھواں اُڑا رہی تھی۔ اس کے سامنے تپائی پر اسکاچ کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ سلطان شاہ نے اس کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

میں نے اندر کا جائزہ لے کر دروازے سے ہی واپسی کا ارادہ کیا تھا کہ ویرا نے دھیمی مگر تحکمانہ آواز میں مجھے پکار لیا۔ "اندر آؤ..... دروازے سے کیوں واپس لوٹ رہے ہو؟"

میں نے پلٹ کر غزالہ کی طرف ہاتھ لہرایا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ غزالہ یوں ہی بیٹھی رہی اور میں ویرا کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"کیا غزالہ نے تمہیں میری خبرگیری کے لیے بھیجا تھا؟" اس نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"وہ فکر مند تھی اور سلطان شاہ دعویٰ کررہا تھا کہ تم پی رہی ہوگی۔"

"وہ دن بدن نکھرتا جارہا ہے اور بہت منہ پھٹ بھی ہوگیا ہے۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "کہتا ہے کہ میں پی رہی ہوں گی۔"

"تمہیں اپنا شوق ہی پورا کرنا تھا تو غزالہ سے ناراض ہونے کی اداکاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مزہ آتا ہے۔ وہ بہت اچھی اور سادہ دل لڑکی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر میرے لیے پریشان ہوجاتی ہے۔ جو ناز اٹھاتا ہے اسے نخرے دکھانے میں ایک عجیب سی لذت ملتی ہے۔"

"یہ اس کی اچھائی اور سادہ دلی کا انعام ہے کہ تم اسے بلاوجہ پریشان کرتی ہو؟"

"میں پریشان نہیں کرتی' وہ خود پریشان ہوجاتی ہے۔ سلطان شاہ بھی وہیں بیٹھا تھا مگر وہ ذرا بھی پریشان نہیں ہوا۔ میرے اٹھنے پر اس نے برا سا منہ بنا کر وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔"

"میں ان چھوٹی موٹی باتوں پر محض اس خیال سے چپ سادھے رہتا ہوں کہ کہیں تم میری مداخلت کو بیوی کی بے جا حمایت سمجھ کر روٹھ نہ جاؤ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم اکثر غزالہ کے ساتھ زیادتی کرتی ہو۔"

"بہت خوبصورتی سے اپنی بیوی کی حمایت کررہے ہو" وہ مجھ سے پوچھے بغیر اسکاچ کا دوسرا گلاس تیار کرنے لگی۔

"اس وقت میں پینے کے موڈ میں نہیں ہوں" میں نے احتجاج کیا۔

"تمہارے سوا یہاں میرا ساتھ دینے والا کون ہے؟" اس نے تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا "اس وقت تو تمہیں پینی ہی پڑے گی۔ جس دن توبہ کرلو گے' میں مجبور کرنا بلکہ پوچھنا بھی چھوڑ دوں گی۔"

"توبہ کرتے ہوئے ڈرتا ہوں......"

اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اچک لی اور بولی۔ "کہ پھر اسے توڑنا مشکل ہوجائے گا...... بھول جاؤ ان باتوں کو۔ لو یہ تمہارے نئے احسانات کے نام!" یہ کہہ کر اُس نے میرے لیے تیار کیا ہوا تازہ گلاس میرے ہاتھ میں تھمادیا۔

"یہ کن احسانات کا ذکر ہے؟" میں نے لب تر کرنے سے پہلے تعجب سے پوچھا۔

"تفصیل میرے سینے میں دفن رہنے دو۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ میں تمہارے احسانات کے بوجھ تلے دبتی جارہی ہوں اور دُکھ یہ ہے کہ اب تم اپنی مہربانیوں کا صلہ بھی وصول نہیں کرتے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج تم اسکاچ کی بو سے ہی بہکنے لگی ہو۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بے نیازی اور سلطان شاہ کی بے اعتنائی کبھی کبھی مجھے بہت کھلنے لگتی ہے۔"

"ایسی باتیں مت سوچا کرو" میں نے ایک بڑا گھونٹ لے کر گلاس تپائی پر رکھ دیا "ہم سب تمہارے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ دیکھا جائے تو اب ہم آپس میں ہی ایک دوسرے کے مونس و غمگسار ہیں۔"

"پتا نہیں اول خان کب واپس آئے گا" اس نے اپنے گلاس سے پے درپے دو گھونٹ لینے کے بعد اچانک ہی موضوع بدل دیا۔ "وہ بھی ایک عجیب ہی انسان ہے۔"

"کیا بات ہے؟ آج تم باری باری سب کا تجزیہ کرنے کیوں بیٹھ گئی ہو؟"

"تلخ تجربات کے بعد جب اچھے انسان دوبارہ سامنے آتے ہیں تو ذہن کا کمپیوٹر خود بخود چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے کسی کوشش یا ارادے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"تم کن تلخ تجربات کا ذکر کررہی ہو؟" میں نے چونک کر اُس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا۔

"سوچتی ہوں کہ تمہارے سامنے اعتراف کرہی لوں۔ کرسچین عقیدے کے لوگ پادریوں کے سامنے گناہوں کا اعتراف کرکے اپنے سینے کا بوجھ ہلکا کرلیتے ہیں۔ شاید مجھے بھی اپنی گھٹن سے نجات مل جائے۔"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی" میں نے بے چینی سے کہا۔

اس نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگا کر غٹاغٹ خالی کردیا۔ وہ آستین سے اپنے ہونٹ صاف کررہی تھی تو اس کی آنکھوں میں نمناک خمار کے ڈورے ابھر آئے تھے۔ اس نے قدرے رک کر کہا۔ "میں نے جان کی قید میں جانے کے بعد اچھا وقت نہیں گزارا۔ اس کے بارے میں سوچ سوچ کر میرا سر دُکھنے لگتا ہے۔"

"مگر تم فون پر مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دیتی رہی تھیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"دشمن کے چنگل میں پھنسے ہوئے قیدی سے تم اور کیا توقع کرسکتے ہو۔ میں تشدد سے بچی ہوئی تھی اور اسی کو اپنی خیریت سمجھنے لگی تھی ورنہ مجھے اپنی آزادی یا زندگی کی کوئی امید نہیں تھی۔ میں جانتی تھی کہ تم لوگ راس المیڈا جیسے درندے کو آزاد نہیں کرو گے اور جان مجھے مار ڈالے گا۔"

"تمہارا ہر دشمن بہت برے انجام سے دوچار ہوا ہے۔ جان کی ٹانگیں چیر کر اسے سسکنے کے لیے زندہ چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ کاش مجھے معلوم ہوگیا ہوتا کہ تمہارے ساتھ اس کا سلوک اچھا نہیں تھا۔"

"وہ درندہ بلکہ درندوں سے بھی بدتر تھا" ویرا حقارت بھری آواز میں بولی "مجھے اس کے شیطانی چہرے سے کراہت آنے لگی تھی۔ مجھے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اسی قابل تھا کہ اس کی ٹانگیں حلق تک چیر دی جاتیں۔ وہ میرے باپ کو زبانی اور عملی گالیاں دیتا تھا۔"

میرا دماغ سن ہو کے رہ گیا۔ اس کی باتیں الجھی ہوئی اور غیر واضح تھیں مگر ایک بات یقینی تھی کہ اس نے نہایت خاموشی اور حوصلے سے جان کا مقابلہ کیا تھا۔

"تمہارا یہ اعتراف امانت بن کے میرے سینے میں دفن رہے گا" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے کہا "یہ سفاک اور درندہ صفت مَردوں کی دنیا ہے۔ اس میں عورت کبھی ان کی برابری

نہیں کرسکتی کیونکہ وہ کمزور ہے اور اس سے انتقام لینا بہت سہل ہے۔ جمی لائیڈ کی زندگی میں تم کو اس کا نادیدہ تحفظ میسر تھا اس وجہ سے ہر بھیڑیا تمہارے سائے سے بھی دور بھاگتا تھا لیکن اب تمہارے سر پر سے وہ چھتری ہٹ چکی ہے۔ حالات بدل چکے ہیں۔ میں بار بار تمہیں مستقبل کا خیال دلاتا ہوں۔ وہ مذاق نہیں ہوتا۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں کہ تم اس بارے میں سوچو اور کسی اچھے فیصلے پر پہنچ جاؤ۔"

وہ اس وقت اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کررہی تھی۔ گلاس میں برف کے ڈلے ڈال کر اُس نے سر اٹھایا اور اس کی چمکتی ہوئی مخمور نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ وہ نگاہیں سراپا سوال تھیں اور میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

سوال اور التجا کے وہ منجمد لمحے پگھلنے کے بعد ہمارے درمیان زیادہ باتیں نہیں ہوسکیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارے درمیان کوئی نادیدہ اور ناگفتہ سا حجاب حائل ہوگیا ہو۔

میں اپنا گلاس خالی کرکے اٹھا تو ویرا نے خالی خالی نظروں سے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور اس کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی "جارہے ہو" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"دیر ہوگئی ہے۔ اول خان بھی واپس آتا ہوگا۔ ہمارا یوں بند کمرے میں بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنا گلاس ختم کرکے تم بھی ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔ اول خان تمہارے ایما پر گیا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ نادیہ سے کیا خبر لے کر آتا ہے" میں نے رک رک کر کئی ٹکڑوں میں اپنی بات پوری کرڈالی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں" اس نے اپنا گلاس فضا میں لہرا کے کہا اور میں اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

غزالہ ڈرائنگ روم میں وہیں بیٹھی ہوئی تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ جب مجھے دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر تبسم نمودار نہیں ہوا تو میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ کچھ خفا ہوگئی ہے۔

"ویرا کے بارے میں تمہارا اندازہ بالکل درست تھا" میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر سلطان شاہ سے کہا "وہ اپنے مطلب سے اٹھ کر کمرے میں گئی تھی۔"

"تم نے اتنا سا اندازہ لگانے میں بہت دیر لگادی" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا" میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے معذرت کی "میں اس نتیجے سے واقف تھا اس وجہ سے تمہیں بھیج رہا تھا مگر تم ضدی ہو۔ میری بات نہیں مانے۔"

غزالہ اٹھ کر خاموشی سے چلی گئی۔ اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

"کیا غزالہ سے تمہاری کوئی جھڑپ ہوئی ہے؟ اس کے تیور خراب ہیں" میں نے انجان بن کر سلطان شاہ سے پوچھا وہ ہنستا کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ماشاء اللہ۔ کتنے معصوم ہو تم کہ بے خبری میں دوسرے کا کام تمام کردیتے ہو" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں کہا "غزالہ اس وقت واقعی ناراض ہے۔ میں نے آج تک اسے ایسے موڈ میں نہیں دیکھا۔"

"تم سے کیا کہہ رہی تھی؟" میں نے اپنے کمرے کی طرف نظر ڈال کر رازداری سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی، بس چپ سادھ لی تھی۔ جاکر اسے مناؤ ورنہ کوئی بڑا فساد کھڑا ہوجائے گا۔"

مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ میں چون و چرا کیے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ غزالہ مسہری سے ٹیک لگائے میری منتظر تھی۔ اس کی نگاہوں میں شکوہ پنہاں تھا۔

"میں شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں" میں نے غزالہ کو نرمی سے اپنی بانہوں میں لے کر کہا۔

وہ کسمسا کر میری گرفت سے نکل گئی اور روٹھے ہوئے انداز میں بولی "آپ کو میرے سامنے شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ اپنی مرضی سے وہاں نہیں گئے تھے۔ سارا قصور ویرا کا ہے۔ میں محسوس کررہی ہوں کہ اب وہ حیلے بہانوں سے آپ کو اپنی دلجوئی میں الجھا کر غیر محسوس انداز میں مجھے چڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ میں یہ سلوک برداشت نہیں کرسکتی۔"

"ایسا نہیں ہے۔ راس المیڈا کے آدمیوں کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل کو وہ ابھی تک فراموش نہیں کرسکی ہے" میں نے ویرا کے نئے اعتراف کا ذکر گول کرکے پرانی بات دہرائی "ہمیں معلوم ہے کہ اس واقعے کے بعد وہ بہت زود رنج ہوگئی ہے اور میں عام طور پر اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالتا۔ میں یہ سب نیک نیتی سے کرتا ہوں مگر میں اس کی دلجوئی پر تمہاری خوشی قربان نہیں کرسکتا۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔"

"آپ سارا الزام اپنے سر لے کر مجھے کیوں شرمندہ کررہے ہیں؟ آخر وہ اپنا رویہ کیوں نہیں بدلتی؟ وہ یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ میں آپ کی بیوی ہوں؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"یہ ایسی نازک باتیں ہیں جو اُس سے نہیں پوچھی جاسکتیں۔ اسے کسی ذہنی صدمے میں مبتلا کرکے پریشانی اٹھانے سے بہتر ہے کہ میں ذرا سی احتیاط کرلوں۔ تمہیں اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اب تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس کا مغموم چہرہ کھل اٹھا۔ میں اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فضا میں ڈوربیل کا شور گونج اٹھا۔

میں تیزی کے ساتھ باہر نکلا تو سلطان شاہ بولٹ کھول کر اول خان کو اندر بلا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پائی جانے والی بشاشت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی اچھی خبر لے کر آیا ہے۔ اس کی کہانی سننے کے لیے غزالہ بھی آگئی تھی لیکن نادیہ سے بازپُرس کی تجویز پیش کرنے والی ویرا نے اپنے کمرے سے باہر آنے کی زحمت نہیں کی تھی یا پھر وہ مدہوش ہوکر سوچکی تھی۔

اول خان نے بیٹھتے ہی ویرا کی کمی محسوس کرلی اور پوچھا "مجھے بھیجنے والی خود کہاں غائب ہوگئی؟"

"وہ آجائے گی۔ اس کی طبیعت کچھ خراب ہے" میں نے کہا۔ "تم اپنی کہانی سناؤ۔"

"میری کہانی سننے کا پہلا حق ویرا کا ہے۔ میں نے اسی کی تجویز پر عمل کیا ہے۔"

"اس کے کمرے میں جھانک لو۔ وہ نشے میں دُھت پڑی ہوئی ہوگی" اسے مُصر دیکھ کر میں نے دھیرے سے کہا "وہ ہوش میں آئے گی تو اسے بھی ہر بات بتادی جائے گی۔ فی الحال وقت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔"

"ویرا کا اندازہ بالکل درست تھا۔ نادیہ کو وہ تقریباً ہر بات بتادیا کرتا تھا۔ اپنی موت سے دو تین روز پہلے وہ راجن اور وکرم نامی دو مہمانوں کو کسی لمبے سفر سے واپسی پر نادیہ سے ملوانے کے لیے اپنے گھر لایا تھا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں سے اور کیسے آئے ہیں۔ مہمانوں نے اس کے گھر ہی میں نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے تھے۔ ساگا ان کے آگے بچھا جارہا تھا۔ نادیہ نے بھی کھانے پر ان کی خوب تواضع کی۔ اس دن ساگا نے زمرد بائی کو کسی بہانے سے اس کے پرانے محلّے میں بھیج دیا تھا اور نادیہ کو منع کردیا تھا کہ وہ راجن اور وکرم کے بارے میں اپنی ماں تک سے کوئی ذکر نہ کرے۔ رات کے کھانے کے بعد ساگا انہیں اپنے ساتھ لے کر کہیں چلا گیا۔ واپسی پر وہ اکیلا تھا۔ نادیہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ صدر کے ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ اس کے بعد وہ مہمان دوبارہ نظر نہیں آئے۔"

"یہ کیسے پتا چلا کہ راجن اور وکرم ہی ہمارے مطلوبہ آدمی ہیں؟" سلطان شاہ بے ساختہ ایک عجیب سا سوال کر بیٹھا۔

اول خان نے اسے غصیلی نظروں سے گھورا پھر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولا "راجن اور وکرم انگریزوں کے نام نہیں ہوتے۔ ہر بات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی ہمارے مطلوبہ آدمی تھے۔ صبح کمانڈر سعید سے ان دونوں کے خاکے ملیں گے تو نادیہ سے ایک مرتبہ پھر تصدیق کرالی جائے گی کہ اس کے گھر وہی دونوں آئے تھے۔"

"یہ سب باتیں اپنی جگہ پر ہیں۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ صدر کے کس ہوٹل میں مقیم ہیں۔" میں نے کسی تجسس کا مظاہرہ کیے بغیر گہری سنجیدگی سے اسے یاد دلایا۔

اول خان نے ہوٹل کا نام لے کر کہا "نادیہ میری صورت سے کچھ ایسی خوف زدہ ہوئی کہ میرا وقت برباد کیے بغیر میرے سارے سوالوں کے جوابات دیتی چلی گئی۔ اس سے نمٹ کر میں نے ہوٹل میں بھی جھک ماری لیکن نادیہ کی بتائی ہوئی ممکنہ تاریخوں میں وہاں راجن یا وکرم نام کے کسی مسافر کا اندراج نہیں ہے۔"

"وہ بہت بڑا ہوٹل ہے۔ را کے ایجنٹ وہاں اپنے اصل ناموں سے نہیں ٹھہرے ہوں گے" میں نے اول خان کی بات سننے کے بعد کہا "اس ہوٹل کے ایسے تمام مسافروں کو فرداً فرداً دیکھنا پڑے گا جو ممکنہ تاریخوں پر وہاں آنے کے بعد ابھی تک رکے ہوئے ہوں......"

"ہاں۔ اب یہی ایک صورت رہ جاتی ہے مگر یہ لمبا کام ہے۔ ہوٹل کے عملے کے کسی ذمے دار آدمی کو بھی اعتماد میں لینا ہوگا۔ اس کی ابتدا صبح ہی ہوسکے گی۔"

میرے پاس اول خان کی بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس التوا کا یہ فائدہ ضرور تھا کہ کام شروع کرنے تک ہمیں کمانڈر سعید سے خاکے مل جانے کی امید تھی۔ را کے ایجنٹوں کے خدّوخال نگاہ میں آجانے کے بعد ہوٹل کے مہمانوں میں انہیں دور سے بھی پہچانا جاسکتا تھا۔

اول خان کی اس وقت کی بھاگ دوڑ خاصی مفید ثابت ہوئی تھی مگر کام کے لیے پہاڑ جیسی رات سے فائدہ اٹھانے کی کوئی راہ نہیں نکل سکی تھی۔ اس کا ہم سب کو افسوس تھا۔

ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد سب ہی اپنے اپنے خیالوں میں ڈوب گئے۔ اسی اثنا میں ویرا بھی اپنی خواب گاہ سے باہر آگئی۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے گہرے ڈورے تیر رہے تھے لیکن یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ باہر نکلنے سے پہلے وہ کچھ دیر کے لیے سوئی ہو۔

ڈرائنگ روم میں اس نے دوسروں کو نظرانداز کرکے اپنی نگاہیں اول خان کے چہرے پر مرکوز کردیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ تیرنے لگی۔ اول خان سٹپٹا کر اس سے نظریں چُرانے لگا۔ اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس وقت ویرا سُرور کے عالم میں تھی۔

"کیا خبریں لائے ہو؟" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اول خان سے پوچھا۔

اول خان قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں وہی باتیں دہرانے لگا جو ہم اس کی زبانی سن چکے تھے۔

وہ ویرا سے مخاطب تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ دشمنوں کی سرکوبی کرتے ہوئے اسپیشل ٹاسک فورس کو ایک مرتبہ پھر بہت سرعت سے اپنا ٹھکانا تبدیل کرنا پڑا تھا۔ اس بار ان بے خوف شہبازوں نے ملیر چھاؤنی کے ایک خالی میدان کو اسٹیشن فور بنالیا تھا۔ وہ جہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے، وہی جگہ چشم زدن میں اسٹیشن فور بن جاتی تھی۔ ایک طرف ایس ٹی ایف کا وہ عارضی پڑاؤ تھا، دوسری طرف اول خان کے بال بچے پشاور گئے ہوئے تھے۔ راس

المیڈا کو جہنم واصل کرنے کے صلے میں اول خان چند دنوں کے لیے گھر اور دفتر کے ہر آرام سے محروم ہو چکا تھا۔

"گھر بند ہے اور دفتر کا آرام بھی گیا۔" اول خان کی کتھا سننے کے بعد ویرا کی زبان سے وہ فقرہ سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ وہ وہی کچھ بول رہی تھی جو میں سوچ رہا تھا۔

ویرا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اول خان کا منہ بن گیا اور اس نے ویرا سے نظریں چار کیے بغیر خشک لہجے میں کہا "اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم میرے دفتر کو بھی آرام کی جگہ سمجھتی ہو؟"

"اس میں کیا شبہ ہے۔" ویرا کے جواب دینے سے پہلے ہی سلطان شاہ بول پڑا "ہمارے بیشتر سرکاری ملازمین اپنی نیندیں تک دفاتر ہی میں پوری کرتے ہیں۔"

بات کا رخ بھانپتے ہوئے مجھے گفتگو میں دخل دینا پڑ گیا اور میں نے ترش لہجے میں کہا "تم گھامڑ ہو...... تم بھول رہے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس کوئی سرکاری تنظیم نہیں ہے۔ اسٹیشن فور میں مصروفیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہاں رہنے والوں کو چوبیس گھنٹوں میں چھ گھنٹے کی نیند بھی مشکل سے میسر آتی ہے۔"

"میں نے کب کہا کہ اسٹیشن فور والے سوتے رہتے ہیں یا عیش کرتے ہیں؟" سلطان شاہ نے حیرت سے سوال کرکے فوراً ہی بات بدل دی۔

"ابھی تم ویرا کے ہم نوا بن کر کیا تقریر کر رہے تھے؟" میں نے بدمزگی سے پوچھا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بے پروائی سے بولا "وہ عام دفتروں کی بات تھی۔ میری بات کا یقین نہ ہو تو سرکاری کیا، بعض بگڑے ہوئے دوسرے دفتروں میں جا کر دیکھ لو۔ لوگ کرسیوں پر اینڈ اینڈ کر اتنی دیدہ دلیری سے اپنے ذاتی کاموں میں مصروف رہتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ گھریلو بجٹ کی تیاری سے لے کر سارے دوستوں اور رشتے داروں کی فون پر مزاج پرسی تک سارے اہم کام دفتروں میں ہی انجام دیے جاتے ہیں۔ تم بلاوجہ ان اشاروں کا رخ ایس ٹی ایف کی طرف کر رہے ہو۔"

"اس وقت ہم دنیا جہاں کی باتیں نہیں کر رہے تھے۔" غزالہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا "سارے قصے کا تعلق صرف اول خان کی ذات سے تھا۔ بعض اوقات تم واقعی بہکنے لگتے ہو۔"

شاید اس وقت سلطان شاہ کی کھوپڑی چل پڑی تھی۔ غزالہ کی بات پوری ہوتے ہی وہ پلکیں جھپکاتا ہوا ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولا "اب میں سمجھا...... تو تم کوئی قصہ سنا رہی تھیں۔ سناؤ، سناؤ۔ مجھے قصے سننے کا بہت شوق ہے۔ ہاں، تو پھر آگے کیا ہوا تھا؟"

اس نے وہ فقرے اتنی بے ساختگی سے ادا کیے تھے کہ اول خان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

اس وقت تک ویرا خاموش تھی۔ اس کے ہونٹوں پر رقص کرتی ہوئی پُرکشش مسکراہٹ بھی برقرار تھی۔ سلطان شاہ کے براہِ راست متوجہ کرنے پر اس نے کہا "بعض اوقات تم سب مل کر بات کو بری طرح الجھا دیتے ہو۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اول خان کو اکیلے گھر میں جا کر کیا حاصل ہوگا۔ بہتر ہے کہ یہ رات یہیں بسر کرلے۔ اس وقت خاصی دیر ہو چکی ہے۔"

"ابھی کوئی کہیں نہیں جا رہا۔" سلطان شاہ تیزی سے بولا "تو شربتِ فولاد چیتی رہی ہوگی، میرا بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔ اول خان کو تم نے دفتر سے آتے ہی نادیہ خانم کے پیچھے دوڑایا تھا۔ اب ہم لوگوں کے کھانے کی بھی کچھ فکر کرو۔ پیٹ خالی ہو تو خواب بھی بُرے آتے ہیں۔"

"تم سو رہو!" ویرا یہ کہہ کر اٹھلاتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

سلطان شاہ کا اٹھایا ہوا وہ نکتہ بہت معقول تھا۔ اول خان کی واپسی کے انتظار میں سب ہی بھوکے بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے اس ہدایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ غزالہ بھی اٹھ کر خاموشی سے ویرا کے پیچھے کچن کی طرف ہولی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت قدرے تیز ہو گئیں۔

تھوڑی دیر پہلے غزالہ نے ویرا کے خلاف جس جذباتی ابال کا مظاہرہ کیا تھا وہ کچن میں دوبارہ کوئی رنگ دکھا سکتا تھا۔ میری نگاہیں کچن کے دروازے تک ان دونوں کا تعاقب کرتی رہیں۔

مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ویرا کے معاملے میں غزالہ نے ہمیشہ فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی متعصب اور تنگ نظر لڑکی ہوتی تو مدتوں پہلے ہمارے اتحادِ ثلاثہ کا شیرازہ بکھیر چکی ہوتی۔ اس کے ردِعمل کا سامنا کرتے ہوئے میں ہمیشہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتا تھا کہ اپنی اصل میں وہ ایک مشرقی لڑکی اور میری وفا شعار بیوی ہے۔ اس نے صدموں اور محرومیوں کے بھیانک جہنم سے گزر کر مجھے اپنا رفیقِ سفر بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس رشتے سے وہ اپنی ذات کو میری تمام تر توجہ کا مستحق سمجھتی تھی۔ اس کا یہ مان ایسا غلط بھی نہیں تھا مگر مشکل یہ تھی کہ ویرا سے میرا تعلق بہت پرانا ہی نہیں، قریبی بھی تھا۔ غزالہ کو شاید اچھی طرح معلوم تھا کہ ماضی میں ویرا ایک طرف میرے اور غزالہ کے لیے سنگین مسائل پیدا کرتی رہی تھی تو دوسری طرف نہایت کمزور اور نازک جذباتی لمحات میں میرے سامنے سپر بھی ڈالتی رہی تھی۔

یہ غزالہ کے کردار کی بے مثال عظمت تھی کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ویرا کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ رہتی تھی۔ ہاں، کبھی کبھی اس پر حسد و رقابت کی نسوانی جبلت غالب آتی تھی تو وہ ویرا کو غاصب قرار دے کر اس کے خلاف تلخ نوائی پر اتر آتی تھی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ ازدواجی محبت کے حاسدانہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھی غزالہ نے کبھی ویرا سے براہِ راست بدکلامی نہیں کی تھی۔ وہ جو کچھ بھی شکوہ و شکایت کرتی تھی، مجھ سے کرتی تھی کیونکہ وہ میری ذات پر اپنا پورا پورا حق تصور کرتی تھی۔ حد یہ تھی کہ کچھ دیر پہلے میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا تو غزالہ نے میرے اس اعتراف کو بے جا سمجھ کر مطالبہ کر ڈالا کہ ویرا کو خود ہی میری ازدواجی زندگی کی نزاکتوں کا احساس ہونا چاہیے مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ میرے یا کسی اور کے بتائے بغیر ویرا کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا۔

مکار، سازشی اور بدطینت افراد کے سوا عام لوگ جان بوجھ کر کوئی غلطی نہیں کرتے۔ ہر شخص اپنی دانست میں سب کچھ صحیح کرتا ہے اور جوں ہی نتائج سامنے آنے پر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے، وہ اس سے تائب ہو جاتا ہے۔ فرق بس نکتہ نظر کا ہوتا ہے۔ ویرا ماضی کے حوالے سے میری ذات سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ اس بارے میں اسے زیادہ دوش نہیں دیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک مدت سے اس کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ ترک ضرور کردیا تھا مگر کھل کر کبھی بھی اسے سرزنش کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ وہ عجیب سودائی اور حساس لڑکی تھی۔ میری طرف سے دل ٹوٹ جانے پر وہ کوئی بھی ایسا بڑا قدم اٹھا سکتی تھی جو میرے دل اور ضمیر کے لیے زندگی بھر کا بوجھ اور روگ بن کے رہ جاتا۔

میرے لیے وہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ تھا۔ میری نیت میں پہلے جو بھی کھوٹ رہا ہو، وہ قصۂ پارینہ سا بن چکا تھا۔ ان دنوں بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ گاہے گاہے ویرا کے ساتھ آوارہ کلامی ہوتی رہتی تھی۔ تکلف اور ناز و انداز کے بکھیڑوں سے آزاد رہ کر کی جانے والی ایسی باتیں اکثر میرے دل و دماغ کو تفکرات کے بوجھ سے آزاد کرکے موڈ خوش گوار بنا دیتی تھیں۔

مجھے فکر یہ لاحق ہو گئی تھی کہ ویرا اس وقت خاصے سُرور میں تھی۔ یہ سرور ایسا ہوتا ہے کہ اس کے زیرِ اثر چوہا بھی شیر ہو جاتا ہے اور پھر وہ تو ہمیشہ کی منہ پھٹ اور حاضر جواب تھی۔ دوسری طرف غزالہ کا ذہن شاید اشتعال کی کیفیت سے پوری طرح باہر نہیں آسکا تھا اور سلطان شاہ کی نادر شاہی فرمائش نے ان دونوں لڑکیوں کو کچن کی خلوت میں یک جا ہونے کا موقع فراہم کردیا تھا۔

میری یہ فکر مندی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ سلطان شاہ نے انتظار کے لمحات گزارنے کے لیے ٹی وی آن کردیا اور اول خان اپنی جگہ چھوڑ کر میرے قریب آ بیٹھا۔

"میں گیا تو ویرا ٹھیک ٹھاک تھی مگر اب خاصے موڈ میں نظر آرہی ہے۔" اول خان نے دھیمی اور تجسس آمیز آواز میں یوں کہا جیسے مجھ سے اپنی رائے کی تائید طلب کر رہا ہو۔

"وہ تمہارے سامنے ہی ہے۔ تم خود تجربے کار آدمی ہو۔ اس کی کیفیت کو سمجھ سکتے ہو۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اس وقت وہ تم پر زیادہ مہربان ہے۔"

"مجھے اس کی مہربانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تو یہ فکر ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ الکحل استعمال کرکے اپنی صحت برباد کر رہی ہے۔"

"اپنی ضرورت کا اندازہ وہ خود ہی لگاتی ہے اور دوسروں کے مشورے قبول نہیں کرتی۔"

"لیکن وہ تمہاری بات مانتی ہے۔" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اس چھت کے نیچے ہر شخص اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "تم اس کے بارے میں زیادہ تردد نہ کرو۔ تم نے دیکھا نہیں کہ زیادہ پی لینے کے بعد اس کے رخساروں سے آنکھوں تک میں کیسی حیات آور سرخی دوڑنے لگتی ہے۔"

"ڈیئی! تم اسے سمجھاؤ۔" وہ میرا بازو دباتے ہوئے مضطربانہ آواز میں بولا "اس طرح وہ وقت سے پہلے خود کو ختم کرلے گی۔ میں اس کے کسی عبرت ناک انجام سے ڈرتا ہوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی ہوگی؟"

"پھر وہ کیوں نہیں سمجھتی؟ آخر اسے کیا روگ لگا ہوا ہے جو اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے اور وہ منہ سے کچھ بولنے کے بجائے اپنے دُکھوں کو خود ہی پیتی رہتی ہے۔"

"اب تم ٹھیک پہنچے ہو۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اس کے اندر کوئی دکھ پروان چڑھ رہا ہے۔" میں نے اول خان کی اس دردمندی کا رخ تبدیل کرنے کے لیے پورے خلوص سے کہا "جمی لائیڈ نے اسے زندگی بھر اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ وہ ہر جگہ اس کی بیٹی ہونے کا اعلان کرتی پھری۔ اس کی زندگی میں دل کھول کر اس سے اپنی نفرت کا اظہار کیا مگر میرا خیال ہے کہ دل ہی دل میں وہ جمی لائیڈ کو ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ اس کے بے رحمانہ قتل کے بعد وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی ہے اور اب خود کو بے یار و مددگار محسوس کرتی ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ "تم تینوں اس کے بہترین دوست اور بہی خواہ ہو لیکن محض دوستیوں کے سہارے ایک حساس اور جوان لڑکی پہاڑ جیسی عمر تو نہیں گزار سکتی۔ وہ تمہیں اور غزالہ کو خوش و خرم دیکھتی ہوگی تو اس کا احساسِ زیاں اور گہرا ہو جاتا ہوگا۔"

"احساسِ زیاں؟ کیسا احساسِ زیاں؟" میں نے چونک کر پوچھا مگر وہ میرے اپنے دل کا چور تھا۔ اول خان کی نظروں میں طنزیا تضحیک کا شائبہ تک نہیں تھا۔

اس نے کہا "باپ کو کھو دینے کا احساس اسے کچوکے لگاتا ہوگا۔ ویرا نے ہمارے اور ہمارے ملک کے لیے کیا کچھ نہیں کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم اس کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ کسی کسی وقت میں خود کو اس کے لیے بہت دکھی محسوس کرتا ہوں۔"

"وہ اس قدر خود سر اور انا پرست ہے کہ ہم اس کی مرضی کے

خلاف اسے کسی سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔" میں نے معصومانہ بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اول خان سہلاتے ہوئے بولا "وہ مغربی معاشرے میں پلی بڑھی ہے' تعلیم یافتہ ہے' اس نے دنیا دیکھ رکھی ہے۔ اسے یوں کسی کھونٹے سے نہیں باندھا جاسکتا۔"

"ہوں۔" گفتگو کو ختم کرنے کے ارادے سے میں نے مختصر ترین جواب پر اکتفا کیا۔

چند ثانیوں کے لیے ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ سلطان شاہ ٹی وی پر کشمیری حریت پسندوں کی سرگرمیوں کی ایک دستاویزی فلم دیکھنے میں منہمک تھا۔

"میں اکثر غور سے اس کے رویّوں کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں۔" سکوت کے دوران اپنے خیالات کو یک جا کرنے کے بعد اول خان نے دوبارہ بولنا شروع کردیا "اسے بلاوجہ ہی پاکستان اور اس کے مفادات سے ہمدردی نہیں ہے۔ اس کی تہ میں کوئی اور ہی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم چپکے چپکے اس پر ریسرچ کررہے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم اسے صرف دوست تصور کرتے ہو لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تم کو اپنا آئیڈیل بنا چکی ہے۔ اگر اسے اپنے محبوب کے انتخاب کی آزادی دی جائے تو وہ یقیناً تم جیسے کسی مرد کا انتخاب کرے گی۔"

اول خان نے بہت دبے دبے اور محتاط لفظوں میں وہ بات کہہ ہی ڈالی جسے میں ٹالنا چاہ رہا تھا۔

"اول خان! خدا کا خوف کرو۔ غزالہ نے تمہارا یہ ماہرانہ تجزیہ سن لیا تو میری زندگی ویرا سے بھی زیادہ قابلِ رحم ہوجائے گی۔"

"میری بات کا غلط مفہوم اخذ مت کرو۔" اول خان فوراً ہی مدافعت پر اتر آیا "میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ویرا تم سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہوچکی ہے کہ اب اسے مغربی معاشرے میں اپنی پسند کا کوئی مرد نہیں مل سکتا۔ اس نے اسی لیے اپنے وطن اور شہریت کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ اب وہ صرف اس آس پر یہاں پڑی ہوئی ہے کہ تم جیسا کوئی دوسرا مشرقی مرد اسے بھرپور محبت اور تحفظ کا سایہ فراہم کرسکے۔"

"اپنی یہ تاویلیں تم خود ہی سمجھ سکتے ہو۔" اس مرحلے پر میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بے بسی سے کہا "میری ذات میں سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے۔ ملک خدا بہت وسیع ہے۔ یہاں چپّے چپّے پر ایسے لوگ ملیں گے جو صاف ستھرے ماضی کے ساتھ قابلِ رشک کردار کے مالک ہوں گے۔"

"یہی اصل نکتہ ہے۔" اس نے زور دے کر کہا اور میں اس کی نکتہ آفرینی پر قدرے پریشان ہوگیا۔ وہ کہہ رہا تھا "ویرا کا ماضی قابلِ رشک اور صاف ستھرا نہیں ہے۔ وہ اپنے جیسے ہی کسی آدمی کے ساتھ خوش اور بے فکر رہ سکے گی۔ صاف ستھرے ماضی کا مالک اسے کیوں قبول کرے گا۔"

اس وقت اول خان مجھے محتاط انداز میں لاجواب کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ میں اس کی بات کا جواب سوچ ہی رہا تھا کہ چمچے سے پلیٹ بجانے کی آواز آئی اور میں اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا "آؤ۔ میز لگ گئی ہے۔ اب میں ایک منٹ بھی انتظار نہیں کرسکتا۔"

ڈائننگ ٹیبل پر یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ غزالہ اور ویرا کے جگمگاتے ہوئے چہروں پر مسکراہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ فضا میں منڈلاتا ہوا تصادم کا سنگین خطرہ ٹل چکا تھا۔

اس وقت تک ہم سب اول خان کی کہانی میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ پہلی بار آیا تو اس سے بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔ نادیہ سے بازپُرس کے بعد وہ لوٹا تب بھی دوسری باتیں ہوتی رہیں لیکن ہماری سمندری سیر کا کوئی ذکر نہیں ہوسکا۔ کھانے کی میز پر سلطان شاہ نے وہ کہانی چھیڑ دی۔

"یہ بہت غلط فیصلہ تھا۔" اول خان نے پوری بات سن کر قدرے خفگی سے کہا "پتا نہیں تم بیٹھے بٹھائے اتنے خطرناک فیصلے کیوں کرلیتے ہو۔ حاجی دل مراد اور غفور بھٹی پاکستان کے ساحلوں پر ہونے والی انسانوں کی اسمگلنگ کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ ایسے لوگ مخبروں اور محافظوں کے مضبوط گھیرے میں رہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری بوٹ کا ناخدا بھی اس کا مخبر ہو اور اب تک اسے یہ خبر پہنچا چکا ہو کہ آج دو مقامیوں نے اس کے گھر میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ سرغنے بھی ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔ انسانوں کے سمندر میں آسانی سے دو آدمیوں کا سراغ نہیں لگاسکتے۔" میں نے کوفتے کا لقمہ نگل کر کہا۔

"یہ مان لو کہ اُدھر کا رخ کرکے تم نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا۔" اول خان نے چڑچڑے لہجے میں کہا "دل مراد اور غفور بھٹی زہریلے ناگ ہیں۔ اپنی زد میں آنے والے کسی حریف کو نہیں بخشتے۔ زندہ دشمن کے پیروں میں وزنی پتھر باندھ کر اسے جیتی جاگتی حالت میں گہرے سمندر میں غرق کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ یہ وحشیانہ کام وہ اپنی لانچوں میں بہت دور نکل کر خود ہی سرانجام دیتے ہیں۔"

"ایک بات اور بھی ہے۔" ویرا نے پُرخیال انداز میں کہا "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' کمانڈر سعید نے بتایا تھا کہ ان دونوں نے اپنے اپنے علاقے بانٹے ہوئے ہیں اور نیلور والا سمندری گھاٹ غفور بھٹی کی سلطنت میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں دل مراد پر وقت برباد کرنا بے سود تھا۔"

"یہ دونوں ایک تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے بستر میں پڑے رہ کر وقت برباد نہیں کیا۔ ہم حاجی دل مراد کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ اس مختصر سے پھیرے میں تم کام کی کوئی بات معلوم نہیں کرسکے ہوگے۔" میری بے نیازی پر اول خان کو یک بہ یک ہلکا سا غصہ آگیا۔

"سب سے بڑی کام کی بات یہی ہے کہ کمانڈر سعید کی معلومات ناقص ہیں۔" میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا "حاجی دل مراد کسی الگ جزیرے پر نہیں' بھٹ آئی لینڈ ہی کے ایک کنارے پر رہتا ہے......"

"اس سے بہت زیادہ معلومات میرے پاس موجود ہیں۔" اول خان میری بات کاٹ کر تیزی سے بولا "جزیرے کے اس وسیع رقبے کے گرد ایک گہری سمندری نہر کھود کر اسے ایک ذیلی جزیرے کا روپ دے دیا گیا ہے۔ وہاں کے رہنے والے اس حصے کو بھٹ آئی لینڈ کا حصہ نہیں سمجھتے' اسے شاہ بیلہ کہتے ہیں۔"

"شاہ بیلہ؟" غزالہ نے چونک کر دہرایا "بیلہ تو شاید دریائی جزیروں کو کہتے ہیں۔"

"کہتے ہوں گے۔ لوگوں کے دیے ہوئے ناموں پر کسی اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

"جیسے ڈشکا۔" سلطان شاہ بے اختیار بول پڑا "وہ بھی ایک عجیب آدمی تھا اور لوگوں نے اسے عجیب ہی نام دیا ہوا تھا۔ اب تم لغتیں کھنگالتے رہو۔ ڈشکا کہیں نہیں ملے گا۔ شاہ بیلہ تو پھر بھی ذرا ڈھنگ کا نام ہے۔ سمندر اور دریا میں فرق ہی کتنا ہوتا ہے۔ ایک کھارا اور دوسرا میٹھا۔ بپھر جائیں تو دونوں ہی بھیانک تباہی لاتے ہیں اور اتفاق کی بات ہے کہ دونوں ہی خاصے گیلے ہوتے ہیں۔"

سلطان شاہ کی بے سروپا وضاحتوں نے ماحول کا تناؤ دور کردیا اور اول خان نے سر جھکا کر اپنی پوری توجہ کھانے کی طرف مبذول کردی۔

بظاہر وہ گفتگو وہیں ختم ہوگئی مگر میرا ذہن الجھا رہا۔ کراچی کے اطراف میں واقع دو آباد جزیرے ہی ہمیشہ سے مشہور چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک اور شاید زیادہ بڑا منوڑا ہے جہاں سمندری جہازوں کی رہنمائی کے لیے خاصا اونچا لائٹ ہاؤس بنا ہوا ہے جو رات کی گھور تاریکی میں بھی میلوں دور سے اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس جزیرے پر نہ صرف بحریہ کی کئی اہم تنصیبات ہیں بلکہ اس جزیرے کے ایک رخ پر عام لوگوں کے لیے تفریحی ساحل بھی موجود ہے۔ دوسرا جزیرہ پہلے صرف اپنے نام کے بجائے دو جزیروں کے ناموں کو ملا کر بابا بھٹ کہلاتا تھا اور زبان دانی کے تدریجی مراحل سے گزر کر بھٹ آئی لینڈ ہوگیا تھا۔ بعض کم علم لوگ اس جزیرے کی نسبت بھٹ شاہ سے خلط ملط کر بیٹھتے تھے جہاں سندھ کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مزار موجود ہے لیکن ایک بات طے تھی کہ میں نے ان تذکروں میں کبھی بھی شاہ بیلہ کا نام نہیں سنا تھا۔

اگر بھٹ آئی لینڈ کے ایک حصے کو کاٹ کر باقی زمین سے الگ کرلیا گیا تھا اور حاجی دل مراد نے وہاں اپنا قلعہ بنالیا تھا تو یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہوسکتا تھا۔ سنسنی خیز اور تجسس آمیز خبروں کے متلاشی نامہ نگار اس افسانوی اور پُراسرار قلعے کی کہانیاں اپنے اخبارات میں ضرور چھاپتے اور یوں شاہ بیلہ کا نام ملک بھر میں مشہور ہوجاتا مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کا ایک ہی سبب ہوسکتا تھا کہ حاجی دل مراد اپنے مسکن کی تشہیر پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک طاقت ور اور بارسوخ سرمایہ دار تھا۔ اس کی دہشت کی وجہ سے کوئی بھی اس کی پسند یا مرضی سے انحراف کی جرات کرکے سمندر میں غرق ہونا پسند نہیں کرسکتا تھا۔

ان جزائر کے اطراف میں سمندر کی سیاحت کرنے والوں کی توجہ ادھر مبذول ہی نہیں ہوتی ہوگی کیوں کہ اس جزیرے کے ایک سرے پر کی جانے والی زمینی تبدیلیاں سطحِ سمندر سے نظر نہیں آسکتی تھیں۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ حاجی دل مراد کا مسکن اندرونی شکوہ اور پُراسراریت سے مالا مال ہونے کے باوجود باہر سے ذرا بھی غیر معمولی یا اہم نظر نہیں آتا تھا۔ باہر سے دیکھنے والے اسے کچے پکے مکانات اور جھونپڑوں پر مشتمل جزیرے کے کسی خوش حال شخص کا پختہ گھر سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہوں گے۔

اول خان نے شاید مختصر سے وقت میں حاجی دل مراد کے اس ٹھکانے کے بارے میں خاصی معلومات جمع کرلی تھیں جن کا وہ حوالہ بھی دے چکا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ اسی کے ساتھ اس نے حاجی مراد کو غیر اہم قرار دے دیا تھا۔ ہماری اس وقت کی مصروفیات کے اعتبار سے ویرا نے بھی اس کے نظریے کی تائید کی تھی اس وجہ سے میں نے دوبارہ وہ موضوع چھیڑنے کی کوشش نہیں کی اور کھانے کا دور خاموشی سے ختم ہوگیا۔

کھانے کے بعد ہم تینوں میز سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آگئے۔ برتن سمیٹنے کے بعد ویرا سب کے لیے بھاپ اڑاتی ہوئی خوش بودار کافی کی پیالیاں وہیں لے آئی۔

"یہ کیا ہے؟ میں کافی نہیں پیوں گا۔" ٹرے سامنے آتے ہی سلطان شاہ نے بدک کر کہا "اس وقت میں صرف اور صرف چائے پینا چاہتا ہوں۔"

"بھلا کیوں؟" ویرا نے پسپائی اختیار کیے بغیر سنجیدگی سے پوچھا۔

سلطان شاہ نے لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانک کر اس کی سنجیدگی کا اندازہ لگایا پھر مطمئن ہونے کے بعد کہا "کافی اس وقت میری نیند اڑا دے گی۔ میرے لیے چائے بنا دو۔"

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "اگر تم سونے کے لیے اسی قدر مر رہے ہو تو تمہیں چائے بھی نہیں پینی چاہیے۔ تمہارے لیے

بھنگ کا ایک گلاس ہونا چاہیے کیوں کہ تمہارے لیے وہی خواب آور مشروب کا کام کرسکے گی۔ یہ ہوٹل نہیں، گھر ہے۔ یہاں ہر شخص کی فرمائش پوری نہیں کی جاسکتی۔ جو حاضر ہے وہ قبول کرو ورنہ بستر میں تکیہ دبا کر سو جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ ہماری طرف آگئی۔

سلطان شاہ اسے غصے اور بے بسی سے گھورتا رہ گیا۔ ویرا نے اسے لاجواب کردیا تھا۔

نادرہ کا وہ سجا سجایا فلیٹ ہم چاروں کی بنیادی ضروریات سے کہیں زیادہ گنجائش اور سہولتوں کا حامل تھا۔ ایک کمرا میرے اور غزالہ کے تصرف میں تھا۔ دوسرے میں ویرا نے مے نوشی کے لوازم سجا کر ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ تیسری خواب گاہ میں اول خان بہت آسانی کے ساتھ سلطان شاہ کے ساتھ سو سکتا تھا۔ اصولی طور پر یہ باتیں طے کرلی گئیں مگر وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور سب ڈرائنگ روم میں ہی جمے بیٹھے رہے۔

ایک بجے کے بعد غزالہ کسل مندانہ انداز میں مسکراتی ہوئی ہماری محفل سے اٹھی تو ویرا کو بھی بہانہ مل گیا۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں خمار کے ڈورے ہلکے پڑتے جارہے تھے۔ شاید وہ گہری نیند کے لیے مزید ایک دو گلاس اپنے معدے میں انڈیلنے کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اول خان کو کچھ دیر سو لینے کا مشورہ دیا لیکن وہ ہوں ہاں کرکے بھی وہیں جما رہا۔ اس کے بشرے پر نظر آنے والی لکیروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ تفکرات میں گھرا ہوا تھا۔

بھارتی سیکرٹ سروس را کے، دو تجربے کار ایجنٹ راس المیڈا کے ایما پر خفیہ طور پر پاکستان میں داخل ہوچکے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ان سب کے یک جا ہونے سے پہلے ہی ہم نے راس المیڈا کو بے دست و پا کرکے کیفر کردار کو پہنچادیا تھا لیکن قرائن یہ بتارہے تھے کہ راجن اور وکرم کے ناموں سے بھارتی ایجنٹ شہر میں موجود تھے اور اول خان کی تھیوری کے مطابق راس المیڈا کی موت کی خبر پھیلتے ہی انہوں نے شہر میں بموں کے دو دھماکے کرکے غیر سرکاری طور پر اپنا احتجاج ریکارڈ کرادیا تھا۔ ان خطرناک دہشت گردوں کا خاتمہ کیے بغیر ہم اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے تھے۔

"آج شہر کے مصروف اور بارونق علاقوں میں بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں۔ کل کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔" کچھ دیر بعد اول خان نے ان فقروں کے ذریعے اپنی فکر مندی کا سبب خود ہی ظاہر کردیا۔

"تیزی دکھانے کے چکر میں وہ بری طرح ٹھوکر کھائیں گے اور ہمارے ہاتھ ان کی گردنوں پر پہنچ جائیں گے" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "وہ زیادہ دیر تک آزاد نہیں رہ سکیں گے۔"

"فی الحال یہ صرف خوش فہمی ہے۔" اول خان نے تلخی سے کہا "اس وقت وہ دونوں بے نام و نشان سائے ہیں۔ جب تک وہ ہماری نظروں میں نہیں آجاتے، ہم ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔"

"پتا نہیں تم کمانڈر سعید پر بھروسا کیوں نہیں کررہے؟" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے ایک معقول نکتہ پیش کیا "غفور بھٹی کی یادداشت کے سہارے تیار ہونے والے خاکے انہیں بے نقاب کرنے میں کلیدی کردار ادا کرسکیں گے۔"

"ان خاکوں کو ٹی وی پر اور اخبارات میں بڑے پیمانے پر مشتہر کرایا جائے تو وہ بزدل چوہے اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلنے کی ہمت بھی نہیں کرسکیں گے۔" میں نے سلطان شاہ کے خاموش ہونے سے پہلے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ان کے بارے میں تمہاری فکر مندی بجا ہے لیکن تم انہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔"

"قانون نافذ کرنے والے ہر ادارے کے اہل کار بے گناہ شہریوں کی جان و مال کے امین ہیں۔ آج کے دھماکوں میں مجھے دو شہریوں کی شہادت کی خبر ملی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اس تعداد میں اضافہ ہوا ہو۔ ان کا کیا قصور تھا؟ یہ خون کس کے سر جائے گا؟ کیا ہم اپنی سرزمین پر بھی اپنے معصوم شہریوں کو عالمی دہشت گردوں کا نشانہ بننے سے نہیں بچاسکتے؟ یہ بہت تیکھے سوالات ہیں۔ یہ میرے دماغ کی شریانیں پھاڑ دیں گے۔"

"یہ سوال واقعی بہت اہم ہیں۔" میں نے اعتراف کیا "شہری کے لہو کی بوند تو بڑی بات ہے، اس کی عزتِ نفس اور آبرو کے تحفظ کی ذمے داری بھی یکساں اہمیت کی حامل ہے مگر یہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے کہ اب یہ سب نظریاتی باتیں ہوکر رہ گئی ہیں۔ عملاً ہمارے تھانوں وغیرہ میں کیا ہوتا ہے؟ ہم خود اپنی ذمے داریوں سے تجاوز کرکے لوگوں کو عزت و ذلت بانٹنے پر قادر ہوتے جارہے ہیں......"

"گھر کی خرابیوں کو را والوں کے مظالم کا جواز مت بناؤ۔" اول خان میری بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

"گھر کی خرابی سے ہی باہر والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" میں نے زور دے کر کہا "جس شہر میں لوگ معمولی اختلافات پر آپس میں دس پانچ لاشیں گرانے لگیں وہاں باہر والوں کو بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع مل جاتا ہے۔ جو کچھ ہورہا ہے اور شہر میں آج جو کچھ ہوا، وہ واقعی اندوہناک ہے۔ ان حالات پر میرا دل بھی خون کے آنسو روتا ہے لیکن یہ مسائل صرف آنسو بہانے سے حل نہیں ہوسکتے۔ ان کے خلاف بھی اسی جذبے سے کام کرنا ہوگا جس جذبے سے تم را والوں سے نفرت کرتے ہو۔ اپنی سوچ کو ذرا دھیما رکھو۔ وہ دونوں بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔"

"اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ تم اس ملک میں قانون کے نفاذ کے ذمے داروں میں سے نہیں ہو۔" سلطان شاہ نے میرا ساتھ دیتے ہوئے کہا "تم اسپیشل ٹاسک فورس کے ایک یونٹ کے سربراہ ہو۔

تمہیں قانون کی حدود اور پابندیوں سے آزاد کرکے ملکی سلامتی کی حفاظت کا مقدس فریضہ سونپا گیا ہے اور اپنی اس حیثیت میں تم سرکاری ملازم ہو نہ نیم سرکاری اہل کار۔"

"ان باتوں کی بار بار یاد دہانی میرا حافظہ تازہ کرتی رہتی ہے مگر حقیقت ہم سب جانتے ہیں۔ یہ سب منطقی باتیں ہیں۔ عالمی اداروں کی غنڈا گردی سے بچنے کے لیے ان سب باتوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ اگر ہم سرکاری یا نیم سرکاری ملازم نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ کون لوگ ہمیں اسپیشل ٹاسک دیتے ہیں؟ ہمارے بڑے کس کو جواب دہ ہیں؟ ظاہر ہے کہ آسمانی فرشتے ہمارے لیے احکام جاری نہیں کرتے۔ ہم جیسے انسان ہی خطروں کا ادراک کرکے ہمارے لیے کام کی حدود اور نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ وہ کون ہوسکتے ہیں، یہ کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس ملک کی ایک خفیہ اور تباہ کن تنظیم تھی جس کے ہر رکن کو ان گنت آزادیاں حاصل تھیں۔ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے وہ لوگ ہر لمحے اپنے فیصلے کرنے کی آزادی رکھتے تھے مگر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ فارمیشن ملک کے آئین اور قانون سے ماورا تھی اس لیے گرفت یا ناکامی کی صورت میں ان کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں تھا اور شاید دنیا کے ہر سیکرٹ ایجنٹ کا یہی مقدر ہوتا ہے۔ وہ لوگ کامیابی کی صورت میں اپنی قوم کے ہیرو ہوتے ہیں لیکن کسی مشن کی تکمیل میں ناکام ہوکر پکڑے جائیں تو ان کے اپنے بھی ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ملک اور قوم کے مفاد کے نام پر انہیں سفاک دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے اس انجام سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں مگر پھر بھی اسی پیشے میں رہ کر اپنی روزی کماتے ہیں۔ انہیں بس ایک بات کا یقین ہوتا ہے کہ ان کا انجام جو کچھ بھی ہو، ان کے بعد اُن کے اہلِ خانہ بھوکوں نہیں مریں گے۔ ان کو اتنا کچھ دے دیا جائے گا کہ وہ دنیاوی آسائشوں سے مالا مال ہوکر اپنے دکھ کا بوجھ ہلکا محسوس کرنے لگیں گے اور معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

سلطان شاہ کی آنکھوں میں نیند کا خمار جھلکنے لگا تھا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے جانے کی اجازت دے دی۔

"میرے کمرے کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ جب چاہو، اندر آسکتے ہو" اس نے اٹھتے اٹھتے اول خان سے کہا "مسہری اتنی چوڑی ہے کہ تعلقات خراب ہونے کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے کی دسترس سے محفوظ رہ کر دونوں سروں پر سو سکتے ہیں۔"

"تم جاؤ!" اول خان نے پیر پھیلا کر ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا "میری نیند اُڑ چکی ہے۔ جب جھونک سوار ہوگی تو اندر آجاؤں گا۔ تمہاری نیند میں خلل نہیں پڑے گا۔"

وہ چلا گیا تو چند لمحوں بعد اول خان مجھ سے مخاطب ہوکر دھیرے دھیرے کہنے لگا "تم تاریخ داں نہیں ہو لیکن پڑھے لکھے ضرور ہو۔ تمہیں یاد ہوگا کہ محمد بن قاسم نے ایک عورت کی فریاد پر اپنا سفینہ سندھ کے ساحلوں کے رخ پر ڈالا تھا۔ اپنے شہریوں کی حرمت اور عزت کے بے مثال تحفظ کا وہ پہلا منفرد واقعہ تھا۔ پھر تم نے پہلی جنگِ عظیم کے بارے میں بھی پڑھا ہوگا۔ بوسنیا کے شہر سرائیوو میں ایک سرب طالب علم نے آسٹریا کے آرک ڈیوک فرڈی ننڈ اور اس کی بیوی کو قتل کردیا تھا اور اسی بنا پر آسٹریا نے سربیا پر حملہ کردیا تھا جس میں دنیا کی تمام بڑی قوتیں تیزی کے ساتھ ملوّث ہوتی چلی گئیں اور دوہرے قتل کے واقعے سے شروع ہونے والی وہ خون آشام جنگ چار سال میں لاکھوں انسانی جانوں کو چاٹ گئی اور ابھی چند برس پہلے اپنے چند شہریوں کی تذلیل و تضحیک پر برطانیہ کی شاہی بحریہ نے فاک لینڈ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ یہ غیور اور بے جگر قوموں کے انداز ہوتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ دشمن ہمارے سینے پر مونگ دل کر چلا جاتا ہے اور ہم اف بھی نہیں کرپاتے۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ را کے دونوں ایجنٹوں کی ممکنہ تخریب کاری اور پھر کم از کم دو شہریوں کی ہلاکت اول خان کے ذہن پر سوار تھی اور وہ اسی کے حوالے سے بات کررہا تھا۔ میں نے کہا "اس وقت تم صرف ایک ہی رخ پر سوچے جارہے ہو۔ یہ بری بات ہے۔ تمہاری دی ہوئی تینوں مثالیں بے مثال ہیں لیکن ہمارے حالات سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان تینوں واقعات میں جرم ثابت ہوچکا تھا، مجرم سامنے تھے مگر فریقِ ثانی انہیں سزا دینے پر

آمادہ نہیں تھا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ را کے ایجنٹ روپوش ہیں۔ بموں کے دھماکے کس نے کیے؟ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ ایسی صورت میں تم کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ تم سر دھڑ کی بازی لگا کر راجن اور دکرم کو پکڑ لو اور ان سے سارے اعترافات کرالو' تب بھی کچھ نہیں کر سکو گے۔ را کا چیف فوراً ان سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کردے گا۔ ایسی ڈھکی چھپی لڑائیاں ازل سے ہوتی چلی آرہی ہیں۔ ان میں بس یہی ہوتا ہے کہ پکڑے جانے والوں کو مقامی قانون کے مطابق سب سے کڑی سزا سنادی جاتی ہے اور تم قانون سے ماورا ہو اس لیے ان دونوں کی گردنوں میں فولادی طوق پہنا کر انہیں بحیرۂ عرب کے گہرے پانیوں میں غرق کر سکتے ہو۔ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا کہ وہ ملعون کہاں گئے۔"

"یہ تو انشاء اللہ ہو کر رہے گا" اول خان نے زہر خند سے کہا۔ "اب اس سے آگے بھی کچھ ہونا چاہئے۔"

"وہ ضرور ہو رہا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس سے بے خبر ہو۔"

"کیا ہو رہا ہوگا؟" اس نے بے یقینی اور قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"ہمارے بھی کچھ سرفروش اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے ان کے علاقوں میں کام دکھا رہے ہوں گے۔ وہ آئے دن ہمارے ایجنٹوں کے بارے میں شور مچاتے رہتے ہیں اور جب کوئی ہاتھ نہیں آتا تو جھلاہٹ میں وہ ہمارے کسی سفارتی کارکن کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر ملک بدر کردیتے ہیں۔ یہ کہانیاں تم بھی اخباروں میں پڑھتے رہتے ہوگے۔ تمہارا یہ عالم ہے کہ تم نے ان کے ایجنٹوں کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے اور پھر بھی آزردہ ہو رہے ہو۔"

اول خان کے ہونٹوں پر پہلی بار بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا "میں اسی لیے کہتا ہوں کہ تم سوچنے کا کام بہت عمدگی سے سرانجام دیتے ہو۔ میری ذہنی رَو ایک طرف لگ جاتی ہے تو دوسرے سارے امکانات چوپٹ ہو کر رہ جاتے ہیں.... میرا بھی یہی مطلب تھا کہ اب ہمیں ان کے گھر میں گھس کر کام دکھانا چاہئے۔ جوش اور غصے میں مَیں بھول ہی گیا تھا کہ ہم اندر کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ ہیں' سرحدوں سے باہر کام دکھانے والے دوسرے ہیں جو یقیناً اپنے کام سے غافل نہیں ہوں گے۔"

"اور یہی ایک ایسی...." میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اچانک ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

میری نگاہ بے اختیار اپنی رسٹ واچ پر گئی۔ وہ سوا دو بجا رہی تھی۔

"اتنی رات گئے کون فون کر سکتا ہے؟" اول خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا۔

گھنٹی دوبارہ بجی' مجھے یکایک آئزک بیل کا خیال آیا۔ شاید راس المیڈا کا وہ جانشین نیویارک میں اپنی نیند پوری کرلینے کے بعد دوبارہ میرے ساتھ مُنہ ماری کرنی چاہ رہا تھا۔

تیسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایک مترنم نسوانی آواز میں ہیلو سنتے ہی میرے بدن کے تنے ہوئے عضلات یک بہ یک ڈھیلے پڑ گئے۔ اس آواز کو میں آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

"نادرہ! خیریت تو ہے۔ اتنی رات گئے فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

میری زبان سے نادرہ کا نام سن کر اول خان پُرسکون ہو گیا۔ سلطان شلہ بھی خواب گاہ سے نکل کر ہماری طرف آتے آتے واپس لوٹ گیا۔

"اوہ ڈیبی! خدا کا شکر ہے کہ فون تم ہی نے اٹھایا ہے" میری آواز سنتے ہی اس کا لہجہ پُرجوش اور تشکر آمیز ہو گیا "دوسروں سے بات ہوتی ہے تو وہ مجھے ٹال دیتے ہیں اور شاید تمہیں پیغام بھی نہیں دیتے۔"

"مجھے پیغامات ملتے رہتے ہیں مگر میں ان دنوں بہت مصروف ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"

"بس نیند نہیں آرہی تھی۔ میرا ذہن تمہاری ذات میں الجھا ہوا تھا۔ تم نے مجھے کراچی سے نکال دیا تھا مگر میں تم کو بہت سنگین خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔ کیا وہ چکر ابھی تک چل رہا ہے؟" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"تم سے رابطہ کرنے والے سی آئی اے کے ایجنٹ واپس جاچکے ہیں لیکن میرے گرد جال بچھانے والے دوسرے لوگ ابھی تک میدان میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت مجھے تمہارا یہ فلیٹ بھی چھوڑنا پڑے۔"

"ہائے.... ایسا نہ کہو۔ غنی کے بعد اب تم ہی میرا سہارا ہو۔" اس کی آواز بے ساختہ تھی "تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اندر سے ٹوٹی پھوٹی اور بکھری ہوئی عورت کتنی بے اعتبار ہو جاتی ہے مگر میں نے تم پر اعتبار کیا ہے۔ تم مجھے اپنے بہت قریب محسوس ہوتے ہو۔ میں....."

اس کے مزید جذباتی ہونے سے پہلے ہی میں نے قدرے بے رحمانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "اس وقت تم رحیم یار خان اور میں کراچی میں ہوں۔ سیکڑوں میل کا یہ فاصلہ ایک حقیقت ہے اور ہمیں حقیقت کی دنیا میں رہنا چاہئے کیونکہ غزالہ ابھی جاگ رہی ہے۔"

"اس کا نام نہ لو۔ مجھے اب اس کے نام سے بھی خوف آنے لگا ہے۔ پتا نہیں تم نے ایسی خوں خوار بیوی کیوں پالی ہوئی ہے۔ جو عورت اپنے شوہر پر دوسری عورت کا سایہ تک برداشت نہ کرسکے' اسے مرد زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔"

"مگر میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں" میں نے نرمی سے کہا۔

"غنی بھی مجھے بہت چاہتے تھے مگر جب بھی وہ شام باہر گزار کر گھر آتے تھے تو ان کے لباس میں کسی عورت کے لمبے لمبے بھورے بال چپکے ہوئے ہوتے تھے۔ میں احتیاط سے ایک ایک بال گنتی اور کڑھتی تھی مگر میں نے انہیں کبھی کچھ نہیں جتایا۔ وہ مجھے بے خبر رکھ کر خوش رہنا چاہتے تھے اور میں بے خبر بنی رہی۔ میں مردوں کی فطرت کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں اور تم بھی آخر کو ایک مرد ہی ہو۔"

"تو یہ کہو کہ غنی تمہارا دل جلانے کی وجہ سے کارڈف کی جیل میں پہنچا ہے ورنہ ہیروئن تو ایک بہانہ تھی" میں نے اس کے آخری فقروں کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا "سنا ہے کہ ماں کی دعا اور بیوی کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔"

"یہ تم نے غلط سنا ہے" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی "ایسا ہوتا تو صرف کراچی کی بے شمار عورتیں بیوہ ہو چکی ہوتیں....."

"کراچی کی نہیں' اپنی جاننے والیوں کی بات کرو" میں نے دوبارہ اس کی بات کاٹ کر تصحیح کی "کراچی میں زندگی اتنی مصروف ہے کہ لوگوں کو ایسی بے اعتدالیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ تمہاری دوستوں کو اپنے شوہروں کے کپڑوں میں اجنبی عورتوں کے بال کثرت سے ملتے ہوں تو اور بات ہے۔ ایسے مَردوں کا تعلق بھی غنی کے کاروبار سے ملتے جلتے کسی دھندے سے ہوگا۔"

"پلیز! ان کا ذکر اتنی بے رحمی سے نہ کرو۔ وہ آج بھی میرے سرتاج ہیں" اس نے احتجاج کیا۔

"میں حیران ہوں نادرہ!" میں نے لحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔ "مجھے تم نے بے تکلفی سے بات کرنے کی اجازت دی تھی لیکن کراچی چھوڑنے تک تم مجھے آپ کے صیغے سے مخاطب کرتی رہی تھیں۔ آج تمہارے لہجے سے بہت بے تکلفی جھلک رہی ہے۔ کیا میں اس کا سبب جان سکتا ہوں؟"

"وہ اجازت یک طرفہ نہیں تھی" اس کی آواز میں مٹھاس سمٹ آئی "میں تمہارے ساتھ بے تکلفی سے اپنے دل کی باتیں کرنی چاہ رہی تھی مگر اچانک ہی تمہاری بیوی کی دیوانگی کا قصہ شروع ہو گیا۔ شاید تم یقین نہ کرو کہ غنی کے پکڑے جانے کے بعد تم پہلے شخص ہو جس کے بارے میں مَیں تنہائی میں بہت کچھ سوچتی رہتی ہوں۔"

"پہلا نہیں' دوسرا کہو" میں نے بائیں ہاتھ سے اپنا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ دوسرا کہاں سے آگیا؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو؟"

"الزام نہیں' یہ تصحیح ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اپنے پرانے نمک خوار بشیر کو بھول رہی ہو جو غنی کی گرفتاری کے بعد تمہاری ہولناک تنہائیوں کا ساتھی بنا ہوا تھا....."

"نہیں ڈیبی" اس نے مجروح لہجے میں میری بات کاٹ دی۔ "بشیر کے ساتھ اپنا موازنہ نہ کرو اور نہ ہی مجھے طعنے دو۔ میں نے تمہیں اپنا سمجھ کر تمہارے سامنے بہت کچھ کہہ ڈالا تھا۔ بشیر میرا دوست نہیں' صرف ملازم تھا۔ وہ میرے اشاروں کی تعمیل ضرور کرتا تھا مگر اس میں وہ مردانگی نہیں تھی جو کسی بھی عورت کو تحفظ کا احساس دلاتی ہے۔ غنی کو بچھڑے دو سال ہو چکے ہیں۔ اس مدت میں مَیں بشیر کو منہ نہ لگاتی تو اب تک پاگل ہو چکی ہوتی۔ وہ جاچکا ہے۔ مجھے اس کے جانے کا کوئی ملال نہیں ہے لیکن تم سے بچھڑنے کا احساس اب کچوکے لگانے لگا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے ساتھ بہن اور بہنوئی کا رویّہ اچھا نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہن پھر بہن ہوتی ہے۔ وہ میری دل جوئی کی کوششوں میں لگی رہتی ہے لیکن میرا بہنوئی بددماغ ہے۔ شاید اسے کہیں سے سُن گُن مل گئی ہے کہ غنی مجھے اپنے اہم دوستوں سے ملوا کے خوش ہوتے تھے۔ وہ کئی بار کہہ چکا ہے کہ کراچی میں غنی کے بہتیرے دوست مجھے کرائے کے کسی محفوظ فلیٹ میں ٹھہرا سکتے تھے۔ اس بے وقوف کو یہ علم نہیں کہ میں صرف غنی کی خوشنودی کے لیے ان کے دوستوں کی زیادتیاں برداشت کرتی تھی کیونکہ ہیروئن کی تجارت جاری رکھنے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔ غنی کی گرفتاری کے بعد میں اپنی ذات میں محصور ہو گئی تھی....."

"بات ذرا تلخ ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا "لیکن ناگزیر ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ غنی ہیروئن کے ساتھ اپنی عزت بھی بیچ رہا تھا تو کیا یہ زیادہ درست نہیں ہوگا؟"

"تم جو چاہو' کہہ سکتے ہو" نادرہ نے برا مانے بغیر کہا "حسین بیویوں کے شوہر جب کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو انہیں رشوت میں اسی حسن کا نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ یہ میری یا غنی کی بدقسمتی تھی کہ میں تھوڑی سی خوبصورت ہوں۔ ان کا ہر حریص دوست گھر آتا تھا تو غنی سے زیادہ مجھے اہمیت دیتا تھا۔ غنی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ میں نے ان کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی پیش رفت نہیں کی۔ بشیر کو بھی انہوں نے ہی کچھ سوچ سمجھ کر ملازم رکھا تھا۔ غنی ایک آزاد خیال شوہر ہیں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کی کوئی حق تلفی کیے بغیر ہنسی خوشی رہ رہے تھے تو تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا' ان کی مرضی سے کیا۔"

"تو کیا اب غنی نے تمہیں میرے ساتھ دوستی کرنے کی اجازت دے دی ہے؟"

"طنز مت کرو۔ تم کو معلوم ہے کہ غنی کو اولڈ بیلی کی عدالت نے دس سال قید کی سزا سنائی ہے۔ وہ کارڈف کی جیل میں ابھی صرف دو سال پورے کر سکے ہیں اور تمہارا اندازہ ہے کہ اچھے رویّے کے باوجود اگلے چار چھ سال تک انہیں پیرول پر بھی رہائی

نہیں مل سکے گی۔ کیا مجھے اتنا حق بھی نہیں ہے کہ میں تنہائی کے اس جہنم کو سرد کرنے کے لیے اپنی مرضی سے کسی دوست کا انتخاب کرسکوں؟"

"اس معاملے میں تم خود مختار ہی نہیں بلکہ مادر پدر آزاد ہو" میں نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "لیکن تم بھول رہی ہو کہ میرے بارے میں غزالہ کس قدر حاسد بلکہ جنونی ہے۔ اسے شبہ بھی ہوگیا کہ تم میری دوستی کی متمنی ہو تو وہ رحیم یار خان پہنچ کر تمہارا چہرا اپنے ناخنوں سے ادھیڑ ڈالے گی۔"

"اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ یہاں وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اور پھر اصل اہمیت تمہاری ہے۔ کیا تمہارے لیے میری ذات بالکل بے روپ اور بے کشش ہے؟"

"خدا کی پناہ!" میں نے بے ساختہ کہا "جب میں جیف ملر سے نمٹنے کے لیے تمہارے گھر میں تھا تو تمہارے لمس نے میرے وجود میں آگ سی بھڑکا دی تھی۔ تم واقعی ساحرہ ہو۔ تم غنی کے دوستوں کی چھیڑ چھاڑ کو اپنے لیے خراجِ تحسین سمجھتی تھیں تو میرے اس اعتراف کو بھی تعریف کا ایک پیمانہ سمجھ سکتی ہو۔ تم بہت اچھی' بہت فراخ دل' خوب رو اور سیمیں بدن ہو مگر مشکل یہ ہے کہ میں اب ایک بزدل شوہر ہوں۔ اپنی نیم وحشی بیوی سے ڈرتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟"

"آج میں گھر میں اکیلی ہوں۔ کرنل صاحب میری بہن کے ساتھ کسی تقریب میں بھاولپور گئے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں صبح واپس آئیں گے۔ میں نے سوچا کہ اس فرصت میں ذرا تم سے کھل کر کچھ باتیں ہی کرلی جائیں مگر تم مجھے مایوس کررہے ہو۔ تم یہاں آجاؤ تو غزالہ کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ تم کہاں گئے ہو۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ہارٹ اور جیف ملر سے گلو خلاصی ہوجانے کے باوجود دوسرے لوگ میری راہ پر ہیں۔ موجودہ حالات میں میرا غیر محتاط رویّہ مجھے لے ڈوبے گا۔"

"وہ دونوں دفعان ہوچکے ہیں تو میں کراچی آجاتی ہوں" اس نے فوراً متبادل تجویز پیش کردی۔

"مگر کیوں؟ تمہارے اس اضطراب کا سبب کیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے فرخ کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکا بھیجا ہوا تھا" وہ ایک گہرا سانس لینے کے بعد بتانے لگی۔ "وہ یہاں سے گیا تو نا سمجھ تھا مگر اب وہ نو سال کا لڑکا ہے۔ سی آئی اے والوں سے خوف زدہ ہو کر میں نے اس سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ اس کے بورڈنگ منیجر نے کچھ ایسا چکر چلایا ہے کہ کل وہ امریکا سے لندن پہنچ چکا ہے۔ وہاں غنی کا ایک دوست مقیم ہے۔ اسے مجھ سے ہمدردی ہے۔ اب تم سے کیا پردہ' وہ غنی سے زیادہ میرا دوست تھا۔ اس نے فرخ کو لندن کے ایک اسکول میں داخلہ دلانے کا وعدہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ بہت بڑی خوشی ہے کہ اب میرا بیٹا بھی اسی ملک میں پہنچ چکا ہے جہاں میرا شوہر قید کاٹ رہا ہے۔ اب میں انگلینڈ جا کر ان دونوں سے مل سکوں گی۔"

"یہ واقعی ایک اچھی خبر ہے مگر اس سے میرا کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ تم اتنی جلدی بھول گئے۔ یہ تمہارا ہی مشورہ تو تھا کہ میں فرخ کو انگلینڈ بلانے کے بعد خود بھی وہاں چلی جاؤں تاکہ جیل میں غنی سے ملتی رہوں اور بیٹے کی دیکھ بھال بھی کرتی رہوں۔ آڑے وقت میں بھلا مشورہ دینے والے آج کل کہاں ملتے ہیں۔ میں تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے صحیح راہ دکھائی۔ بس احسان مندی کے اسی جذبے سے مغلوب ہو کر میں تمہارے ساتھ مل بیٹھنا چاہ رہی تھی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے کام آیا لیکن فی الحال تم مجھ سے دور ہی رہو۔ کراچی میں مطلع ابھی تک صاف نہیں ہے۔ تمہارا ہمقبول آباد والا گھر بھی بعض دشمنوں کی نظروں میں ہے۔ وہ آباد ہوتے ہی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن جائے گا۔ تم کراچی آنے کے بجائے پاکستان سے نکلنے کی فکر کرو۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اتنی اہم بات کا شروع میں کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ بالکل ہی بے سروپا باتیں کرتی رہیں۔"

"وہ تمہارے لیے بے سروپا باتیں ہوسکتی ہیں' میرے لیے وہی سب کچھ تھیں۔ ہر عورت کا کوئی مان ہوتا ہے' اس کی انا ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے چاہا جائے۔ میں جب بھی تم سے ملی میں نے تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی تھی۔ تم اپنی بیوی سے ڈر کر پارسائی کے کتنے بھی دعوےٰ کرتے رہو مگر میں اس چمک کی بنا پر یہ جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی نہ کوئی اچھا یا برا خیال جاگزیں ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ میرے اکسانے پر تم رحیم یار خان آنے کا وعدہ کرلو گے یا پھر مجھے کراچی بلاؤ گے مگر تم بلا کے انا پرست ہو یا پھر ڈرپوک ہو۔ مجھے آج پہلی بار اندازہ ہوا کہ تازہ پراٹھوں کو چھوڑ کر باسی روٹی پر قناعت کرنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔"

نادرہ کے آخری فقرے بہت اشتعال انگیز تھے مگر میں نے تحمل سے کام لیا اور ایک نرم سا جواب دے کر اس منہ زور خاتون کو لاجواب کردیا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ فون پر ہونے والی اس گفتگو کی طوالت سے اکتا کر اول خان ڈرائنگ روم سے جا چکا تھا اور میں وہاں اکیلا رہ گیا تھا۔

اس فلیٹ کی مکانیت محدود سی تھی۔ اول خان جیسے خوددار اور شائستہ آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ بے دھڑک غزالہ یا ویرا کی خواب گاہ میں جا گھسا ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے میری مکالماتی مصروفیت کی بنا پر صرف اور صرف سلطان شاہ کے کمرے کا رخ کیا ہوگا جہاں ایک دیو ہیکل مسہری دوسرے فرد کی منتظر تھی۔

نادرہ کی ذہنی رو اس وقت بہکی ہوئی تھی۔ خجالت اور شرمندگی سے دوچار ہونے کے باوجود وہ باتوں کو طول دیے جارہی تھی اور اس کی باتوں میں کچھ ایسی چاشنی گھلی ہوئی تھی کہ مجھے خود بھی فون بند کرنے کا دھیان نہیں آسکا۔ باتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

اس وقت تک میرے مشاہدے میں بے شمار ایسے کردار آئے تھے جو منشیات بلکہ خاص طور پر ہیروئن کا شکار ہوئے تھے۔ ان منشیات زدہ انسانوں میں مردانہ کرداروں کی بھرمار تھی۔ انہوں نے نشے کی تجارت یا اس کے شوق میں اپنی زندگیوں کو برباد کرلیا تھا مگر ان کے ساتھ ساتھ عورتوں کی کہانیاں بھی تھیں جن میں چار کردار قابلِ ذکر تھے۔ ان میں میرا اوّلین تجربہ غزالہ کی دکھیاری ماں شمع کا تھا جو اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے محرومیوں میں مبتلا رہی تھی اور کرنل زوار زیدی کی بیوی بن کر بھی ایک خانہ دار عورت کی سی عزت نہیں پاسکی تھی۔ اس خاتون نے اپنے غم کو بھلانے کے لیے اپنی ذات کو کوکین کے نشے میں گھلانا شروع کردیا اور پھر اس کا اکلوتا بیٹا اسی کوکین کی ایک بڑی مقدار لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے عقل و خرد کی سرحدوں سے بہت دور چلا گیا۔ شمع اپنی آنچ میں سلگتے سلگتے ایک روز پگھل کر خاکستر ہوگئی اور اس کے ازلی پروانے کرنل زوار زیدی نے اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کرلی۔ دوسری ویرا تھی جو ایک عجیب لڑکی تھی۔ بے باک' خوب رو اور سبک اندام ویرا نے ہیروئن ہی کے سائے میں ہوش سنبھالا تھا۔ اپنے باپ کے تعلق سے وہ پاکستان میں ہیروئن کے استعمال اور فروغ کی سب سے فعال حامی اور امریکا کی سرزمین پر اس کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ اس کی زندگی کا محور ہیروئن تھی جس کے علاقائی فروغ کے لیے شب و روز کوشاں تھی۔ تیسری عورت ایلس گومز تھی جو فریڈم لاج کے خلاف ہونے والے آپریشن میں ایس ٹی ایف کی تحویل میں آئی تھی۔ ایلس اور بوب گومز اپنے اکلوتے بیٹے کو ہیروئن کی بھینٹ چڑھانے کے بعد نیت کے پورے خلوص سے اس ہولناک نشے کے خلاف میدانِ عمل میں کودے تھے مگر راس المیڈا کی رہنمائی میں اصل مقصد سے بہک کر بھٹک گئے اور پھر بے موت مارے گئے۔ ان تینوں کے بعد مسز نادرہ غنی ہیروئن کی بین الاقوامی اسمگلنگ کا شکار ہونے والی چوتھی عورت تھی۔ اس کا حریص اور لالچی شوہر دولت کمانے کی دُھن میں اس حد تک گر گیا تھا کہ اس نے اپنے کالے دھندے کے فروغ کے لیے رشوت اور سفارش کے طور پر اپنی بیوی کو بے دریغ استعمال کرنا شروع کردیا۔ آدمی جرم کرتا ہے تو اس کا ضمیر اسے کچھ نہ کچھ ملامت کرتا ہے۔ شریف النفس لوگ پہلی سیڑھی سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ جو سیاہ کار ہوتے ہیں وہ اپنے ضمیر کو تھپک تھپک کر سلادیتے ہیں۔ چند سکوں کے لیے عزت و آبرو کے ہر معیار کو داؤ پر لگادیتے ہیں۔ مال و زر بچانے کے لیے اپنی آبرو کو طشتری میں رکھ کر حریفوں کی نذر کرتے ہیں۔ اندھیری خلوتوں میں گناہ کا بازار گرم ہوتا ہے تو اپنی آنکھیں موند لیتے ہیں۔ اجالے میں اپنی بچائی ہوئی رقمیں گن گن کر اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کا سود و زیاں کا حساب ہی نرالا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اصل نقصان صرف نقد زر کا ہوتا ہے۔ فرسودگی یا انسانی اور اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت ان کے ہر حساب سے خارج ہوتی ہے۔

نادرہ ہیروئن کے ایک بین الاقوامی اسمگلر کی خوب صورت اور جواں سال بیوی تھی جو نو برس کے ایک لڑکے کی ماں ہوتے ہوئے بھی کسی نوخیز دوشیزہ کی طرح سبک اندام اور منہ زور نظر آتی تھی۔ اس کے شوہر نے اسے اپنے اور اپنے محسنوں کے لیے بے دردی سے استعمال کرکے ذہنی دوالیا پن کی ایسی سرحدوں میں دھکیل دیا تھا جہاں وہ اچھائی اور برائی کا امتیاز کھو کر اپنے سنگین وقت کو رنگین لمحات میں ڈھالنے کی فکر میں کوشاں تھی اور اس مشق میں اس نے اپنے ایک اور قدیم ملازم کو بھی اپنے شوق کا ایندھن بنا ڈالا تھا۔

"میری حسرت ہے کہ میں تم سے مل کر بھی نہ مل سکی" ریسیور میں نادرہ کی آواز آرہی تھی "مجھے اپنے اوپر کوئی گھمنڈ نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے غنی کے جن دوستوں سے دوستی کرنی چاہی' انہوں نے سر کے بل میرے ہر خواب کی آبیاری کی مگر تم نہ جانے کیسے آدمی ہو۔ خود آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو۔ میں تمہیں بتا دوں کہ اب میں اس ملک میں چند روز کی مہمان ہوں پھر یہاں سے نکل جاؤں گی۔"

"تو کیا تمہیں برطانیہ کا ویزا مل گیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی غنی کی سزا کے آٹھ برس باقی ہیں۔ اتنی مدت کا ویزا مجھے کون دے گا؟"

"کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ تم غنی کی بیوی ہو۔ وہ لوگ انسانی حقوق اور رشتوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں غنی کی سزا ختم ہونے تک وہاں قیام کی اجازت مل جائے۔"

"ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا" اس نے الفاظ چبا چبا کے کہا "میں اب امکانات کے سہارے زیادہ دن نہیں گزار سکتی۔ میں نے ایک اور بندوبست کرلیا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"اوّل تو یہاں سے برطانیہ کا ویزا مشکل سے ملتا ہے۔ ویزا مل جائے تو انٹری تین مہینے سے زیادہ ملنی مشکل ہے اور واپسی کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے جو آج کل بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ آٹھ سال تک واپسی کا کوئی ٹکٹ کارآمد نہیں رہے گا۔ ری فنڈ کلیم کروں گی تو دھری جاؤں گی۔ میں نے جن لوگوں سے بات کی ہے وہ چالیس ہزار میں آرام سے وہاں پہنچا دیتے ہیں۔"

"خوب!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اگلے آٹھ برس غنی کے ساتھ انگلینڈ کی کسی جیل میں رہ کر

گزارنا چاہتی ہو۔ وہاں غیر قانونی تارکینِ وطن کے لیے سخت تعزیری قوانین ہیں۔ تم پکڑی گئیں تو وہاں کوئی فریاد سننے والا بھی نہیں ہوگا۔"

"میں وہی کررہی ہوں جو میرے بس میں ہے۔ تمہارے سامنے کوئی متبادل راستہ ہو تو اس کا بندوبست کردو" اس نے میری بات سنتے ہی سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا۔

"میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ آج کل میں خود گوشہ نشین ہوں۔ ایسے کام سامنے آئے بغیر نہیں ہوتے۔ تمہیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے ہوں گے۔ یہ چالیس ہزار والی بات کس سے ہوئی ہے؟"

"میں خود بھی خوف زدہ ہوں۔ رحیم یار خان کے ایک ٹریول ایجنٹ نے چالیس ہزار والی بات بتائی ہے۔ وہ کراچی کے کسی غفور بھٹی کے لیے کام کرتا ہے۔"

نادرہ نے وہ فقرے بالکل روا روی میں ادا کیے تھے مگر میں غفور بھٹی کا نام سنتے ہی چونک پڑا۔ میں نے پوچھا "تمہیں کس نے بتایا کہ وہ غفور بھٹی کے لیے کام کرتا ہے۔"

"بیس ہزار پیشگی لینے کے بعد اسی ایجنٹ نے بتایا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں کسی سے اس نام کا ذکر نہ کروں۔ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" میرے سوال نے نادرہ کو چونکا دیا۔

میرے ذہن میں غفور بھٹی کا جو حوالہ اور خاکہ تھا' وہ نادرہ کو نہیں بتایا جاسکتا تھا مگر مجھے یہ یقین کرلینا پڑا کہ دنیا وسیع و عریض ہونے کے باوجود بہت مختصر تھی۔ اتنی مختصر کہ غفور بھٹی کا نام را کے ایجنٹوں کی آمد کے ساتھ ہی نادرہ کی روانگی میں بھی ملوث تھا۔

"یوں ہی خیال آگیا تھا" میں نے نادرہ سے کہا "لوگ عام طور پر ایسے نام آخر تک ظاہر نہیں کرتے۔ حیرت ہے کہ تمہارے ایجنٹ نے رقم پکڑتے ہی تمہیں آخری آدمی کا نام بتادیا۔"

"تمہیں کیسے پتا کہ غفور بھٹی ہی مجھے لے جانے والا آخری آدمی ہوگا؟"

"میں کراچی میں رہتا ہوں۔ بہت زیادہ باخبر نہیں تو اتنا بے خبر بھی نہیں ہوں کہ اتنی کھلی کھلی باتوں سے لاعلم رہوں۔ وہ لوگ تمہیں ہوائی راستے کے بجائے بحری راستے سے لے جائیں گے۔"

"تم واقعی مرد ہو۔ ہمہ وقت چوکنے اور باخبر" نادرہ کی تعریفی آواز سنائی دی "کراچی سے خلیج کی کسی ریاست تک بحری سفر ہوگا۔ وہاں سے برٹش چینل کے کسی جزیرے تک ہوائی سفر اور پھر وہاں سے پلے ماؤتھ تک دوسرا بحری سفر ہوگا۔ سنا ہے کہ غفور بھٹی بہت معتبر آدمی ہے۔ اس نے آج تک کسی سے دھوکا نہیں کیا۔"

"اس بار کچھ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ میری نظروں میں ہے۔ وہ ان لوگوں کا آلۂ کار ہے جو تمہارے موجودہ مسائل کے ذمے دار ہیں اور تمہاری گھات میں ہیں۔"

"اب تم نے مجھے پھر دہشت زدہ کرنا شروع کردیا۔ اس وقت کون میری گھات میں لگا ہوا ہے؟"

"گیری ہارٹ اور جیف منظر سے ہٹ چکے ہیں لیکن اس ٹولے کے دوسرے لوگ سرگرمِ عمل ہیں۔ کراچی کا رخ کرو تو بہت محتاط رہنا۔ تم اس بار ان کی نظروں میں آگئیں تو بچنا مشکل ہوجائے گا۔"

"اگر تم غفور بھٹی کے پیچھے لگے ہوئے ہو تو شاید کراچی آنے کا معاملہ ٹل جائے۔ اسے کچھ ہوا تو میری روانگی کا پروگرام منسوخ ہونے کے ساتھ پیشگی دی ہوئی رقم بھی ڈوب جائے گی۔"

"تمہارے لیے بیس ہزار کی رقم اتنی اہم نہیں ہونی چاہیے۔ غنی نے اپنے ہیر پھیر میں کروڑوں کمائے ہوں گے۔"

"میں انکار نہیں کروں گی" اس نے کہا "لیکن خرابی یہ ہے کہ غنی کے بیشتر اثاثے ملک سے باہر اور انہی کے نام پر ہیں۔ میں انہیں استعمال نہیں کرسکتی۔ میرے اکاؤنٹ میں جو چند لاکھ روپے پڑے ہیں' وہ مجھے دیکھ بھال کر اگلے آٹھ برسوں تک چلانے ہیں اور پھر ملک سے باہر فرخ کی تعلیم کے بھاری اخراجات بھی ہیں۔ غیر قانونی راستے سے باہر جانے کی کوششوں کا ایک سبب یہ بھی ہے۔"

"فرخ کی تعلیم کا غیر قانونی سفر سے کیا تعلق؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ساری رقم بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ ائرپورٹ پر گڑبڑ ہوگئی تو اور کچھ ہو یا نہ ہو' میں رقم سے ضرور محروم ہوجاؤں گی اور پھر مجھے اپنا گھر یا فلیٹ بیچنا پڑجائے گا۔ لانچ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔"

"تمہاری یہ تشویش میری سمجھ سے باہر ہے۔ کرائے کی مد میں تمہیں ہم سے بھی معقول رقم ملی ہے۔ تم ایک بار انگلینڈ پہنچ جاؤ تو غنی تمہارے سارے مسائل کا کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لے گا۔ جیل میں تم اس سے چیکوں کے ساتھ کسی مختار نامے پر بھی دستخط کراسکتی ہو۔ میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ ٹریول ایجنٹ کو دیے ہوئے بیس ہزار روپے کو بھول کر قانونی راستہ اختیار کرو۔ غنی کی سزایابی کی بنیاد پر تمہیں ویزا مل جانا چاہیے۔"

"یہ نزاکتیں تم نہیں سمجھ سکتے" اس کی آواز سے بے بسی جھلکنے لگی "غنی نے خفیہ طور پر مجھے ایک دستی خط بھیجا تھا۔ انہیں انگلینڈ میں سوا دو کلو ہیروئن لے جانے کے اکلوتے جرم پر سزا دی گئی ہے۔ اولڈ بیلی میں کسی کو بھنک بھی نہیں مل سکی کہ غنی برسوں سے وہی کام کررہے ہیں۔ یہ راز فاش ہوگیا تو ان کے سارے اثاثے ضبط ہوسکتے ہیں۔ دس برس کی قید کے بدلے غنی نے یہ دولت ہی کمائی ہے۔ بے فکری اور آسودگی کے دنوں کے انتظار میں وہ شاید اپنی قید برداشت کرلیں لیکن وہ قلاش ہوگئے تو یہ صدمہ ان کی جان لے لے گا۔"

نادرہ کے مسائل واقعی بہت الجھے ہوئے اور پیچیدہ تھے۔ اسے کہیں نہ کہیں سمجھوتے کرکے اپنے لیے ایک قابلِ عمل راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں نیک نیتی سے اسے جو بھی مشورہ دے سکتا تھا وہ

دے رہا تھا۔ وہ رحیم یار خان سے اس طرح بات کررہی تھی جیسے وہ لوکل کال ہو' آخر کار ہماری گفتگو ختم ہوہی گئی۔

میں نے اپنی زندگی میں ہیروئن بیچنے اور استعمال کرنے والوں کا حشر خراب ہی دیکھا تھا۔ استعمال کرنے والے تو خیر عزت' دولت' صحت اور رشتوں کی ہر نعمت سے محروم ہوکر آخر کار مدقوق ڈھانچوں کی صورت میں زمین کے سینے میں جاسوتے ہیں لیکن اس منحوس نشے کی تجارت میں اندھا دھند دولت کماکر بظاہر عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والوں کو بھی سکھ چین نصیب نہیں تھا۔ وہ عام طور پر نادیدہ مصائب و آلام میں مبتلا رہتے تھے۔

میں نے اٹھ کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور پھر سگریٹ سلگا رہا تھا کہ سلطان شاہ کے کمرے سے اول خان باہر نکل آیا اور بولا۔ "بڑی لمبی گفتگو ہورہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کے لیے کمر سیدھی کرلوں۔"

"تھکے ہوئے ہو تو تم سو کیوں نہیں جاتے؟"

"سو جاؤں گا۔ یہ عورت تم سے کیا چاہ رہی ہے؟" اول خان نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جو ایک بے راہ رو عورت کسی اجنبی مرد سے چاہ سکتی ہے۔ اس نے کام کی ایک ہی بات بتائی کہ وہ غفور بھٹی کے ذریعے انگلینڈ جانے کی تیاری کررہی ہے۔"

نادرہ کا وہ انکشاف اس کے لیے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے وہ مختصر سی کہانی سنادی۔

"اب شاید وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا" اول خان نے تلخی سے کہا "مجھے ان دونوں کے اصل کرتوتوں کا علم نہیں تھا مگر میں نے کمانڈر سعید سے ان کی گرفتاری اور پھر رہائی کی جو کہانی سنی تھی' اس نے میرا دماغ خراب کردیا تھا۔ میرے آدمی اس وقت بھی غفور بھٹی اور حاجی دل مراد کے خلاف مواد اکٹھا کررہے ہوں گے۔"

"کھانے کی میز پر تم دعویٰ کررہے تھے کہ تم ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو مگر وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بعض اوقات تم اپنی باتوں سے بلاوجہ تاؤ دلادیتے ہو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "ابھی مجھے شاہ بیلہ سے زیادہ کوئی اور بات معلوم نہیں ہوسکی ہے لیکن کل کا دن ہمارے لیے خاصا اہم ہوگا۔ اب تم جاکر آرام کرو۔ غزالہ تمہارے انتظار میں جاگ رہی ہوگی۔ اپنے ساتھ اس کے آرام کا بھی خیال رکھا کرو۔"

"بہت بہتر" میں نے سر جھکا کر تمسخرانہ انداز میں کہا "اب یہ بھی بتادو کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میں یہیں یا سلطان شاہ کی مسہری پر سو جاؤں گا۔ تم میری فکر مت کرو۔"

میں وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ مجھے خوشی تھی کہ نادرہ سے فون پر بات کرتے ہوئے غزالہ میرے آس پاس موجود نہیں تھی ورنہ میں کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔

○☆○

اگلی صبح اول خان سب سے پہلے اخبار لیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے اداسی جھلک رہی تھی کیونکہ اخبار کے مطابق پچھلے دن ہونے والے دھماکوں میں چار افراد ہلاک اور گیارہ زخمی ہوئے تھے۔

"نقصان ہمارے اندازے سے زیادہ ہوا ہے" اس نے غم و غصے کے عالم میں اخبار ایک طرف پھینک کر کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ ان دھماکوں میں راجن اور وکرم کا ہاتھ تھا۔ میں انہیں فنا کردوں گا۔"

مسلمان ہونے کی بنا پر ہمارا یہ ایمان ہوتا ہے کہ ہر شخص بلکہ ذی روح کی موت کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ کسی کا وقت پورا نہ ہوا ہو تو وہ بڑے سے بڑے حادثے سے گزر کر بھی حیرت ناک طور پر زندہ رہتا ہے اور وقت پورا ہوچکا ہو تو ہلکی سی خراش کے بغیر بستر پر لیٹا ہوا انسان پل بھر میں زندگی کی حرارت سے محروم ہوجاتا ہے اور یہی قانونِ قدرت ہے جو ہمیشہ سے اٹل ہے۔ ہمارے گردوپیش ہر روز سیکڑوں افراد طبعی یا حادثاتی طور پر مرتے رہتے ہیں لیکن دہشت گردی کی کارروائی میں جاں بحق ہونے والوں پر دل بہت مغموم ہوتا ہے۔ ان کی موت پر سرسری ردِعمل ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مرنے والے چاروں افراد میرے قریبی دوست رہے ہوں۔

اس وقت تک میرے اور اول خان کے سوا کوئی بیدار نہیں ہوا تھا۔ اول خان اپنے مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ میرے اصرار کے باوجود ناشتے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور کمانڈر سعید سے مجرموں کے خاکے حاصل کرنے کے ارادے سے فوراً ہی فلیٹ سے چلا گیا۔

میں نے خالی الذہنی کے عالم میں میز پر بکھرا ہوا اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا۔

اخباری تفصیلات بہت لرزہ خیز تھیں۔ مرنے والوں میں سے بیشتر کے اعضا دھماکوں میں اڑگئے تھے۔ صرف ایک لاش کو جامہ تلاشی کے بغیر شناخت کیا جاسکا تھا۔ بقیہ تین افراد کے اس بری طرح چیتھڑے اڑے تھے کہ وہ ناقابلِ شناخت ہوکر رہ گئے۔ زخمی ہونے والوں میں سے پانچ کی حالت نازک بتائی گئی تھی۔

میں اس خبر کی تفصیلات پڑھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اضطراری طور پر فوراً ہی ریسیور اٹھالیا۔ ریسیور کان تک لاتے لاتے میں نے اس میں وہی مخصوص آواز سنی جو بین الاقوامی فون کالز کا سلسلہ ملنے پر سنائی دیتی ہے۔ اس آواز پر میرے اعصاب تن گئے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آئزک بیل اتنی قلیل سی مدت میں مجھ سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔

"ہیلو۔۔۔ ڈینی کہاں ہے؟" دوسری طرف سے انگریزی میں سوال کیا گیا۔ وہ آواز اس وقت تک میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ میرے قیاس کے عین مطابق وہ آئزک بیل ہی تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سوتے میں بھی اب تمہیں ڈینی کے خواب آنے لگے ہیں۔ اس وقت تمہیں کیا تکلیف ہے؟" میں نے چبھتی ہوئی زہریلی آواز میں کہا۔

"تمہارے ملک پر بربادیوں کا نزول شروع ہوچکا ہے" وہ میرے فقروں کو نظرانداز کرکے بولا "دوپہر میں سی این این نے خبر دی ہے کہ کراچی میں آج طاقت ور بموں کے دو دھماکے ہوئے ہیں جن میں چار آدمی مارے گئے ہیں۔ یہ راس المیڈا کی موت کا انعام ہے اور عنقریب تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔"

"تو کیا تم ان دھماکوں کی ذمے داری قبول کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دھماکے جس نے بھی کیے ہوں' وہ تم لوگوں کا دوست نہیں ہوسکتا اور تمہارا ہر دشمن ہمارا دوست بلکہ منظورِ نظر ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہمارے ایک بڑے کا خون تم کو بھاری پڑا ہے۔"

"نیویارک میں بیٹھ کر بغلیں بجانے کے بجائے میدان میں آؤ تو تمہیں پتا چلے گا کہ دال آٹے کا بھاؤ کیا ہے۔ دوسروں کی دہشت گردی کا حساب ان سے لیا جائے گا۔ غنیمت ہے کہ ان دھماکوں کو تم نے اپنا کارنامہ قرار نہیں دیا۔"

"ہم دوسروں کے شکار پر جو تا رکھ کر دلیری کا اعلان کرنے کے قائل نہیں ہیں" وہ زہریلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اپنا شکار خود کھیلتے ہیں۔ آنے والا ہفتے کا دن تمہارے ایک بجلی گھر کی تباہی کا پیغام لائے گا اور یہ تباہی ہماری طرف سے آئے گی۔ ہوسکے تو اسے روکنے کی کوشش کرلینا۔ ہفتہ ہمارے لیے مقدس دن ہوتا ہے۔ اس دن ہمیں اپنے دشمنوں پر برتری حاصل رہتی ہے۔ یہ بات تم خود بھی دیکھ لوگے۔"

اس کی دھمکی بہت خوفناک تھی۔ نہ جانے وہ کس بجلی گھر کی تباہی کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اگر وہ اپنی اس سازش میں کامیاب ہوجاتا تو ہمیں بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس تصور سے میرے وجود میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ اپنے منصوبے کی پیشگی اطلاع دے کر اس نے مجھے بدترین اعصابی دباؤ سے دوچار کردیا تھا۔ سازش کی پوری جڑوں سے واقف ہوئے بغیر میں اس کے سدِّباب کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

بظاہر آئزک بیل کا وہ وار کارگر رہا تھا مگر میں نے اپنے فطری اور اضطراری ردِّعمل پر قابو پاتے ہوئے سکون سے کہا۔ "اتنے ہی دلیر اور پُراعتماد ہو تو اپنے نشانے کا تعین بھی کردو ورنہ تم کسی بھی اتفاقی حادثے کو اپنی کامیابی قرار دے لوگے۔ پرانے بجلی گھروں میں چھوٹے بڑے اتفاقی حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"اتفاقی حادثات سب کچھ نہیں اڑاتے۔ یہ واقعہ ایسا ہوگا کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں نمایاں جگہ پائے گا۔ راس المیڈا کو مار کر تم نے ڈیوڈ اسٹارز کے قہر کو للکارا ہے۔ اب ہر ڈیوڈ اسٹار تمہاری بیخ کنی پر کمربستہ ہوجائے گا۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی۔"

"راس المیڈا تمہارا سب سے بڑا ڈیوڈ اسٹار تھا۔ وہ داؤدی ستارہ کراچی کے ایک بے آب وگیاہ ویرانے میں اس شان سے غروب ہوا ہے کہ اس کی تلاش میں آنے والے بیس سورما بھی اس کے سوگ میں نذرِ آتش ہوگئے۔ تم جیسے چھوٹے موٹے داؤدی ستارے بھی اسی طرح ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔"

وہ مجھ پر نفسیاتی دباؤ ڈال رہا تھا۔ جواب میں' میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس وقت تک اس نے مرنے والے کمانڈوز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میری یاددہانی پر تلملا کر بولا "امریکا کی بحریہ کے ہیلی کاپٹر کی تباہی کو حادثہ قرار دے کر نہیں ٹالا جاسکتا۔ وہ یقیناً تمہاری پشت پناہی کرنے والوں کی سازش تھی لیکن وہ ایک الگ واقعہ تھا۔ یہاں کی حکومت تم سے اس کا بدلہ لے گی اور تمہارے ملک کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔"

"جنگی ہیلی کاپٹر میں سوار ہوکر راس المیڈا کی تلاش میں نکلنے والے کمانڈوز کے ماتم گساروں میں تم بھی شامل ہو۔ تمہارے اور تمہاری حکومت کے مفادات الگ الگ نہیں ہیں۔ راس المیڈا یہاں راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں آیا تھا۔ اس کی موت نے بہت کچھ بے نقاب کردیا ہے۔ اس کی لاش کے قریب تباہ ہونے والے ہیلی کاپٹر کے بارے میں ایسے ایسے ٹیڑھے سوال جنم لے رہے ہیں کہ تم لوگ اس قضیے سے اپنی جان چھڑانے پر مجبور ہوجاؤگے۔"

اسی وقت مجھے اچانک خیال آیا کہ میں نے بجلی گھر کی تباہی کے بارے میں آئزک بیل کی دھمکی کو سطحی انداز میں لیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ راس المیڈا کا کے نائین نامی منصوبہ بھی ایک بجلی گھر کے خلاف تھا اور وہ کینوپ نامی ایٹمی بجلی گھر تھا۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا تھا کہ ڈیوڈ اسٹارز کے بانی کے بعد اس کا جانشین بھی پاکستانی بجلی گھروں کو اپنا ہدف بنانے کے عزائم رکھتا تھا۔

"اس واقعے نے دنیا بھر کو ہلا دیا ہے۔ امریکا کی بحریہ کے تجربے کار افسروں اور جوانوں کی پراسرار ہلاکت صاف طور پر سازش کی نشاندہی کررہی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن پوری قوت سے چیخ رہے ہیں۔ تم لوگ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کررہے ہو۔ تم نے شکوک وشبہات کی دھند پھیلا کر حقیقت چھپانے کی کوشش کی ہے جو آخرکار رائگاں جائے گی۔ سپرپاور ہر حال میں سپرپاور رہتی ہے۔ اس سے ٹکرانے والے فنا ہوجاتے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر ہلاکت' بربادی اور دہشت پھیلانے کا سارا اختیار آسمانی فرشتوں سے تمہاری طرف منتقل ہوگیا ہے۔ ایک بجلی گھر کی تباہی کا کے نائین نامی منصوبہ بنا کر راس المیڈا نے بے بسی سے اپنا سر پیٹا تھا۔ اب دوسرا بجلی گھر تمہارے خون کی بھینٹ لے لے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز اندھیروں میں بسنے والے الوّوں کی نسل میں سے ہیں اسی لیے روشنی پھیلانے والے بجلی گھروں کی بربادی کو اپنا نصب العین بنا چکے ہیں" میں نے بہت تیزی سے سوچتے ہوئے بات کا رخ اپنے مطلوبہ موضوع کی طرف موڑ دیا۔

"انسان کی رگوں میں خون دوڑتا ہے اور دولت کمانے والی صنعتی مشینوں میں بجلی کا کرنٹ دوڑتا ہے" وہ اپنے جوشِ انتقام میں اپنا تخریبی فلسفہ اگلنے لگا "ہم تمہاری ہر اس تنصیب کے دشمن ہیں جو تمہاری بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ تم لوگ بہت کٹر اور متعصب ہو۔ ہم سے برسوں مار کھانے والے عربوں نے اپنے زخم بھلا کر ہم سے دوستی کرنے کے فیصلے کیے لیکن تمہاری قوم آج بھی اسی طرح ہماری دشمن ہے۔ تمہیں اس تنگ نظری کا سبق سکھایا جائے گا۔ راس المیڈا ہم سے بچھڑ چکا ہے مگر اس نے تمہاری سرحدوں میں مخبروں کی جو کھیپ خریدی ہے' وہ تمہاری جڑوں پر کاری وار کرے گی۔ انہیں رہنمائی میں فراہم کروں گا۔ باقی کام تمہارے اپنے لوگ کریں گے۔"

"راس المیڈا کے ساتھ آستین میں پلنے والے سانپوں کا سر بھی کچلا جاچکا ہے۔ تمہاری بازی بگڑ چکی ہے۔ اب شاید تمہارے سفارت کار بھی کسی پیش قدمی کے تصور سے خوف محسوس کریں گے۔"

"آنے والا وقت تمہاری یہ خوش فہمیاں خود دور کردے گا۔ ہفتے کا انتظار کرو۔"

"یوم السبت ہر ہفتے آتا ہے۔ اس بار بھی آکر گزر جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ذہن میں پاکستان کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ تم اسے صرف افیم کاشت کرنے والا ایک پسماندہ ملک دیکھنا چاہتے ہو تاکہ تمہیں ہیروئن کی عالمگیر تیاری کے لیے بہترین خام مال ملتا رہے مگر پھر بھی میں یہ بتادوں کہ ہم یہودیوں کے دشمن نہیں ہیں۔ پاکستان میں ہزاروں یہودی گھرانے امن وعافیت سے رہ رہے ہیں۔ ان کے گھروں پر سنگ باری کی جاتی ہے نہ ان سے روزی کمانے کا حق چھینا جاتا ہے۔ دنیا کا ہر باضمیر انسان اس صیہونی نسل پرستی اور دہشت گردی سے نفرت کرتا ہے جسے تم جیسے لٹیرے پروان چڑھا رہے ہیں۔۔۔"

اس نے برہمی سے میری بات کاٹ دی اور کہا "دنیا کو سنانے اور دکھانے کے لیے ہمارے معبدوں میں بھی سارے ربّی امن ومحبت کے ایسے ہی نغمے گاتے ہیں لیکن ہیکلِ سلیمانی کے رکھوالوں کا اصل مشن وہی ہے جسے ہم آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہ لکھ دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ذلیل وخوار کیے بغیر ہم پوری قوت سے نہیں ابھر سکیں گے۔ تم کو بہت ڈھیل دی جاچکی ہے۔ اب شکنجہ کس دیا جائے گا۔ میں نے ہفتے کی خوش خبری تمہیں آج ہی سنادی ہے۔ اسے یاد رکھنا' تم زندہ رہے تو جلد ہی دوبارہ بات ہوگی۔"

میں نے منہ توڑ جواب دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ لائن اچانک بے جان ہوگئی اور میں نے شکست خوردگی کے عالم میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

آئزک بیل کی باتیں بہت روح فرسا اور تشویش انگیز تھیں۔ اس وقت تک مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ راس المیڈا نے اپنے ذاتی سرمائے سے امریکا میں ڈیوڈ اسٹارز کی داغ بیل ڈالی تھی اور وہ اس کے لیے ہر جائز وناجائز طریقے سے فنڈ اکٹھا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ پیسے کے بے دریغ استعمال سے وہ ڈیوڈ اسٹارز کو اس قدر مضبوط اور فعال بنا دینا چاہتا تھا کہ وہ تنظیم دنیا بھر میں صیہونی غلبے کے صدیوں پرانے خواب کو حقیقت کا روپ دے سکے۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ عالمی اقتدار کے ان بھوکوں کی پہلی لڑائی ان قوتوں سے ہوگی جو سپرپاور بن کر دنیا کے مختلف علاقوں کو اپنی اپنی خفیہ عمل داریوں میں بانٹ چکے تھے۔ یہ ایک ضمنی سی بات تھی کہ جمی لائیڈ کے قتل کے بعد راس المیڈا شی پر قابض ہوا تو اس نے ہیروئن کی تجارت سے ڈیوڈ اسٹارز کے مالی وسائل کو استحکام دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ بدقسمتی تھی کہ ہیروئن کی عمدہ اقسام کی خریداری کے لیے پاکستان کے سرحدی قبائلی علاقوں کی منڈی ہمیشہ سے عالمی اسمگلروں کی آماجگاہ بنی رہی تھی۔ وہاں مقامی ہی نہیں' افغانستان میں تیار ہونے والی ہیروئن بھی فروخت ہونے کے لیے آتی تھی۔

میرے ذہنی نقشے کے مطابق ابتدا میں راس المیڈا نے ایلن سیمفریال اور پیٹرکنگ کے ذریعے اس منڈی پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ اسے معلوم تھا کہ میں ماضی میں پاکستان سے شی کے پاؤں اکھاڑ چکا تھا اور اپنی سرزمین پر ہیروئن کی تیاری یا اس کے استعمال کا بدترین دشمن تھا اور ویرا بھی میری شریکِ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہم دونوں کو راہ سے ہٹائے بغیر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکے گا لہٰذا اس نے ایلن اور پیٹر کے ذریعے مجھے ٹھکانے لگانے کی کوششیں شروع کردیں۔ میرے منظر سے ہٹنے کے بعد ویرا خود ہی پسپا ہوتی چلی جاتی۔ ایلن کی کئی ناکامیوں کے بعد راس المیڈا خود پاکستان پہنچا تو اس کے پاس پاکستان کی جوہری صلاحیتوں کے خلاف ایک بے داغ تخریبی منصوبہ موجود تھا جس پر عمل کرکے ایک اسلامی سلطنت کو بھاری نقصان پہنچایا جاسکتا تھا۔ ان دنوں مغربی حلقوں میں یہ سائنسی کہانیاں عام تھیں کہ پاکستان کینوپ اور نیلور کے ایٹمی بجلی گھروں کے لیے حاصل ہونے والے یورانیم کی پوری مقدار ایٹمی ری ایکٹروں میں جلائے بغیر وہ ایندھن چوری کررہا تھا اور عالمی اداروں کی نظروں سے دور' اسے افزودہ کرکے اسلامی ایٹم بم بنانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔

ان کہانیوں کے پس منظر میں راس المیڈا کے کے نائین مشن

کا جواز نظر آتا تھا کیونکہ وہ بہرحال اسرائیل کی برتری کا علم بردار تھا۔

لیکن آئزک بیل نے ناکامی کی جھلاہٹ اور اشتعال میں مبتلا ہوکر یہ اعتراف کرلیا تھا کہ راس المیڈا نے کسی عارضی ضرورت کے تحت پاکستان کا سفر نہیں کیا تھا بلکہ ڈیوڈ اسٹارز کے منشور کے مطابق پاکستان عربوں سے بھی بڑھ کر اسرائیل کا دشمن تھا اس لیے اسے ہر طرح سے مفلوج کرنا ضروری قرار دے دیا گیا تھا۔ واضح الفاظ میں پاکستان کو ڈیوڈ اسٹارز نے اپنا سب سے بڑا دشمن ٹھہرایا تھا اور راس المیڈا یقیناً تباہ کن عزائم لے کر پاکستان آیا تھا۔ ہیروئن کی منڈی پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا خواہاں تھا۔

آئزک بیل کی طرف سے ہفتے کے روز کسی بڑے بجلی گھر کی تباہی کا اعلان بہت پریشان کن تھا مگر میری نظروں میں اس کا یہ انکشاف زیادہ اہم تھا کہ راس المیڈا نے پاکستان میں بہت سے مخبر خریدے ہوئے تھے۔

اس بارے میں میری جملہ معلومات پرنس ساگا تک محدود تھیں۔ وہ کراچی کی زیرِ زمین دنیا کا واقعی ایک نامور شخص تھا جو ایک اشارے پر اجرتی قاتلوں سے لے کر معمولی مجرموں تک کو اپنے گرد جمع کرسکتا تھا اور وہ راس المیڈا کے لئے کام کررہا تھا۔

یہ راس المیڈا اور ساگا کی بدقسمتی تھی کہ بولتے ہوئے ساگا کے کانوں کی غیر معمولی عمودی حرکت کی بنا پر اسے پہچان لیا گیا۔ شاید وہ میرے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس کی محبوبہ کی چلائی ہوئی گولی میرے سینے کے بجائے ساگا کی ریڑھ کی ہڈی میں پیوست ہوگئی اور آخر کار وہ سنی جیسے مرد نما زنانے کی آغوش میں دم توڑ گیا۔

ہو سکتا ہے کہ راس المیڈا نے ساگا کے ذریعے دوسرے لوگوں سے بھی کام لیا ہو لیکن رابطے کی درمیانی کڑی ٹوٹ جانے کے بعد وہ شیرازہ بکھر گیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ راس المیڈا کی موت کے بعد مقامی آبادی میں کوئی ایسا فرد باقی رہا ہو جو اس کے مشن کو آگے بڑھا سکے۔

دور دراز کی کڑیاں ملانے پر غفور بھٹی اور حاجی دل مراد کا نام قدرے مشتبہ نظر آتا تھا۔ وہ ساگا کے ایما پر راجن اور وکرم کو بمبئی سے غیر قانونی طور پر نیلور نامی سمندری گھاٹ تک لائے تھے لیکن وہ بات اور ساکھ والے مجرم تھے جو اپنے خود ساختہ اصولوں کے مطابق اپنی لائن کا کام کرتے تھے۔ اس سے انحراف کر کے معاوضے پر کسی اور کے لئے کام کرنا شاید کسرِشان سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ راس المیڈا کے لئے مخبری کا کام کررہے ہوں گے۔

میں نے میدانِ عمل میں اترے ہوئے کرداروں کے بارے میں ایک بار پھر غور کیا لیکن مجھے کسی مشتبہ مقامی کا نام یاد نہیں آ سکا۔ بظاہر امریکن قونصل خانے کے بعض افسران ہی راس المیڈا کے مشن کو آگے بڑھا سکتے تھے۔

وہ تینوں باری باری بیدار ہو کر آئے تو میں ان سے صرف اخباری اطلاعات پر تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ سب کے یکجا ہونے کے بعد میں نے آئزک بیل کی کہانی چھیڑی تو ویرا کا منہ بن گیا کیونکہ ان تینوں میں وہی سب سے پہلے بیدار ہوئی تھی مگر میں نے اسے بھی آئزک بیل کی دوسری فون کال کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔

ان کو اپنی تشویش میں شریک کر کے بھی میں ان متوقع مسائل کا حل تلاش نہیں کرسکا جو آئزک بیل کی دھمکیوں کے نتیجے میں پیدا ہو سکتے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم چاروں الفاظ کی بھول بھلیاں میں بھٹک رہے ہوں اور اپنے سوالوں کے جواب پانے سے قاصر ہوں۔

"اسحاق نیویارک میں بیٹھا اپنی بربادی پر بری طرح تلملا رہا ہے۔" ویرا گفتگو کے ایک موڑ پر بولی تو میں چونک کر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"یہ اسحاق کہاں سے پیدا ہوگیا؟" میرے بولنے سے پہلے سلطان شاہ نے سوال داغ دیا۔

"اردو اور عربی میں آئزک کو اسحاق ہی کہا جاتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ بات مجھ سے بہتر تم لوگ جانتے ہو گے کہ ابراہیم، اسحاق، داؤد، یعقوب اور سلیمان وغیرہ کو انگریزی میں ابراہام، آئزک، ڈیوڈ، جیکب اور سولومن کہا جاتا ہے۔ دشمن کو اس کے صحیح نام سے یاد کرنا بہتر رہتا ہے۔"

"ایسا ہے تو پھر بیل کا ترجمہ بھی کر ڈالو اور اسے اسحاق گھنٹی بنا دو۔" سلطان شاہ نے تیزی سے کہا۔

"اصولی اعتبار سے تمہاری تجویز بہت معقول ہے۔" ویرا نے اسے سلگانے کے لئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ قلیل سی مدت میں اس کی دوسری فون کال اس کی ذہنی ہزیمت کا اظہار کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمیں جوابی اذیت میں مبتلا کرنے کے لئے کسی بجلی گھر کی تباہی کی بے بنیاد دھمکی دی ہو۔"

"راس المیڈا کا جانشین ذہنی طور پر اتنا دوالیا نہیں ہو سکتا۔" میں نے کہا۔

"مسلسل مار کھانے کے بعد ہر مجرم گھٹیا حربوں پر اتر آتا ہے۔ ڈیوڈ اسٹارز اس اصول سے مستثنیٰ نہیں سمجھے جا سکتے۔ اب وہ ہمیں دوڑا کر ہلکان کرنا چاہ رہا ہے۔ ہمیں فی الحال اس کی دھمکی کو بھول جانا چاہئے۔" ویرا اپنے مؤقف پر اصرار کرتے ہوئے بولی۔

"میں اسے حماقت سمجھتا ہوں۔ یہ کھوکھلی دھمکی ہوتی تو وہ آنے والے ہفتے کے دن کا تعین نہ کرتا تاکہ ہم غیر معینہ مدت تک خوف اور بے یقینی میں مبتلا رہیں۔ دن بتا کر اس نے اپنے عزائم کی سنگینی واضح کردی ہے۔"

اسی وقت اول خان لوٹ آیا۔ اس کے پاس کمانڈر سعید کے مصوروں کے بنائے ہوئے خاکے موجود تھے جب کہ ہمارے پاس اس کے لئے اسحاق کے فون کی خبر موجود تھی۔

اسحاق کی دھمکی پر اس کا ردِعمل مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ وہ بے بسی سے اسے برا بھلا کہہ کر رہ گیا۔

غزالہ اس کے لائے ہوئے خاکے دیکھنے لگی۔ اول خان کو بہت زیادہ مضطرب دیکھ کر ویرا نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگ آئزک یا اسحاق کی دھمکی کو اسی قدر اہمیت دے رہے ہو تو پھر میں احتیاطی تدابیر کے سلسلے میں اہم مشورے بھی دے سکتی ہوں۔ بڑے بجلی گھروں کے بارے میں مجھے کچھ باتیں معلوم ہیں جو تمہارے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"کسی بم سے تباہی پھیلانے کے لئے بجلی گھر کی کارکردگی یا ساخت سے واقف ہونا ضروری نہیں ہوتا۔" اول خان نے اس کی بات کو اہمیت دیے بغیر کہا۔ "بم ایک چٹان سے لے کر آبادی تک ہر چیز کو اڑا سکتا ہے۔"

"میں یہی بتانا چاہ رہی ہوں۔" ویرا نے کہا۔ "بجلی گھر میں دھماکا کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ وہاں بم یا ڈائنا مائیٹ ہی لگایا جائے۔ یہ کارروائی اندر سے بھی رونما ہو سکتی ہے۔"

میں بظاہر خاکوں کو دیکھنے میں مصروف ہوگیا تھا مگر میرے کان ان دونوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

"تفصیل بتاؤ۔" اول خان بے دلی سے کہہ رہا تھا۔ "ممکن ہوا تو ان امکانات کو بھی حفاظتی تدابیر میں شامل کرلیا جائے گا۔ ابھی ہفتہ آنے میں کئی دن باقی ہیں۔ شاید ہم تباہی کو ٹالنے میں کامیاب ہو سکیں۔"

"ایٹمی بجلی گھر اپنی جگہ پر ایک کنٹرول کیا ہوا ایٹم بم ہی ہوتا ہے جس کے قابو سے باہر ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔ ری ایکٹر اور بوائلر بھاپ بنانے کے لئے صرف حرارت پیدا کرتے ہیں۔ کہیں یہ بھاپ ٹربائن چلاتی ہے اور کہیں بند سے خارج ہونے والا پانی زبردست بہاؤ سے ٹربائن چلاتا ہے۔ ان سے آگے بڑے جنریٹر ہوتے ہیں جو بجلی پیدا کرتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق ہر بڑے جنریٹر کو اندر سے ٹھنڈا رکھنے کے لئے ہائیڈروجن گیس استعمال کی جاتی ہے۔ وہ کہیں سے بھی لیک ہو جائے تو ہولناک دھماکے سے آگ پکڑ کر سب کچھ بھسم کرسکتی ہے۔ دیگر حصوں کے مقابلے میں یہ کسی بھی بجلی گھر کا اہم نظام ہوتا ہے جس میں معمولی سی گڑبڑ سے بہت بڑی تباہی نازل ہو سکتی ہے۔ اگر بجلی گھروں کی انتظامیہ کو خبردار کر دیا جائے تو اندر سے کسی تخریبی کارروائی کا امکان ختم کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ سسٹم اسی قدر اہم ہے تو اسی طرح اس کی دیکھ بھال بھی ہوتی ہوگی۔ میری کوشش ہوگی کہ اس پر اب دہری نگرانی شروع کرا دی جائے۔ کراچی سے مالاکنڈ تک چھوٹے اور بڑے بجلی گھروں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ پتا نہیں وہ خبیث کدھر کا رخ کریں گے۔ ایس ٹی ایف اپنے طور پر اتنی بڑی ذمے داری نہیں سنبھال سکتی۔ یہ کام اسلام آباد میں پانی اور بجلی کی وزارت سے ہی ہو سکے گا۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ راجن اور وکرم کے خاکے مل جانے کے بعد اب تم کیا کر رہے ہو؟"

"ابتدا مایوس کن ہے۔" اول خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں ہوٹل کے منیجر سے ملتا ہوا آیا ہوں۔ اس نے رازداری کی ہدایت کے ساتھ روم سروس اسٹاف کو طلب کیا تھا مگر یہ خاکے ان سب کے لئے اجنبی ثابت ہوئے۔ رسمی کارروائی کے لئے میرے دو آدمی اس وقت بھی ان خاکوں کی تصاویر کے ساتھ ہوٹل میں مامور ہیں اور پوری رازداری کے ساتھ وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو چیک کر رہے ہیں۔"

"کیا یہ خاکے غفور بھٹی کو دکھا لیے گئے ہیں؟" میں نے خاکے میز پر ڈال کر پوچھا۔

"وہ کمانڈر سعید کے مصوروں کے ساتھ کئی گھنٹے مصروف رہا ہے۔ اس نے ابتدائی خاکوں میں متعدد تبدیلیاں بتائی تھیں۔ اس کے مطمئن ہونے کے بعد ہی کمانڈر سعید نے یہ خاکے میرے حوالے کئے ہیں۔"

"کیا اسے یقین ہے کہ اس کی یادداشت پوری طرح اس کا ساتھ دے رہی ہے؟" میں نے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"اس سے میری ملاقات نہیں ہوئی مگر کمانڈر سعید کا یہی کہنا ہے کہ غفور بھٹی نے خدوخال کی ساری جزئیات پر پوری توجہ دے کر تبدیلیاں کرائی ہیں۔ اس کی یادداشت ساتھ نہ دیتی تو وہ اتنے جھمیلے میں پڑنے کے بجائے ابتدائی خاکوں پر ہی اطمینان ظاہر کر کے گلوخلاصی حاصل کر سکتا تھا۔"

"تم بری خبر لائے ہو۔" میں نے مایوسی سے کہا۔ "میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ خاکے مکمل ہوتے ہی را کے دونوں ایجنٹ ہماری گرفت میں آ جائیں گے لیکن یہ کوشش رائگاں جاتی نظر آ رہی ہے۔"

"ان کے بارے میں ہم ایک مرتبہ پھر اندھیرے میں ہیں۔" ویرا ان خاکوں کو دیکھ کر بولی۔ "اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر ان تصویروں کی تشہیر کی جائے تاکہ وہ دونوں بوکھلا کر یہاں سے فرار ہو جائیں۔ جب تک وہ یہاں موجود ہیں۔ ہمارے سروں پر بھیانک نادیدہ خطرات منڈلاتے رہیں گے۔"

"نہیں۔۔۔ اس وقت ہم یہ آخری طریقہ استعمال نہیں کریں گے۔" میں نے اول خان کے چہرے پر نظریں جما کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے ساتھ کہیں نہ کہیں کوئی

گڑبڑ ہوئی ہے۔ نادیہ نے صاف بتایا ہے کہ ساگا نے اپنے دونوں اجنبی مہمانوں کو خاطرمدارات کے بعد صدر کے اس ہوٹل میں پہنچایا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ ہوٹل کا عملہ اب ان دونوں کے خاکے پہچاننے سے انکار کررہا ہے۔"

"جب کہ غفور بھٹی نے ان خاکوں کو مکمل کرانے کے لئے پورا پورا تعاون کیا ہے۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا۔

"غفور بھٹی ان کی شناخت کے لئے حرفِ آخر نہیں ہے۔ اس نے ان دونوں کو ویران سمندری گھاٹ پر ذرا سی دیر کے لئے سرسری نظروں سے دیکھا تھا۔ نادیہ نے گھنٹوں ان کی میزبانی کی ہے۔ میرے نزدیک اس کی تصدیق بہت ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب یہ خاکے نادیہ کو دکھائے جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اول خان فوراً ہی بول پڑا۔ "ہو سکتا ہے کہ غفور بھٹی کچھ ضروری تفصیلات بھول رہا ہو۔ نادیہ ایسی خامیوں کی نشاندہی کرسکتی ہے۔"

"اس مرتبہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اول خان میری اس پیش کش پر خوش ہوگیا۔ "اس جیسی منہ زور لڑکی سے تنہائی میں ملنا مجھے بھی پسند نہیں۔ وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اپنے ناز و نخرے دکھا کر مجھے اپنی خوبصورتی کی طرف الجھا سکے۔ میں نے کئی بار اسے بری طرح پھٹکار بھی دیا مگر وہ آخر تک باز نہیں آئی۔"

"تخم تاثیر، صحبت کا اثر ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے۔" سلطان شاہ نے خلافِ معمول محاورے کی ٹانگ توڑے بغیر کہا۔ "وہ ایک مستند طوائف زادی ہے۔ گہوارے سے محفل تک اس نے ایک ہی سبق سیکھا ہے اور ہر ایک پر اسی کو آزماتی ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ وہ تم پر اتنی مہربان کیوں ہو رہی تھی؟ تم تو اس سے ایک الگ ہی قصے کے بارے میں چند باتیں معلوم کرنے کے لئے گئے تھے۔"

سلطان شاہ کے اس بے تکلفانہ سوال پر اول خان سٹپٹا کر رہ گیا۔ غزالہ نے اس کی کیفیت بھانپ کر سلطان شاہ کو ڈانٹا "شوخی میں آکر بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرجاتے ہو۔ تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ ہر ایک سے تم ویرا کی طرح بات نہیں کرسکتے۔"

"کوئی بات نہیں۔" اول خان نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔ "ایسی باتیں سامنے نہ کی جائیں تو پیٹھ پیچھے موضوعِ سخن بنتی ہیں۔ میں ان کا برا نہیں مانتا۔" یہ کہہ کر وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہوگیا۔ "تھانے میں ایس ایچ او اور دوسرے عملے نے مجھے جو عزت دی، اس سے نادیہ کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ میں پولیس کے محکمے کا کوئی بڑا افسر ہوں اور سادہ کپڑوں میں اس سے پوچھ گچھ کے لئے آیا ہوں۔ اسے ساگا کے قتل کے سلسلے میں اپنی گردن پھنستی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اسے اس الزام سے بچالوں۔"

"اسے بچنا چاہئے۔" ویرا نے سنجیدگی سے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ "وہ ساگا کو گولی نہ مارتی تو ذہنی مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا پھر بعد میں ہم ہی میں سے کسی کو ساگا کا خون اپنے سر لینا پڑتا۔ ساگا کو یہ حقیقت جہنم میں بھی تڑپاتی رہے گی کہ وہ اپنی منہ بولی محبوبہ کے لگائے ہوئے زخم کے نتیجے میں مرا تھا۔"

"یہ منہ بولی محبوبہ کیا بلا ہوتی ہے؟" میں ویرا سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کے مطابق تمہارے مذہب میں نامحرموں کا آپس میں عشق لڑانا منع ہے۔ ایسی صورت میں صرف بیوی ہی انسان کی محبوبہ ہو سکتی ہے۔ پسند کی دوسری عورتوں کو صرف منہ بولی محبوبہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ جب منہ بولی بیٹی اور بہن ہو سکتی ہے تو محبوبہ کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"تم نے وکرم اور راجن کے بارے میں بہت اچھی بات سوچی ہے۔" اول خان نے نوک جھوک کا خاتمہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں وقت ضائع کئے بغیر نادیہ سے مل لینا چاہئے۔ وہ دونوں ہوٹل میں بیٹھ کر ہمارا انتظار نہیں کریں گے۔ وہ کسی بھی وقت اپنا ٹھکانا بدل سکتے ہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے کہا اور اول خان فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"مجھے گھر پر کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ چاہو تو تم مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کا حکم دے سکتے ہو۔" سلطان شاہ نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

وہ غیر ضروری بھیڑ کا کام نہیں تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو سختی سے منع کردیا۔ اول خان فون پر نیپیئر تھانے کے انچارج سے بات کرکے نادیہ کو دوبارہ تھانے میں بلوانے کا بندوبست کررہا تھا۔

اس وقت تک ساگا کے قتل کے بارے میں یہ بات نہیں کھل سکی تھی کہ ساگا نادیہ کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ اس کی لاوارث لاش بازارِ حسن کے مکینوں نے غسل اور باقاعدہ تجہیز و تکفین کے بغیر ہی قبر میں دبا دی تھی لیکن بعد میں لاش کو قبر سے نکال کر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جا چکا تھا اور پولیس حقائق کا سراغ لگانے کے لئے اپنے روایتی انداز میں نادیہ اور زمرد بائی کو ڈرا دھمکا رہی تھی اور وہ اپنے احساسِ جرم سے خوف زدہ تھی۔

نادیہ پر کوئی الزام نہیں تھا اس لئے وہ حراست میں نہیں تھی۔ ایس ایچ او نے تفتیش کے بہانے اسے فوری طور پر تھانے میں بلانے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

ہم وہ دونوں خاکے اپنے ساتھ لے کر پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے۔

"میں حیران ہوں کہ ہر بڑے جرم کے پیچھے کہیں نہ کہیں ہیروئن کا عمل دخل ضرور ہونے لگا ہے" راستے میں اول خان نے باتوں باتوں میں کہا "میں ذاتی تجربات سے نہ گزرا ہوتا تو میرے لئے یہ یقین کرنا دشوار ہوتا کہ راس المیڈا جیسے ارب پتی سرمایہ دار کی

بنائی ہوئی ڈیوڈ اشارز نامی جماعت ہیروئن کے لئے لڑ رہی ہے۔"

"ہیروئن آج کل ہر مجرم کی ایک معاشی ضرورت بن چکی ہے۔ بسوں میں سفر کرنے والے غریب لوگوں کی جیبیں کاٹنے والے سے لے کر کرنل جیسی جونز جیسے پیشہ ورانہ دہشت گرد تک سب مجرم سارے جرائم صرف پیسہ کمانے کے لئے کرتے ہیں۔ زیادہ پیسے کما کر وہ زیادہ آسودگی اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں سخت قانونی پابندیوں اور مخاصمانہ معاشرتی ردِعمل کے باوجود ہیروئن کا نشہ بہت تیزی سے مقبول ہوا ہے اور اس میں بہت پیسہ ہے اسی وجہ سے ہر مجرم کہیں نہ کہیں اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ راس المیڈا دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال تھا لیکن اپنی زیرِ زمین تنظیم کے فنڈز میں تیزی سے اضافے کے لئے اسے بھی ہیروئن کی سوجھی۔ یہ ایک لعنت بن چکی ہے۔ جب تک اس کی طلب ختم نہیں ہوگی یا پھر اسے سرکاری سطح پر ڈھیل نہیں دی جائے گی، اس کی سحر انگیز حیثیت ختم نہیں ہوگی، دن بہ دن ترقی کرتی رہے گی۔"

"سرکاری سطح پر ڈھیل دینے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میری ناویل نے اسے متحیر کردیا۔

"صرف امریکا ہی کی مثال لے لو۔" میں نے کہا۔ "وہاں سالانہ دس ہزار ٹن ہیروئن اسمگل کرنے کی کوشش کی جاتی ہوگی تو اس میں سے صرف دو ڈھائی ہزار ٹن اصل منڈی میں پہنچ پاتی ہے۔ باقی پکڑی جاتی ہے یا پھر پکڑے جانے کے خوف سے آخری لمحات پر ضائع کردی جاتی ہے۔ یوں ضائع ہونے والی ہیروئن پر کی گئی سرمایہ کاری کا بوجھ بھی بچ نکلنے والی ہیروئن کی فروخت پر پڑتا ہے۔ یہ ہیر پھیر کامیاب اسمگلروں کے منافع کی شرح بڑھا دیتا ہے۔ اس بارے میں نرمی برتی جائے تو نفع کم ہوگا اور یہ بتدریج اپنا مقام کھوتی چلی جائے گی۔ اسی کے ساتھ یہ خطرہ بھی ہوگا کہ اس نرمی کے نتیجے میں ہیروئن کا استعمال وبائی صورت اختیار کرلے گا۔"

"تمہارا آخری اندیشہ اس تجویز کو خود ہی مسترد کر دیتا ہے۔ پابندیاں نرم پڑتے ہی ہر گھر ہیروئن کا نشانہ بن جائے گا۔ نفع میں کمی کا ازالہ فروخت میں اضافے سے ہو جائے گا۔ آخر پاکستان اور خلیج کے دوسرے ملکوں میں پابندی کے باوجود شراب جیسا نشہ بھاری مقدار میں اسمگل ہوتا ہے۔ مالیت کے اعتبار سے اس کا وزن اور حجم بہت زیادہ ہوتا ہے۔ بوتلوں کی ٹوٹ پھوٹ کا نقصان بھی ہوتا ہوگا اور پھر ہیروئن کے مقابلے میں اس پر نفع کی شرح بھی بہت کم ہے مگر بہت سے منظم گروہ بڑے پیمانے پر یہ دھندا کر رہے ہیں۔ ان تجربات کی روشنی میں ہیروئن کے خاتمے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اسے تو طاقت ہی سے کچلا جا سکتا ہے مگر تمہاری یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ امریکا میں ہر سال ٹنوں کے حساب سے ہیروئن کی کھپت ہوگی۔ آج تک بڑی بڑی خبروں میں بھی صرف چند کلو ہیروئن پکڑے جانے کا ذکر آتا رہا ہے۔ امریکا میں اتنی ہیروئن کہاں جاتی ہوگی۔"

میں اس کی سادگی پر مسکرا دیا۔ "یہ خبریں ان طالع آزماؤں اور اناڑی مجرموں کی انفرادی ناکامیوں کے بارے میں ہوتی ہیں جو ایک کے سو بنانے کے چکر میں کسی لمبے سفر پر نکلتے ہیں۔ ہیروئن کی اصل اسمگلنگ پر کسی نہ کسی شی، مافیا یا دوسرے سنڈیکیٹ کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ ان کے زرخرید سرکاری اہل کار ہر کھیپ کو یوں کانوں کان نکال دیتے ہیں کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔"

"مگر پھر بھی ہزاروں ٹن کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ مقدار دو چار ٹن سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

"شاید میں نے پہلے تمہیں بتایا تھا کہ عالمی اداروں کے ایک محتاط سروے کے مطابق پاکستان میں ہیروئن کے عادی افراد کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ امریکا میں ہیروئنچی بہتر لاکھ کی تعداد میں ہیں۔ وہ معاشی طور پر نسبتاً خوش حال ہیں اور اپنے نشے پر زیادہ رقم خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔"

"وہ بہتر لاکھ ہیروئنچی کتنی ہیروئن استعمال کرلیتے ہوں گے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"فی الحال انہیں چھوڑ دو۔ پاکستان کے کنگال اور بدحال ہیروئنچیوں کا حساب لگا لو۔ اگر ایک شخص دن میں صرف تین گرام ہیروئن استعمال کرتا ہو تو کل مقدار کتنی ہو جاتی ہے؟"

"تین گرام؟" اول خان نے بے اعتباری سے دہرایا۔ "یہ تو بہت کم ہے۔ میں نے کراچی کی متعدد فٹ پاتھوں پر عادی نشے بازوں کی ٹولیوں کو دن میں تین چار بار نشہ کرتے دیکھا ہے۔"

"میں اوسطاً کم از کم ایک گرام فی خوراک کے حساب سے ایک شخص کے یومیہ تین گرام لے رہا ہوں۔ امریکا میں یہ مقدار یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ پچاس لاکھ افراد تین گرام کے حساب سے یومیہ پندرہ ٹن ہیروئن چاٹ جاتے ہوں گے۔ سال بھر کے لئے یہ مقدار ساڑھے پانچ ہزار ٹن کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ میں نے تو امریکا کے لئے بہت کم مقدار بتائی ہے۔ یہ ہزاروں ٹن کا لمبا کھیل ہے جبھی راس المیڈا اس کاروبار پر قبضہ کرنے کے لئے مرا جا رہا تھا اور امریکا کا صدر اس کی حمایت کرنے پر مجبور تھا۔ امریکا میں ہیروئن اس وقت ملین اور بلین نہیں ٹریلین ڈالر بزنس ہے۔"

"یہ اعداد و شمار چشم کشا بلکہ ناقابلِ یقین ہیں۔ صرف تین گرام فی کس سے ایسی ہیبت ناک مقدار بن جاتی ہے! اسی لئے کہا جانے لگا ہے کہ اب پاکستان کی مقامی ضروریات کے لئے بھی باہر سے ہیروئن آتی ہے۔ ہم تو ویسے ہی افیم کی بیشتر فصلوں کو برباد کرکے زمینوں پر غلہ اگانے لگے ہیں۔"

"یہاں یہ کام شی نے پس پردہ رہ کر دکھایا ہے۔ ابتدا میں ہیروئن کی پڑیاں چرس کی ایک گولی کے داموں بلکہ مفت میں بانٹی گئی ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اس کے دام بڑھا دیئے گئے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ دیگر طبقوں کے علاوہ ہمارے ملک کی بعض مشہور زنانہ

درسگاہوں میں آزاد خیال طالبات تک ہیروئن کا نشہ کرنے لگی ہیں۔"

"اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جمی لائیڈ ہمارا بدترین دشمن تھا۔ وہ پاکستان میں بننے والی ہیروئن کو یہیں فروغ دے کر اپنے ملک کو ہیروئن کی وبا سے بچا رہا تھا۔ راس المیڈا اس کی ضد تھا۔ وہ یہاں کی ساری ہیروئن سمیٹ کر مہنگی منڈیوں میں بیچنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔"

"اس کا مشن اسی قدر ہوتا تو شاید ہم سب اسے نظرانداز کر دیتے بلکہ پس منظر میں رہ کر حتی الامکان اس کی مدد بھی کرتے لیکن آرک بتا چکا ہے کہ ڈیوڈ اسٹارز ہیروئن سے ہونے والی اندھی آمدنی کو ہمارے خلاف دوسرے اور زیادہ تباہ کن محاذوں پر استعمال کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے' ٹھیک ہی ہو رہا ہے۔ باہر سے کوئی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ جو آئے گا' اپنے خفیہ عزائم کے ساتھ آئے گا۔ ہمیں اپنا گند خود ہی صاف کرنا ہوگا۔"

"دکھ اسی بات کا ہے کہ جو بات بہت آسانی سے میری اور تمہاری سمجھ میں آ جاتی ہے وہ ہمارے حکمرانوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہر آنے والا دوسری قوتوں کے کندھے پر سوار ہو کر اپنا قد بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور منہ کے بل نیچے گرنے سے پہلے اس خمار سے باہر نہیں آتا۔"

"تمہارا نام اب مقتدر حلقوں میں غیر معروف نہیں رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ماضی میں ہماری پُرامن ایٹمی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے خراب شہرت رکھنے والے چند افراد کو خفیہ مراعات دی گئیں اور انہوں نے اپنے تمام وعدے پورے کر کے اپنا ایک مقام بنا لیا۔ تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ تمہاری اثرانگیز باتیں توجہ سے سنی جائیں گی۔"

"مجھے معاف رکھو۔" میں نے ہنس کر ہاتھ جوڑ دیئے "سیاست میرا میدان نہیں ہے۔ میں بس دعا کر سکتا ہوں کہ جن لوگوں کا یہ کام اور پیشہ ہے وہ اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر اس کی نزاکتوں کو سمجھیں تاکہ راس المیڈا جیسے سازشی کتے راڈنی آرک کے روپ میں یہاں آ کر ہمارے سینوں پر مونگ نہ دل سکیں۔"

"راس المیڈا کا قصہ تمام ہوا۔ اب تو مجھے راجن اور وکرم کی فکر ہے۔"

"نادیہ سے ملاقات کے بعد کوئی نہ کوئی نئی راہ ملے گی۔ میں ابھی مایوس نہیں ہوں۔"

اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ساری توجہ پُرہجوم ٹریفک پر مرکوز کر دی۔

دراز قامت' خوف آور چہرے اور فربہی مائل جسم کے مالک ایس ایچ او نے پانچ سپاہیوں کی باوردی نفری کے ساتھ ایڑیاں بجا کر ہمارا استقبال کیا تو تھانے کی حدود میں سنسنی پھیل گئی۔

اول خان نے شاید فون پر ہی ایس ایچ او کو بتا دیا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ تھانے میں نہیں ٹھہرے گا۔ وہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر عمارت میں داخل ہوا۔ ڈیوٹی پر موجود عملہ اپنی اپنی جگہ پر مستعد بیٹھا ہوا تھا۔ ایس ایچ او ہمیں راہداری کے دوسرے سرے کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آہنی سلاخوں والے دروازے کے پیچھے دو قیدی لاک اپ میں بند تھے۔

لاک اپ کے برابر میں ایک بند کمرے کا دروازہ کھول کر اس نے ہمیں اندر جانے کی دعوت دی اور پھر خود واپس لوٹ گیا۔ وہ ایک دہشتناک اور پراسرار سا کمرا تھا جس کی سپاٹ دیواروں میں کھڑکی یا روشندان نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی عفونت زدہ سیلن رچی ہوئی تھی۔ چھت کے وسط میں لٹکا ہوا تیز روشنی والا بلب کام نہ کر رہا ہوتا تو اس کمرے میں اتنی تاریکی ہوتی کہ ہم دونوں شاید ایک دوسرے کی شکلیں بھی واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ فرش اور دیواروں کے نچلے حصوں پر گہرے داغ تھے جو خون کے اڑے ہوئے رنگ کی نشان دہی کر رہے تھے۔ اس منظر اور ماحول میں وہاں رکھی ہوئی دو آرام دہ کرسیاں نہایت غیر موزوں نظر آ رہی تھیں۔

"کیا اس افسر کو معلوم تھا کہ تم اپنے ساتھ کسی اور کو بھی لا رہے ہو؟" میں نے ان کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اول خان سے پوچھا۔

"دوسری کرسی نادیہ کے لئے ہے۔ کل رات میں نے خاص طور پر اس کے لئے کرسی منگوائی تھی۔"

میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "پھر تو سلطان شاہ کا سوال بے تکا نہیں تھا۔ تم نے عورت سمجھ کر اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور اس کے اندر کی طوائف زادی اسے تمہاری کمزوری سمجھ کر تم پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرنے لگی۔ ان لوگوں کو ذرا سامنے لگاؤ تو یہ منہ کو آنے لگتے ہیں۔"

جواب میں اول خان ہنس کر رہ گیا۔ وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

چند ہی لمحوں میں ایک سپاہی تیسری کرسی بھی لے آیا۔ اس نے ایڑیاں بجا کر ہم دونوں کو سلام کیا اور کرسی رکھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی تھانے دار نادیہ کے ساتھ آ پہنچا۔

نادیہ نے دروازے میں قدم رکھا تو اس کا رنگ پہلے ہی سے اڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ٹھٹک کر یوں اپنی جگہ پر رک گئی جیسے اسے اپنی نگاہوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ تھانے دار اس کے ساتھ تھا اس لئے اس کے چہرے کے تیزی سے بدلتے ہوئے تاثرات نہ دیکھ سکا اور اسے چوکھٹ سے اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

نادیہ پھر بھی آگے نہ بڑھی۔ وہ ایک ٹک مجھے گھورے جا رہی تھی۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور آنکھوں میں ہراس سمٹ آیا تھا کیونکہ میں اس کے ہاتھوں ساگا کے زخمی ہونے کا عینی شاہد تھا۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میری دشمنی ساگا کے ساتھ تھی۔ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اگر تم نے ساگا کے اجنبی مہمانوں کے بارے میں ہمارے ساتھ تعاون کیا تو میں بھول جاؤں گا کہ ساگا کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ دوسری صورت میں میرا بیان سنتے ہی پولیس تمہیں برابر والے لاک اپ میں ڈال دے گی۔"

"ہم۔۔۔ میں تمہارے ساتھی کو ہر بات بتا چکی ہوں۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ میری دھمکی سنتے ہی اس کے قدم حرکت میں آ گئے اور وہ اس مختصر سے کمرے میں رکھی ہوئی تیسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اب اس سے آگے بات ہو گی؟" اول خان نے لفافے میں سے کاغذی خاکے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو اور بتاؤ کہ کیا یہ تصویریں ان ہی دونوں کی ہیں؟"

نادیہ نے اول خان سے وہ خاکے لئے تو اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس نے دونوں خاکوں کو الگ الگ ہاتھوں میں تھام کر غور سے دیکھنا شروع کیا پھر سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں۔ ان تصویروں میں ان دونوں کی تھوڑی بہت شباہت ہے مگر یہ ان کی تصویریں نہیں ہیں۔"

میری اور اول خان کی نگاہیں چار ہوئیں۔ نادیہ کے جواب نے ہم دونوں کے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹا دیا تھا۔ اگر وہ دونوں خاکے مطلوبہ آدمیوں کے نہیں تھے تو انہیں ہوٹل کا عملہ مر کر بھی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ ہوٹل کی حد تک اول خان کی مہم کسی ناکامی سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

اس اطمینان کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح ایک خلش نے بھی سر ابھارا تھا۔ اگر غفور بھٹی نے سرسری طور پر ان خاکوں کو درست تسلیم کر لیا ہوتا تو خاکوں کی خامی کو اس کی یادداشت کا قصور قرار دے کر نظرانداز کیا جا سکتا تھا۔ اول خان خبر لایا تھا کہ اس نے گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مصوروں سے ان خاکوں میں متعدد تبدیلیاں کرائی تھیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ غفور بھٹی اتنے ارتکاز سے کام لینے کے باوجود ان خاکوں میں اصل مجرموں کی ایسی قریب ترین شباہت بھی نہیں لا سکا تھا جس کی بنا پر نادیہ پہلی نظر میں اپنے مہمانوں کو پہچان لیتی۔ میرے ذہن میں پہلی بار ایک شبے نے سر ابھارا کہ کہیں غفور بھٹی نے دیدہ ودانستہ ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو مگر میں اپنے ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود ایسا کوئی جواز تلاش نہیں کر سکا جو غفور بھٹی کو ایسی کسی کوشش کی طرف مائل کرتا۔

اس کے لئے راجن اور وکرم دو معمولی غیر ملکی گاہک تھے۔ انہیں بمبئی سے کراچی لانے کا معقول معاوضہ لیا گیا تھا۔ اس میں غفور بھٹی کا کمیشن بھی شامل رہا ہوگا۔ اس کے برعکس کمانڈر سعید ایک طاقت ور افسر تھا۔ غفور بھٹی واقف رہا ہوگا کہ سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر پیدا کرنا اس کے کاروبار کے لئے سود مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی اور کے ساتھ فریب کر سکتا تھا مگر کمانڈر سعید کو اتنا کھلا دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔

"تھوڑی بہت شباہت کہاں کہاں مل رہی ہے؟" اول خان نے نادیہ سے پوچھا تھا۔

نادیہ نے دوبارہ خاکوں پر نظریں جما دیں اور چند ثانیوں کے توقف کے بعد آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "ان کے چہرے ایسے کتابی سے نظر آتے تھے۔ ان کے سروں کے بال اور کان بھی ان تصویروں سے ملتے جلتے ہیں۔ وکرم کی پیشانی سے آگے کے بال اڑے ہوئے تھے۔۔۔ اور۔۔۔ اور بس۔ باقی سب مختلف ہے اور ہاں!" اس نے یوں چونک کر کہا جیسے اسے کوئی نئی بات یاد آ گئی ہو۔ "ان دونوں کے چہرے صفاچٹ تھے۔ یہاں راجن کے ہونٹوں پر ہلکی مونچھیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ آدمی کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ ان دونوں کے خاکے بنانے کی ابتدائی کوششیں ہیں۔" اول خان نے اپنی کرسی پر آگے جھک کر کہا۔ "اب تمہیں چند گھنٹوں کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم ہمارے مصوروں کو بتاؤ گی کہ ان خاکوں میں کہاں کہاں تبدیلیاں کرنی ہیں۔"

"میرے ساتھ کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گی؟" اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔ اس وقت اس کی دلکش آنکھیں خوف اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔

میرا دل چاہا کہ اس سے صاف صاف کہہ دوں کہ گڑبڑ صرف عزت دار خواتین محسوس کرتی ہیں جب کہ وہ موروثی طور پر گڑبڑ کے ذریعے روزی کمانے والے ایک خاندان سے وابستہ ہے مگر میں خاموش ہی بیٹھا رہا۔ اس وقت ہمیں اپنے مجرموں کی نشان دہی کے لئے اس کی بھرپور مدد کی ضرورت تھی۔

"تم اطمینان رکھو۔" اول خان نے اس سے کہا۔ "ڈپی تمہیں اصل بات بتا چکا ہے۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد تم اپنے گھر لوٹ آؤ گی۔ ہو سکتا ہے کہ ساگا کے قصے میں بھی تمہارا پیچھا چھوڑ دیا جائے۔"

"میں نے جان بوجھ کر ساگا کو نہیں مارا۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ گولی میں نے ڈپی کو روکنے کے لئے چلائی تھی مگر میری بدقسمتی سے ساگا اس کی زد میں آ گیا' میں۔۔۔"

"اس بارے میں وضاحتیں کر کے تم اپنی پوزیشن خراب کر لو گی۔" اول خان نے اسے تنبیہہ کی "ہمیں سب معلوم ہے۔ تمہارا نشانہ خطا نہ ہوتا تو وہ گولی ڈپی کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ قتل کے ارادے سے چلائی ہوئی گولی قاتلانہ حملے کے برابر ہوتی ہے۔"

"میرا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔" اس نے رو دینے والی آواز میں کہا۔ "ساگا کی مرضی کے مطابق میں ڈپی کو روکنا چاہ رہی تھی۔ مجھ جیسی لڑکی کسی کو کیسے قتل کر سکتی ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ بحث مت کرو۔ ساگا کا قتل اب ایک

ڈراؤنی حقیقت کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ جتنی بحث کرو گی، الجھتی چلی جاؤ گی۔ تمہارے اطمینان کے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے کہ ڈپٹی اس واقعے کو اپنی یادداشت سے کھرچ دینے پر آمادہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کہتی ہو۔"

"میں چلنے کے لئے تیار ہوں مگر مجھے اپنی ماں کو سمجھانا ہوگا۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی ماں سے یا کسی اور سے بھی ذکر نہیں کرو گی کہ تمہیں کہاں لے جایا گیا تھا۔ میں کل رات بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ دونوں مہمانوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی خبر پھیلی تو تمہارے ستارے گردش میں آجائیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے کل بھی ماں کو یہی بتایا تھا کہ مجھ سے ساگا کے بارے میں پوچھ گچھ ہوئی تھی۔" اس نے جلدی سے کہا "اس وقت بھی میں اسے یہی بتاؤں گی۔ تم اسے کچھ بتانے کا موقع دیے بغیر مجھے لے گئے تو وہ بازار میں کہرام مچا دے گی۔ وہ تھانے میں ہی ہے۔ میں اس سے بات کرکے آجاؤں گی۔"

اول خان نے اٹھ کر خاموشی سے دروازہ کھولا تو باہر تھانے دار چند سپاہیوں کے ساتھ مستعدی سے موجود تھا۔

"انور صاحب! نادیہ کو ذرا ہی دیر کے لئے اس کی ماں سے ملوا دو۔ اس وقت تک میں ایک فون کروں گا۔" اول خان نے اس سے کہا۔ "یہ کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ جائے گی۔"

اسی لمحے دیوار کی اوٹ سے کرخت چہرے اور سلونے خدوخال والی ایک ادھیڑ عمر لیڈی کانسٹیبل نکل آئی۔ اس نے کمرے میں آکر نادیہ کا بازو پکڑا اور تھانے دار کے اشارے پر اسے باہر لے چلی۔ اس کے پیچھے اول خان، انور کے ساتھ ہولیا۔ میں دونوں خاکے لفافے میں ڈال چکا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ چل دیا۔

لیڈی کانسٹیبل نادیہ کو لے کر راستے میں ہی ایک کمرے میں گھس گئی جہاں شاید زمرد بائی اپنی بیٹی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ تھانے دار ہمیں لے کر سیدھا اپنے دفتر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دفتر میں اول خان کو متذبذب پاکر تھانے دار فوراً ہی موقع کی نزاکت بھانپ گیا اور اپنی نشست پر جانے کے بجائے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "سر، آپ فون کرلیں۔ میں ذرا لڑکی کو دیکھ کر آتا ہوں۔ اس کی ماں بڑی ڈرامے باز عورت ہے۔ کہیں وہ کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کردے۔"

تخلیہ ہوتے ہی اول خان نے فون پر ایک نمبر ملانا شروع کر دیا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ تبدیل شدہ صورتِ حال پر کمانڈر سعید سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔

اول خان نے نادیہ کو سختی سے اپنی زبان بند رکھنے کی ہدایت دی تھی مگر اس بازاری لڑکی پر زیادہ اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ راجن اور وکرم کے قلمی خاکوں کی تصدیق کے لئے اسے اعتماد میں لینا ناگزیر تھا۔ اس سے آگے وہ بھروسے کے قابل نہیں تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اول خان اس کے ساتھ نیول انٹیلی جنس کے دفاتر کا رخ نہ کرے تاکہ اس اہم قومی ادارے سے ہمارے روابط صیغۂ راز میں رہ سکیں۔

اول خان چند منٹ تک دھیمی آواز میں کمانڈر سعید سے فون پر بات کرتا رہا۔ کمرے میں چھت سے لٹکے ہوئے سرکاری پنکھے کی گھوں گھوں کی وجہ سے اس کے پورے فقرے میرے پلے نہیں پڑ سکے۔ ریسیور رکھ کر اس نے بتایا کہ کمانڈر سعید نے اسے نادیہ کے ساتھ اسٹیٹ بینک کی پانچویں منزل پر بلایا تھا جہاں ایک علیحدہ کمرے میں اس کے مصور نادیہ کی مدد سے قلمی خاکوں میں ردوبدل کرلیتے۔

انور نامی ایس ایچ او کافی ذہین اور فرض شناس افسر تھا۔ اس نے اول خان کی ضرورت کے تحت اسے تخلیہ فراہم کردیا تھا لیکن اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ہم دونوں مختصری رسمی گفتگو کے بعد کرسیوں سے اٹھے تو وہ فوراً ہی اندر آگیا۔ اس کے چہرے سے ہلکی سی تشویش جھلک رہی تھی۔

"کام ہوجانے کے بعد آپ لڑکی کو گھر کے بجائے یہیں بھجوا دیں۔" اس نے مؤدب ہوکر اول خان سے کہا۔ "میں یہاں سے ماں بیٹی کو ان کے گھر روانہ کردوں گا۔"

"تو کیا نادیہ کی واپسی تک ڈیرے دارنی تھانے میں ہی رکی رہے گی؟" میں نے پوچھا۔

"جی۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ اپنی بیٹی کے پیچھے پیچھے جانے پر مصر تھی۔ اسے ذرا دھمکا کر بہت مشکل سے روکا گیا ہے۔ آپ اطمینان سے اپنا کام کرلیں۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"بہت خبیث عورت ہے۔" اول خان نے قدرے برہمی سے کہا۔ "اس کی بیٹی میں کون سے لعل جڑے ہوئے ہیں جنہیں کوئی چرا لے گا۔ تھانے میں بیٹھ کر کوئی جی دار عورت ہی ایسی اکڑ فوں دکھا سکتی ہے۔"

"وہ بہت پرانی پاپی ہے۔ کہتی ہے کہ بیٹی کو پولیس والوں کے پاس چھوڑ کر اکیلی واپس گئی تو بازار میں باتیں بنیں گی اور اس کی عزت کرکری ہوجائے گی۔" انور نے سر جھکا کر کہا۔

"خوب! اس کا مطلب ہے کہ ایسی عورتوں کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔"

"وہ یہی کہتی ہے۔ یہ سب اس کا ڈھونگ ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔"

ہم تینوں باہر آئے تو نادیہ ایک لیڈی کانسٹیبل اور کئی سپاہیوں کی معیت میں راہداری میں ہماری منتظر تھی۔ اس کے دلکش چہرے پر خوف اور تشویش کے سائے بہت گہرے ہوچکے تھے۔

انور نے اپنے آدمیوں کے ساتھ گاڑی تک آکر ہمیں رخصت کیا۔ نادیہ ایک خطرناک بازاری لڑکی تھی۔ وہ ساگا کی چھت کے نیچے پستول یا ریوالور سے فائر کرکے غیر ارادی طور پر اسے زخمی کرچکی تھی۔ حفاظتی نکتۂ نظر سے اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اول خان کے برابر والی پسنجر سیٹ پر جگہ دے دی اور خود دروازہ کھول کر عقبی نشست پر براجمان ہوگیا۔

نادیہ نے خوف اور دباؤ کے تحت ہمارے ساتھ چلنے کا فیصلہ ضرور کرلیا تھا مگر اس کے ذہن میں اپنی سلامتی کے بارے میں شکوک و شبہات کا لاوا پک رہا تھا جس کا اظہار وقفے وقفے سے کئے جانے والے مختصر اور منتشر منتشر سے سوالات سے ہو رہا تھا۔ ہم دونوں اپنی واضح حکمتِ عملی کے تحت اسے دلاسے دیتے رہے اور یوں جب ہم مختصر مسافت طے کرکے اسٹیٹ بینک پہنچے تو نادیہ کا اعتماد بڑی حد تک بحال ہوچکا تھا۔

پانچویں منزل پر اسٹیٹ بینک کے اہم اور اعلیٰ افسران کے دفاتر واقع تھے جس کی وجہ سے وہاں کے ماحول میں بوجھل پن اور پراسراریت کے اثرات نمایاں تھے۔ ہم تینوں کانفرنس روم کے دروازے پر پہنچے تو ایک شخص نے ہمیں عزت و احترام سے اس وسیع کمرے میں پڑی ہوئی لمبی سی میز کے گرد بٹھا دیا۔ اسے اس کے افسر کی طرف سے ہماری پیشوائی کی ہدایت مل چکی تھی مگر کمانڈر سعید اور اس کے مصور اس وقت تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔

اس خنک اور باوقار کمرے میں پہنچ کر نادیہ بہت مرعوب نظر آ رہی تھی۔ چائے پینے کے دوران اس نے مجھ سے پوچھا۔ "ساگا تم کو بہت برے ناموں سے یاد کر رہا تھا۔ میں سمجھی تھی کہ تم بھی اسی جیسے لوگوں میں سے ہوگے لیکن اب پتا چل رہا ہے کہ تم سی آئی ڈی کے کوئی افسر ہو۔ کیا میرا یہ اندازہ درست ہے؟"

"اپنی تسلی کے لئے تم جو چاہو، سمجھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ میں ساگا کی طرح کوئی مجرم نہیں بلکہ مجرموں کا دشمن ہوں۔ ساگا سے میری دشمنی کا یہی سبب تھا۔"

"پولیس والے تم سے اتنا ڈرتے ہیں تو تم نے ساگا کے گھر میں اکیلے داخل ہونے کا خطرہ کیوں مول لیا تھا؟ میری طرح اسے بھی تم تھانے میں بلوا سکتے تھے۔ تم نے ایسا کیا ہوتا تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"یہ باریکیاں تمہاری ننھی سی عقل میں نہیں آسکتیں۔ بڑے مجرموں کو بھنک بھی مل جائے کہ کوئی سرکاری ایجنسی ان کی ذات میں دلچسپی لے رہی ہے تو وہ ان کا سامنا کرنے کے بجائے فوراً زیرِ زمین چلے جاتے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں کمانڈر سعید اپنے دونوں مصوروں کے ساتھ وہاں آپہنچا۔ مجھ سے تعارف ہوتے ہی وہ والہانہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بغل گیر ہوگیا۔ اول خان نے نادیہ کی وجہ سے اس کے تعارف سے اس کا عہدہ حذف کردیا تھا۔ اسی احتیاط کی بنا پر ہمارے درمیان زیادہ بات نہیں ہوئی۔ وجیہہ اور دراز قامت کمانڈر سعید نے میرا ہاتھ گرمجوشی سے تھاما ہوا تھا۔ اس نے مختصر بریفنگ کے ساتھ نادیہ کو اپنے مصوروں کے حوالے کیا اور ہمیں ساتھ لے کر کانفرنس روم سے باہر نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے میری تعریفوں کے ایسے پل باندھ دیے کہ مجھے ندامت ہونے لگی۔

اس بار وہ ہمیں اسی فلور پر ایک ڈائریکٹر کے مکلف اور آراستہ دفتر میں لے گیا۔ اس ڈائریکٹر سے اپنے گہرے مراسم کی بنا پر ہی اس نے اسٹیٹ بینک کی عمارت کو اپنی ایک سرکاری ضرورت کے لئے استعمال کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ وہاں بیٹھتے ہی کمانڈر سعید نے ہم دونوں کو اپنے دوست سے متعارف کرایا اور پھر تحیر زدہ انداز میں یوں گفتگو چھیڑ دی جیسے میں ماضی میں محیرالعقول کارنامے انجام دیتا رہا ہوں۔

وہ بحری فوج کے ایک ایسے شعبے میں ذمے دار افسر تھا جو گرد و پیش میں رونما ہونے والی ہر تبدیلی پر نگاہ رکھنے کا فرض انجام دیتا ہے۔ اپنی ان پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی بنا پر وہ اندر کی ایسی باتوں سے بھی باخبر تھا جو کبھی بھی منظرِ عام پر نہیں آسکی تھیں اور انہیں پوری رازداری سے دبا دیا گیا تھا۔

راس المیڈا کے عبرتناک انجام پر اسے بے حد خوشی تھی۔ اس کی رائے تھی کہ راس المیڈا نے جس مکاری سے اپنی ذات کو راڈنی آرک کے سفارتی روپ میں چھپا رکھا تھا اس کے پیشِ نظر اس کے خلاف کوئی مؤثر باضابطہ کارروائی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کی کہانی کا بہترین انجام وہی ہوسکتا تھا جو ہوا تھا۔ وہ ایک ذمے دار فوجی افسر تھا اور اس وقت تخلیے کے بجائے اپنے ایک دوست کے دفتر میں موجود تھا اس وجہ سے اس نے ایک امریکن بحری جہاز کے عرشے سے پرواز کرکے آنے والے ہیلی کاپٹر کی تباہی پر کوئی غیر محتاط تبصرہ نہیں کیا۔ وہ ایک حساس بین الاقوامی معاملہ تھا جس پر سرکاری مؤقف سے ہٹ کر ایک لفظ بھی بولنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

بینک افسر نے ظاہری طور پر ہماری گفتگو کے بارے میں کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کے مطالعے میں منہمک ہوچکا تھا۔ ویسے بھی یہ ظاہر تھا کہ وہ بھروسے کے قابل نہ ہوتا تو کمانڈر سعید اس اہم ملاقات کے لئے اس کا دفتر ہرگز استعمال نہ کرتا۔

ہمیں وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اردلی نے اندر آکر اطلاع دی کہ کمانڈر سعید کے آدمی اس سے ملنا چاہ رہے تھے۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ شاید کانفرنس روم میں کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا۔

اردلی نے وہ پیغام اپنے افسر سے مخاطب ہوکر دیا تھا۔ اس نے استفسار طلب نظروں سے اول خان کی طرف دیکھا تو اس نے اردلی سے کہا۔ "ان میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔ دوسرا وہیں لڑکی کے پاس رکا رہے۔"

فوجیوں کی ہلاکت کے بارے میں بہت حساس ہوگئے ہیں۔ وہ یہ بات گوارا کر لیتے ہیں کہ امریکا کے وسیع تر مفاد میں ان کے ادا کئے ہوئے ٹیکسوں کی بھاری رقوم سمندر پار فوجی تنصیبات اور تجاوزات پر خرچ کی جاتی رہیں لیکن دوسروں کی سلامتی کے لیے وہاں کے فوجیوں کو قربانی کا بکرا بنانے کا تصور دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اب تک وہاں کے اخبارات نے اس پورے واقعے کے بخیے ادھیڑ ڈالے ہوں گے کیوں کہ یہودیوں کے زیرِ اثر ہونے کے باوجود وہاں کا پریس بہت آزاد ہے۔“

”ہٹلر نے شاید بہت سوچ سمجھ کر یہودیوں کو اپنا نشانہ بنایا تھا۔“ سلطان شاہ پُرخیال لہجے میں بولا ”اس نے مار مار کر ان پر زمین تنگ کر دی تھی اور آج ہر سازش کے پیچھے یہودی ذہن یا سرمایہ کام کر رہا ہے۔“

”ہٹلر کے مظالم کے بعد ہی دنیا بھر میں ان کے لیے ہمدردی کی لہر ابھری تھی۔“ ویرا نے کہا ”اس سے پہلے یہ اتنے متحد بھی نہیں تھے۔ بعد میں یہ مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر پوری دنیا میں پھیل گئے۔ ہر سفید فام قوم نے ان کی حمایت کی اور انہیں اپنی زمین پر پناہ دی۔ آج یہ رفتہ رفتہ ہر شعبے پر غالب آ چکے ہیں۔“

”ہم عام یہودیوں کو قابلِ نفرت نہیں سمجھتے۔“ میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا ”ہم ان یہودیوں کے دشمن ہیں جو دہشت گرد اور نسل پرست ہیں.....“

”یہ تقریر رہنے دو۔“ ویرا نے میری بات کاٹ کر مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا ”یہ منافقانہ تقریریں ہیں جو بڑے اجتماعات میں کی جاتی ہیں۔ راس المیڈا کون تھا؟ اسے وسائل کون فراہم کر رہا تھا؟ اسے یہودی ووٹوں پر مکمل کنٹرول کیوں حاصل تھا؟ اس کی اصل طاقت امریکا میں آباد بے ضرر اور عام یہودی ہی تھے۔ وہ ان کا لیڈر تھا اس لیے ہر ایک کی نظروں میں تھا۔ عام یہودی ڈیوڈ اسٹارز اور راس المیڈا کی حمایت نہ کر رہے ہوتے تو راس المیڈا شی پر قبضہ کرنے کے لیے امریکا کے صدر کو بلیک میل کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ راس المیڈا شی کی گرانٹ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ صدر کو اگلی مدت کے لیے یہودی ووٹوں کی ضرورت تھی۔ سمجھوتا ہو گیا اور میرا باپ ایک نادیدہ قاتل کی بے آواز گولی کا نشانہ بن گیا۔ ہر یہودی اس گھناؤنے کھیل میں دامے، درمے اور سخنے شریک ہے۔ سلطان شاہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہٹلر نے اہلِ زمین کو مستقبل کی بھیانک سازشوں سے بچانے کی مخلصانہ کوشش کی تھی مگر مغرب نے اسے ناکام بنا دیا۔ یہی نہیں، اس کی اتنے منظم پیمانے پر کردار کشی کی گئی کہ جو لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔“

”آج تم باقاعدہ تقریروں کے موڈ میں نظر آ رہی ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ”تمہارے ان نظریات سے تمہارے کتنے ہم وطن اتفاق کر سکیں گے؟“

”بے شمار غیر یہودی اب ان حقائق کو سمجھنے لگے ہیں اور یہودیوں سے خوف زدہ رہتے ہیں۔“

”مگر عالمی ذرائع ابلاغ میں دور دور تک ایسے لوگوں کی کوئی نمائندگی نظر نہیں آتی۔“

”کیسے آئے گی؟“ اس نے برجستہ کہا ”گوئبلز مر گیا مگر اس کا سکھایا ہوا سبق یہودیوں نے سختی سے اپنا لیا۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں وہی قوم فاتح اور سرخرو ہے جو پروپیگنڈے میں سب سے آگے ہے۔ آج اخبار اور ٹی وی سمیت وہ ابلاغ کے ہر ذریعے پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مخالفانہ رجحانات کی تشہیر کیوں کریں گے۔“

”ڈیوڈ اسٹارز نے اس جنگ کو ہمارے ملک میں بھی دھکیل دیا ہے۔“ میں نے افسردگی سے کہا ”کل یوم السبت ہے۔ دیکھنا ہو گا کہ آئزک بیل کی دھمکی کیا رنگ دکھاتی ہے۔“

”ابتدا میں سب بوکھلائے ہوئے تھے۔“ اول خان نے کہا۔ ”وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حفاظتی انتظامات مربوط ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ وہ ناکام رہیں گے۔“

”عام زندگی میں یہ سب بہت مہذب اور شائستہ نظر آتے ہیں۔ امن اور رواداری کے لیے ان کی کوششیں بظاہر قابلِ تعریف نظر آتی ہیں۔ یہ ان کی زندگی کا وہ رخ ہے جسے دن رات اچھالا جاتا ہے لیکن ان کی اصل قوت ان کی خفیہ تنظیموں میں ہے۔ میری معلومات کے مطابق ان میں ڈیوڈ اسٹارز سب سے طاقت ور ہے اور راس المیڈا اس کا بہترین دماغ تھا۔ اسے مار کر ہم نے ڈیوڈ اسٹارز کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ تنظیم ٹوٹ گئی تو سمجھو کہ بہت سے عالمی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔“

میری بات ختم ہوتے ہی ویرا نے اپنی بات شروع کر دی۔

”جمی لائیڈ کے قتل ہونے تک تم نے کبھی ڈیوڈ اسٹارز کا ذکر نہیں کیا تھا۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔

”اس وقت میرا باپ امریکا کے صدر کی ناک کا بال ہوا کرتا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ راس المیڈا کبھی اس سے دشمنی مول لینے کی ہمت کر سکے گا۔“

”لیکن تمہارا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اپنے باپ کے مرتے ہی تمہیں ڈیوڈ اسٹارز کے سارے عیب یک بہ یک نظر آنے لگے۔ اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا تھا۔“

”سازش اس وقت سامنے آئی جب میرے باپ کی جگہ جم کلارک کو آگے لایا گیا۔ یہ راس المیڈا کی بزدلی تھی کہ اس نے خود سامنے آنے کے بجائے اپنے ایک قابلِ اعتماد مہرے کو آگے بڑھایا۔ جم کلارک کے مرنے کے بعد اسے مجبور ہو کر خود سامنے آنا پڑا اور میرا بعد کا اندازہ درست ثابت ہو گیا۔ تمہارا یہ الزام میں تسلیم کرتی ہوں کہ اپنے باپ کی زندگی میں مجھے راس المیڈا کی اصل قوت کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔“

”بس بس، میں صرف یہی بات کہہ رہا تھا۔ اب ہمیں باتوں

میں وقت برباد کرنے کے بجائے کام کرنا چاہیے تاکہ اس فتنے کا سر کچلا جاسکے۔ جم کلارک اور راس المیڈا کے بعد کسی طرح آئزک بیل کو بھی جلد از جلد جہنم واصل کردیا جائے تو ان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

"اس وقت کام صرف تمہارے ذمے ہے۔ ہم سب تماشائی بنے ہوئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کے بولی۔

"وہ ایک الگ معاملہ ہے۔ وکرم اور راجن تو ابھی تک خود اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔"

"ہمارا معاملہ ان سے مختلف نہیں ہے۔ راس المیڈا کے مرتے ہی مطلع بالکل صاف ہوگیا ہے۔"

"مگر آئزک بیل کی دھمکی۔" اول خان بولا "وہ یقیناً کسی بل بوتے پر بول رہا ہے۔"

"کل تک یہ معاملہ بھی صاف ہوجائے گا پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" میں یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

میں نے کچن میں جھانکا تو چولھا روشن تھا۔ اس پر پریشر ککر چڑھا ہوا تھا مگر غزالہ وہاں نہیں تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ مسہری پر نیم دراز ایک رسالے کے مطالعے میں مصروف تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اس کمرے کا دھیان آگیا۔" غزالہ نے مسکرا کر رسالہ ایک طرف ڈالا اور بستر پر سمٹ کر نیم دراز سی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور شوخی رقصاں تھی۔

"دھواں دھار مذاکرے بھگت کر آرہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر جھکتے ہوئے کہا اور وہ بوکھلا کر مسہری کے دوسرے کنارے کی طرف لڑھکتی چلی گئی۔

"آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں۔" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے شریر لہجے میں کہا "دروازہ بند ضرور ہے مگر بولٹ نہیں ہے۔ کوئی اندر آگیا تو کیا سوچے گا۔"

"ہم دونوں کے اندر ہوتے ہوئے کون آئے گا؟ یہاں کوئی بھی اتنا ناسمجھ نہیں ہے۔"

"ناسمجھی کی بات اور ہوتی ہے مگر ویرا سے میں ہر بات کی توقع کرسکتی ہوں۔"

"کبھی کبھی تم اس کی طرف سے بہت زیادہ بدگمان ہونے لگتی ہو۔ یہ بری بات ہے۔"

"ہوا کرے۔ میں آپ کو اپنے دل کی بات بتا رہی ہوں۔ میاں بیوی ہی ایک دوسرے کی بری بھلی باتوں کے امین ہوتے ہیں۔ میں کوشش کے باوجود ان وسوسوں کو اپنے ذہن سے نہیں کھرچ سکی۔"

"اور اس بارے میں سلطان شاہ تمہارا ہم خیال ہے۔" میں نے ٹٹولنے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا "وہ بھی ویرا سے زیادہ خوش نہیں ہے۔"

"ظاہر یہی کرتا ہے مگر وہ اس کا......" غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ کسی نے ہماری خواب گاہ کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی۔ غزالہ ہڑبڑا کر مسہری سے قالین پر اتر گئی۔

"کم اِن!" میں نے ناگواری سے اونچی اور خشک آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور جھری میں سے ویرا کا مسکراتا ہوا چہرہ جھانکنے لگا۔ میرے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی اس کی نظریں غزالہ پر مرکوز ہوگئیں "ککر میں پانی یا مسالے ڈالنے کی ضرورت تو نہیں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں سب کام پورا کرکے آئی تھی۔ وِسل ہونے کا انتظار تھا۔" غزالہ نے جواب دیا۔

"سوری!" ویرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی "اس مداخلتِ بے جا کی معذرت۔" اس کا چہرہ غائب ہوگیا۔ وہاں سے ہٹنے سے پہلے اس نے دروازہ دوبارہ بند کردیا تھا۔

"دیکھ لیا!" غزالہ نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میری چھٹی حس کی تائید کے لیے وہ آخر کار آہی گئی۔ اب آپ میری بدگمانیوں کے بارے میں کیا کہیں گے؟"

"ساری دنیا میں آزادی سے گھومنے پھرنے والی لڑکی یہاں قید ہوکر رہ گئی ہے۔ یہ اس کی چھیڑ چھاڑ ہے۔ اپنا دل بہلانے کے لیے وہ کہاں جائے؟ اس کی ایسی حرکتوں کو نظرانداز کردیا کرو۔"

"ہمیشہ ہی نظرانداز کرتی رہتی ہوں۔ ایسا نہ کرتی تو گزارہ کیسے ہوتا۔" غزالہ کی شگفتہ مسکراہٹ بدستور برقرار تھی "مگر یہ تو بتائیں کہ وہ کس سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے۔"

"تمہارے سوا اور کس سے ایسا مذاق کرسکتی ہے؟" میں نے سٹپٹا کر کہا۔

غزالہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ہنس پڑی اور بولی "اب آپ مذاق کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ ساری چھیڑ چھاڑ آپ کے ساتھ کرتی ہے اور آپ اس سے کتراتے رہتے ہیں۔"

"چلو یوں ہی سہی۔" میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کرنے کے لیے کہا "تم نے یہ تو مان لیا کہ میں اس کی کسی قسم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ وہ اپنا شوق پورا کرکے چلی گئی ہے۔ اب دروازہ بولٹ کرکے تھوڑی دیر کے لیے میرے قریب بیٹھ جاؤ۔ کھانا کھا کر میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"اب آپ کی راتیں ان خبیثوں کے ساتھ گزریں گی؟" اس نے اُداس ہوکر پوچھا۔

"چند روز کی مجبوری ہے۔ کوشش کروں گا کہ ڈینی کی تلاش کا بہانہ کرکے ایک آدھ رات یہاں بسر کرلوں۔ اب میں خود بھی تمہارا بہت زیادہ عادی ہوگیا ہوں۔ دوسری جگہ مشکل سے نیند آتی ہے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر دبی دبی اور شرمیلی آواز میں ہنس پڑی "میں کیا فلم یا ہیروئن ہوں جو آپ میرے عادی ہوگئے ہیں؟"

"خطرناک قسم کی ہیروئن۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "فلم سے بننے والی نہیں بلکہ دل پر راج کرنے والی اور زندہ ہیروئن۔ آجاؤ ورنہ میں دوبارہ باہر ان لوگوں میں جا بیٹھوں گا۔"

وہ میرے صبر کا امتحان لینے کے لیے بہت دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی "آپ کو ویرا کی فکر ہے کہ وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کہاں جائے گی مگر میرے لیے آپ نے......"

"اپنا اور اس کا موازنہ مت کیا کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم دونوں کے خمیر اور ماضی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسے تمہاری طرح رکھا جائے تو وہ گھٹ کر مرجائے گی۔"

"تو آپ اسی لیے اسے غفور بھٹی والی مہم پر اپنے ساتھ سمندر میں لے گئے تھے؟" اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر بولٹ لگاتے ہوئے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

ندامت کی ایک لہر نے میرے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں نے اس سے نگاہیں چار کیے بغیر کمزور آواز میں کہا "بلیک سی پر وہ میرے ساتھ اکیلی نہیں تھی۔ وہاں......"

"ہاں، مجھے معلوم ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر ایک ادا سے بولی "وہاں غفور بھٹی بھی تھا جسے کھلے سمندر میں ہی ڈبو دیا گیا۔ آپ یہ کیوں بتا رہے ہیں؟"

"وہی نہیں، واپسی کے سفر میں بوٹ پر تین ملاح بھی تھے۔" میرے من کا چور مجھے وضاحتوں پر مجبور کررہا تھا۔

غزالہ نے قریب آکر محبت سے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور معصومانہ سادگی سے کہنے لگی "پتا نہیں آپ میرے سیدھے سادے سوالوں پر کیوں پریشان ہوجاتے ہیں...... آپ میری زندگی ہیں۔ میں آپ کو اپنی وجہ سے ایک لمحے کے لیے بھی فکرمند یا پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

اس وقت وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میں اس کی سیاہ اور روشن آنکھوں کی تاب نہ لاسکا اور آنکھیں موند کر والہانہ انداز میں اسے اپنے قریب بٹھالیا۔

○☆○

گھر پر غزالہ کی رفاقت میں گزارے ہوئے وقت کی خوشگوار یادوں میں ڈوب کر میں اپنی خوش نصیبی پر رشک کرتا ہوا نادرہ کے گھر پہنچا تو را کے دونوں ایجنٹ لابی میں بیٹھے بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ ان کے بشروں پر تشویش اور فکرمندی کے سائے لرزاں تھے جو مجھ سے سامنا ہوتے ہی تیزی سے معدوم ہوگئے۔

راجن اور وکرم کے لیے میں ڈینی نہیں علی شیر تھا اور میرا وہی گھر تھا جہاں وہ دونوں بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔ ان سے فلیٹ کا ذکر کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔

میں نے تھکے ہوئے انداز میں ایک خالی کرسی میں گر کر اپنی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ کی ایک فرضی کہانی چھیڑ دی جو ان دونوں کے لیے بہت دلچسپ اور سنسنی خیز ہوسکتی تھی۔

میں نے انہیں بتایا کہ میں نے شہر کے تین ٹھکانوں پر ایسے آدمیوں کی خدمات حاصل کرلی تھیں جو خود ڈینی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے لیکن رقم کے لالچ میں اس کی صورت دیکھتے ہی مجھے فون پر مطلع کرنے پر رضامند ہوگئے تھے۔ اپنی طویل غیر حاضری کا مزید جواز پیدا کرنے کے لیے میں نے ایک ایسی عورت کی کہانی بھی تراش لی جو دس روز پہلے ڈینی کے ساتھ دیکھی جاتی رہی تھی۔ میں نے اس کی تلاش میں کافی خاک چھانی لیکن اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس کی تلاش کی مہم میں نے اگلے روز کے لیے ملتوی کردی تھی۔

"ان تینوں آدمیوں کے مقابلے میں وہ اکیلی عورت زیادہ سود مند ثابت ہوسکتی ہے" میرے خاموش ہوجانے پر وکرم نے پُرسکون لہجے میں کہا "ڈینی بہت رنگین مزاج اور اوباش فطرت آدمی ہے۔ کوئی عورت ہی اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک سکے گی۔"

"اسے تلاش کرو" راجن نے اپنے ساتھی کی بات میں گرہ لگائی "وہ عورت دو چار دن میں بھی ہاتھ آجائے تو ہماری ساری محنت وصول ہوسکتی ہے۔ ڈینی ایک آسیب بن کر ہمارے اعصاب پر سوار ہوچکا ہے۔"

"میں اس عورت کو اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اسے لالچ ہی دیا جاسکتا ہے کہ اس نے ڈینی تک پہنچنے میں میری مدد کی تو اسے ایک خطیر رقم دی جاسکتی ہے۔ وہ فلموں میں اداکاری کے شوق میں اپنے گھربار کو خیرباد کہہ کر اب نیم بازاری عورت بن چکی ہے۔ رقم کا لالچ اسے اندھا کرسکتا ہے۔"

"ہاتھ آنے سے میرا بھی یہی مطلب تھا کہ ملاقات ہوجائے۔" راجن نے جلدی سے وضاحت کی "اسے اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں آگئی تو اودھم مچا کر ہمیں بھی یہاں سے بھاگنے پر مجبور کردے گی۔"

"گروجی!" میں نے راجن کی طرف متوجہ ہوکر مزاحیہ انداز میں کہا "یہ اچھا ہی ہے کہ تم کم بولتے ہو کیونکہ جب بولتے ہو کوئی گڑبڑ کردیتے ہو۔ کبھی ہندی بولنے لگتے ہو تو کہیں ایسی بات کہہ جاتے ہو جس کے دو معنی نکلتے ہوں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔"

"ایسی فضول باتیں مجھے پسند نہیں ہیں" اس نے برا سا منہ بنا کر مجھے جھاڑ دیا "کام کے معاملے میں تمہیں ادب اور لحاظ کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ایسی گفتگو وکرم کو بھی اچھی نہیں لگتی۔"

"نہیں راجن!" وکرم نے ہنس کر اس سے کہا "اب علی شیر ہمارا ملازم نہیں ہے۔ اس کی چھت کے نیچے پناہ لینے کے بعد ہم اس کے مہمان ہوچکے ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ برابری

کا دوستانہ رویّہ رکھنا ہوگا ورنہ ہم زیادہ دیر تک ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔"

"میں اپنی غلطی مانتا ہوں" میں نے فراخ دلی سے کہا "شاید ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی کہ ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جائے۔ مجھے محتاط رہنا چاہیے تھا۔"

راجن کے چہرے پر نرمی پھیل گئی اور وہ مسکرا کر بولا "غلطی کرنے والا اتنی آسانی سے اپنی خطا مان لے تو یہ اس کی بڑائی ہوتی ہے۔ میں بھی اپنی تلخ کلامی پر شرمندہ ہوں۔ اب ہم دوست ہیں۔"

ان مکالموں کے تبادلے میں مَیں نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ چند ثانیوں کے لیے وکرم کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ میرے الفاظ پر اس کے تیوروں میں برہمی کے ہلکے سے آثار نظر آئے تھے مگر اس نے زبان کھولی تو وہ محبت اور دوستی کے پھول برسا رہا تھا۔ شاید اس کے اس نرم رویّے نے فوری طور پر راجن کو بھی حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

وہی کچھ محسوس کر کے میں نے اس سے کہیں زیادہ خلیقانہ انداز اپنایا تھا ورنہ میں ان بدمعاش خونیوں کے سامنے اپنی کوئی غلطی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

مشکل یہ آن پڑی تھی کہ اس وقت جو دو حریف ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے وہ برابر کے عیار، مکار اور تجربے کار تھے۔ وہ میری بالادستی سے خائف تھے اور میں ان پر حاوی ہونے کی فکر میں تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ایک دوسرے کے بدترین حریف ہوتے ہوئے بھی ہمیں خود پر قابو رکھنا تھا کیونکہ دونوں کی اہم ترین ضرورتیں ایک دوسرے سے وابستہ تھیں۔

وہ کراچی بلکہ پاکستان میں اجنبی تھے۔ انہیں خوش آمدید کہنے والا بازارِ حسن کے دلّالوں کے کندھوں پر سوار ہو کر بے غسل و کفن مٹی کے نیچے جا سویا تھا۔ انہیں بلانے والا ان سے ملے بغیر ایک ایسی مشکوک جگہ پر مردہ پایا گیا تھا جہاں امریکا کے بیس، بحری کمانڈوز بھیانک موت سے دوچار ہوئے تھے۔ ساگا اور راس المیڈا کے جہنم واصل ہونے کے بعد انہیں ایسے کسی سہارے کی شدید ضرورت تھی جو کراچی میں انہیں سکون اور تحفظ کے ساتھ کسی چھت کا سایہ فراہم کر سکے۔ میں نے علی شیر کے روپ میں وہ ذمے داری خوش اسلوبی سے اپنے سر لے لی تھی۔ وہ میری ان خدمات سے بظاہر مطمئن تھے اس لیے دیگر معاملات میں میری کسی بھی بے اعتدالی کو برداشت یا نظر انداز کرنے پر مجبور تھے۔

اور یہی مسئلہ میرے ساتھ تھا۔ انہیں دل مراد اور بخشل کی تحویل سے نکال کر اپنے مضبوط چنگل میں لانے کے لیے مجھے علی شیر کا بہروپ بھرنا پڑا تھا لیکن یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ میں وہ نہیں تھا جو اس وقت بنا ہوا تھا۔ اپنے اصل روپ میں را کے ہر ایجنٹ سے میری کھلی دشمنی تھی۔ انہیں فوری طور پر موت کے گھاٹ اتارنا میری ایک جبلی ضرورت تھی۔ ان کے کھیل کو سمجھنے اور ان کے دوسرے حواریوں تک پہنچنے کے لیے مجھے ان کو زندہ رکھ کر کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا تھا اور وہ مناسب وقت اس وقت دور تھا۔ بہتر یہی تھا کہ وہ ڈیبی کا نرخرا دبوچنے کی آرزو میں مجھے علی شیر سمجھ کر ڈھیل دیتے رہیں اور میں ڈیبی ہوتے ہوئے بھی علی شیر بن کر انہیں اپنا آقا تسلیم کرتا رہوں۔

"دونوں طرف سے ایسی مفاہمت کا مظاہرہ ہو تو کدورتیں خود بھی صاف ہو جاتی ہیں۔" میں نے فراخدلانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال ہے کہ ہم دیر تک... ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چل سکیں گے۔"

"پردیسیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔" وکرم نے معنی خیز لہجے میں کہا "ہماری دوستی بس ڈیبی اور ویرا کی تلاش تک رہے گی۔ وہ ابھی مل جائیں تو کل ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔ اتنا ضرور ہوگا کہ زندگی کے سفر میں اگلی بار کہیں ہمارا آمنا سامنا ہوا تو ہم اجنبی نہیں ہوں گے۔"

میں ہنس پڑا اور بولا "میں تمہاری پہلی جھلک دیکھتے ہی چونک پڑا تھا۔ تم یہاں آئے تو قمیص پتلون میں ملبوس اور خالی ہاتھ تھے مگر اس وقت تم ٹی شرٹ اور نیکر میں ملبوس ہو۔ یہ ایک جیسے لباس تم نے کہاں سے حاصل کر لیے؟"

"یہ ہمارے زیر جامے ہیں۔ قمیص پتلون اتارتے ہی یہ حلیہ بن گیا۔" وکرم نے میری الجھن سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا "ہمارا بنیان وساور جاتا ہے تو ٹی شرٹ کہلاتا ہے۔ ان کا نیکر چست ہو کر ہمارے قبضے میں آتا ہے تو انڈر ویئر بن جاتا ہے۔ ڈینم کلاتھ کے یہ زیر جامے بہت نرم اور آرام دہ ہیں۔ دل مراد کے قلعے میں بھی ہم رات کو اسی لباس میں سوتے تھے۔"

"گھر میں تمہیں پوری آزادی ہے۔ جو چاہو پہنو یا سرے سے کچھ بھی نہ پہنو کیونکہ اس چار دیواری میں عورت کا گزر نہیں ہے بس اتنی احتیاط رکھنا کہ پڑوس کے کسی گھر کے مکین ان مختصر لباسوں میں سے جھانکتے ہوئے تمہارے کسرتی جسم نہ دیکھ سکیں ورنہ فساد برپا ہو جائے گا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خود بھی اپنے جسموں کی نمائش کا شوق نہیں ہے۔ بھارت میں بھی یہ سب یوں ہی ہوتا ہے۔ شکایت کرنے والی عورتوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ پرائے گھروں میں کیوں جھانکتی ہیں۔ ہر سُورما لٹھ لے کر ان شرفا پر چڑھ دوڑتا ہے جو اپنی چار دیواری میں لنگوٹی باندھ کر ہوا خوری کر رہے ہوں۔ ہم دونوں کو تمہارا شاندار گھر بہت پسند آیا ہے۔ ہم اپنی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اس سے محروم ہونا پسند نہیں کریں گے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ساری ذمے داری تم نے لی ہوئی ہے۔ راجن بس سنتا رہتا ہے۔ یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ کیا تم نے اس پر بولنے کی کوئی پابندی لگائی ہوئی ہے؟"

"یہ کڑوے مزاج کا آدمی ہے بولتا ہے۔ تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ ابھی تم دیکھ ہی چکے ہو کہ تمہارا مذاق اسے برا لگا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بہت جان ہے۔ یہ مضبوط سے مضبوط گلاس اپنی ہتھیلی میں بھینچ کر ریزہ ریزہ کر دیتا ہے یا پھر محض گردن دبا کر دشمن کی گردن کے منکے توڑ دیتا ہے۔"

"تو کیا تم صرف اسی خوبی کی وجہ سے اسے اپنے ساتھ لائے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"راجن میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ وقت آنے پر تم اس کے فن دیکھ کر حیران ہو جاؤ گے۔ ویسے اس کی یہ اکلوتی خوبی بھی کم نہیں ہے۔ جب ہتھیار چھن جائیں تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"بخشل کے گھر پر شاید اسی لیے تم دونوں نے خاموشی سے اپنی جامہ تلاشی دے دی تھی۔"

"ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری خطرات مول نہیں لیتا۔ تمہاری نیڈل گن کی زد پر ہوتے ہوئے ہم مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں نہتا کر کے تم کوئی زیادتی کرتے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ہمارے بڑوں نے کچھ دیکھ بھال کر ہی ہمیں ڈیبی کی تلاش میں بھیجا ہے۔"

"پتا نہیں تم لوگ ڈیبی کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

"وہ آدم خور ہے۔ اس سے پالا پڑے گا تو تم خود دیکھ لو گے کہ کتنا موذی ہے۔"

"کوئی بھی اوباش اور رنگین مزاج شخص عورت خور تو ہو سکتا ہے، آدم خور نہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ میں اسے اچانک ہی تمہارے سامنے لے آؤں گا.... کسی پالتو بیل کی طرح۔"

"ایسا کر لیا تو تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ ہم تک جو کہانیاں پہنچی ہیں ان سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ وہ کوئی بد روح یا آسیب ہے۔ اپنے دشمنوں پر شب خون مارتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے۔ حد ہے کہ کوششوں کے باوجود آج تک اس کی کوئی واضح تصویر حاصل نہیں کی جا سکی۔"

"چند روز کی بات ہے پھر دل کھول کر اُس کی تصویریں بنا لینا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"تم دونوں مل کر ایک ایسے وحشی درندے کے قصیدے پڑھ رہے ہو جس کا وقت قریب آ چکا ہے۔" راجن نے وکرم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب کچھ کام کی باتیں بھی کر لو۔ وقت تیزی سے گزرا جا رہا ہے۔"

راجن کا وہ لب و لہجہ سن کر میں چونک پڑا۔ ریشم بخت کے گھر میں وکرم نے جس طرح راجن کو لتاڑا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہی لیڈر ہے لیکن اس وقت راجن نے اسے ٹوک کر میرے اس تاثر کی نفی کر دی تھی۔ اپنی اپنی جگہ پر وہ دونوں ہی لیڈر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ مفاہمت کے جذبے سے وہ ایک دوسرے کی تنقید برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

"ہاں" راجن کے ٹوکنے پر وکرم چونک کر مجھ سے بولا "تم نے آتے ہی ہمیں بے مقصد باتوں میں الجھا لیا۔ ذرا اپنا کمرا کھولو۔ مجھے ایک بہت ضروری فون کرنا ہے۔"

"اور ہو سکے تو رات کے لیے کچھ پینے پلانے کا بندوبست بھی کر لو۔" راجن نے اس کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری چھوڑی ہوئی بوتل بالکل سوکھ چکی ہے۔ ویسے بھی ہم شام کے سمے جِن نہیں وہسکی پیتے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد وہی مزہ دیتی ہے۔"

"سمے نہیں وقت کہو۔" وکرم شاید ہر وقت راجن کے ایک ایک لفظ پر کان رکھتا تھا۔

"دونوں کام ہو جائیں گے۔" میں نے کسی پیشہ ور بدمعاش کی طرح مسکرا کر کہا "لیکن مال خرچ کرنا ہوگا۔ اپنی رقم میں سے چھ سو ڈالر میں پہلے ہی مخبروں کو بانٹ آیا ہوں۔"

"مخبروں کو لینا دینا تمہارے ذمے ہے۔ اوپر کی چھوٹی موٹی رقمیں جب چاہو حساب کر کے لے سکتے ہو لیکن اتنا ضرور بتا دوں کہ تم نے ڈیبی کو زیر کر لیا تو اتنا مال ملے گا کہ سارا حساب کتاب بھول جاؤ گے۔"

"وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میرا سودا صرف بیس ہزار میں طے ہوا ہے اور مجھے اس سے زیادہ کا لالچ نہیں ہے۔ بس نوٹ اصلی ہونے چاہئیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"یہ تم بار بار نوٹوں کی اصلیت پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟" وکرم نے تنک کر پوچھا۔

"شبہ نہیں ہے۔ نئے نوٹوں سے مجھے ہمیشہ ڈر لگتا ہے اور پھر سو سو ڈالر کے نئے نوٹ! اس بات پر تمہیں برا نہیں ماننا چاہیے۔ تم کون سے نوٹ چھاپتے ہو گے۔ یہ گڈیاں تمہیں کسی نہ کسی نے دی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی نے چونا لگانے کی کوشش کی ہو۔ یہ تو ایک وہم ہی ہے نا۔"

"تم واقعی بہت بولتے ہو۔ دو چار نوٹ بدلوا کر کل ہی اپنا اطمینان کر لینا۔"

"وہ بھی ہو جائے گا مگر تم دونوں میرے ساتھ کہاں چلے آ رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فون کرنا ہے نا" وکرم نے ٹھٹک کر کہا "کیا اتنی جلدی اپنی بات بھول گئے۔"

"میرے کمرے میں بہت کچھ بکھرا ہوا ہے۔ ایسی چیزیں بھی ہیں جو میں دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں اور پھر تمہاری کوئی مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا۔

"کیسی مجبوری؟ ہماری کوئی مجبوری نہیں ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

"سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم میری موجودگی میں فون پر کھل کر بات نہ کرسکو۔"

"وہاں کون سی حسینہ عالم سو رہی ہوگی کہ ہمیں چند منٹ کے لیے بھی وہاں نہیں چھوڑ سکو گے۔"

"یہ میری مجبوری ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا "اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ تم لابی میں بیٹھو۔ میں تار کاٹ کر فون وہیں لائے دیتا ہوں۔ لابی میں پوائنٹ موجود ہے۔ دو منٹ میں تار جڑ جائیں گے پھر جتنی دیر تک چاہو تخلیے میں باتیں کرتے رہنا۔"

"علی شیر ٹھیک کہہ رہا ہے" راجن نے میری تائید کی "فون لابی میں آجائے گا تو محتاجی ختم ہو جائے گی۔ ہم مدن کو وہیں سے فون کرلیں گے۔"

وکرم کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے راجن کا مشورہ پسند نہیں آیا تھا مگر وہ زبان سے کچھ کہے بغیر راجن کے ساتھ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میری خواب گاہ کا جائزہ لینے میں کیوں اتنی گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ انہیں واپس بھیج کر میں نے وکرم کے کسی امکانی منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔

اس وقت میں جو کچھ کرنے جا رہا تھا، گھر سے ہی اس کی تیاری کرکے چلا تھا۔ سلطان شاہ کا چھوٹا مگر طاقت ور کیسٹ پلیئر میرے بیگ میں موجود تھا۔ اس کے ساتھ ایک ہلکی سی ڈبیا بھی موجود تھی جسے فون لائن سے منسلک کرکے نہ صرف زیرِ استعمال فون پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی جاسکتی تھی بلکہ کسی ضرورت کے تحت کیسٹ پلیئر کے اسپیکر پر واضح آوازیں بھی سنی جاسکتی تھیں۔

ایس ٹی ایف کے اہل کاروں کو یہ بات پہلے ہی سمجھا دی گئی تھی کہ میری غیر حاضری میں میری خواب گاہ کا مقفل رہنا ضروری تھا لیکن میرے احاطے میں قدم رکھتے ہی تالا کھل جانا چاہیے تھا۔ میں نے اطمینان سے دروازہ کھولا، روشنیاں جلائیں اور دروازہ دوبارہ بند کردیا۔

پردوں کی وجہ سے اس کمرے کا دروازہ بند ہونے کے بعد دن کے اوقات میں بھی اندر اتنا اندھیرا ہو جاتا تھا کہ بلب جلائے بغیر ہر چیز دھندلائی ہوئی سی نظر آتی تھی۔

فون ایک جیک پن کے ذریعے ساکٹ سے منسلک تھا۔ میں پن نکال لیتا تو وکرم لمحہ بھر میں اسے لابی میں لگے ہوئے ساکٹ سے جوڑ سکتا تھا۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے قینچی اٹھا کر تار کاٹ دیا اور فون اٹھا کر باہر چل دیا۔ وہ دونوں مجھے اتنی جلدی واپس آتا دیکھ کر حیران ہوگئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی فالتو سیٹ مل گیا جو اتنی جلدی لوٹ آئے۔" وکرم نے کہا۔

"پورے گھر میں یہ اکلوتا فون ہے جسے میں نے تار کاٹ کر لایا ہے۔ اسے جوڑ لو۔ اگر میری موجودگی پسند نہ ہو تو میں تازہ دم ہو کر لباس تبدیل کیے لیتا ہوں۔"

"میں تخلیے میں بات کرنی پسند کروں گا" وکرم نے زہریلی باچھیں پھیلا کر کہا۔

میں شانے اچکا کر واپس ہولیا۔ میں خود بھی کمرے میں لوٹ کر اپنے آلات کو لائن سے منسلک کرنے کے لیے بے چین تھا تاکہ اپنے کانوں سے ساری گفتگو سن سکوں۔

فون ریکارڈنگ سرکٹ کے ایک سرے کو کیسٹ ریکارڈر سے جوڑ کر دوسری طرف لگی ہوئی جیک پن میں نے فون کے ساکٹ سے منسلک کردی۔ میری توقع کے عین مطابق وہ کام ذرا سی دیر میں مکمل ہوگیا۔

مجھے یقین تھا کہ ایس ٹی ایف کے تینوں آدمی اس وقت میرے کمرے کے ارد گرد ہی منڈلا رہے ہوں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے را کے ایجنٹ میرے کمرے کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے پھر بھی میں نے بڑھ کر دروازہ اندر سے بولٹ کردیا اور پھر ریکارڈر آن کرکے ہلکی سی آواز کھول دی۔

ریکارڈر کے اسپیکرز پر ہلکی سی سنسناہٹ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ کٹے ہوئے تاروں کے سرے چھیل کر انہیں دیوار گیر ساکٹ سے جوڑنا میرے کام کے مقابلے میں زیادہ وقت طلب تھا۔ انتظار کے وہ لمحات میرے لیے خاصے سنسنی خیز تھے۔ میں نے اضطراری طور پر سگریٹ سلگائی اور مسہری سے ٹیک لگا کر فرشی قالین پر نیم دراز ہوگیا۔ وہ دونوں تار جوڑ کر کسی بھی لمحے گفتگو کا آغاز کرسکتے تھے۔

یکساں سنسناہٹ چند لمحوں بعد کھڑکھڑاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ وہ آوازیں لائن کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ وہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہا۔ لائن پر سکوت ہوا اور پھر اسپیکر پر نمبر ڈائل کیے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔

وکرم کا ملایا ہوا نمبر مصروف نہیں تھا۔ دو بار گھنٹی بجی۔ میں نے غیر ارادی انداز میں اسپیکر کی آواز مزید کم کردی۔ بند کمرے کی خاموش فضا میں گھنٹی کی ہلکی سی آواز بھی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ایک بھاری اور اجنبی آواز نے ہیلو کہا۔

"ابے مدن! میں بدری بول رہا ہوں۔ ایس ایس کا سی ٹی ٹو سن رہا ہے نا؟" وہ سرسراتی ہوئی پُرجوش آواز یقینی طور پر وکرم کی تھی۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد شاید اسے پہلی بار اپنے کسی ہم وطن سے بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اس وقت وہ اپنے ایک جانی دشمن کی چھت کے نیچے پناہ گزیں تھا اور موت کسی بھی لمحے اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔

"بدری! سی ٹی ٹو! ابے تو ابھی تک زندہ ہے۔ کہاں ہے؟ کہاں سے بول رہا ہے۔" وہ وکرم نہیں بدری تھا۔ اس کا پورا نام بدری ناتھ یا بدری لال بھی ہو سکتا تھا۔ مدن واقعی اس کا کوئی بے تکلف اور گہرا دوست تھا۔ وہ اپنے پرانے دوست کے دیے ہوئے حوالوں کو پہچان کر خوشی سے بے قابو ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"کراچی میں کرائے کا ایک ٹٹو پکڑا ہے۔ اسی کے گھر سے بول رہا ہوں اور بڑی مشکل میں ہوں۔" وکرم یا بدری نے دھیمی آواز میں جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "وہ اِدھر آگیا تو میں اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگوں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم میرے لیے کیا کرسکتے ہو؟" خوشی یا جھلاہٹ کے عالم میں وہ تو تڑاخ سے تم پر آگیا۔

"فون پر یہ سب باتیں نہیں ہو سکتیں۔ کل آجا پھر گپ شپ ہوگی۔"

"یار یہ مشکل ہے۔ مجھے ہر ڈی پی سے دور رہنے کا سخت حکم ہے۔ تجھے اس لیے فون کرلیا کہ تو اپنا یار ہے۔ میں ٹامی ٹین سے رابطہ کرنا چاہ رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"ٹامی ٹین؟" مدن کی تحیر زدہ آواز ابھری۔ "ان سے تجھے کیا کام ہے؟"

"کل وقت دے دے۔ میرا ٹٹو بہت چالاک بننے کی کوشش کرتا ہے مگر میں اسی کو بھیجوں گا۔ تو میری مشکل تو سمجھ ہی چکا ہوگا۔ تیرے مشورے مجھ تک پہنچا دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا کام بن جائے۔"

چند لمحوں کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر اسپیکر پر مدن کی آواز ابھری۔ "اسے تین بجے پرل کی لابی میں بھیج دے۔ میرے سر پر اس ٹوپی ہوگی۔ اس کا پاس ورڈ یوگا ہوگا۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تیری مشکل حل ہو جائے۔ بات میری سمجھ میں آتی ہے مگر میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تیرا بار بار فون کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی کو پتا چل گیا تو ہم دونوں کی نوکریاں تیل ہو جائیں گی۔"

میں نے محسوس کیا کہ بدری یا وکرم اپنی عام فہم گفتگو میں بھی مخصوص اشاروں سے کام لے رہا تھا مگر میرے لیے وہ اشارے اتنے نا آشنا نہیں تھے۔ ایس ایس پی کے بارے میں وہ خود مجھے بتا چکا تھا۔ سی ٹی ٹو اس کا عہدہ یا شناختی کوڈ ہو سکتا تھا۔ ڈی پی بظاہر ڈپلومیٹک پرسن یا سفارتی رکن کا مخفف معلوم ہوتا تھا اور ٹامی ٹین بھارتی سفارتی مشن کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

ان کنایوں کے ذریعے اس نے اپنی ہر مجبوری مدن کو بتا دی تھی۔ ابتدا میں مدن نے بہت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن مدن کی باتوں میں ڈی پی سے دور رہنے والی ہدایات کا ذکر آتے ہی اس کے لب و لہجے میں پہلے جیسی گرم جوشی باقی نہیں رہی تھی۔ حد یہ تھی کہ آخر میں اس نے بدری کو دوبارہ فون کرنے سے بھی منع کردیا تھا۔

"میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں تجھے فون کیا ہے۔ تیری مدد کے بغیر ٹامی ٹین والے میری کوئی بات نہیں سنیں گے۔ مجھے پتا ہے کہ میں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے لیکن تجھے میرا کام کرنا ہوگا۔"

"جو ہو سکے گا، کروں گا۔ اب فون بند کردے۔ تیرا ٹٹو آئے نہ آئے، اِدھر کسی کو ان باتوں کی بھنک مل گئی تو اچھا نہیں ہوگا" مدن اس سے اپنی جان چھڑانی چاہ رہا تھا۔

"تو کل تین بجے کی بات پکی ہے نا؟" بدری کی آواز بہت زیادہ پُرامید تھی۔

"بالکل پکی۔ مگر تو اسی کو بھیجے گا۔ تیرے اوپر ڈی پی بین لگا ہوا ہے تو اب مجھے تیرے سائے سے بھی دور رہنا ہوگا۔ اسی میں ہم دونوں کی خیریت ہے۔"

مدن کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بند ہونے کی آواز آئی۔ بدری نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ کلک کی آواز کے بعد اسپیکر پر ایک بار پھر وہی ہلکی سی سنسناہٹ گونجنے لگی۔

میں نے اسپیکر کی آواز بند کی۔ ریکارڈر کو مسہری کے نیچے چھپایا اور تیزی سے باتھ روم میں جا گھسا۔

میں گھر سے نہا دھو کر آیا تھا مگر اس وقت بدری اور راجن کو اپنی مصروفیت کا کوئی بہانہ دکھانا ضروری تھا۔ میں نے واش بیسن میں سر جھکا کر اپنے بال خوب گیلے کیے، منہ پر پانی کے چھپکے مارے اور باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ تولیے سے بالوں کو خشک کرکے میں نے بیگ میں سے قمیص شلوار کا جوڑا نکال کر تبدیل کیا اور آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

جلدی جلدی بال سنوار کر میں باہر نکلا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے غسل نہیں کیا ہے۔

وہ دونوں لابی میں سر جوڑے دھیمی آوازوں میں تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ میری جھلک دیکھتے ہی انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کردیا اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"نہا دھو کر خاصے نکھر آئے ہو" بدری نے اپنی ظرافت اور بے فکری کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہنس کر کہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات اس کی پریشانی کی چغلی کھا رہے تھے۔

"تم نے فون کیا یا ابھی تک سوچ ہی رہے ہو؟" میں نے ایک کرسی سنبھال کر پوچھا۔

"بات ہوگئی ہے" بدری نے پُرخیال لہجے میں دھیرے سے کہا۔ "مدن کو یہاں آئے ہوئے چار چھ ہفتے ہی ہوئے ہیں۔ وہ خود یہاں پاؤں جمانے کی کوششوں میں لگا ہوا ہوگا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کرتا ہے۔"

"تم کچھ مایوس اور بد دل نظر آرہے ہو۔ شاید اس کا رویّہ

ٹھیک نہیں تھا۔"

"سفارتی بلکہ ہر سرکاری ملازم کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ اگر حاجی دل مراد اور بخشل نے مجھے تمہارے پاس نہ بھیجا ہوتا تو میں تم سے ہرگز اتنی کھلی کھلی باتیں نہ کرتا۔ جسے اپنوں سے دور رہنے کا حکم مل چکا ہو وہ پرایوں پر آسانی سے بھروسا نہیں کرتا مگر میں آہستہ آہستہ تم سے مانوس ہوتا جارہا ہوں۔ تمہاری ذات میں کوئی نہ کوئی ایسی خوبی ضرور ہے کہ تم پر اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"شاید اسی وجہ سے وکرم نے تم سے بہت سی ایسی باتیں بھی کرلیں جو عام حالات میں نہیں کرنی چاہیے تھیں" راجن نے اس کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا "ہمارے پاس اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ ہمیں تم کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہوگا اور یہ دو طرفہ رواداری کی صورت میں ہی ممکن ہوسکے گا۔"

"تم دونوں اس وقت کچھ زیادہ ہی مایوس ہویا پھر کوئی قلا بازی کھانے کا ارادہ رکھتے ہو" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تمہارے کہنے کے مطابق سیکرٹ ایجنٹ بہت بڑی شے ہوتا ہے' اس کی ایک الگ ہی کائنات ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ تم اتنی روانی سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کررہے ہو کہ کوئی عام سا بدمعاش بھی نہیں کرے گا۔ ایسا تو نہیں کہ جن نے کچھ زیادہ ہی رنگ جمالیا ہو۔ میں نے بوتل میں خاصی جن چھوڑی تھی۔"

"وہ کسی کمزوری کا اعتراف نہیں ہے" بدری نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں تم پر حالات کی نزاکت واضح کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔ ڈینی کے خاتمے اور اپنی نئی راہ متعین کرنے کے لیے ہم نے اپنی کشتیاں جلا ڈالی ہیں۔ ہم تم پر انحصار کررہے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں پیٹھ دکھانے کی کوشش کی یا دغا دی تو سمجھ لو کہ کیا ہوسکتا ہے۔"

"ایسے مواقع پر مارنے یا مرجانے کے سوا تیسری کوئی صورت نہیں ہوتی" میں نے مسکرا کر کہا "سچ پوچھو تو تمہیں خود پر اعتماد ہے نہ مجھ پر بھروسا۔ میں نے ایک بار تم سے جو وعدہ کرلیا ہے' میں اسے مرتے دم تک نبھاؤں گا۔"

"ہمارے درمیان مرنے مارنے کی نوبت نہیں آنی چاہیے" بدری نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"کہو تو میں لکھ کر دے دوں" میں نے تحمل سے جواب دیا۔ "اپنے مشن سے دغا بازی میرا شیوہ نہیں ہے۔"

میں نے اس سے وفاداری کا ذکر کرنے کے بجائے اپنے مشن کی بات کی تھی مگر وہ دونوں الفاظ کے جال میں پھنس گئے اور اطمینان سے سرہلانے لگے۔ یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ وہ اپنے جس دشمن کو ٹھکانے لگانے کے لیے مرے جارہے تھے وہ ان کے روبرو بیٹھا تھا اور وہ اسی کو اپنا ہمدرد و رازداں بنانے پر مجبور تھے۔

"کل تین بجے!" اتنا کہہ کر بدری لمحہ بھر کے لیے ڈرامائی انداز میں خاموش ہوا پھر بولا "تمہیں پرل کی لابی میں [illegible] موہن

سے ملنا ہے۔ وہ تمہیں جو کچھ دے گا' وہ تم ہمیں پہنچا دوگے۔ یہ بہت اہم ہے۔"

"میں اس پر پورے خلوص سے عمل کروں گا مگر یہ مدن کون؟" میں نے پوچھا۔

"کالا چور۔ تمہیں اس بارے میں کوئی تجسس نہیں چاہیے" راجن اچانک بول پڑا "وہ ہمارا دوست اور ہمدرد ہے۔ وکرم تمہیں بتا چکا ہے کہ وہ بھارتی قونصل خانے میں کام کرتا ہے۔"

"اور ابھی وکرم نے کہا تھا کہ اسے یہاں آئے چار چھ ہفتے ہوئے ہیں" میں نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا۔ ابتدا میں مَیں نے سوچا تھا کہ اپنی شناخت کے ہولناک خطرے سے بچنے کے لیے ایسی کسی بھی ملاقات کے لیے میں اپنی جگہ سلطان شاہ کو بھیج دوں گا۔ اگر مدن کو پاکستان آئے چھ ہفتے ہی ہوئے تھے تو میں اس کا سامنا کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ بھارتی قونصل خانے والوں سے میری براہِ راست آویزش کو مہینوں گزر چکے تھے۔ چند ہفتوں پہلے آنے والا کوئی بھی اہلکار مجھے نہیں پہچان سکتا تھا۔

"ہاں" بدری نے کہا "کسی سروس میں آدمی کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو' نئی جگہ جاتا ہے تو اسے جمنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے کچھ دشواریاں درپیش ہوں۔ کل کوئی بات نہ بن سکی تو تمہیں دوبارہ اس سے ملنا ہوگا۔ ہم کسی بھی امید کو اس خوف کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کا انجام مایوسی ہوگا۔"

"تم چاہو گے تو میں اس سے دس بار بھی ملنے کے لیے تیار ہوں" میں نے خفیف سے طنز سے کہا "میں اجرتی خدمت گار ہوں۔ معقول پیسے ملتے رہیں گے تو تمہارا ہر کام ہوتا رہے گا۔"

میرے الفاظ پر بدری چونک پڑا۔ میں نے خلش سے مجبور ہوکر وہ الفاظ ادا کیے تھے۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ڈنک مار رہا تھا کہ اس نے فون پر میرے لیے کرائے کے ٹٹو کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ شاید میری زبان سے اجرتی خدمت گار کا ذکر سن کر بدری کو بھی وہ بات یاد آگئی تھی لیکن میں کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری نگاہوں سے براہِ راست اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کافی دیر تک ہماری نظریں چار رہیں۔ وہ مجھے تولنے کی کوشش کررہا تھا کہ میں کیا بول رہا ہوں لیکن وہ میری نگاہوں سے اتر کر میرے دل میں نہیں جھانک سکا۔

"ہم اپنی کمزوریوں کا اعتراف کررہے ہیں تو تم اپنی تحقیر پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ ہمارے لیے اب تم اجرتی خدمت گار یا کرائے کے ٹٹو نہیں' ہمارے محسن اور میزبان ہو۔ یہ بات تمہیں ذہن نشین کرلینی چاہیے" اس نے کہا۔

"اگر اسی لمحے میں بلندی کی طرف پرواز شروع کردوں اور کرائے کے ٹٹو کے بجائے ڈینی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھوں تو تمہارا ردِعمل کیا ہوگا؟" میں نے ایک ہی فقرے میں اس پر دُہرا [illegible]

[illegible] کردیا۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" بھونڈی سی ہنسی کے ساتھ اس نے بے اعتباری سے کہا "تم علی شیر ہو۔ ہمارے دوست اور ہمدرد۔ تم ڈینی جیسے خونخوار بھیڑیے کیسے بن سکتے ہو؟"

"یہ دعویٰ کرکے دیکھو' میں تمہیں اسی وقت شوٹ کردوں گا" راجن کی کرخت آواز پر میں اس کی طرف مڑا تو اس کے ہاتھ میں وہی چمکیلا خنجر موجود تھا جو ریشم بخت کے مکان پر بخشل نے بدری سے برآمد کیا تھا۔ غصے سے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میرے غیر متوقع سوال نے اسے یک لخت خوف زدہ کردیا تھا۔

"ڈینی تمہارے لیے واقعی ایک آسیب بن چکا ہے" میں نے راجن کی طرف متوجہ ہوکر کہا "خنجر ہاتھ میں لے کر تم مجھے شوٹ کرنے کا دعویٰ کررہے ہو۔ تم شاید ریوالور سے اپنے دشمنوں کو ذبح کرتے ہوگے۔"

راجن نے بری طرح چونک کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر جھلا کر بغلیں جھانکنے لگا۔

"راجن کے الفاظ پر نہ جاؤ" بدری نے بلا توقف کہا "ہاتھ میں خنجر ہو یا ریوالور' دونوں کا استعمال ایک ہی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ دشمن کو گرادو۔ اس کی شہ رگ کاٹ دو۔ ریوالور بچے بھی چلالیتے ہیں۔ لیکن مڑی ہوئی' پتلی سی دوہری دھار والے اس خنجر سے پلک جھپکتے میں دشمن کی گردن اتار لینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ راجن اس فن میں طاق اور میرا استاد ہے" یہ کہہ کر اس نے اپنے چست نیکر کے داہنے حصے کو تھپتھپایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہم دونوں ہی خنجر زن بھی ہیں اور یہ خنجر ان زیر جاموں کے اندر لگے ہوئے نرم چرمی غلاف میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ڈینی کبھی ناگہانی طور پر سامنے آیا تو ان خنجروں کا ہی نشانہ بنے گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ان خنجروں کو چھپانے کی جگہ تبدیل کرلو" میں نے سنجیدگی سے کہا "ڈینی تو بعد میں آئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں یہ خنجر تمہارے نرم و نازک اعضا کو ہی مجروح کردیں۔"

میں تو خیر ان کی اصل سے واقف تھا اور ان کے لہو کا پیاسا تھا مگر وہ بھی میرے بارے میں تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے دوچار تھے۔ کبھی مجھے اپنا ہمدرد و رازداں قرار دیتے تھے تو کبھی بھڑک اٹھتے تھے۔ وہ اعصاب کو ریزہ ریزہ کردینے والی ایک اذیت ناک سرد جنگ تھی جو مسلسل جاری تھی۔ میں اپنے حقیقی جذبات کو پوشیدہ رکھ کر پوری مکاری سے انہیں بے یقینی کی اسی دلدل میں دھنسائے جارہا تھا جہاں وہ آخری لمحات آنے تک میرے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکتے تھے۔

"ہمارے ہتھیار سدا کے وفادار ہیں۔ وہ دوست اور دشمن کو پہچانتے ہیں۔ دشمن کی گردن اتار لینے والے یہ خنجر اپنی میان میں جاتے ہیں تو ان کی دھاریں کند اور ریشم کی طرح نرم ہوجاتی ہیں"

میرے سنگدلانہ تبصرے پر گول آنکھوں والا بدری جذباتی ہوگیا "پتا نہیں تم بار بار احمقانہ باتیں کیوں کرنے لگتے ہو۔"

"راجن کو چھیڑنے اور اکسانے میں مزہ آنے لگا ہے" میں نے سنبھالا لے کر کہا۔

"اسے نہ چھیڑا کرو" وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھانے لگا۔ "اسے تمہارے بدن پر ڈینی کا سایہ بھی نظر آگیا تو یہ تمہیں لہولہان کرکے رکھ دے گا۔ یوں سمجھ لو کہ اسے بس ڈینی ہی کی بُو پر سدھایا گیا ہے۔"

"اور اگر عین وقت پر اس کی ناک ہی بند ہوگئی تو کیا ہوگا؟" میں وہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس حرامی کو ایک بار میرے سامنے لے آؤ پھر دیکھو کہ کس کی کیا بند ہوتی ہے" راجن بپھر کر بولا "وہ بولنا بھول جائے گا۔"

"مل گیا تو فوراً لے آؤں گا۔ فی الحال تو صرف میں ہی حاضر ہوں۔"

"یہ ناگوار بحث بند کرو" بدری نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "مدن سے ملاقات کی بات ابھی ادھوری ہے۔"

میں سب کچھ بھول بھال کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ راجن خاموش تھا مگر اس کے لب ہل رہے تھے۔ شاید وہ مجھے یا ڈینی کو بلکہ دونوں صورتوں میں صرف مجھے ہی گالیاں دے رہا تھا۔

اگلے روز مدن سے ملاقات کے بارے میں بدری نے مجھے جو کچھ بہت تفصیل سے سمجھایا وہ میں بہت توجہ سے سنتا رہا۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ سب میں اپنی خواب گاہ میں براہِ راست سن چکا تھا۔

ایس ٹی ایف کے کارندے عام طور پر شریف النفس اور راست باز تھے لیکن وہ سب ہی فرشتے یا مولوی نہیں تھے۔ اپنا کام نکالنے کے لیے انہیں بیشتر اوقات ٹیڑھے کام بھی کرنے پڑجاتے تھے... اسی لیے وہ زندگی کے ہر گھر گھاٹ سے واقف ہوا کرتے تھے۔ میں نے ان ہی میں سے ایک کو علیٰحدگی میں بلا کر شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے وسیع اور حیرت ناک معلومات فراہم کرکے مجھے حیران کردیا۔

اس نے بتایا کہ نادرہ کے مکان سے تھوڑے ہی فاصلے پر پی ای سی ایچ ایس کے بلاک نمبر چھ میں کرسیوں کے مشہور شو روم کے ساتھ والی گلی میں بھری آبادی کے بیچوں بیچ ایک باضابطہ دکان موجود تھی جہاں ہر قسم کے خریدار کو اس کی ضرورت کا مال ڈنکے کی چوٹ پر مل سکتا تھا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مقبول آباد میں اپنی ڈیوٹی سر انجام دینے والا وہ شخص قرب و جوار کے بارے میں اتنا زیادہ باخبر ہوسکتا ہے۔ میں نے ایک معقول رقم دے کر اسے خاموشی سے روانہ کردیا۔ اس خریداری کے لیے میں نے اسے پاکستانی کرنسی

کے ساتھ آزمائشی طور پر سو ڈالر کے چار نوٹ بھی اس ہدایت کے ساتھ دیے تھے کہ پہلے وہ ان ہی کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے۔ بدری کی دی ہوئی گڈی میں سے پانچ نوٹ میں اپنے ساتھ واپس لے آیا تھا اور بقیہ گڈی اول خان کے سپرد کردی تھی تاکہ وہ ان کی اصلیت کی جانچ کرواسکے۔

وہ تھوڑی ہی دیر میں دو وزنی کارٹن خرید کر لوٹ آیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس نے ڈالروں کے چاروں نوٹ استعمال کرنے کی خاطر ضرورت سے زیادہ خریداری کرلی تھی۔ بقیہ رقم اسے زیرِ استعمال پاکستانی نوٹوں کی صورت میں واپس کی گئی تھی۔ اس دکان پر خاصی جانچ پڑتال کے بعد بھی کسی کو ان ڈالروں پر شبہ نہیں ہوسکا تھا۔ میرے لیے یہ واقعہ غیر متوقع تھا۔ اگر شراب فروشی کا دھندا کرنے والے چالاک عناصر نے ان نوٹوں پر کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا تو وہ نوٹ اصلی بھی ہوسکتے تھے۔

ان میں سے ایک کارٹن اسکاچ اور لندن ڈرائی جن کی بوتلوں پر مشتمل تھا۔ دوسرے میں مقامی بیئر کی بوتلیں بھری ہوئی تھیں۔ اپنے مطلب کا وہ خزانہ دیکھ کر راجن اور بدری کے چہرے کھل اٹھے۔

”یار تم تو بہت کام کے آدمی ہو“ بدری نے تپاک سے میرا بازو دباتے ہوئے کہا تھا ”ہم نے تو سنا تھا کہ پاکستان میں ان سب چیزوں پر سخت پابندی ہے اور شراب پینے یا بیچنے والوں کو قید اور کوڑوں کی ذلت آمیز سزائیں دی جاتی ہیں۔ تم نے یہ سب اتنی آسانی سے کیسے حاصل کرلیا۔“

”سزا میں سرکاری اجازت کے بغیر کاروبار کرنے والوں کو ملتی ہیں۔ جن کے پاس پرمٹ ہیں ان سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔ پی کر اپنی چار دیواری میں بدمستیاں کرتے رہو تو تمہیں بھی کوئی نہیں پوچھے گا“ میں نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ میری وضاحت نے اسے حیران کردیا ”یعنی یہاں سرکاری اجازت سے شراب بیچی جاتی ہے؟“

”اجازت یا مفاہمانہ چشم پوشی۔ ایسے تمام دھندے ان ہی دو اصولوں کے تحت ہوتے ہیں۔“

”یہ تو کھلی منافقت ہے“ راجن نے منہ پھاڑ کر کہا ”حکومت ہی پابندی لگا کر کڑی سزائیں مقرر کرتی ہے اور پھر خود ہی ان کاموں کے اجازت نامے جاری کرتی ہے۔ یہ قانون سے زیادہ ایک مذاق معلوم ہوتا ہے۔“

”تم غیر ملکی ہو۔ اسے مذاق ہی سمجھ لو۔ میں مقامی ہوں۔ ایسی گستاخی نہیں کرسکتا“ میں نے تلخی سے کہا۔

”پھر بھی اس دو عملی کا کوئی نہ کوئی جواز تو دیا ہی جاتا ہوگا“ بدری نے اصرار کیا۔

”اس جواز کا تعلق مسلمانی سے ہے، تمہاری سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تمہیں اپنی ضرورت کی چیزیں مل گئیں۔ اب تم اس چار دیواری میں زیادہ خوش و خرم رہو گے۔“

”بھگوان تمہیں خوش رکھے....“ راجن نے مجھے دعا دینی چاہی مگر بدری نے اسے ٹوک دیا۔

”تم بوتلیں دیکھ کر ہی بہک رہے ہو۔ یہاں بھگوان نہیں، خدا چلتا ہے“ اس نے کہا۔

”اسے بھگوان، خدا، ایشور، یزداں، اللہ اور گاڈ کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا“ راجن نے اس کی دخل اندازی پر برا سا منہ بناتے ہوئے کہا ”اس کے بارے میں تمہارا یہ یقین بالکل صاف اور واضح ہونا چاہیے کہ ہر چیز کا خالق وہی ہے۔ اگر اس بارے میں تمہیں ذرا سا بھی شبہ ہے تو پھر تم اسے جو چاہو کہتے رہو، نرک کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایندھن بننے سے نہیں بچ سکتے۔“

”نرک نہیں۔ بڑے بھائی! یہاں اسے جہنم کہتے ہیں۔ میں تمہیں کب تک یہ باتیں یاد دلاتا رہوں گا“ بدری نے اپنی پیشانی تھام کر تقریباً کراہتے ہوئے کہا ”تمہاری یہ عادت ہمیں مروادے گی۔“

”اس وقت ہم آپس میں باتیں کررہے ہیں۔ علی شیر ہمارا اپنا ساتھی اور ساجھی ہے۔ باہر میں ویسے ہی خاموش رہتا ہوں۔ مجھے یوں بار بار نہ ٹوکا کرو۔ برا لگتا ہے۔“

میرے لیے راجن کی سوچ کی وہ تبدیلی بہت حوصلہ افزا تھی۔ اس نے پہلی بار اپنی زبان سے مجھے اپنا ساتھی اور ساجھی تسلیم کیا تھا ورنہ اس سے پہلے بدری یہی بات دہراتا رہا تھا مگر وہ کسی مرکھنے بیل کی طرح میری مخالفت پر کمربستہ رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ راجن کی کھوپڑی پر جمی ہوئی مخاصمانہ برف پگھل رہی تھی۔ سرد اعصابی جنگ دھیمے دھیمے کمزور پڑ رہی تھی۔ یہ ان کے گرد میرے حصار کی مضبوطی کی علامات تھیں۔

”میں تمہیں گھر میں ہی ٹوک سکتا ہوں۔ باہر یہ موقع نہیں ملتا۔ وہاں تمہاری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ہوگا جو واپس نہیں آتا۔ تمہاری ہندی سن کر کسی.... سر پھرے کا ماتھا ٹھنک گیا تو پھر وہ ہم دونوں کی ایسی کی تیسی کردے گا۔ علی شیر بے چارہ مفت میں مارا جائے گا۔“

”اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی لیکن مجھ سے کہیں کوئی بھول چوک ہوجائے تو تم مجھے ٹوکنا نہیں۔ میں خود ہی اپنی بات سنبھال لوں گا“ راجن نے اپنی دانست میں ہتھیار ڈال دیے۔

بدری بے بسی سے ہنس پڑا ”یہ تو وہی بات ہے کہ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر پرنالا وہیں گرے گا۔ اس وقت تم نے سرداروں جیسی بات کی ہے۔“

”تم جو چاہو کہہ لو۔ میں جان بوجھ کر تمہیں پھنسوانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ایک عادت ہے تو بس ہے۔ یہاں والے اپنی زبان میں ہندی کے ہزاروں الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ایک آدھ

[...]ان کا کیا بگاڑ لے گا؟“

وہ بات وہیں ختم ہوگئی۔ میری ہدایت پر خانساماں ان دونوں [...]لیے پینے پلانے کے لوازم لے آیا تھا۔

[...]میں ان سے بہت کچھ اگلوا چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ پینے کے [...]لے میں وہ دونوں ہی کچے تھے۔ شراب ان کے معدوں میں [...]نے کے بجائے ان کی کھوپڑیوں میں چڑھتی تھی۔ انہیں ان کے [...]شوق میں مبتلا کرکے میں ان سے بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔

میں نے محض ان کا ساتھ دینے کے لیے اپنے گلاس میں [...]وڑی سی اسکاچ لے لی اور گلاس کو پانی سے پورا کرلیا۔ ان دونوں [...]نے ندیدوں کی طرح اسکاچ لی تھی اور پھر ابتدا کر بیٹھے۔

[...]دن میں جن کی خاصی مقدار پی لینے کی وجہ سے اسکاچ کے [...]لے گلاس نے ہی ان پر اپنا اثر دکھانا شروع کردیا۔ مونگ پھلی کے [...]مکین دانوں اور مونگ کی تلی ہوئی دال کے ساتھ وہ دور چلتا رہا۔ [...]نمی ہوتی رہیں۔ وہ زور زور سے بے مقصد ہنس رہے تھے۔ میں [...]پنے گلاس کو چھوئے بغیر گہری دلچسپی سے ان کا مشاہدہ کرتا رہا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ سورج ڈھل گیا۔ گھر میں [...]شنیاں جلادی گئیں اور وہ دوریوں ہی چلتا رہا۔ ان کی آنکھوں [...]میں نشے کے گہرے اثرات اتر چلے تھے۔ ڈھیلے ترچھے ہوکر یوں بار [...]لڑگار ہے تھے جیسے ان میں آپس کا ربط ٹوٹ چلا ہو۔ ان کی [...]وازیں بھاری ہوگئی تھیں اور زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

”دل مراد کے قلعے میں بھی تم نے دل کھول کر پی ہوگی؟“ میں [...]نے ایک موقع پر ان سے پوچھا۔

”خاک پی تھی“ راجن نے جلے بھنے لہجے میں کہا ”دل مراد [...]اہر تھا۔ بخشل خود غائب رہتا تھا۔ ہم نوکروں کے رحم و کرم پر تھے۔ [...]نیمت تھا کہ وہاں وقت پر ہماری مرضی کا کھانا مل جاتا تھا۔“

”بھائی“ بدری نے لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا ”جب آدمی کو [...]گے کا کچھ پتا نہ ہو تو نشہ پانی بھی یاد نہیں رہتا۔ یہ سب فرصت اور [...]فراغت کی باتیں ہیں۔ دیکھو اپنا راجن یہاں پی کر کیسا بہک رہا [...]ہے۔ جھوم جھوم کر باتیں کررہا ہے۔ لہک لہک کر ہنس رہا ہے۔ [...]وہاں اس کی بھی بولتی بند تھی“ وہ عامیانہ باتوں پر اتر آیا تھا۔

”یہ ہوتا ہے“ میں نے پورے خلوص سے اس کی ہاں میں ہاں [...]ملائی ”یہ اچھی بات ہے کہ یہاں تم بے فکری محسوس کررہے ہو مگر [...]ابھی بھی تم کو مجھ پر پورا بھروسا نہیں ہے۔ شاید سیکرٹ ایجنٹ کسی پر [...]بھروسا نہیں کرتے۔“

”سیکرٹ ایجنٹ اُلو کے پٹھے ہوتے ہیں“ راجن نے ایک بھکا [...]بھکا قہقہہ لگا کر انکشاف کیا ”تمہیں یہ سوچ کر دکھ ہورہا ہوگا کہ ہم [...]تم پر شبہ کررہے ہیں مگر تم یہ کیوں سوچ رہے ہو؟ بتاؤ؟“

”ابھی تک مجھے تمہارے اصل نام بھی معلوم نہیں ہیں۔ [...]وکرم اور راجن تو تم یہاں آنے کے لئے بنے ہوگے۔“

”تم بہت چالاک ہو“ وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بولا ”ہر بات فوراً سمجھ جاتے ہو“ یہ کہہ کر وہ پلکیں جھپکاتا ہوا بدری کی طرف متوجہ ہوا ”وکرم راجا! بتادیں اسے اپنے نام؟ ناموں میں کیا رکھا ہے۔ یہ ہمارا کیا کرلے گا۔ روٹی پانی کا ساتھ ہے تو پھر نام چھپانے کا فائدہ؟“

میں نے ان کی باہمی مشاورت میں ذرا بھی دخل نہیں دیا۔ خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ بدری بھی خاموشی سے سوچتا رہا۔ وہ دونوں سرور کی حدوں سے گزر کر گہرے نشے میں ڈوبتے جارہے تھے لیکن ان کی پیشہ ورانہ چھٹی حس پوری طرح بیدار تھی۔ اس حالت میں بھی وہ بے دھڑک خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔

”بتادو۔ سب کچھ کھل چکا ہے تو نام کھل جانے سے کون سی قیامت آجائے گی اور پھر علی شیر تو اب اپنا یار ہے نا۔ اس سے پردہ کیا؟ بتا ہی دو“ بدری نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے رک رک کر اپنا فیصلہ صادر کردیا۔

”پیارے! یہ بدری ناتھ ہے“ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”مگر تم اسے وکرم ہی کہتے رہو گے“ بدری نے میری طرف ہاتھ بڑھادیا جیسے اسی وقت ہمارا پہلا تعارف ہوا ہو۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ اسی دوران میں راجن اپنی کرسی چھوڑ کر لڑکھڑاتا ہوا میری طرف بڑھا اور بولا ”میں انبالے کا رمیش اگروال ہوں۔“

میں نے بوکھلا کر اپنی کرسی نہ چھوڑ دی ہوتی تو وہ سیدھا میرے اوپر آگرا ہوتا۔ ہاتھ ملانے کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس نے اس موقع پر مجھ سے گلے ملنا ضروری سمجھا تھا۔

”شاباش“ میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا ”تمہارے پاس کیس، کڑا، کرپان اور کنگھا تو نہیں ہے مگر نیکر کی صورت میں کچھا ضرور ہے۔ اسی ایک نشانی سے تم انبالے کے سردار معلوم ہوتے ہو۔“

”جے واہ گورو کی“ اس نے میرے سینے سے الگ ہوتے ہوئے کہا ”تمہیں اصیل آدمی کی بڑی پہچان ہے۔ سب کہتے ہیں کہ سردار بے وقوف ہوتے ہیں۔ بکواس کرتے ہیں۔ ذرا دیکھ کر بتاؤ، میں صورت سے سردار تو نہیں لگتا؟“

”صورت سے تو نہیں لگتے“ میں نے اس کے احمقانہ سوال سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ”تمہاری باتوں سے مجھے پہلے ہی گڑبڑ کا شبہ ہوگیا تھا۔ تم واقعی پکے سردار ہو۔“

کہا گیا ہے کہ مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔ اس وقت یہی صورت تھی۔ مردِ ناداں، مردِ مدہوش میں بدلا ہوا تھا۔ میرے فقرے اس کے سر کے اوپر سے گزر گئے تھے۔ وہ سہلاتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اس وقت اس کے تمتماتے ہوئے چہرے پر نسلی تفاخر کی چمک نمایاں ہوگئی تھی۔

”مزہ آرہا ہے“ بدری ناتھ جھومتے ہوئے بولا ”بھارت ماتا سے جدا ہونے کے بعد آج پہلی بار زندگی کا مزہ آیا ہے۔ کاش یہاں بھی کوئی گرم توا موجود ہوتا تو میں ایک روٹی اپنی بھی لگالیتا۔“

"بس بدری!" رمیش اگروال یا راجن نے غرا کر کہا "لطیفے کی بات لطیفے تک رہنے دو۔ اس وقت کسی سردارنی کا ذکر آیا تو سب بھنڈ ہو جائے گا۔ عزت ہر بجن کو پیاری ہوتی ہے۔"

وہ لطیفہ میرا سنا ہوا تھا۔ اس کا ذکر رمیش اگروال کے لئے خجالت کا سبب بن سکتا تھا اس لئے میں نے اپنی زبان بند رکھ کے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا مگر بدری کو اپنے ساتھی پر جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے بوجھل آواز میں کہا "تعارف کی بات تعارف تک رہنے دو۔ سب کے لئے ہم اس وقت بھی وکرم اور راجن ہی ہیں۔ رمیش اگروال انبالے میں اور بدری ناتھ دلی میں رہ گیا ہے۔ اور ہاں..... تم گئو ماتا کا یہ ذرا سا پیشاب پی کر کچھ زیادہ ہی بہک رہے ہو۔ اس گھر میں علی شیر کے تین نوکر بھی ہیں۔ تمہارے جے کارے ان کے کان کھڑے کردیں گے۔"

"بس کان ہی کھڑے ہوں گے نا؟ ہونے دو۔ اس چھت کے نیچے بھی ہم اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال سکے تو پھر کہاں جائیں گے اور تم جو گئو جل کی بات کررہے ہو تو یہ یہاں کہاں ہوتا ہے؟ یہ لوگ تو تمہاری ماتا کی دُم مروڑ کر اس کی گردن کاٹ دیتے ہیں اور پھر اس کے قیمے کے کباب کھاتے ہیں۔ بے چاری کا پیشاب خطا ہوتا ہے تو تمہارے منہ میں جانے کے بجائے نالیوں میں بہہ کر گٹر میں پہنچ جاتا ہے۔"

"تم..... تم اب واقعی بہکنے لگے ہو" بدری ناتھ کی لڑکھڑائی ہوئی آواز سے تشویش جھلکنے لگی "تمہیں کچھ پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ بہتر یہ ہوگا کہ اب بوتل بند کردی جائے ورنہ گڑبڑ ہوجائے گی۔"

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو" میں نے بدری ناتھ کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "اس کی وجہ سے تم کیوں اپنا نشہ خراب کرتے ہو۔ ہم دونوں باتیں کرکے وقت گزار سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ میں کیوں اپنا نشہ خراب کروں؟" وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ خود کو نارمل کرنے کی کوششوں میں وہ بالکل احمق نظر آنے لگا تھا مگر پھر اس نے اگلا فقرہ کہہ کر مجھے چونکا دیا "تم کیوں نہیں پیتے؟ تمہارا پہلا گلاس ابھی تک اسی طرح رکھا ہوا ہے۔"

میں بس چند ثانیوں کے لئے سٹپٹایا پھر ہنس کر بولا "پہلا نہیں' یہ میرا چوتھا گلاس ہے۔ میں شروع سے تمہارا ساتھ دے رہا ہوں اور مسلسل یہ سوچ رہا ہوں کہ مدن موہن سے میری ملاقات کیسی رہے گی۔"

میں محسوس کررہا تھا کہ میں ان کے ساتھ غیر ضروری باتوں میں بہت وقت برباد کررہا تھا لیکن انہیں دھیرے دھیرے ایک مخصوص ذہنی سطح پر لانے کے لئے میرا ان صبر آزما مراحل سے گزرنا ناگزیر تھا۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی تھی کہ وہ دونوں میرے سامنے پوری طرح بے نقاب ہوچکے تھے اور میں ڈیلی ہوتے ہوئے بھی ان کے لئے علی شیر بنا رہنے میں پوری طر کامیاب تھا۔

میں نے بخشل کی محبوبہ کے گھر میں ان دونوں کو دیکھتے ہی مار ہوتا تو ان کا قصہ وہیں ختم ہوجاتا مگر میں ان پر محنت اور وقت صرف کررہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے نتائج سامنے آرہے تھے دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ مدن موہن کا ایک نیا نام میرے سامنے آچکا تھا اور اس کے بارے میں مجھے ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ مخص اول خان کو کام کا بہت سا مواد فراہم کرسکتا تھا۔

"مدن موہن اپنے نام کی طرح بہت خوبصورت آدمی ہے بدری ناتھ کہہ رہا تھا۔ "کالج کے زمانے میں ہم اسے موہنی کہہ کر چھیڑا کرتے تھے" بولتے ہوئے اس کی بھاری آواز یک لخت دھیم اور پُرخیال ہوگئی تھی جیسے وہ خود فراموشی کے عالم میں یادوں کے کچھ خوابناک جزیروں میں بھٹک گیا ہو۔ وہ خلا میں کسی نکتے گھورتے ہوئے کہے جارہا تھا "وہ بہت شوقین مزاج تھا۔ سرخی پ لگا کر زنانہ کپڑوں میں ناچتا تھا تو سب کلیجا تھام کے رہ جاتے تھے پانی سے بھرے ہوئے غبارے انگیا سے اپنے سینے پر باندھ لینے بعد وہ سر سے پیر تک لڑکی ہی نظر آتا تھا۔ ہم تینوں نے ایک سا را میں شمولیت اختیار کی تھی۔ دو ساتھی ناکام ہوگئے۔ ہم تینوں کڑی تربیت کے مرحلے بھی ایک ساتھ طے کئے۔ پھر پوسٹنگ وقت آیا تو مدن ہم سے بچھڑ کر فارن سروس میں چلا گیا۔ ہم اپ سروسز بیورو میں آگئے۔ اس کے بجائے رمیش میرے مقدر میں اور یہ آج بھی میرے ساتھ ہے۔"

"مرد ہو کر زنانے روپ میں ناچتے ہوئے مدن موہن کو نہیں آتی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"شرم کس بات کی؟ وہ ویسے ہی پرلے درجے کا بے شرم اور ناچ گانا تو ویسے بھی ہمارے دین دھرم کا حصہ ہے۔ تم جانے کہ کالجوں میں ہر قماش کے لڑکے ہوتے ہیں۔ سب ہی اس دوستی کے لئے مرتے تھے۔ بڑی عمر کے داداگیر لڑکوں نے اس شوق سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اپنے کمروں میں لے جاکر پہلے وہ اس کے قدموں پر اور پھر اپنے اشاروں پر نچاتے تھے۔ ناچ شوق تھا۔ وہ ہر طرح کے ناچ ناچتا تھا مگر اب وہ انڈین فارن سر کا ایک ذمے دار افسر ہے۔ وہ فارن سروس میں رہ کر بھی را بڑوں کو جواب دہ ہے۔ وہ ہمارے مسائل سمجھ سکتا ہے اسی میں نے اسے فون کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ کل وہ کوئی نہ کوئی ضرور بتائے گا۔"

"وہ اسی قدر بے شرم اور بے ضمیر ہے تو فارن سروس بہت کامیاب ہوگا" اس کی باتیں سن کر مدن موہن کی ذات میری دلچسپی میں اضافہ ہونے لگا۔

"بہت زیادہ کامیاب ہے" اس نے لڑکھڑاتے ہوئے میں جواب دیا "انگلینڈ کے رجواڑوں میں مدن موہن جیسے اتنے عام ہیں کہ ان لوگوں نے اپنی پارلیمنٹ سے ہم جنسوں سے آزادانہ میل جول کا بل پاس کرالیا تھا۔ ان دنوں مدن موہن بہت زنخر اور سروس میں نیا نیا تھا۔ اسے پہلی پوسٹنگ لندن میں دی گئی اور اس کے زمانے میں وہاں کی ہر خبر دونوں ہاؤسز سے پہلے نئی دہلی کو مل جاتی تھی۔ وہ ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز کے بیشتر اراکین کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ خود مزے لے لے کر بتاتا ہے کہ ان میں سے کچھ اس کے شوہر تھے اور بیشتر نے اسے اپنا شوہر بنایا ہوا تھا۔ وہ ایک قومی جذبے سے دونوں خدمتیں سرانجام دیا کرتا تھا۔"

وہ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا تھا۔ مغربی معاشروں کے بارے میں مَیں مدتوں سے ایسی خبریں پڑھتا چلا آرہا تھا۔ قانون سازوں کی اعلیٰ ترین سطح پر سفید فاموں کی اس اخلاق باختگی پر ہمیشہ میرا دل کڑھتا تھا۔ میرے نزدیک انسانی تہذیب کا اس سے بڑا کوئی المیہ نہیں ہوسکتا تھا کہ انسان خود ہی انسانیت کی توہین و تذلیل پر کمربستہ ہوجائے اور فطرت کے قائم کئے ہوئے رشتوں کی تکذیب کرکے من مانے حیوانی راستے اختیار کرنے لگے مگر ان خبروں کو پڑھنے کے بعد میرا ردِعمل کبھی بھی اتنا شدید اور کراہت آمیز نہیں ہوا جتنا بدری ناتھ کی سیدھی سادی سی کہانی سن کر ہوا تھا۔ مدن موہن کی کامیابیوں کی مختصر سی کہانی مغرب کے امرا اور سیاسی معززین کے گھن دلانے والے اور مکروہ ترین زوال کی عبرت اثر داستان تھی۔

کچھ پتا نہیں تھا کہ طاقت و جبروت کے سرچشموں پر حکمرانی کرنے والوں میں کون کون مدن موہن کے ساتھ زن یا شوہر کے رشتوں میں وابستہ رہا تھا۔

"ایسے کارآمد شخص کو تمہارے بڑوں نے یہاں کیوں بھیج دیا۔ اس کے لئے انگلینڈ یا اسکینڈے نیویا ہی بہتر جگہ ہوسکتی ہے۔ یہاں تو وہ ضائع ہوجائے گا" میں نے کاٹ دار لہجے میں بدری ناتھ سے کہا۔

"بڑوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے یہاں بھیجا ہوگا۔ وہ اتنا بدمعاش ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں میں بھی بہت آسانی سے گھل مل جاتا ہے۔ اسے کسی نہ کسی افادیت کی بنا پر کراچی کی پوسٹنگ دی گئی ہوگی۔ وہ یہاں نہ چل سکا تو اس کے لئے دوسرے اسٹیشن موجود ہی ہیں۔"

میری دانست میں بدری ناتھ نے بہت مختصر اور مؤثر الفاظ میں اعلیٰ ترین کہلائے جانے والے سیاسی اور سماجی حلقوں کے گھناؤنے گند کی کہانی مکمل کردی تھی۔ اس کے آخری مکالموں نے خطرناک رخ اختیار کرلیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میں نے اس گند کو زیادہ کریدا تو چھینٹوں سے کہیں میرا دامن بھی داغ دار نظر نہ آنے لگے۔ میں نے فوراً ہی بات کا رخ ایک اور موضوع کی طرف موڑتے ہوئے کہا "اگر مدن موہن امریکی قونصل خانے میں تمہارا کوئی ہمدرد تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو تم کیا کرو گے؟"

"پھر ہمارے کرنے کے لئے زیادہ کام نہیں رہ جاتا۔ ڈیلی اور ویرا کے لئے ہم چند روز انتظار کریں گے۔ کامیابی ہو یا نہ ہو' ہم واپس چلے جائیں گے۔ ہم بروقت اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تو ہوسکتا ہے کہ ہمیں سری لنکا جانے والے ٹیرر اسکواڈ میں جگہ مل جائے۔ خطرات کے باوجود وہ ملک بہت خوبصورت اور رنگین ہے۔ تعلیم کی شرح اتنی بلند ہے کہ بیشتر طوائفیں تک گریجویٹ ہوتی ہیں۔ مجھے آج تک وہاں جانے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"میں تمہارے ساتھ وہاں نہیں جاؤں گا" رمیش اگروال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "سنا ہے کہ انتہا پسند اور قوم پرست لڑکیاں بھی وہاں طوائفوں کے روپ میں غیر ملکی ایجنٹوں کو سونگھتی پھرتی ہیں۔ جو ان کی نظروں میں آجاتا ہے اسے عام طور پر کپڑوں کے بغیر مردہ پایا جاتا ہے۔ ایسی خطرناک رنگینی سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے بہتر ہے کہ یہیں رک کر دو چار مہینے ڈیلی اور ویرا کو ڈھونڈ لیا جائے اور کچھ ہو یا نہ ہو' یہاں شراب تو باقاعدگی سے ملتی رہے گی۔ نشے میں آدمی چاہے تو کولمبو کیا جنت تک میں پہنچ سکتا ہے۔"

رمیش کی مداخلت سے بدری ناتھ بھی فوراً ہی پٹڑی سے اتر گیا۔ اندر سے وہ دونوں ہی اوباش طبیعتوں کے مالک تھے۔ نشہ گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حیوانی تقاضے پوری قوت سے بیدار ہوتے جارہے تھے۔ ان کی باتوں میں وہ رنگ نمایاں ہوتے ہی میں اپنا بھرا ہوا گلاس لے کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہمیں اکیلا چھوڑ کر تم کہاں چلے؟" رمیش نے لہک کر ہانک لگائی۔

"تمہاری خبرگیری کے علاوہ مجھے کچھ اور کام بھی ہوتے ہیں۔ تم شغل جاری رکھو۔ اب کھانے کی میز پر ملاقات ہوگی" یہ کہتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں نے خود ہی کمرے سے فون کاٹ کر لاؤنج میں پہنچا دیا تھا اور میں اپنی خواب گاہ سے کسی کو فون نہیں کرسکتا تھا۔

میں جاتے جاتے ٹھٹک کر رک گیا۔ اسی وقت بدری ناتھ نے رمیش اگروال سے کوئی ایسی بات کہہ دی کہ وہ بھڑک کر کسی نلنی کور کو بے تحاشا ننگی گالیاں دینے لگا۔

میں نے بدمزگی سے رمیش کی طرف دیکھا۔ میری نظریں اس کے چہرے سے پھسلتی ہوئی بدری ناتھ سے چار ہوئیں تو اس نے لوفرانہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ بسیار نوشی نے اس کے اعصاب اور عضلات کو متاثر کرنا شروع کردیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیک وقت اس کی دونوں آنکھیں بند ہوئیں اور پھر فوراً ہی کھل گئیں۔ وہ اسے واقعے پر کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد رمیش اگروال خاموش ہوچکا تھا اور گلاس سے گھونٹ لینے کے بعد یوں برے برے منہ

بتا رہا تھا کہ اس سے کراہت محسوس ہو رہی تھی۔
"اگر کسی سے بات نہ کرنی ہو تو میں فون واپس اپنے کمرے میں لے جا رہا ہوں" میں نے انہیں آگاہ کیا۔
"لے جاؤ۔ جو جی چاہے لے جاؤ" بدری ناتھ نے کسل مندانہ لہجے میں کہا "فون کو یوں ہی اِدھر اُدھر آنا جانا ہے تو تار کے سرے پر ایک جیک پن لگالو ورنہ یہ کٹ کٹ کے بہت چھوٹا رہ جائے گا۔"
وہ ایک صحیح اور معقول مشورہ تھا لیکن بدری ناتھ نے جس لب و لہجے میں آخری فقرے ادا کئے تھے انہوں نے پورا مفہوم ہی بدل کے رکھ دیا تھا۔ میں نے غصے اور ملامت سے ان دونوں ملعونوں کو گھورا اور پھر فون کا تار کھینچ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ میرے ایک ہاتھ میں اسکاچ کا گلاس اور دوسرے میں فون تھا۔
ریکارڈنگ سسٹم الگ کرکے فون کو دوبارہ لائن سے منسلک کرکے میں نے گھر کا نمبر ملایا تو دوسری طرف غزالہ موجود تھی۔ اس کی آواز سے گہری آسودگی اور طمانیت جھلک رہی تھی۔
"اول خان کہاں ہے۔ ذرا اس سے میری بات کرادو" میں نے غزالہ سے کہا۔
"اس وقت اول، دوم اور سوم میں سے کوئی گھر پر نہیں ہے۔ جو کہنا ہے، مجھے بتادیں" میری آواز پہچانتے ہی غزالہ کی آواز میں شوخی عود کر آئی جس میں گزری ہوئی دوپہر کی ہلکی سی جھلک نمایاں تھی۔
"یہ تینوں کہاں گئے ہوئے ہیں؟" میں نے قدرے حیرت اور پریشانی سے پوچھا۔
"سلمٰی کا فون آیا تھا۔ جہانگیر نے نشے میں مدھوت ہو کر چلانا شروع کردیا تھا کہ اسے دل کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ وہ سلمٰی کے قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ وہ تینوں اسی کو دیکھنے گئے ہیں۔"
"اللہ ہم سب کی مغفرت کرے۔" میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کمزور آواز میں کہا "وہ تینوں وہاں ہیں اور میں یہاں دو شرابیوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔ آج کا دن کچھ نامناسب سا معلوم ہوتا ہے۔"
"آپ انہیں چکما دے کر گھر کیوں نہیں آجاتے؟" غزالہ نے نرمی سے ترغیب دی۔
"گھٹنے کمزور ہو جائیں گے" میں سوچے سمجھے بغیر روانی میں کہہ گیا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا "مم.... میرا مطلب ہے کہ میں اتنی آزادی سے آمدورفت جاری نہیں رکھ سکتا۔ آج ایک نیا نام سامنے آیا ہے، میں اسی کے بارے میں اول خان سے مشورہ کرنا چاہ رہا تھا۔ اس سلسلے میں تم کچھ نہیں کرسکوگی۔"
"وہ آئے گا تو میں فون کرادوں گی" غزالہ نے کسی حجت کے بغیر میری بات مان لی۔
میں نے لمحہ بھر سوچا اور پھر اس کی وہ تجویز مان لی۔ باہمی تعلق کے حوالے سے چند ذاتی تبصروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون بند کردیا اور فوراً ہی جہانگیر کے گھر کا نمبر ملانے لگا۔
میں خود اس بات کا شاہد تھا کہ کثرت سے شراب نوشی کے بعد جہانگیر بری طرح بہکنے لگتا تھا مگر نشے میں دل کے دورے والی بات کسی طرح میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ اگر میرے اندیشے کے برعکس وہ خبر درست تھی تو صورتِ حال سنگین تھی۔ اس نازک پوزیشن میں مَیں جہانگیر کو بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔
پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ میرے کانوں میں چیخم دھاڑ کے ساتھ ویرا کی نرم و شیریں آواز گونج اٹھی۔
"کیا بات ہے؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟" میں نے فکرمندانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔
"جہانگیر کو دل کا کوئی خطرناک دورہ پڑا ہوا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھامے پورے فلیٹ میں چیختا اور چکراتا پھر رہا ہے۔ وہ کسی کے قابو میں نہیں آرہا۔ سلمٰی کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے ہیں کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔ تم بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔ یہاں آکر بھی ہم سب بے بس تماشائی بنے ہوئے ہیں۔"
"یہ دل کا کیسا دورہ ہے کہ وہ بے ہوش یا نڈھال ہونے کے بجائے کسی گھوڑے کی طرح پورے فلیٹ میں دوڑتا پھر رہا ہے؟" ویرا کی پوری بات سن کر میں نے پُرتجسس لہجے میں سوال کیا۔
"پتا نہیں۔ یہ تو کوئی ڈاکٹر ہی بتاسکے گا۔ سلمٰی کی حالت اور باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ میاں بیوی میں جھگڑے کے بعد جہانگیر کو یہ ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اس کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔"
"ذرا اسے فون پر بلادو" میں نے کچھ سوچتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔
"بلادوں؟" ویرا کی آواز تحیر زدہ تھی "وہ کسی کی سن ہی نہیں رہا۔ فون پر کیا آئے گا۔"
"اس کے سامنے میرا نام لو" میں نے تیزی سے کہا "اسے بتاؤ کہ میں اس سے بات کرنی چاہ رہا ہوں۔"
"بے سود ہوگا۔" ویرا نے مایوسی سے جواب دیا "وہ سخت اذیت میں ہے۔ تم کہتے ہو تو میں ایک کوشش کئے لیتی ہوں۔ ذرا سی دیر ہولڈ کرو۔"
ویرا ریسیور رکھ کر چلی گئی۔ میرے کانوں میں متعدد ملی جلی لیکن غیر واضح آوازیں آتی رہیں۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ جہانگیر نے اپنے گھر میں خاصی ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی اور سب ہی اس کی بگڑی ہوئی حالت سے خوف زدہ تھے۔
کچھ دیر بعد چڑھے ہوئے سانسوں کے ساتھ ریسیور پر جہانگیر کی کراہیں ابھریں "مرگیا.... ہائے میں مرگیا.... میرا دل.... آجاؤ۔ میرے بھائی! تم بھی آجاؤ اور میرا آخری دیدار کرلو۔ ہائے میرا دل۔"
میرے کان کھڑے ہوگئے۔ اپنا فقرہ مکمل کرنے سے پہلے اسے اپنا دل یاد نہیں آیا تھا۔ میں اس کی رگ رگ کو پہچانتا تھا۔ وہ جہانگیر تھا اور کسی بھی وقت کوئی ڈراما کرسکتا تھا۔
"یہ کیا دل دل لگا رکھی ہے" میں نے برہمی سے کہا "ہوش میں آتے ہو یا وہیں آکر جوتے لگادوں۔"
"میرا دل.... بڑے بھائی! میرا دل" میری بات سنتے ہی وہ پھر شروع ہوگیا "آتا ہوں۔ ابھی آجاؤں گا.... مگر میرا دل.... یہ عورت مجھے مارے گی، دوسری شادی کرے گی۔ مجھے سب معلوم ہے۔ ہائے میں مرا....."
"کیا ہوگیا؟ بولتے کیوں نہیں ہو۔" اس کی آواز میں وقفہ آتے ہی میں غرایا۔
"کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے۔" جہانگیر کی سرگوشیانہ آواز ابھری "ابھی ڈراما ختم کیا تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے پھر اپنی بکواس شروع کردی۔
مجھے تسلی ہوگئی کہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ سب کی پریشانی بالکل بے بنیاد تھی۔ میں نے تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرنے کی دھمکی دے کر سلسلہ منقطع کردیا اور پھر اٹھ کر اپنے گلاس کی ہلکی اسکاچ واش بیسن میں بہادی۔ اس وقت شراب سے میری طبیعت اچانک ہی متلانے لگی تھی۔
غزالہ، ویرا اور پھر خود جہانگیر سے میں نے جو کچھ سنا تھا اس کی بنا پر کچھ کڑیاں میں خود بھی یکجا کرسکتا تھا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا تھا، اس میں جہانگیر کی مے نوشی کا بڑا دخل تھا۔ عین ممکن تھا کہ سلمٰی اس کی بسیار نوشی پر برہم ہوئی ہو اور پھر بات اتنی بڑھ گئی ہو کہ کسی بڑی افتاد کو ٹالنے کے لیے جہانگیر کو دردِ دل کا بہانہ کرنا پڑا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے گھر میں وہ پاکھنڈ پھیلایا ہو۔ کہ سلمٰی جھگڑے جھمیلے کو بھول کر اس کی زندگی کی فکر میں مبتلا ہو جائے مگر اس نے گھر پر بھیڑ جمع کرلی۔
وقت گزاری کے لیے بدری اور رمیش کے پاس جانے کے بجائے میں اپنے کمرے میں ہی بستر پر دراز ہوگیا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس وقت وہ دونوں بھی نشے میں دھت ہو کر ایسی حالت کو پہنچ چکے تھے کہ جانوروں سے بدتر ہو کر رہ گئے تھے اور بدکلامی پر اتر آئے تھے۔
ایک بات ان تینوں میں ہی مشترک تھی کہ نشے کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جانے کے باوجود انہیں اپنا اپنا مفاد خوب یاد تھا۔ جہانگیر نے اپنی بیوی سے حیلہ سازی شروع کی ہوئی تھی اور وہ دونوں اپنے پیشہ ورانہ مفادات سے ذرا بھی غافل نہیں ہوئے تھے۔
مجھے یقین تھا کہ جہانگیر کو اپنا مفروضہ درد بھول کر فون پر مجھ سے ہم کلام دیکھنے کے بعد اول خان وغیرہ کو جہانگیر کی اداکاری کا علم ہوگیا ہوگا اور انہوں نے وہاں رک کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے فوری واپسی کو ترجیح دی ہوگی۔ پھر بھی میں نے خاصی دیر انتظار کیا اور ایک مرتبہ پھر جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔
اس بار جہانگیر نے فون خود ہی وصول کیا تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ چہکنے لگا۔
"یہ کیا بدمعاشی تھی؟ تم نے دل کے دورے کا کیا ڈراما رچایا ہوا تھا؟" میں نے تیز آواز میں پوچھا۔
"دھیرج سے کام لو۔ میں سب بتائے دیتا ہوں۔ اس وقت میدان بالکل صاف ہے۔ مجھے کسی سالی کا ڈر نہیں ہے۔ اس وقت میں نے مجبور ہو کر وہ حرکتیں شروع کی تھیں۔ میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ بات بڑھ کر تمہارے کانوں تک پہنچ جائے گی۔" اس کی مکارانہ آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔
"میدان بالکل صاف ہے تو سلمٰی کہاں گئی؟" میں نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔
"وہ اپنے میکے چلی گئی۔ اس کے رشتے دار اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اچھا ہے اس کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"
"اس کا میکا یہاں کہاں سے پیدا ہوگیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "وہ سب تو لاہور میں ہیں۔"
"تم بھی بہت بھولے ہو۔ تم لوگ میرے سسرالیوں سے کیا کم ہو۔ ویرا اور اول خان اسے اپنے ساتھ لے جانے میں پیش پیش تھے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ پھر یہیں آجائے گی۔"
"مگر ہوا کیا تھا۔ تمہیں ڈرامے بازی کی کیا مجبوری پیش آگئی تھی؟"
"وہی پرانا جھگڑا تھا۔ وہ میری شراب نوشی سے ہمیشہ سے جلتی آئی ہے۔ آج پھر زبان چلانے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ مارا تو بس پھیل گئی اور روتے پیٹتے ہوئے اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ جب اس نے یہ اعلان کیا کہ وہ اسی وقت لاہور جارہی ہے تو میرے چھکے چھوٹ گئے۔ اسے مناتا تو اس کا دماغ خراب ہو جاتا۔ بس میں نے دل کا دورہ ڈالنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ سارا جھگڑا اور رونا دھونا بھول کر میرے لیے پریشان ہوگئی۔"
میں اس کی وضاحت سن کر زیرِ لب مسکرانے لگا مگر اس سے خشک لہجے میں پوچھا "تمہیں اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ دل کے دورے میں آدمی بھاگا نہیں پھرتا، نڈھال اور بے جان ہو جاتا ہے؟"
"اس وقت سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ایک بات دماغ میں آئی اور بس میں کر گزرا۔ ہوسکتا ہے کہ میرے دماغ میں گردے میں درد کے کسی مریض کی حالت بیٹھی ہوئی ہو۔ ایک بار میں نے درد سے تڑپتے ہوئے شخص کو چیخیں مار کر دیوانہ وار اِدھر اُدھر دوڑتے دیکھا تھا۔ خود سلمٰی کو بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس کا میکے بھاگنے کا خطرہ ٹل گیا اور اس کا دماغ بھی

درست ہوگیا۔ اس عورت نے میری زندگی عذاب کی ہوئی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ میری ساری بوتلیں نالی میں بہادے۔"

"وہ اتنی ہی بری ہے تو اسے کیوں روک لیا؟ جانے دیتے اس کے میکے۔"

"بس یار، سمجھا کرو نا۔" وہ بے حیائی سے ہنس دیا "بری ہے یا بھلی مگر ہے تو اپنی بیوی۔ سالی برا بھلا سنتی اور سہتی ہے پھر بھی اشاروں پر ناچتی ہے۔ بس کبھی کبھی کھوپڑی سنک جاتی ہے تو اب میں نے اس کا علاج بھی ڈھونڈ لیا ہے۔ دیکھوں گا کہ کیسے گھر چھوڑ کر بھاگتی ہے۔ تم لوگ ہفتے عشرے میں ملتے ملاتے رہا کرو تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وہ اکیلے پن کا بھی شکار ہے اور تم لوگوں کو بہت چاہتی ہے۔"

"اتنا بڑا فساد کھڑا کرنے کے بعد اب تمہارا نشہ ہرن ہوچکا ہے؟" میں نے طنز سے پوچھا۔

"سارا لطف غارت ہوگیا ہوتا اگر ویرانہ آتی۔ وہ میرے اوپر سلمٰی سے زیادہ آنکھیں نکال رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہی میری سب سے بڑی سالی ہے۔ بالکل مردوں کی طرح میرے اوپر چڑھی چلی آرہی تھی اور مجھے بازوؤں سے پکڑ پکڑ کر جھنجوڑ رہی تھی۔"

"اس کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ جہاں جاتی ہے، لوگ اسے اپنا رشتے دار سمجھنے لگتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھنا کہ کبھی اس کی کھوپڑی سنک گئی تو تمہارا دل کا دورہ بھی کام نہیں آئے گا۔"

"تم بڑے خوش نصیب ہو۔" اس کی آواز رشک آمیز ہوگئی۔ "ایک ساتھ دو کشتیوں میں سفر کررہے ہو اور دونوں کشتیاں قابو میں ہیں۔ کمال ہے کہ غزالہ اسے برداشت کررہی ہے۔"

"اپنی کالی زبان بند رکھو اور اب آرام کرو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

○☆○

میرے لیے مدن موہن صرف ایک مدراسی ٹوپی کا نام تھا۔ اس کے بارے میں بدری ناتھ نے مجھے خاص طور پر کچھ نہیں بتایا تھا لیکن باتوں ہی باتوں میں میں نے اپنے ذہن میں ایک خوب رو اور وجیہہ نوجوان کا خاکہ مرتب کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ناچ گانے اور مخلوط محفلوں کے شوقین اس نوجوان سے ملاقات کے لیے میں مقررہ وقت سے ذرا پہلے ہی پرل کی بلند اور وسیع لابی میں پہنچ کر وہاں کی رونقوں سے لطف اندوز ہورہا تھا مگر میری نظریں باری باری راہ داری کے دونوں سروں کا طواف کررہی تھیں۔

ٹھیک تین بجے وہ راہ داری کی مشرقی سمت سے نمودار ہوا۔ وہ راستہ پٹرول پمپ اور پارکنگ کی طرف نکلتا تھا۔ شاید راز داری برقرار رکھنے کے لیے وہ اکیلا ہی آیا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو ڈرائیور اسے مرکزی دروازے پر اتار کر گاڑی کہیں بھی لگا سکتا تھا۔

اس کی مخصوص مدراسی ٹوپی کی وجہ سے میں نے اسے دور ہی سے پہچان لیا۔ وہ گورے چٹے رنگ کا ایک وجیہہ اور خوب رو نوجوان تھا جو اپنی چال ڈھال سے بھی شوقین مزاج نظر آرہا تھا۔ اس وقت ہوٹل کی پوری لابی میں اس کے سوا ہر مرد اور عورت کا سر کھلا ہوا تھا۔ اس وقت پورے تین بجے تھے اس لیے وہی میرا مطلوبہ آدمی ہوسکتا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی اپنی نشست چھوڑ دی۔ میں اس سے راہ داری ہی میں اپنا تعارف کرانے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ ضرورت کے تحت ہم بعد میں کوئی گوشۂ عافیت منتخب کرسکیں۔

میں نے اس کا راستہ روکا تو وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال رہا تھا۔ اپنی راہ میں کسی کے حائل ہونے کا احساس ہوتے ہی وہ ٹھٹکا اور میرے قریب رک گیا۔

"یوگا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ!" اس نے بے ساختہ کہا "تم وقت پر آگئے۔ یہ بہت اچھا ہوا۔"

اس کا لہجہ سپاٹ بلکہ کسی حد تک نخوت آمیز تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو اپنے سے کم رتبے کے لوگوں سے بے تکلف ہونا بالکل پسند نہیں کرتے۔ ان سے کام نکال کر سرد مہری سے اپنی راہ بدل لیتے ہیں۔

میں نے اسے راہ داری کے وسط میں روکا تھا۔ وہاں دوسرے لوگوں کی آمدورفت بھی جاری تھی۔ وہ راستے سے ہٹ کر بائیں طرف سرک گیا جہاں بڑے بڑے گروپوں کی صورت میں آرام دہ نشستیں بھی ہوئی تھیں۔

میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے ٹائی کے بغیر نفیس کپڑے کا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ سفید قمیص کے دو اوپری بٹن کھلے ہوئے تھے اور کھلے ہوئے گریبان میں وہ باریک سی طلائی چین نظر آرہی تھی جو اس کی گردن میں پڑی ہوئی تھی۔ بدری ناتھ کی بتائی ہوئی باتوں کے عین مطابق وہ اس وقت بھی کوئی پلے بوائے نظر آرہا تھا۔ "بدری کا کیا حال ہے؟" اس نے داہنے ہاتھ سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں کچھ ٹٹولتے ہوئے روا روی میں مجھ سے سوال کیا۔ وہ ایک سپاٹ سا سوال تھا جس میں ذرا بھی جذباتی گرم جوشی نہیں تھی۔

"بدری ٹھیک ہے۔ اس کے ساتھ رمیش اگروال مزے کررہا ہے۔" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پوچھا "تو کیا رمیش بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"ساتھ نہ ہوتا تو مزے کیسے کرتا۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔ میں شروع ہی سے اس پر غالب رہنے کا خواہاں تھا۔

"وہ تم پر بہت زیادہ بھروسا کررہے ہیں۔" اس نے ذو معنی لہجے میں کہا "ان کا تندہی سے خیال رکھو گے تو تمہیں بعد میں بھی کام

...ے گا۔ یہ لفافہ اسی طرح لے جا کر بدری کو دے دینا۔ مجھے ...کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ اس لفافے میں موجود ... کہتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی ... کا ایک مہربند لفافہ نکال کر مجھے دیا۔ میں نے دیکھے بغیر وہ لفافہ ...جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ میرے سپرد کرتے ہی اس نے روانگی ... ارادے سے اپنی جگہ چھوڑنی چاہی مگر میں نے سخت سرگوشیانہ ...میں اسے روک لیا۔

"ٹھہر جاؤ۔ تھوڑی دیر کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ ...ضروری کام پڑ گیا ہے۔"

اس نے بھڑک کر خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ...ن فارن سروس میں ہوتے ہوئے بھی وہ بنیادی طور پر سیکرٹ ...وس کا ایک اہم رکن تھا اور بھرے پرے ہوٹل میں اپنے کسی ...ے کے بدلے ہوئے درشت لہجے کا مطلب بہت اچھی طرح ...تا تھا۔

"میں اس وقت کہیں نہیں جاسکتا۔" اس نے تیز سرگوشیانہ ...از میں کہا "بدری سے کہہ دینا کہ میں اس سے بعد میں کہیں مل ...گا۔ میں مشکل سے وقت نکال کر یہ لفافہ دینے آیا ہوں۔"

...بدری کا نام لے کر اس نے دانستہ میری بات کا وزن کم کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنا داہنا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈال کر ...ے تقریباً مل کر کھڑا ہوگیا اور بولا "بدری اور رمیش کا کھیل ...م ہوچکا ہے۔ اس وقت وہ سرکاری مہمان ہیں۔ تمہیں میں لے ...نا چاہتا ہوں۔ سنا ہے تم بہت اچھا ناچتے ہو۔"

اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہوگیا۔ اس کا سبب میرے الفاظ ...ے زیادہ وہ دباؤ تھا جو میری جیکٹ کی جیب میں موجود ریوالور کی نال ...س کے پہلو پر ڈال رہی تھی۔

"تت...... تم نے انہیں ڈبل کراس کیا ہے۔ سچ بتاؤ تم کون ...ہو؟" اس کی نظریں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"میرے ساتھ چلو۔ سب معلوم ہوجائے گا۔ یوگا کا کوڈ لے کر آنے والا بھی اندر ہوچکا ہے۔"

"تم ایک بھرے ہوئے ہوٹل سے مجھے اس طرح نہیں لے جاسکتے۔ میں ایک ذمے دار سفارتی افسر ہوں۔ یہ کھلی ہوئی بدمعاشی ہے۔ تم پیچھے نہ ہٹے تو میں ابھی شور مچادوں گا۔ مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔"

"میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ یہاں کوئی میری راہ میں حائل نہیں ہوسکے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں آئی بی بہت طاقت ور ہے۔ تمہارے قتل کی کہانی ہماری مرضی کے مطابق لکھی جائے گی۔ شور مچاؤ اور جان دے دو۔ زندگی عزیز ہے تو خاموشی کے ساتھ میرے ساتھ چل دو۔"

میں نے اس کے بدن سے الگ ہو کر اپنی پوزیشن بدل لی مگر میرا داہنا ہاتھ بدستور جیکٹ کی جیب میں رہا۔ اس وقت ہم دونوں جہاں کھڑے ہوئے تھے وہاں شیشے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے دور افتادہ صوفوں پر دو غیر ملکی بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی نشستیں خالی تھیں

اس لیے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ کوئی ہماری سرگوشیانہ باتیں سن کر ہماری طرف متوجہ ہوسکے گا۔

"تم آئی بی کے آدمی ہو تب بھی میرے مشن کو اطلاع دیے بغیر مجھے کہیں نہیں لے جاسکتے۔ یہ میرا سفارتی حق ہے' میرے ساتھ تم غنڈا گردی کررہے ہو۔" وہ سخت تذبذب اور ہیجان میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"چند سوالوں کے جواب دینے کے بعد تم آزاد ہوجاؤ گے ورنہ میری انگلی ٹریگر پر بالکل تیار ہے۔"

وہ خود کو ایک سنگین جال میں محسوس کررہا تھا۔ میرے پُرعزم لب و لہجے نے اس کے اعتماد اور بے پروائی کو خاک میں ملادیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ میری ہدایت پر عمل کرے یا بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔

"چلو!" میں نے سکوت کا وقفہ بڑھنے پر غرا کر نیچی آواز میں کہا۔ "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتا۔"

"اگر تم آئی بی کے آدمی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کتنا سنگین جرم اپنے سر لے رہے ہو۔ میری رہائی کے بعد مشن والے یہ معاملہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں گے تو تم مشکلات میں پڑجاؤ گے۔"

"تمہارے جرم کے ثبوت کے لیے خاکی لفافہ میرے پاس موجود ہے......"

"سفارت کار قتل بھی کردے تو مقامی قانون کے تحت اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے میری بات کاٹ کر قانونی موشگافیوں کا سہارا لینا شروع کردیا "اس کی تقدیر کا فیصلہ اس کے مشن کا سربراہ ہی کرتا ہے۔ وہ خود کسی کو قانون کے حوالے کردے تو یہ اس کی صوابدید ہوتی ہے......"

"یہ تقریر بے سود ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "چلو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"اپنا شناخت نامہ دکھاؤ۔ مجھے یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ مجھے کسی سرکاری ایجنسی کا آدمی ہی لے جارہا ہے۔"

"اس وقت میری جیب میں پوشیدہ ریوالور میرا شناخت نامہ ہے۔ باہر نکلو گے تو میں تمہیں اپنا کارڈ بھی دکھادوں گا۔ اب دیر کی تو میں انتظار نہیں کروں گا۔ تمہارے خون کے لیے کوئی کسی کو جواب دہ نہیں ہوگا۔ تمہارا قتل بہت آرام سے شہر میں ہونے والی دہشت گردیوں کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ سڑکوں اور گلیوں میں وارداتیں کرنے والوں نے اب شہر کے بڑے ہوٹلوں کا رخ کرلیا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ یہاں کی سیکیورٹی کا نظام بہت سخت ہے۔ مجھے مار کر تم ہوٹل کے مسلح محافظوں سے نہیں بچ سکو گے۔ میں نے یہی سوچ کر اس ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔"

"سیکیورٹی والوں کے لیے میری اصل شناخت کافی ہوگی۔ تم ایک مرتبہ پھر بھول رہے ہو کہ تمہارے قتل کی کہانی ہماری مرضی کے مطابق بنے گی۔ کسی کو کچھ حاصل ہو یا نہ ہو' تم مفت میں جان سے جاؤ گے۔"

وہ نرم رو نظر آنے کے باوجود میری توقع سے کہیں زیادہ ... اور سخت جان تھا۔ اول خان نے بھی فون پر میرا منصوبہ سن کر ... نکتے پر زور دیا تھا کہ ہوٹل کی رونق سے حوصلہ پاکر مدن موہن ... میری دھونس میں آنے سے انکار کردیا تو کیا ہوگا۔ میں نے ... امکان کو بالکل مسترد کردیا تھا۔ میری رائے تھی کہ جان کے خوف سے میرا شکار مزاحمت کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

وہ نازک صورتِ حال تھی۔ میرا ذہن بہت تیزی سے ... کررہا تھا۔ اول خان اس وقت اپنی مختصری پارٹی کے ساتھ ... نئے قیدی کا انتظار کررہا تھا۔ وہ لوگ اندر آبھی جاتے تو میری کوئی مدد نہیں کرسکتے تھے۔ میں مدن موہن سے بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر ایک سنگین حقیقت تھی کہ اسے مار کر میں ہوٹل سے زندہ وسلامت باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ وہ ایک کھلا قتل ہوتا۔ ساری خرابیوں کے باوجود ہمارا معاشرہ اتنا حساس ضرور تھا کہ اس کی ساری ہمدردیاں مقتول کے لیے ہوتیں اور میں قاتل کے طور پر ... شخص کی نفرت کا نشانہ بن جاتا۔ بعد میں مدن موہن کا اصل چہرہ ... نقاب کرکے میرے جرم کے بوجھ کو شاید ہلکا کرلیا جاتا لیکن ... سے ابتدائی اور فوری صورتِ حال میں کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔

اسے چھوڑ کر پسپا ہونے کا نتیجہ مکمل تباہی کی صورت میں برآمد ہوتا۔ مدن موہن کے اغوا کی ناکام کوشش کی خبر تیزی سے سفارتی حلقوں میں پھیل جاتی۔ امریکی ایجنٹ ہوشیار ہوجاتے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کے منصوبے ناکام ہوجاتے۔ یہ ... ملنے کے بعد وہ دونوں مجھ سے بھی بدظن ہوجاتے یا شاید ... اصلیت کا ہی اندازہ لگالیتے اور ہم ایک مرتبہ پھر اندھیروں میں بھٹکتے رہ جاتے۔

"تم بہت سفاک اور خود غرض معلوم ہوتے ہو۔" اچانک مدن موہن بھرائی ہوئی شکست خوردہ آواز میں بول پڑا "میں قدم اٹھانے سے پہلے بتا رہا ہوں کہ یہ حرکت تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔ مجھے چار بجے ایک اہم میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔ میں وہاں نہ پہنچا تو تم اندازہ لگاسکتے ہو کہ کیا ہنگامہ کھڑا ہوگا۔"

اپنی بات پوری کرکے وہ اسی طرف چل دیا جدھر سے لابی میں نمودار ہوا تھا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا کیوں کہ میں خود بھی اسے اسی سمت میں لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ہوٹل کے خنک ماحول سے ہم باہر کی چمکیلی دھوپ میں نکلے تو وہاں اول خان کے دو آدمی بے پروایانہ انداز میں گاڑیوں سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ انہوں نے کن انکھیوں سے ہمیں دروازے سے برآمد ہوتے دیکھا اور پھر ہمارے ساتھ ہولیے۔

قیدیوں وغیرہ کو لے جانے والی ایک بند پک اپ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اول خان وہیں ہمارا انتظار کررہا تھا۔ ایس ایف کے دونوں آدمی قیدی کو لے کر پک اپ کے پچھلے حصے میں ... ہوگئے۔ میں اول خان کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر ... واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

... پرانے پولو گراؤنڈ اور ہوٹل کے درمیان بنی ہوئی نجی سڑک ... کرکے ہم خلیق الزماں روڈ پر آئے اور ہوٹل کے گرد گھوم کر ... فیصل کی طرف جانے والے راستے پر ہولیے۔

"تم نے بہت خطرناک قدم اٹھایا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم ... رہے ہو۔ فی الحال اس کا سامنے آجانا ہی کافی تھا۔ ہم اسے ... بھی اٹھاسکتے تھے۔" چند ثانیوں بعد اس نے زبان کھولی۔

میں اس وقت مدن موہن کے دیے ہوئے لفافے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مدن نے اسے مضبوطی سے بند کرکے دونوں طرف اس ... راز میں بڑے بڑے دستخط وغیرہ کیے تھے کہ لفافے کو کھول کر ... اس کی اصل حالت میں لوٹانا ناممکن تھا۔ میں نے اول خان ... بات سن کر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت اعصاب ... کن کام ثابت ہوا۔ وہ کچھ دیر 'ڈرا اڑا' رہتا تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ ... شاید میں نے اپنی زندگی کا کمزور ترین فیصلہ کیا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں اس کو بھول جانا چاہیے...."

"بس وہ ڈر گیا ورنہ تم کچھ بھی نہ کرپاتے" اس نے میری بات ... کے کہا۔

"میں نے انسانی فطرت کے اس پہلو پر انحصار کیا تھا۔ اس نے بہت دیر تک مزاحمت کی مگر پھر انسانی فطرت اس پر غالب آگئی۔ وہ بدری ناتھ کے لیے یہ لفافہ لے کر آیا تھا" میں نے بات ... دی۔ مدن موہن کو پکڑنے میں کامیابی کے باوجود میں اس ... ذکرے پر خفت سی محسوس کررہا تھا۔

اول خان نے بائیں ہاتھ سے لفافہ ٹٹول کر کہا "یہ بہت ہلکا سا ہے۔ اسے کھول کر دیکھنا ہوگا۔"

"نہیں' لفافے پر دستخطوں کی صورت میں شاید کوئی شناخت ڈالی گئی ہے۔ لفافہ کھولا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔ لفافہ بدلنے سے بھی وہ دونوں شک میں پڑجائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان کوششوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے میں اسی وقت یہ لفافہ ان تک پہنچادوں۔ ابھی تک وہ آنکھیں بند کرکے مجھ پر اعتماد کررہے ہیں۔ لفافے کا پیغام خود ہی میرے سامنے آجائے گا۔"

"بمت عجلت ہے تمہیں اپنے نئے دوستوں تک پہنچنے کی!" اول خان نے مسکرا کے کہا۔

"مدن موہن کی گمشدگی زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ وہ پیچھے بے ہوش پڑا ہوا ہے جب کہ اسے چار بجے کسی اہم میٹنگ میں شریک ہونا تھا۔ اس وقت سوا تین ہوئے ہیں۔ تم اسٹیشن فور جارہے ہو۔ شارعِ فیصل پر مجھے ٹیپو سلطان روڈ کے جنکشن پر اتار دینا۔ اپنی ذات کو شکوک و شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے میں ایک نئی کہانی سوچ رہا ہوں۔ وہ چل گئی تو دو چار روز میں مدن موہن کے سارے چاہنے والے اس کے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ میں یہ بات پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہارے لیے مدن موہن بہت کارآمد ثابت ہوگا۔"

"ان معاملات کو تم خود ہی بہتر سمجھ سکتے ہو۔ آج ایک کامیابی ملی ہے۔ دن خیریت سے گزر جائے تو میں سمجھوں گا کہ ہم نے دوسری بڑی کامیابی بھی حاصل کرلی ہے" اول خان نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"دوسری کامیابی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "کیا تم کہیں اور بھی الجھے ہوئے ہیں؟"

"تم بھول رہے ہو۔ آج یوم السبت ہے۔ آئزک بیل کی دھمکی پوری ہونے کا دن۔ آدھے سے زیادہ دن خیریت سے گزر چکا ہے۔ خدا کرے کہ بقیہ دن بھی اسی طرح گزر جائے۔"

"اوہ۔ صبح تک مجھے بھی یاد تھا لیکن مدن موہن کے چکر میں ہر بات ذہن سے محو ہوگئی۔"

"میں مدن موہن کو چھولداری کے بجائے کسی محفوظ ٹھکانے پر رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ کام کرتے ہی میں گھر لوٹ آؤں گا۔ اس سے پوچھ گچھ کا کام میرے آدمی کرلیں گے۔ ہوسکے تو سونے سے پہلے فون پر بات کرلینا۔"

"میں خود بھی تم لوگوں سے بچھڑ کر پریشان رہتا ہوں۔ موقع ملتے ہی بات کروں گا۔"

"ہوسکے تو جہانگیر کو بھی سمجھا دینا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ بہت برا سلوک کرتا ہے" اول خان نے دردمندی سے کہا "اب اس کے لیے میدان صاف ہوچکا ہے۔ اس سے کہو کہ گھر میں بیٹھنے کے بجائے باہر نکل کر کوئی کاروبار جمائے ورنہ اس کی بے جا باتوں سے اس کی ازدواجی زندگی تباہ ہوجائے گی۔"

"میں پہلے ہی اسے لعن طعن کرچکا ہوں۔ بے کاری کا طویل عرصہ گزار کر وہ ذرا کام چور ہوگیا ہے۔ اسے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ وہ میری بات ذرا توجہ سے سنتا ہے۔"

"اس کی بیوی بھی تمہارے گن گاتی ہے۔ کل رات ہم اسے گھر لے آئے تھے۔ وہ جب تک رہی' تمہاری اور غزالہ کی تعریفیں ہی کرتی رہی۔ اسے تم دونوں پر بڑا رشک آتا ہے۔"

"اور میرے لیے یہی سب سے خطرناک بات ہے۔ غزالہ مجھ سے کھل کر شکایت نہیں کرتی مگر سلطان شاہ کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے لیے ان عورتوں کی پسندیدگی سے بہت نالاں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کسی مرد کو چاہنے اور پسند کرنے کا اختیار اور حق صرف اس کی بیوی کو حاصل ہوتا ہے۔ دوسری عورتوں کو اس چراگاہ سے باہر رہنا چاہیے۔"

اول خان نے محظوظ ہوکر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اب تم عورتوں کے ساتھ درشت رویّہ اپنانا شروع کردو۔ شکایتیں ایک دم سے پیدا نہیں ہوتیں۔ یوں ہی آہستہ آہستہ پروان چڑھتی ہیں۔ جہانگیر کا حال تمہارے سامنے ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دونوں آئے دن لڑتے رہتے ہوں گے۔"

"خدا کے لیے' مجھے ان سے نہ ملاؤ۔ ان کا کیس ہی کچھ اور

ہے۔"

میں نے فون پر اول خان سے مدن موہن کے اغوا کا پروگرام طے کرتے ہوئے بہت سی باتیں بتادی تھیں۔ سفر کے باقی حصے میں، میں نے مدن موہن کے بارے میں بدری ناتھ سے سنی ہوئی ہر بات اس کے کانوں میں ڈال دی تاکہ اسے مدن موہن سے پوچھ گچھ میں آسانی ہوسکے۔

ٹیپو سلطان روڈ والے ٹریفک سگنل سے ذرا پہلے اول خان نے مجھے سڑک کے کنارے اتارا اور پھر اپنے قیدی سمیت تیزی سے آگے روانہ ہوگیا۔ میں نے چند ثانیوں تک وہیں رک کر ٹریفک تھمنے کا انتظار کیا اور پھر سڑک پار کرکے نادرہ کے مکان کی طرف چل دیا جہاں میرے دو حریف میرے منتظر تھے۔

میں اس روز مدن موہن سے ملاقات کے لیے اپنی گاڑی نہیں لے جاسکا تھا کیونکہ کافی کوششوں کے بعد بھی اس کا انجن اسٹارٹ نہیں ہوسکا تھا۔ گاڑی کے انجن کی دیکھ بھال کے بعد جب کوئی بات میرے پلے نہیں پڑسکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے ٹیکسی سے ہی پرل کے لیے روانہ ہوگیا تاکہ وقت پر وہاں پہنچ سکوں۔ اول خان اپنے آدمیوں کے ساتھ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس سے آخری تبادلۂ خیال کرکے میں نے اپنا مورچا سنبھال لیا تھا۔ کام سے نمٹنے کے بعد اول خان نے مجھے گھر پہنچادیا تھا اس طرح مجھے پوری مہم میں گاڑی کی کمی کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔

میں احاطے میں داخل ہوا تو میری گاڑی کا بونٹ اٹھا ہوا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال تھکے ہوئے انداز میں باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے میرا انتظار کررہے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بدری ناتھ نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا "رکشہ ٹیکسی کے رکنے کی آواز کے بغیر تم اچانک کہاں سے نازل ہوگئے؟"

ان دونوں پر اپنی واپسی کا وقت واضح کرنے کے لیے میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑا کر کہا "اس وقت ساڑھے تین بجے ہیں۔ سارا وقت آمدورفت میں ہی صرف ہوا ورنہ کام تو دو منٹ کا بھی نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنی جیب سے مدن موہن کا دیا ہوا لفافہ نکال کر بدری ناتھ کو تھمادیا۔ اس وقت میں اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے لفافے کو الٹ پلٹ کر جائزہ لیا پھر اس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہفتوں بعد یہ لفافہ نظروں میں آیا ہے۔ اس میں یقیناً سائفر کوڈ میں پیغام دیا گیا ہوگا" یہ کہہ کر اس نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ پھاڑا، خط نکال کر پھٹا ہوا لفافہ جیب میں اڑسا اور پھر تہیں کھول کر سفید کاغذ پر ملنے والے پیغام کا جائزہ لینے لگا۔

میں پوری تحریر نہیں دیکھ سکا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ پیغام اتنا مختصر یا غیراہم نہیں تھا کہ بدری لمحہ بھر بعد ہی وہ کاغذ رمیش کی طرف بڑھادیتا۔ کاغذ اس کے حوالے کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولا "یہ سائفر کوڈ ہی ہے۔ اندر بیٹھ کر اطمینان سے ڈی کوڈ کئے بغیر اس کا مفہوم واضح نہیں ہوسکے گا۔ یہ بتاؤ کہ مدن موہن سے تمہاری ملاقات کیسی رہی، وہ کیسا آدمی محسوس ہوا؟"

"میرے ساتھ اس کا رویّہ خشک اور رواجی سا تھا" میں نے ان دونوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا "وہ پریشان تھا۔ لابی میں رکنے کے بجائے مجھے ساتھ لے کر ہوٹل سے باہر آیا، لفافہ دے کر تمہارے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا اور پھر مجھے ساتھ لے کر ایک ٹیکسی میں سوار ہوگیا۔ مجھے اسی نے یہیں لا کر اتارا ہے۔ میں نے اشارے سے اسے یہ گلی دکھادی تم کو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت یہاں آجائے۔"

"وہ ٹیکسی میں تھا!" بدری ناتھ نے تعجب سے دہرایا "تمہیں اتار کر وہ کہاں گیا ہے؟"

اس وقت تک ہم تینوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ چکے تھے۔ میں نے گہرا سانس لے کے کہا "وہ کسی چکر میں آیا ہوا ہے، کہہ رہا تھا کہ چار بجے کوئی ضروری میٹنگ ہے مگر وہ اس میں شرکت نہیں کرے گا۔ میری منزل معلوم کرنے کے بعد اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے ائرپورٹ چلنے کی بات کی تھی۔"

"میٹنگ، ائرپورٹ! تو کیا وہ اپنے ساتھ کچھ سفری سامان بھی لایا تھا؟" رمیش نے پوچھا۔

"میری طرح بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اس کی باتیں الجھی الجھی اور پراسراری تھیں۔"

"پھر اس کا پیغام فوراً ہی ڈی کوڈ کرنا ہوگا" بدری ناتھ نے کاغذ رمیش کے ہاتھ سے لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "ہوسکتا ہے کہ اس کاغذ پر اس نے اپنے مسائل کا بھی ذکر کیا ہو۔"

وہ چلا گیا۔ میں رمیش کے ساتھ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھا رہ گیا۔ وقت گزاری کے لیے میں نے سگریٹ سلگالی۔

"تمہاری گاڑی کے انجن پر ہم نے خاصی جھک ماری ہے" رمیش نے مجھے آگاہ کیا۔

"بھگوان تمہیں ہندی میں اس کا اجر دے گا۔ کچھ پتا چلا؟ اب بھی مستری کی ضرورت پڑے گی؟"

"تمہارا ڈرائیور عقل سے بالکل پیدل ہے۔ گاڑی کا کوائل جلا ہوا ہے اور وہ کاربوریٹر صاف کرنے بیٹھ گیا تھا۔ بس کوائل بدل لو۔ گاڑی دوڑنے لگے گی۔"

"یہ معمولی سا خرچ تم بھی کرسکتے تھے۔ ڈرائیور نیا کوائل لادیتا" میں نے کہا۔

"وہ کوائل خریدنے گیا ہوا ہے۔ دراصل آج رات ہم تمہارے ساتھ شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں اسی لیے گاڑی کی طرف سے فکرمند تھے۔ اب تم مدن کے بارے میں تشویشناک خبریں لائے ہو۔ دیکھنا پڑے گا کہ اس نے خط میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر اس کی مدد کرنی پڑے گی۔"

"مدد اسی صورت میں کرسکوگے کہ وہ شہر میں موجود ہو۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ عجلت میں جہاز سے کہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ اتنا بااخلاق نہیں ہے کہ صرف مجھ جیسے اجنبی کو گھر پہنچانے کے لیے ٹیکسی میں یہاں تک دوڑا چلا آتا۔ ہوسکتا ہے کہ دفتر میں چار بجے ہونے والی میٹنگ میں اسے اپنے اوپر کسی کڑی باز پرس یا تنقید کا خوف رہا ہو اور وہ شہر چھوڑ گیا ہو۔"

"تمہاری باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں" رمیش سہلاتے ہوئے بولا "ایسا ہوا ہے تو یہ بہت خطرناک ہوگا۔ میٹنگ سے بھاگ کر وہ اپنی گردن نہیں بچاسکے گا۔ فارن سروس میں کام کرنے والے دوسرے ملکوں میں صرف اسی وقت ایسی حرکت کرتے ہیں جب وہ اپنے ملک سے منحرف ہوکر کہیں سیاسی پناہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مدن یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ کل بدری سے بات کرتے ہوئے وہ ذرا بھی پریشان نہیں تھا۔"

"تم اپنے قونصل خانے سے رابطہ کرکے معلومات حاصل کرسکتے ہو" میں نے انجان بن کر پورے خلوص سے ایک ناقابلِ عمل مشورہ دیا اور رمیش کا منہ بن گیا۔

"ہم پر پابندی ہے۔ قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو ہم اپنوں سے رابطہ نہیں کرسکتے۔ کسی خاص مقصد کے لیے ہمیں سب سے الگ تھلگ اور گمنام رکھا جارہا ہے۔ مدن کی ہمدردی میں ایسی کوئی حرکت کرتے ہی ہم عتاب میں آجائیں گے۔ را میں یہ عتاب بہت عبرتناک ہوتا ہے۔"

"تو پھر تم نے مدن کو کیوں فون کیا تھا؟" میں نے کٹ حجتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کوئی باضابطہ رابطہ نہیں تھا۔ وہ ہمارا پرانا دوست ہے۔ یہ ذاتی سطح کی باتیں ہیں جن پر پابندیاں عائد نہیں کی جاسکتیں۔ پیغام ڈی کوڈ کرتے ہی اس کا خط اور لفافہ تک جلادیا جائے گا۔ کہیں کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا کہ اس نے ہمارے کام میں مدد دینے کی کوئی کوشش کی تھی۔"

"آج تم بالکل ہی سوکھے نظر آرہے ہو۔ شاید صبح سے جن کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔"

"ہاں... آں" وہ جن کا نام سنتے ہی جماہی لے کر بولا "کل ندیدے پن میں ہم زیادہ ہی پی گئے تھے۔ ابھی تک اس کے اثرات باقی ہیں۔ رات کی سیر سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے ہم نے آج دن میں پرہیز کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ دل چاہ رہا ہے، بدن مانگ رہا ہے مگر ہم نے خود کو کہیں نہ کہیں مصروف رکھا ہوا ہے۔"

اس کے پاس کوئی مصروفیت تھی نہ میرے پاس کوئی کام تھا۔ بدری کی واپسی کے انتظار میں ہم دونوں وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا۔ اسی دوران میں باہر سے گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو میں تیزی سے باہر لپکا۔ وہاں الس ٹی ایف کا ڈرائیور کوائل تبدیل کرکے گاڑی کا بونٹ بند کرچکا تھا اور انجن دھیمی آواز میں روانی سے چل رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بدری واپس آیا تو اس کے چہرے سے دبے دبے جوش کا اظہار ہورہا تھا۔ اس نے آتے ہی اعلان کیا کہ مدن کے خط میں اس کے کسی ذاتی مسئلے یا پریشانی کا ذکر نہیں تھا لہٰذا اس بارے میں ہمارے سارے خدشے بے بنیاد تھے۔ وہ صرف اپنے دوستوں کا ٹھکانا دیکھنے کے لیے اس طرف آیا تھا۔

"اور علی شیر جو چار بجے والی میٹنگ کی بات کررہا ہے، اسے کہاں لے جاؤگے؟" رمیش نے پوچھا۔

"وہ مدن کے شگوفے بھی ہوسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے ساتھ علی شیر کی وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اس سے ایسی باتیں کرتا رہا ہو۔ وہ بہت چلتا پرزہ ہے۔ اس کی مخالفانہ باتوں پر علی شیر ہمدردی کے دو بول بھی بولتا تو مدن اس سے لفافہ واپس لے کر رفوچکر ہوجاتا۔ وہ پیغام بہت اہم ہے۔"

"تم لوگ چاہو تو میں یہاں سے جاسکتا ہوں تاکہ تم بے فکری سے اس اہم پیغام پر تبادلۂ خیال کرسکو" میں نے نہایت معصومیت سے ان کو پیش کش کی۔

"حالات کچھ ایسے رخ پر جارہے ہیں کہ ہمارے لیے تمہاری ضرورت اور اہمیت بڑھتی جارہی ہے" بدری نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ تم ہماری صف میں شامل ہوچکے ہو۔"

بدری ناتھ کے وہ الفاظ میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھے۔ اس وقت تک سب کچھ بالکل اسی طرح ہوتا چلا جارہا تھا، جس طرح سوچا گیا تھا۔ میں ان کے قریب رہ کر ان کی جڑوں پر کاری وار لگانے کی فکر میں تھا اور وہ میری تلاش کے لیے مجھ سے ہی مدد لینا چاہ رہے تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ ان کے دماغ بالکل گمراہ کن راہوں پر کام کررہے تھے۔ میں نے مدن کے اغوا کی پردہ پوشی کے لیے ان کو جو من گھڑت کہانی سنائی، اس نے انہیں تھوڑی دیر کے لیے ضرور پریشان کیا مگر پھر انہوں نے خود ہی اس کہانی کے ایسے جواز پیدا کرلیے کہ میں حیران رہ گیا۔

یہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ وہ ہمیشہ دیے ہوئے دائرۂ کار سے باہر رہنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ لگے بندھے ضابطوں پر چلنے کے بجائے اپنے لیے من پسند راہیں منتخب کرتا ہے اور پھر اس کے لیے نت نئی تاویلیں دریافت کرکے خود کو حق بجانب قرار دیتا چلا جاتا ہے۔ جب تک وہ تباہی کے عین دہانے پر نہ پہنچ جائے، خود کو راہِ راست پر تصور کرتا رہتا ہے اور جب اسے اپنی بھیانک غلطی کا ادراک ہوتا ہے تو واپسی کی ہر راہ مسدود ہوچکی ہوتی ہے۔

میں نے مدن موہن پر نازل ہونے والے متوقع مصائب سے اس کے عزیز ترین دوستوں کو کسی نہ کسی طرح آگاہ کردیا تھا لیکن وہ اس کی چالاکیوں کے شیدائی تھے۔ انہوں نے میری ہر بات کو ٹال دیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ دو چار دن میں ان کو کہیں سے مدن موہن کے غائب ہونے کی خبر ملے گی تو ان کی پوری توجہ میری کہانی پر

مبذول ہو جائے گی۔ اس مرحلے پر وقت ان کے ہاتھوں سے نکل چکا ہوگا اور میں ان ہی کے ذریعے مدن موہن کے بڑوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ وہ کسی ناگہانی مصیبت کا نشانہ بننے کے بجائے نامعلوم وجوہ کے تحت اپنی مرضی سے کہیں فرار ہوا ہے۔

"یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ میں ایک آزاد پنچھی کی طرح اپنی مرضی کی فضاؤں میں پرواز کرنے کا عادی ہوں۔ یہ سمجھ لینا کہ جس دن بھی تمہاری رفاقت سے میرا دل اکتا گیا، میں چاہوں گا کہ میرا حساب بے باق کر کے خوش دلی سے مجھے رخصت کر دیا جائے۔ میں جبر برداشت نہیں کر سکتا" قدرے توقف کے بعد میں نے پوری احتیاط سے کام لیتے ہوئے بدری کی پیش کش کا جواب دیا۔

بدری ناتھ کے پتلے پتلے ہونٹوں پر اس کی مخصوص استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اپنی مرضی کی آزاد فضاؤں میں اڑنے کے شوقین پنچھی جب بھٹک کر ویرانوں اور ریگزاروں کی طرف نکل جاتے ہیں تو رزق کے ایک ایک دانے کو ترستے رہتے ہیں۔ ایک جگہ آشیانہ بنا کر ہر رات وہیں بسیرا کرنے والوں کو رزق بھی ملتا رہتا ہے اور ان کی آزادی بھی برقرار رہتی ہے۔"

"تمہیں کام سے غرض ہے" رمیش نے بدری کی بات کو سمجھتے ہوئے اضافہ کیا "تمہیں معقول معاوضے پر مناسب یا شاید تمہاری مرضی کا کام ملتا رہے گا تو تم کس طرح اکتا جاؤ گے۔ ہم بہت خراب حالات میں تم سے ٹکرائے ہیں ورنہ لوگ ہمارے لیے کام کرنے کو ترستے ہیں۔ ہمارے ساتھ رہ کر تم عیش کر سکتے ہو۔"

اس مرتبہ میرے ہنسنے کی باری تھی۔ میں نے کہا "تمہارے عیش میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ تم تن کے چار کپڑوں کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ تمہاری باقی ضروریات کا بندوبست بازار سے کیا گیا ہے....."

بدری نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بولنا شروع کر دیا۔ "ہم باہر کام کر رہے ہیں۔ تم یہیں رہ کر کام کرو گے۔ یہ تمہاری مرضی ہوگی کہ ہماری واپسی کے بعد آزاد روی اختیار کر لو یا چاہو تو ہمارے دوسرے ساتھیوں کے لئے کام کرتے رہو۔ ہمیں کار آمد اور قابلِ اعتماد لوگوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔"

"تمہارا ساتھ تو میں دیتا ہی رہوں گا۔ بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ مدن جیسے مغرور اور نک چڑھے لوگوں کی بالا دستی میں ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکوں گا" میں نے جواب دیا۔

"ہمارے ساتھ تمہاری پہلی ملاقات خاصی بھیانک اور سنسنی خیز تھی" بدری نے مجھے یاد دلایا "یہ ایک سیکرٹ ایجنٹ کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ کسی نئے چہرے پر پہلی نظر میں اعتماد نہیں کرتا۔ اسے جانچتا اور پرکھتا ہے پھر اس کے صحیح مقام کا تعین کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ یہ مقام خود بخود گھٹتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔"

"اب اپنی بات کرو۔ مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"راس المیڈا کو شدت سے ہمارا انتظار تھا" بدری ناتھ نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے کاغذ پر غیر ارادی انداز میں نظر ڈال کر کہا "منصوبہ یہ تھا کہ ساگا ہمیں راس المیڈا تک پہنچاتا، راس ہمیں نک سے ملا دیتا لیکن راس اور ساگا کی موت کے بعد سب کچھ بدل گیا ہے۔ ہمیں دور رہ کر نک سے ہدایات لینی ہوں گی۔ ہمارے درمیان رابطے کا کام تم سرانجام دو گے۔ بالکل اسی طرح جیسے آج تم مدن موہن سے ملے تھے۔"

"اور یہ نک کون ہے؟ کوئی مقامی کرسچین یا غیر ملکی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نک موڈلے کراچی میں امریکی قونصل خانے کا کوئی افسر ہے۔ ہم اس کے لیے کام کریں گے۔"

"اور یہ اطلاعات تمہیں مدن موہن نے اپنے خفیہ پیغام کے ذریعے فراہم کی ہیں؟"

"اس کے سوا اس وقت ہمارے پاس کوئی متبادل ذریعہ نہیں ہے۔"

"اس سے رابطے کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟" وہ گفتگو میرے لیے لحہ بہ لحہ سنسنی خیز ہوتی جا رہی تھی۔

"وہی جو مدن موہن کے لیے تھا۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اس بار تمہارا کوڈ نام کیٹ ہوگا اور تم براہِ راست قونصل خانے جا کر نک موڈلے سے ملاقات کرو گے۔ سنگین خطرات کی وجہ سے ان لوگوں نے آج کل خود کو گھروں اور دفاتر تک محدود کیا ہوا ہے۔ ہر ملاقات پر وہ اگلی ملاقات کا وقت اور مقام بتا دے گا۔"

"نام کیٹ تو شاید کسی جنگی طیارے کا نام ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ اس وقت یہ تمہارا پاس ورڈ ہے۔ سیکیورٹی والے یہ کوڈ سنتے ہی تمہیں نک موڈلے تک پہنچا دیں گے۔ پہلی ملاقات کے لیے کل صبح گیارہ بجے کا وقت دیا گیا ہے" بدری نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ڈیبی اور رویرا کی تلاش کا قصہ اب ختم سمجھوں۔"

"یہ میں نے کب کہا؟ دونوں کام ساتھ ساتھ چلیں گے" اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

"وہ تم سے کس قسم کا کام لینا چاہتا ہے؟" قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ تو پہلی ملاقات کے بعد ہی پتا چل سکے گا۔ فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا" بدری نے جلدی سے جواب دیا "سچ پوچھو تو یہ ساری باتیں اس لیے ممکن ہوئیں کہ تم نے مدن سے ملنے والے لفافے سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ تمہیں وہ جس طرح ملا اسی طرح تم نے میرے حوالے کر دیا۔"

"تمہیں کیا پتا کہ میں نے اسے نہیں کھولا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ خاص کاغذ سے بنے ہوئے لفافے ہیں جنہیں را میں خاص پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لفافے پر دونوں طرف دستخط نما بڑی بڑی لکیروں والی شناختی مہریں ایک خاص قسم کی سیاہی سے لگائی جاتی ہیں۔ وہ سیاہی ہر طرح پختہ ہوتی ہے لیکن لفافے کو بھاپ دکھا کر کھولنے کی کوشش کی جائے تو وہ سیاہی بری طرح پھیل جاتی ہے اور خاکی کاغذ کی سطح پر زرد رنگ کے دھبے نمودار ہو جاتے ہیں۔ تم نے بہت کم وقت میں وہ لفافہ میرے پاس پہنچا دیا۔ یہ تمہاری نیک نیتی کا پہلا ثبوت تھا۔ دوسرا ثبوت لفافہ دیکھنے پر مل گیا۔"

"اور اگر میں وہ لفافہ ہی بدل دیتا تو کیا ہوتا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اسے قطعی اہمیت نہ دیتا۔ مدن کو یہاں ساری دفتری سہولتیں حاصل ہیں۔ عام حالات میں را کا کوئی ایجنٹ اہم پیغامات کی ترسیل کے لیے عام لفافہ استعمال نہیں کرتا۔ تم پر شبہ ہو جانے کی صورت میں افسوسناک نتیجہ برآمد ہوتا۔ ہم تمہیں ختم کر کے واپسی کی راہ لیتے۔ رازداری ہمارے موجودہ مشن کی بنیاد ہے۔ ہماری یہاں موجودگی کا راز کسی دشمن کے ہاتھ لگ جانے کے بعد مشن جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا۔"

"گویا یوں کہو کہ میں نے تمہارے اعتماد کا دھوکا نہیں دیا اس وجہ سے تمہارا مشن بدستور جاری ہے۔ وہ مشن کیا ہے، تم اس سے بالکل بے خبر ہو کیونکہ تمہاری لگام نک موڈلے کے ہاتھ میں ہے۔"

"ہاں، اس وقت چیف نک موڈلے ہے۔ ہمیں اس کی ہدایات کی تعمیل کرنی ہے۔"

وہ ایک اہم اور نازک موڑ تھا۔ میں نے کسی سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر اول خان کو مدن مدہن سے ملے ہوئے لفافے پر طبع آزمائی کرنے سے روکا تھا اور اسی ایک فعل نے ساری صورتِ حال یکسر بدل کے رکھ دی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کو مذموم تخریبی مقاصد کی تکمیل اور میری بیخ کنی کے لیے بھارت سے کراچی بلایا گیا تھا مگر اس وقت تک ان مخصوص تخریبی عزائم کی نشان دہی نہیں ہو سکی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نک موڈلے سے ایک ملاقات کے بعد بلی تھیلے سے باہر آ جائے گی اور ہم ان کے عزائم سے واقف ہو کر ان کا سدِباب کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں گے۔ ان حالات میں نک موڈلے سے ملاقات سے انکار کفرانِ نعمت ہو سکتا تھا۔

وہ بڑی طاقتوں کی عالمگیر سازشوں کی کوئی پراسرار کڑی تھی۔ یہ بات بعید از قیاس تھی کہ ایسے کسی مشن کے لیے ایک یا چند افراد پر کلی انحصار کر لیا جاتا۔ میں انکار کر دیتا اور را کے ان دونوں ایجنٹوں کا پتا صاف کر دیتا تب بھی نک موڈلے اپنے عزائم سے دست بردار نہ ہوتا۔ اس کے کام میں تاخیر ضرور ہو سکتی تھی مگر وہ دوسرے لوگوں کے ذریعے تکمیل کے مراحل تک پہنچتا اور ہم بے خبری میں مار کھا جاتے۔

نک موڈلے سے ملاقات ہر اعتبار سے ضروری اور ناگزیر نظر آ رہی تھی مگر اس میں سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔

اس ملاقات کے لیے میں اپنی جگہ سلطان شاہ کو نہیں بھیج سکتا تھا۔ پورے پس منظر سے واقف نہ ہونے کی بنا پر وہ نک موڈلے کے سامنے بے نقاب ہو سکتا تھا۔ میں خود جاتا تو پہچان لیے جانے کا ڈر تھا۔ میری ذات ان کے لیے دلچسپی کا خاص موضوع بنی ہوئی تھی۔ ان کا قونصل خانہ مسلح محافظوں اور خفیہ کمانڈوز میں گھرا ہوا ایک قلعہ تھا جہاں داخل ہونے والا اپنی مرضی سے واپس

نہیں آسکتا تھا۔

میں سنتا رہا تھا کہ حفاظتی بندوبست کے نام پر انہوں نے اپنے قونصل خانے میں بے شمار خفیہ کیمرے نصب کیے ہوئے تھے جن سے ہر آنے والے کی حرکات و سکنات کو آخر تک مانیٹر کیا جاتا تھا۔ ان کیمروں سے اسکرین پر ملنے والی فلموں کی پڑتال اور مانیٹرنگ کے لیے ایسے ماہرین موجود ہوسکتے تھے جو امریکی مفادات کے سرگرم دشمنوں کو پہلی نظر میں پہچان لینے میں کمال کی مہارت رکھتے ہوں۔ میں مدن موہن جیسے اوباش اور یکہ و تنہا ایجنٹ کو فریب دے کر پھانسنے میں کامیاب ہوچکا تھا لیکن جدید سہولتوں سے لیس اس نظام کو شکست دینا میرے بس سے باہر تھا۔

میں نے انہیں گہرے گھاؤ لگائے تھے۔ ان کی چار دیواری سے باہر رہ کر ان کے مایہ ناز دماغوں کو خاک و خون میں نہلا دیا تھا۔ وہ مجھے بھول سکتے تھے نہ معاف کرسکتے تھے۔ میں ایک بار ان کی دہلیز پر قدم رکھ دیتا اور وہاں پہچان لیا جاتا تو میرے عبرت ناک انجام کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا تھا۔

مدن موہن ایس ٹی ایف کی تحویل میں جاچکا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال ہر لمحے میری دسترس میں تھے۔ نک موڈلے کی اوٹ میں مزید کامیابیاں میری منتظر تھیں مگر مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار تھا۔ فوری طور پر میں بدری ناتھ کی پیش کش قبول کرسکتا تھا نہ اسے مسترد کرسکتا تھا۔

آخر میں نے اسی سے بات کرنے کا فیصلہ کرکے کہا "ابھی تک میرا اور تمہارا سمجھوتا چل رہا ہے۔ معاوضہ لے کر میں تمہارے لیے کام کررہا ہوں لیکن اب یوں معلوم ہورہا ہے جیسے تم مجھے نک موڈلے کے ہاتھوں بیچ رہے ہو۔ مجھے تمہارے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنا آقا تسلیم کرنا ہوگا۔ میرے لیے یہ کڑوی گولی ہے۔"

"وہ ہمارا چیف ہوگا۔ تمہیں اس سے ہدایات لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم کو ہمارے پیغام رساں کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس بارے میں تم ضرورت سے زیادہ سوچ رہے ہو" بدری ناتھ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے جو تم کہہ رہے ہو لیکن نک موڈلے براہِ راست مجھے کوئی ہدایت دے بیٹھا تو کیا ہوگا۔ وہ تمہارا چیف ہے اور میں تمہارا تابع۔ میرے انکار کا طوق کس کی گردن میں آئے گا؟"

"یہ نہیں ہوسکتا' یہ نہیں ہوگا" میرے ذہنی تحفظات کا اندازہ لگا کر بدری ناتھ نے پُرزور لہجے میں کہا "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔ کسی بھی مرحلے پر میں نک موڈلے پر یہ بات واضح کردوں گا کہ وہ تم سے براہِ راست کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اپنے مسائل کے بارے میں فکرمند ہونا میرا حق ہے۔ تمہارا ایک فقرہ میرے ذہن سے یہ تفکرات نہیں کھرچ سکتا۔ ایسا ہی ہے تو مجھے سوچنے کے لیے مہلت دو۔ کل صبح گیارہ بجے میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ میں مطمئن ہوگیا تو یہ ملاقات پرسوں ہوسکتی ہے۔ اس سے پہلے ناممکن ہے۔"

"چیف کے دیے ہوئے وقت کو ٹالنا میرے بس سے باہر ہے۔ ان کاموں میں آدمی ہر وقت اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے لیکن ڈسپلن کے معاملے میں اسے ایک روبوٹ بننا پڑتا ہے۔ نک موڈلے نے جو کہہ دیا ہے اس پر عمل ہوگا۔ اس سے انحراف کیا گیا تو ہمیں سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

"کہیں تم مجھے سزا کی دھمکی تو نہیں دے رہے؟" میں نے چونک کر اس سے پوچھا۔

"اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم سروس سے باہر کے آدمی ہو۔ میں اپنی بات کررہا تھا۔ الزام میرے اوپر آئے گا کہ میں نے قاصد کے طور پر ایسے آدمی کا انتخاب کیا جو اچانک ہی اپنے کام سے منحرف ہوگیا۔"

"اور اس ناکردہ جرم پر نک موڈلے تمہیں سزا دے گا؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"اسے پورا حق حاصل ہوگا۔ وہ خاموش رہا تو میرے بڑے خاموش نہیں رہیں گے۔ تمہارے اس انکار کا طوق میری گردن میں پڑے گا۔ میں نے پوری صورتِ حال تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اب تم اپنا فیصلہ کرسکتے ہو۔"

بدری ناتھ ذرا سی دیر پہلے کہہ چکا تھا کہ میں نے مدن موہن کے دیے ہوئے خط کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ہوتی تو وہ مجھے مار کر خاموشی سے بھارت واپسی کی راہ اختیار کرلیتا۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ میرے انکار کے بعد بھی اس کا وہی ردِعمل ہوتا۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ اپنی کسی مکروہ کوشش میں کامیاب نہ ہوپاتا۔

"ابھی پیغام ملا ہے اور تم اسی وقت علی شیر کا فیصلہ سننا چاہ رہے ہو" رمیش نے اس گفتگو میں پہلی مرتبہ دخل انداز ہوتے ہوئے زبان کھولی "صبح کے گیارہ بجنے میں ابھی سترہ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی ہے۔ علی شیر کو سوچنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ نک سے ملاقات کا وقت آنے سے پہلے ہی یہ کسی اچھے فیصلے پر پہنچ جائے۔"

"ہاں ہاں۔ میں بھی اسی وقت جواب نہیں مانگ رہا" بدری ناتھ نے اس کی تائید کی "بات شروع ہوئی تو مجھے سب کچھ بتانا پڑگیا۔ علی شیر کو مقررہ وقت سے پہلے کوئی آخری فیصلہ کرنا ہے۔"

اسی وقت خانساماں نے آکر اطلاع دی کہ میرے کمرے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔

دوسری طرف سے ویرا بول رہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی اس نے سوال کر ڈالا "کل شام سے تم گھر سے بھاگے ہوئے ہو۔ کس وقت تک واپس آرہے ہو؟ یہاں سلطان شاہ سے میری ذرا سی بدمزگی ہوگئی ہے..."

وہ انکشاف سنتے ہی میں چڑ گیا "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں مجھے قبر میں بھی چین نہیں لینے دوگے۔ میں اپنے مسائل میں گھرا ہوا ہوں۔ آج واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ صبح گیارہ بجے شاید مجھے امریکی قونصل خانے جانا پڑجائے۔"

"امریکی قونصل خانے...." ریسیور پر ویرا کی تحیر زدہ چیخ گونجی۔ "کیا تم پاگل ہوگئے ہو۔ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔ تمہاری راکھ تک کا پتا نہیں چل سکے گا۔ تمہیں یہ وحشت ناک خیال کیوں آگیا؟"

میں نے مختصر ترین الفاظ میں اسے تازہ پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے تاکید کی "یہ سب باتیں اول خان کو بتا کر آپس میں مشورہ کرلینا۔ میں سات بجے سے پہلے اول خان کے فون کا انتظار کروں گا۔ اس وقت میں اس کے مشورے کی ضرورت محسوس کررہا ہوں۔ یہ دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کا ایک نایاب لیکن خطرناک موقع ہے۔"

"میں اسے بتادوں گی مگر مجھے یہ سب گڑبڑ ہی معلوم ہورہی ہے۔ تم اپنی دانست میں ان دونوں کو پھانسے بیٹھے ہو اور یہ سمجھ رہے ہو کہ جب چاہو گے انہیں مار لوگے۔ ادھر وہ تمہیں پہچان لینے کے باوجود انجان بن کر تمہارے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے وہ بہت مکاری سے تمہیں امریکی قونصل خانے میں پہنچانے کے مشن پر کام کررہے ہیں۔ باقی سب ڈھکوسلا ہے۔ ان سے ہوشیار رہو اور موقع ملتے ہی ان کے نرخرے کاٹ دو۔ وہ تمہارے ساتھ کوئی بہت اونچا چکر چلانے کی فکر میں ہیں۔"

ویرا نے اس امکان کی نشاندہی کرکے مجھے ایک نئی تشویش میں مبتلا کردیا۔ بادی النظر میں اس کی بات دل کو لگتی تھی۔ میں نے کہا "اس وقت تم نے مجھے ایک بالکل نئی بات سجھائی ہے۔ میں اس پر بھی غور کرتا ہوں مگر سات بجے سے پہلے اول خان سے بات ضرور کرادینا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد میں انہیں لے کر باہر نکل جاؤں۔"

"اب ہمارے جھگڑے کی پروا نہ کرنا۔ سلطان شاہ کو میں خود دیکھ لوں گی۔ تمہارا معاملہ بہت گمبھیر ہوگیا ہے۔ یکسو ہوکر اسی پر توجہ مرکوز رکھو۔ میرا اندازہ ہے کہ کل صبح تک تم یہ تماشا بند کرنے پر مجبور ہوجاؤ گے۔"

"غزالہ کا دھیان رکھنا۔ بلیک ہی کے بارے میں اس کی چھٹی حس نے کچھ کام دکھایا ہے۔ اس وقت تمہاری دلجوئی اس پر بہت زیادہ اثر انداز ہوگی۔ پتا نہیں اس رات تمہارے سر پر کیا شیطان سوار ہوا تھا۔"

"غزالہ کی طرف سے بے فکر رہو" اس نے ایک جاندار قہقہہ لگا کر کہا "وہ مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے۔"

ویرا نے وہ ذومعنی فقرہ ادا کرکے فون بند کردیا اور میں سوچتا ہی رہ گیا کہ وہ کیا کہہ گئی تھی۔

میں بستر پر دراز ہوکر دیر تک ساری امکانی صورتیں اپنے ذہن میں گھماتا رہا اور پھر ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ کر ان دونوں کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے اسکاچ کی بوتلوں کو دیکھ دیکھ کر اپنا دل بہلا رہے تھے۔

"تمہارے چہرے پر چمک نظر آرہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلے کا کوئی حل مل گیا ہے۔" رمیش نے ہنس کر کہا۔

"نک موڈلے کے لیے میں ایک بے نام اجنبی ہوں جسے صرف نام کیٹ کے پاس ورڈ سے پہچانا جاسکتا ہے۔ اگر میرا کردار اسی قدر مختصر اور غیر اہم ہے تو میری جگہ تم دونوں میں سے کوئی کیوں نہیں چلا جاتا؟" میں نے کہا۔

"میں تمہیں ہر بات بتا چکا ہوں۔ ہمیں اپنوں سے دور رہنے کا حکم ملا ہے۔ نک بھی ہمیں اپنے آس پاس نہیں دیکھنا چاہتا۔ ہم اس ڈسپلن کے خلاف کیسے جاسکتے ہیں؟" بدری ناتھ نے اپنا مشغلہ ترک کرکے ایک جوابی سوال کر ڈالا۔

"اپنے نام سے نہیں' تم نام کیٹ بن کر جاسکتے ہو۔ اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ آدمی بدل گیا ہے۔ تم سزا سے بچ جاؤ گے۔ میں ذہنی الجھن سے بچا رہوں گا۔ سب کام سیدھے ہوجائیں گے۔"

بدری ناتھ کی آنکھیں چمکنے لگیں "تمہاری تجویز بہت اچھی ہے مگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی ادھر نہیں جاسکتا۔ یہ فیکس' کمپیوٹر اور سیٹلائٹ کا دور ہے۔ اگر ہمیں نک موڈلے کے لیے ہی بھیجا گیا ہے تو یقین رکھو کہ ہم سے پہلے ہمارا باتصویر کوائف نامہ اس کی میز پر پہنچ چکا ہوگا۔ قونصل خانے کے پھاٹک پر لگے ہوئے وڈیو کیمروں کے ذریعے ہم دونوں میں سے کسی کی صورت اسکرین پر دیکھتے ہی وہ انٹرکام پر مسلح محافظوں کو حکم دے گا اور وہ ہمیں دھکے دے کر وہاں سے بھگا دیں گے۔ ڈسپلن کی اس خلاف ورزی پر میری بہت بری درگت بنے گی۔ ہم ادھر جا ہی نہیں سکتے۔ گیٹ پر نہیں تو اندر نک خود ہمیں پہچان لے گا۔ میرا پورا کیریئر تباہ ہوکر رہ جائے گا۔"

میں برا سا منہ بنا کر اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ ایک طرف وہ میری تجویز کی تعریف کررہا تھا اور دوسری طرف اس کے ناقابلِ عمل ہونے کے بارے میں مضبوط دلائل دے رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چاہ رہا تھا۔

"کیوں' مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو؟" چند لمحوں بعد بدری ناتھ نے پوچھا۔

"میری تجویز اسی قدر ناقابلِ عمل ہے تو پھر اس کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے چیخ کر پوچھا۔

"تجویز واقعی بہت شان دار ہے۔ تم بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ بس مجھے یا رمیش کو مجبور نہ کرو۔ اپنے اعتماد کا کوئی تیسرا آدمی تلاش کرلو جو

ہمارے اعتماد کو دھوکا نہ دے۔ تم وہاں جانے سے جھجک رہے ہو۔ تمہارے ذہن میں اٹک پیدا ہوگئی ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ کسی اور کو ٹام کیٹ بنا کر وہاں بھیج دو مگر پھر ہر بار اسی کو وہاں جانا ہوگا۔"

اس کی بات واضح ہوتے ہی میرے ذہن میں ایک سنسنی خیز جھماکا ہوا مگر میں نے بظاہر پُرسکون رہتے ہوئے کہا "تمہاری باتیں بہت گنجلک اور مبہم ہیں۔ میری تجویز ناقابلِ عمل ہے مگر پھر بھی شان دار ہے۔ تم یا رمیش اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر آمادہ نہیں ہو بلکہ اپنے بجائے کسی اور شخص کو چارا بنانا چاہ رہے ہو۔ مجھے اپنی گردن بچانے کے لیے خود ہی کسی اور کو پھانسنا ہوگا۔ یہ سب کیا ہے؟ تم میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہے ہو؟"

"میری جان!" وکرم یا بدری ناتھ نے میری طرف جھک کر پُرجوش لہجے میں کہا "سیکرٹ ایجنٹ بننا آسان کام نہیں ہوتا۔ اس میدان میں زندگی اور موت کے درمیان بس ایک باریک سی لکیر حائل ہوتی ہے۔ ہر وقت اس کا دھیان رکھا جائے تو آدمی کامیاب رہتا ہے ورنہ پھر اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے......"

"کیا میں یہ سمجھ لوں کہ محبت، دوستی اور اعتماد کی آڑ لے کر تم مجھے دھمکی دینے کی کوشش کررہے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ذرا بھی توقف کیے بغیر ہر بات کے بدترین پہلو کا اندازہ لگا لیتے ہو اور شاید ہر شخص کی طرف سے بدگمانیوں کا شکار ہوجاتے ہو۔" بدری ناتھ نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر مجروح لہجے میں کہا "یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"یہ میری عادت ضرور ہے۔" راجن یا رمیش اگروال نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "مگر ایک سیکرٹ ایجنٹ کی یہی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اور اپنے حریف کے ہر قول و فعل کے تاریک پہلوؤں سے ہر وقت باخبر رہتا ہے اور نپے تلے خطرات مول لے کر اپنی چال چلتا ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ علی شیر میں یہ صلاحیت قدرتی طور پر موجود ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔"

"تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔" بدری ناتھ نے چ... کی اداکاری کرتے ہوئے رمیش اگروال سے کہا پھر وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک جواب طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے اس کی نگاہوں کو نظرانداز کردیا اور برا سا منہ بنا کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

"شاید تم رمیش کی بات پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔" میرے حوصلہ شکن ردِعمل پر بدری ناتھ نے مکاری سے کہا "تم چاہو تو بہت آسانی سے ایک اچھے سیکرٹ ایجنٹ بن سکتے ہو۔"

"میں مر کر بھی تمہارے اسپیشل سروسز بیورو کا ایجنٹ بننا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے الفاظ کی اس پُرپیچ لڑائی میں زور پیدا کرنے کے لیے حقارت سے کہا "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جرائم سے روزی حاصل کرنے سے آدمی کی وطن دوستی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مجرم بھی عام لوگوں کی طرح محبِ وطن ہوتے ہیں۔ ایس ایس بی کا ایجنٹ بن کر تو میں خود کو تمہارے ہاتھ بیچ دوں گا...... تمہیں اسی ایک بات سے میرا مزاج سمجھ لینا چاہیے کہ میں تمہارا ساتھ دے رہا ہوں لیکن نک موڈلے کی غلامی سے مجھے نفرت ہے۔"

بدری ناتھ نے اپنے مخصوص سفاکانہ انداز میں مسکراتے ہوئے تیزی سے کہا "بس، بس۔ اب مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اپنے آخری فقروں میں تم نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا ہے۔"

"کیا جواب؟" میں نے بھڑک کر پوچھا "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"تم معاملہ فہم اور چالاک ضرور ہو مگر تمہیں تربیت کی ضرورت ہے۔" وہ بولا "تم کو تھوڑی سی تربیت مل گئی ہوتی تو تم نے ایسی کمزور باتیں نہ کی ہوتیں جو تمہارے دعوے کے خلاف جاتی ہیں۔"

"آخر میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے جسے تم اتنا طول دے رہے ہو؟" میں نے جھلّا کر سوال کیا۔

"ہم ایس ایس بی کے ایجنٹ ہیں۔ یہ بات تم پر واضح ہوچکی ہے۔ تم ہمارے لیے ایک اجرتی کارندے کے طور پر کام کررہے ہو۔ تمہاری ہمدردیاں اور وفاداریاں ہمارے یعنی ایس ایس بی کے ساتھ ہیں۔ یہ ایک گئی گزری پوزیشن ہے۔ ایس ایس بی کا ایجنٹ بن کر بھی تم کو یہی کام کرنے ہوں گے جو تم اس وقت کررہے ہو لیکن تمہارا مقام بہت بلند ہوجائے گا۔ ایس ایس بی اپنے مخصوص اور محنتی ایجنٹوں کو اس طرح نوازتی ہے کہ وہ چند ہی برس میں لکھ پتی ہوجاتے ہیں۔ حسن و شباب اور عیش و نشاط سے لطف اندوز ہونا بہرحال کام کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یہ عیاشیاں مفت میں ہاتھ آجاتی ہیں۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ اس وقت میں نے تم سے ڈینی کے معاملے میں ایک ڈیل کی ہے۔ ڈینی واقعی یہاں کا ایک خطرناک اور خود سرید معاش ہے۔ اس سے ہر شخص خوف کھاتا ہے۔ اس نے زیرِ زمین دنیا کے بڑے بڑے ناموں کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ اگر میری کسی ترکیب سے اس کا پتّا صاف ہوجاتا ہے تو کراچی میں بہت سے لوگ سکھ کی نیند سوسکیں گے۔ ڈینی کی ذات سے پاکستان کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہاں قدم جمانے کی کوشش کرنے والے غیر ملکیوں سے اسے کوئی پرخاش نہیں ہوگی۔ وہ پکا بلیک میلر ہے۔ انہیں بلیک میل کرکے لمبی رقمیں اینٹھنے کی کوشش کرتا ہوگا اور ان کے انکار پر ان کے خون کا پیاسا بن جاتا ہوگا۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان سے لڑتا ہے۔ ایسے آدمی کو مواکر میں اپنے وطن سے کوئی غداری نہیں کروں گا۔"

میں نے دیکھا کہ میری گفتگو کے دوران ان دونوں میں کئی بار معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ میں ڈینی کے بارے میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو وہ مجھے سمجھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ میرے خاموش ہونے پر بدری ناتھ نے مجھے ٹوکا "ڈینی کے بارے میں یہ باتیں ہم خود بھی جانتے ہیں۔ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم ایس ایس بی کا ایجنٹ بننا کیوں پسند نہیں کرتے۔"

"اوہ...... میرا خیال ہے کہ میں ذرا بہک گیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ ڈینی کو تمہارے حوالے کرنے کے بعد میرا موجودہ معاہدہ ختم ہوجائے گا۔ اگلی بار تم نے میری مرضی کا کام دیا تو گاڑی چلتی رہے گی۔ جس کام پر مجھے غداری کا ذرا بھی شبہ ہوا، وہ میرے ذریعے پورا نہیں ہوسکے گا۔ میں را یا ایس ایس بی کا ایجنٹ بن گیا تو میری یہ آزادی چھن جائے گی۔ مجھے اپنے سپرد کیا جانے والا ہر کام سرانجام دینا ہوگا۔ تم لوگ پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہو۔ مجھے ایسے کام بھی کرنے پڑیں گے جو میرے ضمیر کے خلاف ہوں گے۔"

"تمہیں یہ خوف نہیں ہے کہ تمہارے اس انکار کے بعد ہم تمہارے خلاف کوئی سفاکانہ قدم بھی اٹھا سکتے ہیں؟" رمیش اگروال نے قدرے حیرت سے کہا۔

وہ اس کا ایک فطری سوال تھا۔ تھوڑی دیر پہلے بدری ناتھ کھلے الفاظ میں بتا چکا تھا کہ میں نے مدن موہن کے دیے ہوئے لفافے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ہوتی تو قصہ وہیں ختم ہوجاتا۔ وہ مجھ سے کام لینے کے بجائے مجھے ختم کرکے فرار کی راہ اختیار کرلیتے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کی مرضی سے کسی بھی انحراف کی صورت میں وہی نازک اور خطرناک موڑ دوبارہ بھی آسکتا تھا۔ وہ اپنے تجربے اور تربیت کے زعم میں مبتلا تھے تو مجھے بھی اپنی چھٹی حس پر ناز تھا۔ میں نے سرد اور بے رحمانہ نظروں سے رمیش کو گھورا اور پھر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اپنی کہی ہوئی باتوں کو بار بار دہرانے والے لوگ ڈرپوک اور... خوداعتمادی سے عاری ہوتے ہیں۔ اب تک تمہیں اندازہ ہوجانا چاہیے کہ تمہاری کھوکھلی دھمکیاں میرے لیے بالکل بے اثر ثابت ہوں گی۔ اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوجانا ہم دونوں کا ہی حق ہے لیکن میں تمہاری کمزوری بھانپ چکا ہوں۔ ساگا، حاجی دل مراد اور بخشل سے گزرنے کے بعد تم مجھ تک پہنچے ہو۔ میں را کا ایجنٹ بنوں یا نہ بنوں، تم شدت سے میری ضرورت محسوس کرتے رہو گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اتنی دشواری سے مجھے دریافت کرنے کے بعد تم میرے اوپر ہتھیار اٹھانے کی سنگین حماقت نہیں کرو گے۔ ایسی جسارت کے الٹے نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔"

بدری ناتھ دوستانہ انداز میں ہنس پڑا۔ اس نے درمیان سے میری بات اچکنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ پوری توجہ سے میری رائے سنتا رہا تھا۔ میری بات مکمل ہوجانے پر اس نے مصالحانہ لہجے میں کہا "تم رمیش کی باتوں پر نہ جاؤ۔ تمہارا یہ خیال درست ہے کہ میں آسانی سے تمہیں گنوانا پسند نہیں کروں گا۔ میں تمہیں را کا نہیں، ایس ایس بی کا ایجنٹ بنوانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ایس ایس بی بھارت اور پاکستان کے درمیان نفرتوں کی خلیج کو پاٹنے کا کام کررہی ہے تاکہ دونوں ملکوں کے عوام اپنا پیٹ کاٹ کر بڑی بڑی فوجوں کو پالنے اور مہلک ہتھیاروں کے انبار جمع کرنے کے بجائے امن اور خوش حالی کی زندگی شروع کرسکیں۔ جب ہر طرف نفرت کی آگ بھڑک رہی ہو تو محبت اور بھائی چارے کے نعرے ایک مقدس مشن کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں۔ ایس ایس بی، را کی ہی ایک شاخ ہے مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں شامل ہونے کے بعد تم سے ایسا کوئی کام نہیں لیا جائے گا جس پر تمہیں پشیمانی ہو یا تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرنے لگے۔"

"تمہیں اپنے بارے میں خاصی خوش گمانی ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا "تم کس بل بوتے پر مجھے یہ یقین دہانی کرا رہے ہو۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ دو روز پہلے تم خود یہاں کسی سہارے کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ کٹھ پتلیاں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔ تم دونوں کی ڈوریاں وہ نادیدہ بڑے ہلا رہے ہیں جو سرحد پار، نئی دہلی میں بیٹھے ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ اچانک ہی انہوں نے تم دونوں کو نک موڈلے کے ہاتھوں بیچنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں تم جیسے بے بس اور مجبور دوستوں کی یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں؟"

"ہم اصل موضوع سے بھٹک رہے ہیں۔" بات بنتی نہ دیکھ کر رمیش نے بدری کو یاد دلایا۔

"ہاں...... یہ ہم کہاں بھٹک گئے۔" اس نے میری غیر محسوس برین واشنگ کا سلسلہ ترک کرکے جلدی سے کہا "بات نک موڈلے سے ملاقات کی ہورہی تھی۔ تم کو کسی اور کو ٹام کیٹ بنا کر نک موڈلے کے پاس بھیجنا ہے۔"

میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم سے بیس ہزار ڈالر میں ڈینی کی تلاش کا سمجھوتا ہوا ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ تم خود یہ بات تسلیم کرچکے ہو۔ اس کا الگ معاوضہ ہوگا۔"

میرے جواب پر بدری کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ بے ساختہ بول پڑا "دس ہزار اس کام کے ملیں گے۔"

"یہ رقم زیادہ ہے۔" میں نے کسی خوشی کا مظاہرہ کیے بغیر رسانیت سے کہا "میں زمین پر ٹک کر چلنے والوں میں سے ہوں، ہوا میں اڑنے کے خواب نہیں دیکھتا۔ ایک دم اتنی بڑی رقم مل گئی تو ہوسکتا ہے کہ میں بھی کام کرنے کے بجائے دن رات شراب و شباب کے نشے میں بدمست پڑا رہوں۔"

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ بولو تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

”صرف پانچ ہزار ڈالر۔ مگر یہ ٹام کیٹ کی صرف ایک ملاقات کا معاوضہ ہوگا۔ اگر اسے بار بار نک موڈلے سے ملنا پڑا تو ہر بار تم مجھے اتنی ہی رقم ادا کرو گے۔“ میں نے کہا۔

میری وضاحت پر بدری ناتھ کا منہ لٹک گیا ”یہ بہت زیادہ رقم ہے۔ اسے دس بار بھیجا گیا تو یہ رقم پچاس ہزار ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ یہ ڈینی کی تلاش کے مقابلے میں ایک معمولی سا کام ہے اور اس کے لیے تم اس سے کئی گنا زیادہ معاوضہ مانگ رہے ہو۔ یہ زیادتی ہے۔“

”ڈینی کو میں خود تلاش کررہا ہوں۔“ میں نے اس کی بے چارگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ”پوری رقم میری جیب میں رہے گی۔ نک موڈلے سے ملاقات کے لیے مجھے کسی اور کو تیار کرنا ہوگا۔ ہمارے دیسی بدمعاش جاسوسی وغیرہ کے چکر میں پکڑے جانے کے خوف سے غیر ملکیوں اور خاص طور پر سفارت کاروں سے میلوں دور بھاگتے ہیں۔ تمہیں محبِ وطن مجرموں کی اس نفسیات کا علم ہونا چاہیے۔“

”پانچ ہزار ڈالر زیادہ ہیں۔ رقم آدھی کرلو۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

میرے لیے آدھی یا پوری رقم کی پرکاہ برابر بھی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اپنے ساتھ جعلی ڈالروں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ ان جعلی ڈالروں کو بازار میں پھیلا کر ایک محدود منڈی میں امریکی ڈالر کی .... ساکھ خراب کی جاسکتی تھی مگر مجھے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں رقم کے معاملے پر بحث کر کے اسے اپنی نیک نیتی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ اگر میں خاموشی سے اس کی ہر بات مان لیتا تو اسے میرے عزائم پر شبہ ہو سکتا تھا۔

ان دونوں پر مالی دباؤ ڈال کر میں ایک اور بات بھی واضح کرنی چاہتا تھا۔ وہ دونوں جعلی ڈالروں سے بھرا ہوا تھیلا لے کر بھارت سے آئے تھے۔ انہوں نے اپنی دانست میں وہ تھیلا حاجی دل مراد کے پاس امانت کے طور پر رکھوا دیا تھا اور اس میں سے اپنی ضرورت کے لیے سو ڈالر کے نوٹوں کی چند گڈیاں لے لی تھیں۔ وہ اس گمان میں تھے کہ جب چاہیں گے‘ دل مراد سے اپنی رقم لے لیں گے جب کہ بخشل نے کھل کر اول خان کو بتا دیا تھا کہ دل مراد بھارت سے آئے ہوئے ایجنٹوں کو کسی سرکاری ایجنسی کی تحویل میں دے دے گا مگر ان کی رقم کے تھیلے سے کسی بھی صورت میں دستبردار نہیں ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ ان دونوں کو جلد ہی اپنی اس مفلسی کا احساس ہو جائے۔

تھوڑی سی ردوکد کے بعد میں نک موڈلے والے معاملے میں تین ہزار ڈالر فی ملاقات پر راضی ہوگیا۔

”لاؤ۔ اب اس مد میں بھی دس ہزار پیشگی دے دو۔“ بات طے ہوتے ہی میں نے مطالبہ کردیا۔

”دس ہزار کس بات کے؟“ رمیش اگروال کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

”تمہارا اندازہ ہے کہ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ لمبا چلے گا..... فی الحال دس ہزار دے دو۔ باقی حساب کتاب آخر میں کرلیا جائے گا۔ مجھے آگے بھی رقم دینی ہوگی۔“ میں نے بے پروائی سے کہا۔

”ابھی پہلی ملاقات کی بات ہے۔ اس مد میں ڈیڑھ ہزار پیشگی لے لو۔“ بدری ناتھ نے اپنی جیب سے زیرِ استعمال نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر گنتے ہوئے کہا ”تمہیں معلوم ہے کہ ہماری ساری رقم حاجی دل مراد کے پاس محفوظ ہے۔ ہم اپنی ضرورت کے لیے زیادہ رقم نہیں لائے تھے۔“

”اب تمہیں ایک محفوظ ٹھکانا مل چکا ہے تو تمہاری رقم تمہارے پاس ہونی چاہیے۔“

”تم پیسے کے معاملے میں بہت خود غرض اور لالچی ہو۔“ بدری ناتھ کی آواز میں ہلکی سی ناگواری عود کر آئی ”میں حاجی دل مراد کو ایک فون کروں گا اور رقم مل جائے گی۔“

”میرا مشورہ ہے کہ یہ نیک کام اسی وقت کرلو۔ دل مراد پیسے کے لیے ہی سارے ہیر پھیر کرتا ہے۔ وہ مفت میں ہاتھ آئی ہوئی دولت سے اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔“ میں نے کہا۔

میرے الفاظ ٹھیک نشانے پر بیٹھے۔ ان دونوں نے اضطراری طور پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر رمیش اگروال بے ساختہ بول پڑا ”اپنی عورت اور اپنی دولت اپنے قبضے میں اچھی لگتی ہے۔ علی شیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اب ہمیں حاجی دل مراد سے کیا لینا؟ ہمارا تھیلا ہمارے پاس ہونا چاہیے۔“

وہم دنیا کا ایک لاعلاج مرض ہے اور اس مرض کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک جانی بوجھی حقیقت کا سہارا لے کر ان دونوں کے دلوں میں وہم کا ایک ایسا بیج بویا تھا کہ بدری ناتھ بھی مضطرب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوگیا ”بہتر ہے کہ میں اسی وقت فون کرلوں۔“

اس بار مجھے خفیہ طور پر اس کی گفتگو سننے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے پوری بات میری موجودگی میں ہی کی۔ دوسری طرف کا ردِعمل ابتدا ہی سے اس قدر حوصلہ شکن تھا کہ بدری ناتھ بوکھلا گیا۔

اسے بتایا گیا کہ دل مراد ملک میں موجود نہیں تھا اور کئی ہفتوں تک اس کی واپسی کی امید نہیں تھی۔ بدری ناتھ نے اپنا تعارف کرانا چاہا تو اسے پہچاننے تک سے انکار کردیا گیا۔ اس نے اپنی امانت اور اس کے لیے بخشل کی گواہی کا ذکر چھیڑا تو اسے مغلظات سنا کر فون بند کردیا گیا۔

”حاجی دل مراد کی نیت میں واقعی فتور معلوم ہوتا ہے۔“ بدری ناتھ نے ریسیور رکھ کر بے دھیانی میں اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”وہ ملک سے غائب ہے اور اس کے آدمی ہماری رقم سے لاعلم ہیں۔“

”پھر اب کیا ہوگا؟“ رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

”وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا۔“ میں نے بے فکری سے فقرہ لگایا اور اس کا منہ بن گیا۔

”ہمیں ایک مرتبہ پھر بخشل کا رخ کرنا ہوگا۔“ بدری ناتھ اس بدشگونی پر بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگا تھا ”شاید وہ یہ معاملہ سلجھا سکے۔ پردیس میں وہ رقم ہی ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔ علی شیر بھی پیسے کے بغیر ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ تھیلے سے نکالی ہوئی چند گڈیاں زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دیں گی۔“

اونٹ پہاڑ تلے آچکا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا ”تم نے دیکھ لیا کہ یہاں تم کتنے لاچار اور بے بس ہو۔ اگر دل مراد بے ایمانی پر اتر آیا ہے تو اطمینان رکھو کہ اب بخشل بھی تمہیں پہچاننے سے صاف انکار کردے گا۔ تم ان کے خلاف کوئی بھی کارروائی نہیں کرسکتے۔ ایسے میں مَیں تمہاری یقین دہانیوں پر کیسے بھروسا کرسکتا ہوں؟ ایک مرتبہ میں را کے چنگل میں پھنس گیا تو تم دونوں الگ ہو جاؤ گے اور چند سفاک اجنبی میرے شب و روز کے مالک بن جائیں گے۔ ہماری گاڑی جس طرح چل رہی ہے‘ اسی طرح ٹھیک ہے۔“

”ابھی دل مراد کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔“ بدری ناتھ نے سنبھالا لے کر کہا ”ہو سکتا ہے کہ ہمارے شبہات بے بنیاد ہوں۔ وہ بے ایمان ہو بھی گیا تو ہم زیادہ دیر تک بے سروسامان نہیں رہیں گے۔ ہمارے پاس بہت جلد دولت کی ریل پیل ہو جائے گی۔ اس وقت نک موڈلے ان باتوں سے زیادہ اہم ہے۔“

”ایک ملاقات کے تین ہزار ڈالر طے ہو چکے ہیں۔ پندرہ سو اسی وقت پیشگی دے دو تو صبح گیارہ بجے کوئی نہ کوئی اس سے مل لے گا۔“ میں نے سرد مہری اختیار کرتے ہوئے کہا۔

بدری ناتھ نے ہاتھ میں موجود گڈی کے نمبر دیکھ کر سو ڈالر کے پندرہ نئے اور کرارے نوٹ میرے حوالے کردیے۔

”وقت کم ہے۔ کسی آدمی کا بندوبست کرنے کے لیے مجھے اسی وقت جانا ہوگا۔“ میں نے وہ نوٹ اپنی جیب میں اڑس کر ان کو آگاہ کیا ”ہو سکتا ہے کہ میں رات کو ادھر نہ آسکوں۔“

”رات کو آؤ یا نہ آؤ مگر نک سے ملاقات کی خبر لے کر فوراً آنا۔ ہمیں بے چینی سے انتظار رہے گا۔“

”تم بے فکر رہو۔ میں پندرہ سو ڈالر کی بقایا رقم وصول کرنے میں تاخیر نہیں کروں گا۔“

”ساری اچھائیوں کے ساتھ جب تم حریصانہ انداز میں پیسے کی بار بار تکرار کرتے ہو تو بہت چھچھورے معلوم ہونے لگتے ہو۔“ بدری ناتھ نے بدمزگی سے کہا ”غنیمت ہے کہ اس وقت ہم بالکل مفلس نہیں ہیں۔“

میں نے اس کے وہ کڑوے کسیلے فقرے ایک بے پروایانہ مسکراہٹ سے ٹال دیے۔ اس نے کوئی انوکھی بات نہیں کی تھی۔ وہ وہی کچھ کہہ رہا تھا جو میں اسے باور کراتا رہا تھا۔

ایک اہم ذاتی فون کال کے بہانے سے میں انسٹرومنٹ دوبارہ اپنی خواب گاہ میں لے آیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس وقت تک اول خان نے فون پر مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے فون پر گھر رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ ان دونوں کو بہلانے کے بعد میں نے فوری طور پر گھر جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

سہراب گوٹھ کے مضافاتی ویرانے میں امریکی بحریہ کے ہیلی کاپٹر کی تباہی میں بیس میرین کمانڈوز اور ان ہی کے ساتھ راس المیڈا کی موت کے بعد واقعات کی رفتار یک لخت سست پڑ گئی تھی۔ بھاگ دوڑ اور مار دھاڑ میں ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ بس اتنا ہوا تھا کہ نیویارک میں راس المیڈا کے آئزک بیل نامی جانشین کا وجود سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنے ولی نعمت کی موت پر کسی بیوہ عورت کی طرح فون پر بلبلا بلبلا کر مجھے دھمکیاں دینی شروع کردی تھیں۔ وہ نیویارک میں تھا اور ہم کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں کا ماحول امریکی ایجنٹوں اور دہشت گردوں کے لیے یک بہ یک بہت بھیانک ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے ہمیں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ پھر یوں ہوا کہ نیول انٹیلی جنس کے کمانڈر سعید کی ذاتی کوششوں سے را کے ان دو آدمیوں کا سراغ مل گیا جو راس المیڈا کی دعوت پر ساگا کے مہمان بننے کے بعد پراسرار طور پر شہر میں روپوش ہو چکے تھے۔ راس المیڈا کی موت کے بعد ہم نے بظاہر صرف اتنی سی کامیابی حاصل کی تھی کہ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کو بے نقاب کردیا تھا۔ تھکا دینے والی ذہنی مشقت کے بعد میں ان دونوں کو اپنی لچھے دار باتوں میں پھانس چکا تھا۔

وہ دونوں بہت گھاگ‘ تجربے کار اور مکار تھے۔ ان سے میری ملاقات کی ابتدا بہت جارحانہ اور سنسنی خیز رہی تھی مگر میں نہایت صبروتحمل سے ان کے ساتھ اس طرح پیش آتا رہا کہ آخر کار انہوں نے مجھے میری چند خامیوں سمیت کام کا آدمی تسلیم کرلیا تھا۔

اس وقت تک ان کا صرف ایک مشن میرے سامنے آیا تھا۔ وہ ڈینی کو یعنی مجھے تلاش کر کے اپنا قیدی بنانے کے خواہاں تھے۔ میں انہیں امید دلا کر وقت کو ٹال رہا تھا۔ اس ٹال مٹول میں مدن موہن مفت ہاتھ آیا تھا۔ میں چاہتا تو اس اعصاب شکن اور صبر آزما کھیل کو کسی بھی لمحے ختم کرسکتا تھا مگر پھر مدن موہن کے ذریعے امریکی قونصل خانے کے نک موڈلے کا نام سامنے آگیا۔

میں خود بھی اس ذرا سی کامیابی پر خوش نہیں تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے راس المیڈا کی ہلاکت کے بعد ہر محاذ پر سناٹا ہو چکا تھا‘ ہمارے تمام دشمن موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور مجھے خانہ دار زندگی گزارنے کی وہ مہلت ملنے ہی والی تھی جس کے خواب دیکھتے دیکھتے غزالہ تھک چکی تھی۔

نک موڈلے سے ملاقات کے بعد سب کچھ واضح ہو جاتا تھا کہ اس بار امریکی اور بھارتی حریف کن مقاصد کے لیے ایک دوسرے سے گٹھ جوڑ کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ ان کے عزائم کی سنگینی یا

کمزوری سامنے آنے کے بعد میں مستقبل کے بارے میں ٹھوس منصوبہ بندی کرسکتا تھا۔

ان سب خیالات کی رو میں بہتا ہوا میں تھوڑی دیر بعد ہی گھر جا پہنچا۔

وہاں سب لوگ موجود تھے۔ ان میں اول خان بھی شامل تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"تمہارے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں لیکن کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ میری طبیعت پریشان ہوگئی کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہوگئی ہو۔" اول خان نے مجھ سے پُرتپاک انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"گڑبڑ کیا ہوتی۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ وہ دونوں تمہاری گردن کاٹ کر فرار نہ ہوگئے ہوں۔" ویرا نے حسبِ معمول انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تبصرہ کیا "اپنے دشمنوں کے بارے میں تمہاری حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی بعض اوقات مجھے سخت تشویش میں مبتلا کردیتی ہے۔"

"خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو۔" ویرا کے خاموش ہونے پر غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "تم سوچے سمجھے بغیر ایسی بدشگونی کی باتیں کرنے لگتی ہو کہ میرا دل لرز اٹھتا ہے۔"

"یہ ویرا کے دماغ سے زیادہ اس کے ہاضمے کا قصور ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔

"میرے ہاضمے سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟" ویرا نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"تم نے تشویش میں مبتلا ہونے کا ذکر ہی کچھ اس طرح کیا تھا جیسے پیچش میں مبتلا ہونے کی اطلاع دے رہی ہو۔" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر کہا اور غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم نے شاید میرے نکلنے کے بعد فون کیا ہوگا۔" میں نے ان لوگوں کی نوک جھونک کو نظر انداز کرکے اول خان سے کہا "گھر پر تو میرے کان ہی فون کی گھنٹی کی آواز پر جمے ہوئے تھے۔"

"مدن موہن ہمارے لیے کار آمد ثابت ہوا ہے۔" اول خان مجھے بتانے لگا "سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے باوجود وہ سخت جان نہیں ہے۔ وہ سہل پسند اور نازک طبیعت کا آدمی ہے۔ ذرا سا تشدد بھی نہیں سہہ سکا۔"

"اسی کے گن گاتے رہو گے یا اپنی کامیابی کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ گے۔"

"اس نے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کی پوری کہانی سنا ڈالی ہے۔ ان میں سے بیشتر باتیں تم پہلے ہی ہمیں بتا چکے تھے لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ اس نے کراچی کے معززین میں ایک ایسے سوشل ریکٹ کا انکشاف کیا ہے جو ہر ہفتے پینے پلانے کی مخلوط محفلوں میں یک جا ہوتا ہے۔ مقام بدلتے رہتے ہیں لیکن چہرے کم و بیش وہی ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار ان میں کسی نئے جوڑے کا اضافہ ہوتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مقامی لوگ ایسی ہوش ربا دعوتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں مگر را کے ایجنٹ فرضی جوڑوں کے روپ میں آتے ہیں۔ جن مردوں کے لیے را کی لڑکیاں دستیاب نہیں ہوتیں وہ خوب صورت مگر غیر معروف کال گرلز کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور یہ شرم ناک دھندا پچھلے کئی برس سے چل رہا ہے۔"

"جب سے آدمی کی شناخت ختم ہوئی ہے اور دولت مندی کو عزت واحترام کا معیار بنالیا گیا ہے' مال دار طبقے کے ایک حلقے میں ایسی عیش کوشیاں خوب پھل پھول رہی ہیں۔ ان گندے دھندوں میں الجھ گئے تو ہم اپنے اصل مقصد سے بہت دور ہٹ جائیں گے۔" میں نے آزردہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ محفلیں صرف عیاشی کے لیے نہیں سجائی جاتیں۔ ان کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ لوگ پینے پلانے کے بعد اپنی معلومات یا کامیابیوں کے بارے میں ڈینگیں مارنا شروع کردیتے ہیں۔ انڈین ایجنسی کے ارکان اپنے کان کھلے رکھتے ہیں اور ہر بہکے ہوئے اجتماع سے کچھ نہ کچھ نئی باتیں معلوم کرکے لوٹتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے را کی لڑکیاں اہم شخصیات کو اپنے ناز و انداز کا شکار بناتی ہیں اور ان کے مرد ساتھی اس بھیڑ میں بھٹکتی نام نہاد بیگمات کو سہارا فراہم کرتے ہیں جو اس محفل کے رنگ پر آتے ہی اپنے شوہروں کی نظرِ التفات سے اچانک محروم ہوجاتی ہیں۔" اول خان کی آواز سے غم و غصہ مترشح تھا۔

"یہ لوگ خود بخود تو یکجا نہیں ہوتے ہوں گے۔" ویرا نے ہماری باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا "اس سوشل ریکٹ کا روحِ رواں کون ہے؟"

اول خان کی زبان سے نکلنے والا نام دوسروں کے لیے شاید اجنبی رہا ہو لیکن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ شہر کے ایک معروف کلب کا سابق عہدے دار اور ایک کامیاب تاجر لیڈر تھا۔

"ایک زمانے میں کراچی میں انڈین فلموں کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اس زمانے میں وی سی آر نہیں تھا یا شاید عام نہیں تھا۔ بھارتی قونصل خانے والے ہفتے میں تین بار بڑے پردے پر تازہ ترین انڈین فلمیں مخصوص مہمانوں کو دکھاتے تھے۔ وہ اس شوق میں ان سے قریب ہوتا چلا گیا اور پھر انہوں نے مناسب وقت پر اس سے اپنا کام نکال لیا۔ اس وقت وہ اپنے چار دوستوں کی پُرجوش معاونت سے یہ سارا بکھیڑا چلا رہا ہے۔ مدن موہن نے ان پانچوں کے نام اگل دیے ہیں۔"

"ان پانچوں حرام زادوں کو فوراً ہی سولی پر لٹکا دینا چاہیے۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا۔

اول خان کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا "وہ بہت گھناؤنے کام میں ملوث ہیں مگر ہم ان کے خلاف یوں فیصلہ نہیں کرسکتے۔ کچھ عرصے تک ان کی باقاعدہ نگرانی کرکے یہ سراغ لگایا جائے گا کہ وہ نادانستگی میں ان بھیانک جرائم میں ملوث ہوئے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے بھارتیوں کے آلۂ کار بنے ہیں۔ معلومات مل جانے پر فیصلہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کی جائے گی۔"

"اور را کے ایجنٹ؟ ان کا کیا بنے گا؟" ویرا نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"مدن موہن صرف سات نام دے سکا ہے۔ ان میں تین لڑکیاں اور چار مرد شامل ہیں۔ اگر انہیں سفارتی تحفظ حاصل نہیں ہے تو ان پر کسی بھی وقت ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ اپنی فطری کج روی اور خوب روئی کی وجہ سے مدن موہن ہی اپنے نیچرل انفارمیشن سیل کا سربراہ تھا لیکن محفلوں کے بعض دعوت نامے اس کے مشن کے بڑے افسران براہِ راست بھی جاری کرتے ہیں اس وجہ سے وہ ہر ایک کے بارے میں باخبر نہیں ہے۔"

"نیچرل انفارمیشن سیل!" میں نے حیرت سے ان الفاظ کو دہراتے ہوئے کہا "تو ان لوگوں نے اپنے سوشل ریکٹ کو ایک باقاعدہ نام بھی دیا ہوا ہے؟"

"یہ نام را والوں کا دیا ہوا ہے۔ کسی قابلِ ذکر سرمایہ کاری کے بغیر انسان کی فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کو وہ بجا طور پر نیچرل انفارمیشن قرار دیتے ہیں۔ منصوبہ بندی ان کی تھی۔ سوشل ریکٹ میں شامل ہونے والوں کو شاید علم ہی نہ ہو کہ وہ را کے نیچرل انفارمیشن سیل کے مقاصد پورے کررہے ہیں۔"

"اور مدن موہن کا کیا بنے گا؟" سلطان شاہ نے پُرتجسس لہجے میں پوچھا۔

"اسے تم لے لینا۔" اول خان سے پہلے ویرا بول پڑی "وہ بیک وقت بیوی اور شوہر کے فرائض ادا کرنے کی خاصیت سے مالا مال ہے۔ تمہیں کسی بھی موڑ میں بور نہیں......"

"بس!" سلطان شاہ میز پر مُکا مار کر دہاڑا "میں یہ بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتا۔"

اول خان نے معاملے کی نزاکت بھانپتے ہوئے ویرا کے نعرے کو اہمیت نہیں دی مگر ترشی سے اتنا ضرور کہا "بعض اوقات تم بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی جاتی ہو اور ماحول خراب کردیتی ہو۔ اس وقت ہم کچھ سنجیدہ باتیں کررہے ہیں۔"

سلطان شاہ کا بگڑا ہوا خوں خوار چہرہ دیکھ کر ویرا نے بھی پسپائی اختیار کرلی اور جلدی سے کہا "سوری! غلطی ہوگئی۔ میں سمجھی کہ سلطان شاہ نے وہ سوال مجھ سے کیا ہے۔"

"میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں سوال کروں گا تم سے؟" سلطان شاہ غرایا۔

"وہ سوری کہہ رہی ہے' اپنی غلطی مان رہی ہے۔ اب کیوں غصہ کررہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر بڑبڑاتا ہوا وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"مدن موہن کے بارے میں اس کے بڑوں نے ابھی تک کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی۔ شاید وہ اپنے طور پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان نے کہا "ایسا نہ ہو کہ اس کی گمشدگی کی خبر پا کر تمہارے قیدی شبہات میں مبتلا ہوجائیں۔"

"ان کی فکر نہ کرو اور مدن موہن کو ٹھکانے لگادو۔ اس کا یہی ایک جرم کافی ہے کہ وہ را کا ایجنٹ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی درمیانی سلوک نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"سوشل ریکٹ کی مکمل تباہی تک میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ نفس پرستی میں مبتلا ہونے والے بدمست مقامی اس کی زبان سے اصل کہانی سن کر اپنے کرتوتوں پر شرمندہ ہوسکیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگ دانستہ ملک یا قوم سے دشمنی نہیں کرتے لیکن ذاتی مفاد اور خوشیوں کے حصول کی کوششوں میں وہ اتنے بے لگام ہوجاتے ہیں کہ کسی اور کے نفع و نقصان کا دھیان نہیں رکھتے۔ ہوسکتا ہے کہ مدن موہن کی زبان سے خوف ناک حقائق کا تذکرہ سن کر سوشل ریکٹ کے بیشتر اراکین اپنی گناہ آلود حیوانی زندگی سے تائب ہوجائیں۔ ہم عیال دار لوگوں کی اتنی قابلِ ذکر تعداد کو موت کی سزا سے دوچار نہیں کرسکتے مگر ان کی اصلاح کی کوشش ضرور کرسکتے ہیں۔"

"آج تم عجیب بات کہہ رہے ہو۔" ویرا نے الجھن آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں مغربی اسکالرز کی زبان سے ہمیشہ یہ سنتی آئی ہوں کہ اسلامی قوانین فرد کے بجائے معاشرے کی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ تمہاری شرعی سزائیں بھی اسی لیے بظاہر سخت نظر آتی ہیں۔ ان کا بنیادی فلسفہ یہ بتایا جاتا ہے

کہ ایک اسلامی فلاحی معاشرے میں کسی بھی جرم کا ارتکاب کرنے والے کو کڑی سزا دے کر پورے معاشرے کے لیے عبرت کی مثال بنادیا جائے تاکہ دوسرے لوگ کسی جرم کا تصور کرتے ہی انجام کے خوف سے لرزاٹھیں۔ اس کے برعکس مغرب میں فرد کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کا قانون فرد کی اصلاح کی کوششوں میں مصروف نظر آتا ہے تاکہ معاشرہ بہتر ہوسکے کیونکہ فرد ہی کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی ہوتا ہے۔ مغرب کی بے راہ روی اور جرائم پسندی آج اس فلسفے کی ناکامی کا اعلان کرتی نظر آتی ہے مگر تم سوشل ریکٹ کے مجرموں کی اصلاح کی بات کررہے ہو۔"

"اس کے سربراہ اور اس کے چاروں سرگرم معاونوں کو یقیناً کڑی سزائیں دی جائیں گی۔" اول خان نے ایک ایک بات پر زور دے کر کہا "دوسروں کا جرم اتنا سنگین نہیں۔ جب بات انفرادی جرم سے بڑھ کر اجتماعی جرم تک پہنچ جائے تو پھر سزا کے نفاذ سے پہلے جرم کے محرکات کو سمجھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں اس قسم کا سوشل ریکٹ کیوں وجود میں آیا؟"

اول خان نے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں جواب طلب تھیں۔

"نام سے کسی بھی ملک اور معاشرے کی ماہیت تبدیل نہیں ہوجاتی۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد غزالہ نے اول خان کے سوال کا جواب دے کر ہمیں چونکا دیا "سوال یہ ہے کہ کیا ہم واقعی ایک مثالی یا پھر اس سے کمتر درجے پر ایک فلاحی اسلامی معاشرے میں رہ رہے ہیں جہاں جرم کے بنیادی اسباب کو ختم کرکے اسلامی تعزیرات نافذ کردی گئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس وجہ سے سوشل ریکٹ جیسے گروہ وجود میں آتے ہیں اور شاید آتے ہی رہیں گے کیونکہ ان کی روک تھام کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔"

"گڈ!" اول خان نے تحسین آمیز لہجے میں یہ کہہ کر اپنی توجہ ویرا پر مرکوز کردی "میری بات کو تم کسی بھی طرح مذہب سے انحراف قرار نہیں دے سکتیں۔ جب ہم خود ہی اپنے لوگوں کو عیش ونشاط کی آزادی فراہم کررہے ہیں تو پھر اس پر ان سے کڑی... بازپرس کیسے کی جاسکتی ہے؟ ہم نے اسپیشل ٹاسک فورس میں انسانی لہو کی حرمت کا ایک کڑا معیار مقرر کیا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں بے یقینی نہیں ہے۔ آدمی محب وطن ہوتا ہے یا پھر غدار۔ باہر سے آنے والوں کے مقدر کا فیصلہ اسی ایک معیار پر کیا جاتا ہے۔ ان ہی کی سرکوبی ہمارے فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ ہم شہری پولیس کے تھانے دار نہیں بن سکتے۔ اس ریکٹ کو بنانے والے وہ لوگ ہمارے اصل مجرم ہیں جنھوں نے مدن موہن یا نیچرل انفارمیشن سیل سے سازباز کی ہوئی تھی۔ وہ ہرگز نہیں بچیں گے۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا سرہلاتے ہوئے پُرخیال لہجے میں بولی "تمہارا المیہ یہ ہے کہ تمہارے حکمراں منافق ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو گرمانے کے لیے مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ کام بن جاتا ہے تو اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر قانون کی اس بائبل کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں جو مغرب کی تخلیق ہے۔"

ہم میں سے کوئی بھی ویرا کی تائید یا تردید کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ بعض اوقات وہ بہت تلخ اور کاٹ دار سچ بولنے پر تل جاتی تھی اور کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

میں اپنی خفت مٹانے کے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔ ایک گہرا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرنے کے بعد وہ بوجھل سکوت میں نے ہی توڑا اور اول خان سے پوچھا "کھلنڈری سی نظر آنے والی ویرا کبھی کبھار عالم وفاضل بھی بن جاتی ہے۔ اس سے بحث میں الجھ کر تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ یوم السبت والی دھمکی کا کیا بنا؟"

"پوری کوششوں کے باوجود ہم کچھ بھی نہیں کرسکے۔" اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "کل شام چھ بجے کوٹ ادو کے تھرمل پاور ہاؤس میں ایک دھماکے کے ساتھ تھرمل کنٹرول روم میں آگ لگ گئی۔ آئزک بیل کی دھمکی پوری ہوگئی۔ اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ پاکستان کے ایک دور افتادہ مقام پر رونما ہونے والا وہ واقعہ بین الاقوامی اہمیت کا حامل نہیں تھا لیکن کل رات ہی وائس آف امریکا اور بی بی سی ریڈیو نے اپنی نشریات میں اس دھماکے اور اس کے نتیجے میں پاور ہاؤس کے بند ہونے کی خبر نشر کرڈالی۔"

"مگر یہ ہوا کیسے "اور تم نے یہ خبر اب تک دبائے رکھی تھی" ویرا نے احتجاج کیا۔

"بری اور حوصلہ شکن خبروں کی تشہیر سے میں گریز ہی کرتا ہوں۔ کسی نے مجھ سے پوچھا اور نہ میں نے کچھ بتایا۔" اول خان نے پُرملال لہجے میں کہا "مگر اس بری خبر کے ساتھ ایک اچھی خبر بھی ہے۔ واپڈا کے حکام اپنی جگہ پر مستعد تھے۔ دھماکے کے مجرم کو فرار ہوتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔"

"کیا غیر ملکی ریڈیو اسٹیشنوں نے یہ خبر بھی نشر کی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ اس مقامی خوش خبری سے محروم رہے۔ غیر ملکی نشریات کو مانیٹر کرنے والے ایک قومی ادارے نے آج اطلاع دی ہے کہ دونوں خبروں کا مواد یکساں اور حقائق سے قدرے مختلف تھا۔ شاید انہیں حادثہ ہونے سے پہلے ہی متوقع نقصانات کی روشنی میں خبر فراہم کردی گئی تھی۔"

"یہ کام ڈیوڈ اسٹارز ہی کرسکتے تھے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "ابلاغ کے ذرائع پر ان کا کنٹرول ہے۔ میرے فون پر آبزرویشن لگا ہوا ہونے کی خبر ملنے کے بعد سے آئزک بیل نے مجھے فون نہیں کیا ہے۔ اس نے فون کرکے اپنی دھمکی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خبر دینے کے بجائے پاکستان میں بکثرت سنے جانے والے ریڈیو پروگراموں کا سہارا لیا ہے۔ یہ کامیابی اس کے حوصلے بڑھا دے گی مگر یہ تو......"

"فضول باتوں کو چھوڑو۔" ویرا نے میری بات کاٹ کر اول خان سے کہا "یہ بتاؤ کہ پکڑے جانے والے نے کیا کہانی سنائی ہے۔ وہ کیا کہتا ہے؟"

"تم بلاوجہ ٹانگ اڑاتی ہو۔" میں نے جھلّا کر کہا "میں خود بھی یہی پوچھ رہا تھا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سمجھ لو کہ یہ سوال تم نے ہی کیا ہے۔" ویرا نے بے نیازی سے کہا۔

"فی الحال یہ وفاقی تفتیشی اداروں کا کیس ہے۔ بس اتنا معلوم ہوا ہے کہ اس نے ٹفن بکس میں ٹائم بم چھپانے کا اعتراف کیا ہے۔ وہ واپڈا کا ملازم اور کوٹ ادو کے ایک فادر کا بیٹا ہے۔"

ویرا چونک پڑی "ایک فادر کا بیٹا......؟ یعنی اب انہوں نے اپنی سازشوں کے تانے بانے مقامی گرجا گھروں تک پھیلادیے ہیں۔ یہ بہت خطرناک حرکت ہے۔ اس کے ردِعمل میں فساد بھی ہوسکتا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔" میں نے وثوق سے کہا "یہ مجرم کی انفرادی حرکت ہی رہی ہوگی۔ اس کی بنا پر کوئی مذہبی منافرت نہیں پھیلے گی۔ تفتیش کرنے والے اس پہلو سے غافل نہیں ہوں گے۔"

"اس پادری کو بھی بازپرس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ مجھے اس طرف سے مزید کچھ معلوم ہوجائے تو پھر میں مدن موہن سے بھی اس بارے میں بات کروں گا۔ آئزک بیل نیویارک میں بیٹھ کر کوٹ ادو کے کسی آدمی کو براہِ راست ہدایات نہیں دے سکتا۔ یہاں اب بھی اس کے کچھ نہ کچھ کارندے موجود ہیں۔"

"اس بارے میں اب ہمیں اپنے ذہن صاف کرلینے چاہئیں۔" ویرا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "آئزک بیل نے پہلی بار ہی فون پر بتادیا تھا کہ راس المیڈا مارا جاچکا ہے لیکن پاکستان میں اس کے خریدے ہوئے مخبروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ اس حادثے نے ثابت کردیا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔"

"وہ اول درجے کا جھوٹا اور مکار ہے" میں نے بے ساختہ کہا۔ "یہاں راس المیڈا کے مخبروں کا کوئی جال موجود ہوتا تو وہ اپنی مدد کے لئے بمبئی سے بدری اور رمیش کو ہرگز نہ بلاتا۔ کوٹ ادو کے پادری کے بیٹے سے آئزک کا کوئی اکلوتا رابطہ رہا ہوگا۔ اسی کے بل پر اس نے مجھے دھمکی دی اور اسے پورا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا پھر اس نے تباہی کی خبر نشر کراکے ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہمارے گرد دشمن کا ایک مضبوط حصار موجود ہے۔ یہ سب اس کا فراڈ ہے۔ میں اس سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں اس کی خیر خواہ نہیں ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ میں دشمن کو حقیر نہیں سمجھ سکتی۔ دشمن جب تک زندہ ہے دشمن ہی ہوتا ہے۔"

"میں بدری اور رمیش کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ راس المیڈا کی موت کے بعد وہ یہاں کس قدر بے سہارا رہ گئے ہیں۔ دل مرادان کی جعلی کرنسی ہضم کرکے غائب ہوچکا ہے اور انہیں پورے شہر میں میرا سوا کوئی ہمدرد نظر نہیں آرہا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ہماری اصل لڑائی صرف آئزک بیل سے ہوگی" اول خان نے کہا۔

"بدری اور رمیش کو تم کیوں نظرانداز کررہے ہو؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"میری دانست میں ان کی کوئی افادیت نہیں ہے۔ مدن موہن کے پکڑلیے جانے کے بعد انہیں ماردیا جانا چاہئے۔ تم غیر ضروری طور پر ان کی رسی دراز کررہے ہو۔"

"ان کے لئے خود کو تلاش کرنے کا ڈھونگ رچا کر تم اپنا وقت برباد کررہے ہو" ویرا نے اول خان کی تائید کرتے ہوئے کہا "ایسا نہ ہو کہ انہیں تم پر اپنا وار کرنے کا کوئی موقع مل جائے۔"

"میں سوچے سمجھے انداز میں ان پر محنت کررہا ہوں۔ وہ دونوں مجھ پر اتنا اعتماد کرنے لگے ہیں کہ اب مجھے ایس ایس بی میں باقاعدہ شمولیت کے لئے آمادہ کرنے کی کوششیں کررہے ہیں...."

"یہ ان کی دہری چال بھی ہوسکتی ہے" ویرا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا فیصلہ صبح ہوجائے گا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔"

"کیا ساڑھے گیارہ بجے مشتری سے کوئی خلائی طشتری تمہارے لئے کوئی پیغام لارہی ہے؟"

"میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش نہ کرو۔ ان کے کسی قابلِ اعتماد نمائندے کو صبح گیارہ بجے امریکی قونصل خانے میں نک موڈلے نامی ایک افسر سے ملنا ہے۔"

"اوہ!" اول خان چونک پڑا "اور وہ اس بار بھی تم سے کام لینا چاہ رہے ہیں؟"

"مدن موہن کا پیغام جوں کا توں پہنچانے کے صلے میں یہ کام میرا حق بن چکا ہے" میں نے داہنی آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر تم بے فکر رہو۔ میں یہ خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"شکر ہے کہ تمہیں اتنی عقل آچکی ہے" ویرا نے اپنا منہ بگاڑ کے کہا۔

"مدن موہن کے ذریعے تم کیا پیغام لے گئے تھے؟ اس کا کہنا ہے کہ وہ خود بھی لفافے میں بند پیغام سے بے خبر ہے۔ میں نے بھی اس بارے میں اس پر کوئی جبر نہیں کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس بارے میں تم کوئی نہ کوئی خبر نکال ہی لاؤ گے۔ شاید میرا اندازہ درست تھا۔"

"آرزک بیل کی طرح مدن موہن بھی مکار اور جھوٹا ہے۔ اس نے سائفر کوڈ میں ان دونوں کو کسی تیسرے آدمی کے ذریعے تک موڈلے سے ملنے کا مشورہ بلکہ حکم دیا ہے۔ اگر وہ اس بارے میں جھوٹ بول سکتا ہے تو اس کی دوسری باتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہاں۔ اس کا یہ جھوٹ حیران کن ہے" اول خان نے میری رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اسے معلوم تھا کہ وہ لفافہ تمہاری تحویل میں ہے اور تم ہی نے اسے پکڑ کر میرے حوالے کیا ہے۔ اس کا جھوٹ کسی بھی لمحے کھل سکتا ہے پھر اس نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟"

"تم نے اسے کمزور دل اور نازک مزاج سمجھ کر غلطی کی ہے۔ تمہاری اسی نرمی نے اس کا حوصلہ بڑھادیا۔ وہ مکار اور سخت جان ہے۔ اس کی کھال گرا کر ہی تم اس سے سچ اگلوا سکو گے۔"

"ڈینی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ را کا کوئی آدمی رحم یا ہمدردی کا مستحق نہیں۔ اسے چارچوٹ کی مار مارو گے تب ہی وہ سچ اگلے گا" ویرا اول خان کو مشورہ دے کر میری طرف متوجہ ہوگئی "مدن موہن کی کہانی بعد میں آتی رہے گی۔ تم اپنی کتھا تو سناؤ' وہاں کیا ہورہا ہے۔"

"ابھی تک انہیں میری ذات پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکا ہے" یہ کہہ کر میں نے انہیں پرل سے اپنی روانگی کے بعد سے آخر تک کے واقعات سنانا شروع کردیے۔

سلطان شاہ ویرا سے برہم ہوکر طیش کے عالم میں اپنے کمرے میں چلا گیا تھا مگر اس کے کان ہماری طرف ہی لگے ہوئے تھے۔ میری باتوں کی بھنک ملتے ہی وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں لوٹ آیا۔ کسی نے اس کی رضاکارانہ واپسی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ویرا یوں بنی بیٹھی رہی جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو اور وہ خاموشی سے دوبارہ ہماری محفل میں شریک ہوگیا۔

"اب اندازہ ہوا کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو" میرے خاموش ہونے پر اول خان نے کہا "مدن موہن کے بعد تک موڈلے کا نام سامنے آنے کا مطلب ہے کہ ابھی ان کا کردار باقی ہے۔"

"صبح گیارہ بجے کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ ان کا آئندہ کیا کردار رہے گا۔ فی الحال یہی بہتر ہے کہ تم ان کے ہمدرد اور خیر خواہ بنے رہو۔" ویرا نے اپنی رائے دینی ضروری خیال کی۔

"لیکن آپ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ آپ تک موڈلے سے ملنے کا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہیں" غزالہ نے جلدی سے مجھے یاد دلایا "آپ کے جانی دشمنوں میں اس وقت امرکی ہی آپ کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر ہیں اور وہ آپ کو پہچان سکتے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں ان خطرات سے بے خبر نہیں ہوں" میں نے مسکرا کر اسے یقین دلایا "اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوجاتا کہ مدن موہن حال ہی میں یہاں آیا ہے تو میں اس کا بھی سامنا نہ کرتا..."

"اوہ!" ویرا یوں چونک کر میری بات میں دخل انداز ہوئی جیسے اسے اچانک کوئی بھولا ہوا نکتہ یاد آگیا ہو۔ "اگر مدن موہن حال ہی میں یہاں آیا ہے تو وہ برسوں پرانے نیچرل انفارمیشن سیل کی سربراہی کیسے کررہا تھا؟"

"وہ مدن موہن کا ذاتی گروہ نہیں ہے۔ سرکاری اداروں میں تبادلے روز مرہ کا معمول ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے کسی پیش رو کی جگہ سنبھالی ہوگی" اول خان نے کہا۔

"ابتدائی منصوبہ بندی یقیناً کسی خرانٹ افسر کی رہی ہوگی" میں نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا "جب سب کچھ چل پڑا تو اب مدن موہن کو یہاں بھیج دیا گیا۔ وہ مخلوط اجتماعات میں ہر صنف سے میل جول بڑھانے میں خاص ملکہ رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے کچھ مخصوص ٹارگٹ دیے گئے ہوں۔"

"تم نے بات کو پھر الجھادیا" سلطان شاہ نے ویرا سے کہا "ذکر تک موڈلے کا ہورہا تھا اور تم نے دوبارہ مدن موہن پر چھلانگ لگادی۔"

"بس ایک بات کا دھیان آگیا تھا۔ ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"میری جگہ کوئی اور تام کیٹ کے کوڈ کے سہارے تک موڈلے سے ملے گا۔"

"مگر کون؟" اول خان نے پوچھا "میری مجبوریوں سے تم واقف ہی ہو۔"

میری نظریں سلطان شاہ پر مرکوز ہوگئیں "میں نے ان دونوں کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ وہ رضامند ہوگئے ہیں کہ میں اپنے بجائے کسی اور کو تک موڈلے سے ملنے بھیج دوں۔ میرا خیال ہے کہ سلطان شاہ اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"مجھے بہت خوشی ہوگی" اس نے کہا "میں گھر میں پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔"

"اور تم ایس ایس پی میں شامل ہونے کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کرو" ویرا نے مجھے مشورہ دیا "ان کی صفوں میں شامل ہوکر تم انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہو۔"

"میری ٹوٹ پھوٹ کا ذمے دار کون ہوگا؟ بعض تحفظات کے بغیر میں نے یہ قدم اٹھایا تو پھر میں دلدل میں دھنستا ہی چلا جاؤں گا۔ میرے لئے کوئی کچھ نہیں کرسکے گا۔"

"اس وقت وہ دونوں تمہاری صلاحیتوں سے مرعوب ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری بعض شرائط مان لیں۔ بات نہ بنے تو ویسے بھی اپنے گھر میں ہو۔"

"سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ میری خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ تربیت کا ذکر ضرور کرتے ہیں اور یہ تربیت ان ہی کی سرزمین پر ہوگی جہاں میرے لئے مشکل ترین حالات پیدا ہوکے ہیں۔ را کا کوئی نہ کوئی پرانا ایجنٹ مجھے ضرور پہچان لے گا۔ مُلّا سرکار کے زمانے سے میری اور ان کی اَن بن چلی آرہی ہے۔"

"ان میں شامل ہوکر آپ نے کسی بھی وقت ان کا ساتھ چھوڑا تو وہ آپ کے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ میں آپ کو ایسا خطرناک قدم اٹھانے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ خطرات کو دعوت دینا عقل مندی کی بات نہیں ہے۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "میں علی شیر کے روپ میں ان کا منظورِ نظر ہوں ورنہ وہ آج بھی ڈینی کے خون کے پیاسے ہیں۔ میری اور ان کی دشمنی بہت پرانی ہے۔"

"اس بارے میں تم کو خود ہی سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرنا ہوگا" اول خان بولا "جذبات کی رو میں آکر کوئی قدم اٹھانا خودکشی کے مترادف بھی ہوسکتا ہے۔ ایسی لڑائیوں میں غلطی کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ جو چوکتا ہے' وہ لمحہ بھر میں مارا جاتا ہے۔"

"اس بارے میں وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ فی الحال دل مراد سے ذرا سی چھیڑ چھاڑ کرلی جائے۔" میں نے خوش دلی کے ساتھ اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

"مطلوبہ آدمی تمہارے ہاتھ آچکے ہیں تو اب بلاوجہ کیوں اس کے منہ لگتے ہو؟" ویرا نے ناصحانہ انداز میں کہا "اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دو۔"

"چھوڑا ہوا ہے۔ وہ غفور بھٹی کے اغوا پر خاصی طرم خانی دکھا رہا تھا اور کراچی میں رہنے والوں سے انتقام لینے کی باتیں کررہا تھا۔ میں اسے ایک بار پھر باور کرادینا چاہتا ہوں کہ غفور بھٹی کے اغوا کا کمانڈر سعید' راجن یا وکرم سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔"

بات کرتے ہوئے میری انگلیاں مصروف رہیں۔ دوسری طرف گھنٹی کی آواز بلند ہوتے ہی میں نے اپنی پوری توجہ ریسیور پر مرکوز کرلی۔

دوسری طرف سے دل مراد کے کسی آدمی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا "فون کا ریسیور حاجی دل مراد کو دے دو۔" میں نے اپنے دل پر جبر کرکے اس کا پورا نام لیا تھا ورنہ میں اس کو کسی بھی قیمت پر حاجی کہنے یا ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

اس نے میرا نام جاننا چاہا تو میں نے سختی سے کہہ دیا "اس سے کہہ دو کہ غفور بھٹی کو پکڑنے والے سیٹھ کا فون ہے۔ اس نے بات نہیں کی تو آج رات ہی اس کی لاش کا پارسل بابا بھٹ پہنچا دیا جائے گا۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔ میں حاجی کو بلاتا ہوں۔" دوسری طرف سے جلدی سے کہا گیا۔

میرے ہونٹوں پر بے ساختہ ذو معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دل مراد بہت حریص اور بے ایمان شخص تھا۔ بدری عرف وکرم نے اسے فون کیا تو اس سے کہہ دیا گیا کہ دل مراد ملک سے باہر گیا ہوا تھا جب کہ وہ اپنی کچھار میں موجود تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ جعلی ڈالروں پر اس کی نیت خراب ہوچکی تھی اور وہ ان کے مالکوں کا سامنا کرنے سے گریز کررہا تھا جب کہ غفور بھٹی اس کے لیے کسی نہ کسی حد تک اہم تھا۔

چند ثانیوں کے بعد دل مراد ہی فون پر آگیا "بول بابا! ابھی کیوں فون کیا ہے؟"

"ایک کروڑ والی بات یاد دلانے کے لیے۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "میں تمہارے دوست کو زیادہ دیر تک نہیں پال سکتا۔ اس کی شراب اور کھانے پینے پر ہزاروں روپے کا خرچ آرہا ہے۔"

"سیٹھ! تم بھی کوئی کنگلا سیٹھ معلوم ہوتا ہے۔ بھٹی نے تم لوگ کو جتنی گالیاں دی تھیں' تم اس سے سوا اوپر مجھے دے دو اور دو لاکھ روپیہ بھی لے لو۔ بھٹی میرا دوست ہے۔ میں اس کا سودا بس اتنے میں کرسکتا ہوں۔ اس سے آگے کوئی بات نہیں ہوسکتا۔"

"تم نے اس کے کنبے برادری سے بات کرنے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ سب مردار لوگ مادین ہے۔" غفور بھٹی کے رشتے داروں کا ذکر آتے ہی دل مراد بھڑک اٹھا "جان دے دے گا' مال نہیں دے گا۔ ایک کروڑ کا نام سن کر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ بھٹی نے عمر بھر ان لوگوں کے لیے جی جان مارا۔ دنیا جہان کا بدمعاشی اور ہیرا پھیری کیا مگر اب وہ شاید اس کے کفن دفن کا چندہ بھی نہیں دیں گے۔ ان سب کو غرق کرو۔ میں اس کا جگری یار ہوں۔ میرا بات مان لو۔"

"تم خود ان ہی دھندوں سے کروڑ پتی بنے ہو۔" میں نے اس کے چٹکی لی "کیا تمہاری نظروں میں بھٹی جیسے گہرے دوست کی زندگی کی قیمت صرف دو لاکھ روپے ہے؟"

"میں تیرے باپ کا پیسہ لے کر کروڑ پتی نہیں بنا۔ یہ میرا مال ہے۔ آج کل دوست' دوست کو بیچ کر مال بناتا ہے۔ میں پھر بھی تیرے کو آفر دیا ہوں۔ نہیں مانے گا تو تیرے کو کوئی بھٹی کا دو روپیہ بھی نہیں دے گا۔"

"پھر بھٹی کو بھول جاؤ۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میں پتھر باندھ کر اسے گہرے سمندر میں غرق کردوں گا تاکہ تم لوگوں کا کفن دفن کا خرچ بھی بچ جائے مگر یہ یاد رکھنا کہ کراچی میں کبھی بھی تمہاری داداگیری نہیں چلے گی۔ یہاں ایک سے ایک خردماغ پڑا ہے۔ کبھی مجھ سے ٹکرا گئے تو تمہیں بھی اٹھا کر کہیں پھینک دوں گا۔"

"اڑے گدھا گیر کا بچہ!" اس کی اشتعال آمیز آواز ابھری۔ "میں غفور بھٹی نہیں ہوں۔ میری طرف آنکھ بھی اٹھایا تو توڑ مروڑ کر تیری ساری سیٹھی کو چکا دوں گا۔ تو سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو۔"

میں نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکتے ہوئے کہا "اب میں تیسری مرتبہ فون نہیں کروں گا۔ سمجھ لو کہ آج غفور بھٹی کی آخری رات

ہے۔ جلد ہی تم پر بھی یہ وقت آئے گا۔"

اس کے دہانے سے نکلنے والے غلیظ اور غصیلے الفاظ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگے۔ میں نے بے پروائی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"یہ قصہ بھی ختم ہوا۔" اول خان نے اطمینان سے کہا۔ "تمہاری اس فون کال کے بعد اسے پورا یقین ہوجائے گا کہ غفور بھٹی کو اپنے ڈرائیور کی بدکلامی اور اشتعال انگیزی کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے ورنہ اسے شبہ رہتا کہ بھٹی کے اغوا میں کمانڈر سعید کا ہی ہاتھ ہے۔"

"یہ قصہ ختم ہوگیا لیکن میری الجھن شروع ہوچکی ہے۔" سلطان شاہ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا "تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ کل مجھے ٹام کیٹ کے کوڈ سے نک موڈلے سے ملاقات کے لیے جانا ہے لیکن مجھے کچھ پتا نہیں کہ وہاں جا کر مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"

"کسی کا خون کسی پر نہیں ہوتا۔" ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔ "خون اپنے بدن میں رہتا ہے یا پھر زمین پر بہتا ہے۔ اب تو ویسے بھی خون بہانے کی ریت کم ہوتی جارہی ہے۔ ایک گولی چلتی ہے۔ ننھا سا سوراخ ہوتا ہے اور قصہ ختم۔ غفور بھٹی جیسا پُرشکوہ انجام بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتا ہے۔"

"میری دعا ہے کہ خدا تمہیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔" سلطان شاہ نے دعائیہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ غزالہ ہنس پڑی۔

"کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔" ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ بحث وہیں دم توڑ گئی۔ اول خان اس وقت اسپیکر فون کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسپیکر فون آن کردیا۔

"ہیلو! میں سعید بول رہا ہوں۔ مجھے اول خان یا ڈینی سے بات کرنی ہے۔" اسپیکر پر ابھرنے والی بھاری مردانہ آواز بلاشک وشبہ نیول انٹیلی جنس کے کمانڈر سعید کی تھی۔

"ہاں سعید، کیا خیر خبر ہے؟" اول خان نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوٹ ادو والے واقعے کے بارے میں کچھ کڑیاں ملی ہیں جو خاصی دلچسپ ہیں۔"

"ویری گڈ! تم بتاتے چلے جاؤ۔ میں پوری توجہ سے ایک ایک لفظ سن رہا ہوں۔"

"تھرمل کنٹرول روم کے کنسول میں ٹائم بم چھپانے والے لڑکے کا نام پرویز مسیح ہے۔ اس نے یہ کام اپنے باپ کی ہدایت پر کیا تھا۔ اس نے ٹائم بم کا وقت اپنی چھٹی کے دس منٹ بعد سیٹ کیا تھا۔ دھماکا ہونے تک وہ بے چینی سے وسیع احاطے میں ٹہلتا رہا۔ دھماکا ہونے کے بعد اس نے مرکزی عمارت میں واقع تھرمل کنٹرول روم کے بجائے گیٹ کا رخ کیا تو سیکیورٹی والوں کو اس پر شبہ ہوا اور انہوں نے اسے روک لیا۔"

"اس کی وہ حرکت واقعی غیر فطری تھی۔ دھماکا ہوتے ہی ہر ملازم کو جائے حادثہ کی طرف دوڑنا چاہیے تھا تاکہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرسکے۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ مجرم اپنے جرم کا خود اعلان کرتا پھرتا ہے۔ پرویز کو اپنے باپ کی ہدایت سے آگے ایک لفظ بھی معلوم نہیں ہے۔ اب وہ اپنے اور اپنے باپ کے انجام سے سخت خوف زدہ ہے۔"

"اور اس کا باپ کیا کہتا ہے؟ وہ بھی تو تحویل میں لے لیا گیا تھا۔"

"فادر مائیکل مسیح اپنے بیٹے کے مقابلے میں قدرے سخت جان تھا مگر اب وہ بھی بول پڑا ہے۔ یہ کسی گروہ کی کارگزاری نہیں ہے بلکہ بلیک میلنگ کے ستائے ہوئے ایک مجبور شخص کی واردات ہے۔"

"بلیک میلنگ؟" اول خان نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا "اس پادری کو کون بلیک میل کررہا تھا؟"

"آئزک بیل۔" کمانڈر سعید کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ وہ اسپیکر فون پر کہہ رہا تھا "فادر مائیکل کا بڑا بیٹا تین برس سے غیر قانونی طور پر نیویارک میں رہ رہا ہے۔ ایک سال پہلے وہ ٹریفک کے ایک حادثے میں ملوث ہو کر ملٹری پولیس کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس کی گرفتاری کے چند روز بعد فادر مائیکل کو نیویارک سے ایک فون پر کسی غیر ملکی نے اے بی کے نام سے مخاطب کیا اور پیغام دیا کہ اگر وہ نیویارک میں اپنے بیٹے کی آزادی چاہتا ہے تو اس کے احکام پر عمل کرتا رہے ورنہ اس کے بیٹے کو ریاستی جیل میں سڑا دیا جائے گا۔"

"اور وہ اس پر تیار ہوگیا۔" اول خان نے بے تابی سے لقمہ دیا۔

"وہ مجبور تھا کیونکہ اس کا بیٹا آدھا کلو ہیروئن لے کر کامیابی سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔ ان لوگوں نے تشدد کرکے اس سے تین سال پرانے وہ واقعات بھی اگلوا لیے تھے۔ فادر مائیکل کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد اے بی نے آزمائشی طور پر تین دن بعد کوٹ ادو کی کسی عبادت گاہ میں بم کا دھماکا کرنے کا حکم دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے اس دھماکے کی تصدیق کرے گا۔

"فادر سخت پریشان رہا۔ بنیادی طور پر وہ ایک شریف آدمی ہے لیکن اپنے بڑے بیٹے کی آزادی کے لیے اس نے اے بی کی شرط منظور کرلی تھی۔ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو اس نے مقررہ دن اپنے ہی گرجا گھر کے ہال میں ایک دیسی بم رکھ دیا۔ دھماکا ہوا اور اگلے ہی دن اے بی نے دوبارہ اسے فون کرکے کامیابی پر مبارک باد

ایک طویل وقفے کے بعد اے بی کا تیسرا فون چند روز قبل
اسے پہلے ہی معلوم تھا کہ مائیکل کا دوسرا بیٹا پاور ہاؤس میں
ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ ہفتے کے دن پاور ہاؤس میں
...ن ور دھماکا کیا جائے ورنہ مائیکل کا بڑا بیٹا دوبارہ سلاخوں کے
پیچھے پہنچا دیا جائے گا۔"

کمانڈر سعید کی زبان سے وہ کہانی سنتے ہی مجھے بے اختیار نادرہ
...ی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر گیری ہارٹ اور انسپکٹر
...ر نے بھی بالکل اسی انداز میں نادرہ کو بلیک میل کرنے کی
...ش کی تھی۔ ایک طرف وہ اسے اس کے شوہر غنی کی رہائی کا
...ے رہے تھے تو دوسری طرف یہ دھمکی بھی موجود تھی کہ اس
...ان لوگوں سے تعاون نہ کیا تو بیرون ملک زیر تعلیم فرخ کو تاریک
مستقبل کا سامنا کرنا ہوگا۔ نادرہ ان کے سامنے بے بس
...یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہمارے کرائے کے فلیٹ کی
...تھی۔ اس نے اپنی مشکل میرے سامنے رکھ دی اور پھر سی آئی
اے کے دونوں ایجنٹ معزول ہو کر اپنے زخم چاٹتے ہوئے واپس
...نے پر مجبور ہوگئے۔

مائیکل مسیح کی کہانی بھی اسی سے ملتی جلتی تھی۔ بیرون ملک
رہنے والے پاکستانیوں کی کمزوریوں کا سراغ لگا کر ان کے قریبی
رشتے داروں کو بلیک میلنگ کا نشانہ بنانا سی آئی اے اور ڈیوڈ اسٹارز
والوں کا مشترکہ اور مرغوب ترین طریقۂ واردات معلوم ہوتا تھا۔

"فادر مائیکل نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ایک فرضی بشارت کا
...نہ گھڑ کر اس گھناؤنی واردات پر آمادہ کیا تھا۔" اسپیکر فون پر
کمانڈر سعید بتا رہا تھا "پرویز مسیح مطمئن تھا کہ وہ اپنے باپ کے حکم
کی تعمیل کرکے ایک مقدس بشارت کو پورا کرے گا۔ اس معاملے
...میں باپ بیٹے کے سوا کوئی تیسرا فرد ملوث نہیں تھا۔"

"انہیں دھماکے کے لیے بم کس نے فراہم کیا تھا؟" اول خان
نے پوچھا۔

"افغانستان میں حالات بگڑنے کے ساتھ جہاں ہیروئن نے
پاکستان پر یلغار کی تھی وہاں چھوٹے بڑے ہتھیاروں کے بے شمار
...بازار بھی پھیلتے چلے گئے۔ آج ایسی چیزیں ہر شہر میں عام آدمی
کی دسترس میں ہیں۔"

"پھر ان دونوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟" اول
خان فکرمند نظر آنے لگا تھا۔

"فی الحال جوائنٹ انٹروگیشن ٹیم مزید کسی کامیابی کی امید میں
ان دونوں پر محنت کررہی ہے۔ بازپرس کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد
...کوئی فیصلہ کیا جاسکے گا۔"

"ان دونوں کا جرم بہت سنگین ہے اور ملک سے کھلی غداری
کے برابر ہے۔"

"ان کا آخری انجام یہی ہونا چاہیے مگر میری رائے ہے کہ
...رضی طور پر انہیں ڈھیل دی جانی چاہیے۔ اے بی یقیناً تمہارا

آئزک بیل ہی ہوسکتا ہے جو تمہارے کہنے کے مطابق اب راس المیڈا کا جانشین ہے۔ وہ فادر مائیکل سے دوبارہ رابطہ کرے گا۔ مائیکل کو سخت وارننگ کے ساتھ بریف کردیا جائے تو ہمیں آئزک بیل کے اگلے ہدف یا حکمتِ عملی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔ اس وقت یہی بہترین راستہ ہوگا۔ ان دونوں کو تو کسی بھی وقت حراست میں لے کر سزا یاب کرایا جاسکتا ہے۔ تم نے اپنی بات اوپر والوں تک تو پہنچا دی ہوگی۔"

"یہ خیال ابھی ابھی آیا ہے۔ اوپر والوں سے بھی بات کرلوں گا۔ آخری فیصلہ بہرحال دوسرے ہی کریں گے جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

وہ دونوں مزید چند ثانیوں تک دوستانہ انداز میں باتیں کرتے رہے پھر فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"ابھی تک ان کے بارے میں تمہارے سارے اندازے درست ثابت ہوتے چلے آرہے ہیں۔" اسپیکر فون بند ہوجانے پر ویرا نے تعریفی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ لوگ ڈینی کے مشورے سے منصوبے بنا رہے ہیں۔" سلطان شاہ بولا۔

"یہ ماننا پڑے گا کہ تمہارے اندازے حقیقت سے بہت قریب ہوتے ہیں۔" اول خان نے اعتراف کیا "تم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوٹ ادو کا حادثہ کسی کی انفرادی تخریب کاری ہے۔ یہاں ڈیوڈ اسٹارز کے مخبروں کا کوئی باقاعدہ نظام سرے سے موجود نہیں ہے۔"

"اتنی تعریفیں نہ کرو کہ میرا دماغ خراب ہوجائے۔" میں نے ہنس کر کہا "یہ ایک عام سا اندازہ تھا۔ تم لوگ بھی اپنے ذہنوں پر زور دے کر یہی نتیجہ اخذ کرسکتے تھے۔"

"کوٹ ادو جیسے دور افتادہ شہر میں مائیکل مسیح کا کردار بے نقاب ہونے کے بعد ایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے۔" غزالہ نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی "اس وقت لاکھوں پاکستانی بیرونِ ملک رہ رہے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں صرف امریکا میں ہوں گے اور وہ سب فرشتے نہیں ہوسکتے۔"

"شاید تمہارا خیال ہے کہ وہ لوگ نادرہ اور مائیکل مسیح کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی بلیک میل کررہے ہوں گے؟" ویرا نے تیکھی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔" اول خان نے فوراً ویرا کی تائید کی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کارآمد مقامیوں کے ہوتے ہوئے راس المیڈا کو بھارت سے را کے دو ایجنٹوں کی مدد طلب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" غزالہ نے اپنی الجھن سب

کے سامنے پیش کردی۔

"تمہارا یہ نکتہ واقعی بہت اہم ہے۔" ویرا نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خیال میں اس کا کیا سبب ہوسکتا ہے؟" سلطان شاہ نے غزالہ سے پوچھا۔

"سبب معلوم ہوتا تو مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔" غزالہ نے سادگی سے کہا۔

"تم کیوں خاموش بیٹھے مسکرائے جارہے ہو؟" اول خان نے مجھ سے سوال کیا۔

"غزالہ کی سادگی اور حماقت پر غور کررہا ہوں۔" میں نے جواب دیا "وہ جن لوگوں کو بھی کمزوریوں کی بنا پر بلیک میل کررہے ہیں وہ سب شریف اور عیال دار لوگ ہوں گے جو کسی گروہ کی صورت میں منظم نہیں ہیں۔ ایسے عام اور بے ضرر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر وہ کسی چھوٹی موٹی تخریب کاری پر ضرور مجبور کرسکتے ہیں لیکن ان سے کسی سازش یا منصوبہ بندی میں اہم کام نہیں لے سکتے۔ میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں لیکن میرے دشمن مجھ سے خوف کھاتے ہیں۔ راس المیڈا میرے مقابلے میں اناڑیوں کو میدان میں اتارنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔"

"تم جیسے مکار اور خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لیے اسے تجربے کار اور پیشہ ور اجنبی چہروں کی ضرورت تھی جو را کے نووارد ایجنٹ پوری کرسکتے تھے۔ شاید تم یہی کہنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے میری ادھوری بات مکمل کرکے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"میں غزالہ کے سوال کا اس سے بہتر جواب تلاش نہیں کرسکتا۔"

"پھر تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ملک بھر میں کوٹ ادو جیسی تخریب کاریوں کا لامتناہی سلسلہ چل پڑے" ویرا نے خدشہ ظاہر کیا "وہ اپنے دباؤ میں آئے ہوئے ہر مقامی کو کسی چھوٹی موٹی واردات پر مجبور کرسکتا ہے۔"

"تم اس بارے میں کچھ زیادہ ہی دور چلی گئیں" میں نے کہا۔ "مائیکل مسیح نے اپنے چرچ کے ہال میں بم دھماکا کرکے انہیں اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ کتنے لوگ اتنا حوصلہ رکھتے ہیں؟ ہر شخص مائیکل مسیح نہیں ہوسکتا اور پھر یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ نادرہ کے شوہر اور مائیکل کے بڑے بیٹے پر ہیروئن کی اسمگلنگ کے یکساں الزامات تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صرف ہیروئن کے اسمگلروں کے لواحقین کی تلاش میں رہتے ہوں کیونکہ ہمارے ہاں اس جرم کی سزا بہت سنگین ہے۔ چھوٹے موٹے جرائم پر کوئی کسی کو بلیک میل نہیں کرسکتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اول خان نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "پاکستان سے ہر روز ہزاروں افراد بیرونِ ملک جاتے ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کا رخ کرنے والوں میں اَن پڑھ محنت کشوں کی تعداد غالب ہوتی ہے لیکن مغرب کا رخ کرنے والوں میں اکثریت کا تعلق تعلیم یافتہ گھرانوں سے ہوتا ہے۔ ان میں منشیات لے جانے والوں کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہوتی ہوگی۔ جو پیشہ ور ہوتے ہیں وہ اپنے خفیہ رابطوں کی بنا پر صاف نکل جاتے ہیں۔ پکڑے جانے والے دس بیس ہزار میں ایک آدھ سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔ اس قلیل تعداد میں سے بھی اِکا دُکا افراد ہی ان کے ڈھب پر پورے اترتے ہوں گے... نہیں، پاکستان میں آئزک بیل، ڈیوڈ اسٹارز یا سی آئی اے کے لیے کام کرنے والوں کی تعداد قابلِ ذکر نہیں ہوسکتی۔"

"گڈ... تم نے میرے دل کی بات پوری طرح کھول کر رکھ دی۔ میرا اندازہ ہے کہ اب فادر مائیکل کی کہانی اسی کے ساتھ ختم ہوجائے گی۔ یہ سلسلہ آگے نہیں چل سکے گا۔"

"میری بریفنگ" اچانک سلطان شاہ کراہا "تھوڑی دیر بعد ایس ایس پی کے ایجنٹوں کی طرف چل دوگے اور مجھے کچھ پتا نہیں ہوگا کہ صبح گیارہ بجے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج کی رات اپنی ہی۔ میں ان دونوں کو غچا دے کر آیا ہوں۔ بریفنگ کے ساتھ ساتھ ہمیں تھوڑی سی تیاری بھی کرنی ہوگی۔ کام کے اس سلسلے کا آغاز کھانے کے بعد ہی مناسب رہے گا" میں نے ہنستے ہوئے کہا "پیٹ میں چارا پڑ جائے تو عقل تیز ہوجاتی ہے۔"

"کھانا بالکل تیار ہے" غزالہ نے فوراً اعلان کردیا "پانچ منٹ کے نوٹس پر میز لگ سکتی ہے۔"

"مائیکرو ویو اوون کا یہی ایک کمال ہے۔ باسی کھانے بھی فاناً میں تر و تازہ ہوکر دسترخوان پر آجاتے ہیں۔ دعا دو نادرہ کو جس نے ہمیں ایسا سجا سجایا فلیٹ فراہم کیا ہے۔"

"اور خود رحیم یار خان میں خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہی ہے" ویرا نے ٹکڑا لگایا اور کمرا ملے جلے قہقہوں کے شور سے گونج اٹھا۔

○☆○

ایک زمانہ تھا کہ امریکی قونصل خانے کی کئی منزلہ عمارت کراچی میں جدید طرزِ تعمیر کا ایک شاہکار تصور کی جاتی تھی۔ کنکریٹ اور شیشے سے بنی ہوئی اس عمارت کے پورچ پر گزوں آگے نکلے ہوئے بے ستون بیم لوگوں کو حیران کردیتے تھے۔ دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے وہ بیم آہنی رسوں یا سلاخوں کے سہارے عمارت کے اوپری حصوں سے بندھے ہوئے ہوں مگر پھر شہر میں ابھرتی ہوئی جدید عمارتوں میں اس عمارت کی انفرادیت ماند پڑتے پڑتے تقریباً معدوم ہوگئی۔

عبداللہ ہارون روڈ پر فریئرہال کے سامنے بنی ہوئی اس عمارت کے گرد ابتدا میں کوئی احاطہ نہیں تھا۔ اس کے سامنے پھیلے ہوئے سبزہ زار کے درمیان بنی ہوئی صاف ستھری راہداریوں سے گزر کر کوئی بھی ملاقاتی براہِ راست برآمدے تک رسائی حاصل کرسکتا تھا جہاں اس کی رہنمائی کے لیے عملہ متعین رہتا تھا مگر جوں جوں عالمی سطح پر امریکا کی بڑھتی ہوئی سیاسی اور معاشی چیرہ دستیوں کے خلاف نفرت کی لہر زور پکڑتی گئی، اس عمارت کو مشتعل مظاہرین اور دہشت گردوں سے محفوظ رکھنے کی کوششیں شروع کردی گئیں۔ ان کوششوں کے اختتام پر عمارت کے گرد کھلی کھلی سلاخوں والی اونچی دیوار کھڑی ہوچکی تھی۔ عمارت کے محافظ برآمدے میں بیٹھے پھاٹک اور اس سے باہر پھیلی ہوئی فٹ پاتھ اور سڑک پر نظر رکھ سکتے تھے۔

میں نے ٹھیک پونے گیارہ بجے کلفٹن جانے والی یک طرفہ سڑک پر قونصل خانے کے سامنے اپنی کار فٹ پاتھ کے کنارے روک دی اور اس کے اگنیشن کا چور سوئچ بند کردیا۔

اس وقت میری گاڑی فریئرہال یا باغِ جناح کے سبزہ زار کے سامنے کھڑی ہوئی تھی مگر وہاں سے میں قونصل خانے میں آنے جانے والوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

میں نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے دو مرتبہ بے مقصد سیلف لگایا لیکن اگنیشن کوائل کی سپلائی چور سوئچ کے ذریعے کاٹ دی گئی تھی اس لیے انجن ہچکیاں لینے کے باوجود بیدار نہ ہوسکا۔ میں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اتر کر کار کا بونٹ اٹھادیا اور پرزوں کی دیکھ بھال کرنے لگا۔

وہ شہر کی کوئی عام سڑک نہیں بلکہ اہم شخصیات کی گزرگاہ تھی۔ فریئرہال کے سامنے امریکی قونصل خانے، نیول سرجری اور ہوٹل ہالیڈے اِن کی عمارات واقع تھیں۔ بعد میں ہوٹل ہالیڈے اِن کو ہوٹل میریٹ میں تبدیل کردیا گیا تھا۔ اہم ترین دفاتر اور رہائش گاہوں کے اعتبار سے سول لائنز کے اس علاقے کو شہر کا اہم اور حساس حصہ تصور کیا جاتا تھا۔

میرا ارادہ وہاں رک کر سلطان شاہ کی آمد کا انتظار کرنے کا تھا لیکن وقت پورا ہونے سے پہلے ہی سفید موٹر سائیکل پر سوار ایک ٹریفک سارجنٹ میری گاڑی کے قریب آرکا۔ اس کے اشتباہ آمیز استفسار پر میں نے اسے گاڑی کی ناگہانی خرابی کے بارے میں بتایا تو وہ موٹر سائیکل کنارے سے لگا کر نیچے اتر آیا۔

"یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔ آپ گاڑی کو دھکیل کر کہیں آگے لے جائیں" اس نے قدرے سختی سے کہا۔

"میں اکیلا اسے کیسے دھکیل سکتا ہوں۔ کسی نہ کسی کو میری مدد کرنی ہوگی۔"

سچی بات یہ ہے کہ منصوبہ بناتے ہوئے میں نے اس سڑک کی اہمیت کو نظرانداز کردیا تھا۔ اسی وجہ سے ٹریفک سارجنٹ کی مداخلت نے میری طبیعت مکدر کردی تھی۔

اسے دکھانے کے لیے میں نے ایک مرتبہ پھر لمبا سیلف لگایا۔

وہ جھک کر غور سے انجن کا جائزہ لیتا رہا۔ میں نیچے اترا تو وہ مایوسی کے عالم میں میری رائے سے متفق ہوچکا تھا۔

وہ شہر کی کوئی اور سڑک ہوتی تو اس جیسے کئی کج کلاہ ٹریفک افسر میری گاڑی پر نظر ڈالنے کی زحمت کیے بغیر نخوت آمیز انداز میں فراٹے بھرتے ہوئے آگے بڑھ گئے ہوتے لیکن وہ شہر کی وی آئی پی سڑک تھی۔ وہ بے چارہ بادلِ ناخواستہ میری گاڑی میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

وہ قانون کا ایک باوردی محافظ تھا۔ اس کے اشارے پر دوسری طرف کی سروس لین میں کھڑے ہوئے تین ٹیکسی ڈرائیور میری مدد کے لیے آگئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنی پیشہ ورانہ عادت کے مطابق انجن کی خرابی کا سراغ لگانے کا عندیہ ظاہر کیا مگر میرے ساتھ نرمی سے پیش آنے والے سارجنٹ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچلا تھا۔ وہ ان پر برس پڑا "بھاڑ میں ڈالو اس انجن کی خرابی کو۔ اس چھکڑے کو دھکیل کر آگے فریئرہال کے بند پھاٹک کے سامنے لے جاؤ۔"

ان تینوں نے بونٹ گرا کر میرے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا انتظار کیے بغیر کار کو دھکا لگانا شروع کردیا۔ فریئرہال کا وہ بلند و بالا آہنی پھاٹک سڑک سے کافی اندر اس طرح بنا ہوا ہے کہ اس کے سامنے پارکنگ کی وسیع گنجائش پیدا کرلی گئی ہے۔ عام دنوں میں وہ پھاٹک وزنی آہنی زنجیروں سے مقفل رہتا ہے۔ پیدل چلنے والوں کے لیے اس کی ذیلی کھڑکی کھلی رہتی ہے۔ وہاں کوئی اہم سرکاری تقریب ہو تو معزز مہمانوں کو ریڈ کارپٹ پروٹوکول دینے کے لیے پورا پھاٹک کھول دیا جاتا ہے۔

ٹیکسیوں وغیرہ کی پارکنگ کے لیے استعمال ہونے والے اس وسیع کھانچے میں گاڑی داخل ہونے تک ٹریفک سارجنٹ اپنی موٹر سائیکل پر رینگ رینگ کر پورے آپریشن کی براہِ راست نگرانی کرتا رہا۔ گاڑی سڑک سے اترتے ہی وہ اپنی بھاری موٹر سائیکل پر پل کی طرف ہوا ہوگیا۔ میری مدد کرنے والے ڈرائیور بھی ہاتھ جھاڑ کر واپس ہولیے۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہاں میدان صاف تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر بونٹ اٹھا کر راڈ پر ٹکا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔

میرے قدموں میں نشست کے ساتھ ہی وہ ریڈیو رکھا ہوا تھا جس کے ایف ایم بینڈ پر سلطان شاہ ایک بار میری اور نادرہ کی گفتگو سن چکا تھا۔ ریڈیو کے ایف ایم بینڈ کی ٹیوننگ فلیٹ پر ہی کرلی گئی تھی۔ طاقتور ایف ایم مائیکرو فون سلطان شاہ کی جیب میں موجود تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ قونصل خانے کی عمارت سے غیر متوقع طور پر فاصلہ بڑھ جانے کے باعث وہ تیاریاں رائگاں ہی نہ جائیں۔

سڑک کے ہلکے سے خم اور دوسری طرف گھنے درختوں کی کثرت کی وجہ سے میرے لیے قونصل خانے کی نگرانی دشوار ہوگئی تھی۔ گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھیں۔ میں

نے جھک کر ریڈیو آن کردیا۔ س پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سلطان شاہ جہاں بھی تھا' ریڈیو کی رینج سے باہر تھا۔

گیارہ بجنے میں شاید دو منٹ رہ گئے تھے کہ ریڈیو پر کسی انجن کا مدھم سا شور سنائی دیا جو بڑھتے بڑھتے قدرے واضح ہوگیا پھر وہ آواز جیسے تھم سی گئی۔ ایک مختصر وقفہ آیا' میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ شاید سلطان شاہ اپنی منزل کے قریب تھا۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ سسٹم کام کررہا تھا۔

"تم نظر نہیں آرہے" اچانک ایف ایم بینڈ پر سلطان شاہ کی دھیمی آواز سنائی دی "تمہارے حکم پر میں سولی چڑھنے جارہا ہوں۔ اب رام ہی بھلی کرے گا۔"

اسپیکر پر گردوپیش کے ٹریفک کا دھیما شور گونجنے لگا۔ سلطان شاہ میرے لیے پہلا پیغام دے کر شاید عمارت کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ایک کرخت مردانہ آواز سنائی دی۔ غالباً پھاٹک پر لگے ہوئے انٹرکام پر عمارت کے کسی دربان نے وہ سوال سلطان شاہ سے ہی کیا تھا۔

"ٹام کیٹ!" سلطان شاہ کی آواز میں اعتماد اور مردانگی کی شان نمایاں تھی "مجھے تک موڈلے نے بلایا ہے۔"

اس بار دربان نے جو کچھ کہا وہ میرے سر پر سے گزر گیا کیونکہ اس نے اچانک ہی پشتو بولنی شروع کردی تھی۔ سلطان شاہ نے بھی ترکی بہ ترکی یعنی پشتو میں جواب دیا۔ میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔ پتا نہیں دربان کی چھٹی حس نے کیسے اندازہ لگالیا تھا کہ نووارد اس کا ہم زبان تھا۔

اگر وہ سلسلہ یوں ہی چل پڑتا تو میرے پاس ریڈیو کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔

سکوت طاری رہا۔ ٹریفک کا دھیما شور بھی معدوم ہوچکا تھا۔ میں چشمِ تصور سے دیکھ رہا تھا کہ سلطان شاہ پھاٹک عبور کرکے عمارت کے برآمدے کی طرف جارہا تھا۔

دربان کی آواز پھر ابھری۔ اس بار الفاظ قدرے مانوس تھے۔ وہ پشتو میں ہی سلطان شاہ کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ان دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا پھر خاموشی چھاگئی۔

اس بار خاموشی کا وقفہ قدرے طویل ثابت ہوا۔ آخر سلطان شاہ کی آواز آئی "سلام صاحب!"

"تمہارا نام کیا ہے؟" ایک بارعب غیر ملکی آواز سنائی دی۔ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

قدرے توقف کے بعد سلطان شاہ نے جواب دیا "صاحب! مجھے انگریزی نہیں آتی۔"

انگریزی زبان میں مکتبی علم نہ ہونے کے باوجود سلطان شاہ نے میرے ساتھ مغرب کی طویل آوارہ گردیوں میں خاصی مجلسی مہارت حاصل کرلی تھی۔ وہ منہ بگاڑے بغیر بہت روانی سے انگریزی بول اور سمجھ سکتا تھا لیکن وہ اس وقت طے شدہ پروگرام کے مطابق کامیاب اداکاری کررہا تھا۔

"تم ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی نہیں بول سکتے؟" دوبارہ انگریزی میں پوچھا گیا۔

وہ ایک مکارانہ سوال تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں سلطان شاہ اضطراری طور پر جواب ہی نہ دے بیٹھے مگر وہ بہت پکا تھا۔ جواب کے بجائے مجھے اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "خدایا! میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"کتیا کے پلّے! تمہارا بہت غلط انتخاب کیا گیا ہے" انگریزی میں کہا گیا۔ کسی بھی انگریزی جاننے والے کے لیے وہ گالی بہت سخت بلکہ ناقابلِ برداشت تھی۔ غیر ملکی بھی شاید یہی کوشش کررہا تھا کہ سلطان شاہ کو انگریزی کی ذرا بھی شدبد ہو تو وہ بھڑک جائے لیکن وہ پتھر بن کر خاموش رہا۔

"اس کا مطلب ہائے کہ میں ٹم سے ارڈو میں بات کرے گا" اس بار وہی بارعب آواز ستھرے تلفظ کے ساتھ اردو میں سلطان شاہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"خدا کا شکر ہے" سلطان شاہ کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑرہی تھی "کہ تم اتنی اچھی اردو جانتے ہو۔ شش.... شاید تم ہی تک موڈلے ہو۔ میرا کوڈ نام کیٹ ہے۔"

"یس۔ میں تک موڈلے ہائے۔ ٹم کا بگ باس۔ بیڈری اور رامیش کا بگ باس۔"

"جی صاحب! مجھے معلوم ہے۔ میں ان دونوں کے لیے کام کررہا ہوں۔"

"بیڈری اور رامیش کو ٹریننگ کرنے جانا ہائے۔ یہ پیکٹ بیڈری کا ہائے۔ وہ میں سے بات کرے" تک موڈلے کے وہ فقرے سنسنی خیز تھے۔ پتا نہیں وہ بدری اور رمیش جیسے گھاگ افراد کو کس بات کی تربیت کے لیے بھیجنے کا عزم لیے بیٹھا تھا۔

اس نے جس انداز اور تسلسل میں پیکٹ کا ذکر کیا تھا اس سے مجھے گمان ہوا تھا کہ اس نے ٹیلی فون کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے بدری کے لیے کوئی لاسلکی ٹرانسیٹر دیا تھا جس پر وہ ایک دوسرے سے بہ آسانی رابطہ کرسکتے تھے۔ شاید اس نے اسی اہم کام کے لیے بدری کے قاصد کو طلب کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا پیغام اور پیکٹ بدری تک پہنچا دوں گا" سلطان شاہ کی آواز آئی۔

"ٹم جائے گا" غالباً تک نے سلطان شاہ کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔

سلطان شاہ کی واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ راستے میں اس نے ایک مرتبہ پھر پہلے والے دربان سے پشتو میں کچھ باتیں کیں اور پھر سکوت چھاگیا۔

میرے لیے امریکی قونصل خانے کی وہ عمارت کسی خوف [illegible]ب سے کم نہیں تھی۔ عام لوگوں کے لیے وہ سفارتی فرائض کی [illegible] انجام دہی اور سفری سہولتوں کی فراہمی کا مرکز تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کی بند دیواروں کے پیچھے کیسی کیسی منصوبہ بندیاں پروان چڑھتی ہیں۔

اس حصار سے سلطان شاہ کی خیروعافیت سے واپسی کسی بڑے کارنامے سے کم نہیں تھی۔ اس کی ملاقات بہت مختصر رہی تھی لیکن اس نے اپنا کردار بہت خوبصورتی سے نبھایا تھا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں نے ریڈیو آف کرکے اور سوئچ آن کردیا۔ نیچے اتر کر میں تھوڑی دیر تک انجن کے تاروں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تاکہ کسی دیکھنے والے کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ اس بار آدھے ہی سیلف میں انجن انگڑائی لے کر بیدار ہوگیا۔ میں نے باہر آکر بونٹ بند کیا اور پھر پُرسکون انداز میں گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پر اول خان مضطربانہ انداز میں میری اور سلطان شاہ کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ کو اپنے کسی ممکنہ تعاقب کے خطرے کو ٹالنے کے لیے شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی میں وقت گزارنا ہوگا اس لیے اسے واپسی میں دیر ہوگی۔ میں نے ان میں سے کسی کی طرف سے جرح کا آغاز ہونے سے پہلے ہی سلطان شاہ کی کارگزاری کی رپورٹ سنانی شروع کردی۔

"تک موڈلے کے سامنے آنے کے بعد یہ گتھی سلجھنے کے بجائے مزید الجھتی ہوئی نظر آرہی ہے" ویرا نے میری بات پوری ہونے کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا "وہ ان دونوں کو تربیت کے لیے کہاں بھیجے گا۔"

"ڈھیل دینے سے معاملات بگڑتے ہی چلے جائیں گے" غزالہ نے کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا "روانگی کا مرحلہ آنے سے پہلے ہی بدری اور رمیش کو ماردیا جائے تو ہمارے سامنے صرف تک موڈلے رہ جائے گا۔ اسے بھی کہیں نہ کہیں گھیر ہی لیا جائے گا۔"

"شاید تم کسی لمبے چکر سے خوف زدہ ہورہی ہو" اول خان نرمی سے بولا "ہم شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دے کر طوفان کو نہیں ٹال سکتے۔ ان تینوں کو مار ڈالنا ایک عارضی حل ہوگا۔ ان کی جگہ نئے چہرے لے لیں گے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اس وقت ہم ان کے عزائم کے بارے میں مکمل تاریکی میں ہیں۔ ہمیں صبر اور تحمل کے ساتھ کھوج لگانا ہوگا کہ اب وہ کدھر سے وار کرنے کی تیاری کررہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ یوں محسوس ہورہا ہے جیسے اب کوئی نیا کھیل چل پڑا ہے۔ ہم نے تک موڈلے کا نام پہلی بار سنا ہے۔ وہ جس طرح اردو بول رہا تھا اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کافی عرصے سے یہاں کام کررہا ہے۔ مقامی زبان جاننے والے ہر سفارت خانے کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ تک کو سامنے لائے ہیں تو یہ کوئی معمولی چکر نہیں ہوسکتا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ بدری سے کیا بات کرتا ہے۔"

"تو کیا بدری تمہارے سامنے اس سے رابطہ کرنے کی حماقت کرے گا؟" ویرا نے طنز سے پوچھا۔

"تک موڈلے بھی مکمل تنہائی میں سلطان شاہ سے بات کررہا ہوگا۔ میں نے وہ گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے۔ ان کے کمرے میں ایف ایم مائیکروفون بہت آسانی سے چھپایا جاسکتا ہے" میں نے کہا۔

"تمہارے اور نادرہ کے ساتھ کیا جانے والا مذاق بھی اب اپنی اہمیت کا احساس دلا رہا ہے۔ وہ تجربہ سامنے نہ آیا ہوتا تو شاید ہم یہ سب سوچ بھی نہیں سکتے تھے" اول خان بولا۔

"وقت کے دھارے میں ہر چیز کا اپنا وقت اور مقام متعین ہوتا ہے" ویرا فلسفیانہ لہجے میں بولی "اس کا وہ مقام اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس دن ڈیني برہم ہوا تھا کہ اس کی اور نادرہ کی باتیں سن کر اس کے اعتماد کو مجروح کیا گیا ہے لیکن آج سب کچھ بدل چکا ہے۔"

سلطان شاہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد گھر لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی ٹرانسیٹر کا پیکٹ ہمارے سامنے ڈال دیا۔ وہ پیکٹ ٹیپ میں لپٹے ہوئے گتے کے ایک وزنی ڈبے پر مشتمل تھا۔ واضح طور پر محسوس ہورہا تھا کہ اس میں جدید ساخت کا کوئی اپریٹس ہی ہوسکتا تھا مگر پھر بھی ہر ایک پیکٹ کو کھول کر دیکھنے کا خواہاں تھا۔

بظاہر پیکٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ٹیپ اتار کر اسے دوبارہ اسی طرح بند کیا جاسکتا تھا لیکن میں ایسا کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے پیکٹ جوں کا توں رکھ لیا۔

اس دوران میں سلطان شاہ نے خود ہی وضاحت شروع کردی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "زبان کے معاملے میں ہر انسان کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ لب و لہجے یا تلفظ کے کسی خاص انداز کی بنا پر فوراً ہی اپنے کسی بھی ہم زبان کو بھانپ لیتا ہے۔ مجھے بھی وہاں کے پٹھان چوکیدار نے اچانک پشتو میں مخاطب کرنا شروع کردیا تھا۔"

"تم چاہتے تو پشتو میں چند جوابی الفاظ ادا کرکے باقی گفتگو اردو میں جاری رکھ سکتے تھے۔" اس بار ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ اس وقت ڈیني تم پر کس قدر پیچ و تاب کھارہا ہوگا۔"

"مجھے بالکل غصہ نہیں آیا۔" میں نے جلدی سے کہا "البتہ میں الجھن میں پڑگیا تھا کیونکہ اس دوران میں کوئی بھی بات میرے پلے نہیں پڑسکی۔"

"مگر تم نے لب و لہجے سے تو اندازہ لگالیا ہوگا کہ باتیں دوستانہ ماحول میں ہورہی تھیں؟" سلطان شاہ نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"بس یہی اطمینان کی بات تھی ورنہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"یوں سمجھ لو کہ ہم زبان ہونے کی وجہ سے میں آفت سے دوچار ہونے سے بچ گیا۔ وہاں میٹل ڈی ٹیکٹر سمیت جامہ تلاشی کے دوسرے آلات بھی موجود تھے۔ الارم ہوتے ہی میں نے اسے اپنی رسٹ واچ اور انگوٹھیوں وغیرہ کی طرف متوجہ کرلیا۔ اس نے میری بات پر اعتبار کرتے ہوئے تفصیلی جامہ تلاشی لینے کا ارادہ ترک کردیا۔ اگر وہ مرحلہ آجاتا تو میرا ایف ایم مائیکروفون نہیں بچ سکتا تھا۔"

"اب محسوس ہورہا ہے کہ اندر کا ماحول تمہارے لیے سازگار تھا۔ مائیکروفون چھن بھی جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ ڈینی کی ایک احتیاطی اختراع تھی۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا۔

"تم غلط کہہ رہی ہو۔ وہ مائیکروفون برآمد ہوتے ہی سازگار ماحول جارحانہ رخ اختیار کرلیتا۔ میں انہیں اس کی موجودگی کا کیا جواز دے سکتا تھا؟"

"بہرحال جو ہوا بہتر ہی ہوا۔" اول خان نے بات وہیں ختم کردی "یہ تمہاری عقل مندی تھی کہ تم نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے ڈینی کو بھول کر دربان کو اپنی باتوں میں الجھالیا ورنہ گڑبڑ ہوسکتی تھی۔"

"تم پروگرام کے مطابق اپنی جگہ پر نہیں تھے۔" سلطان شاہ نے چونک کر کہا۔

"ہم پروگرام طے کرتے ہوئے اپنے وی آئی پی کلچر میں پولیس بلکہ ٹریفک پولیس کے شہسواروں کو بھول بیٹھے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

میں نے اپنی کہانی میں سے وہ ذکر گول کردیا تھا مگر سلطان شاہ کے اصرار پر مجھے وہ قصہ سنانا پڑگیا۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا جارہا تھا۔ میں بدری اور رمیش سے تاخیر کا کوئی بھی بہانہ کرسکتا تھا مگر پھر بھی میں جلد از جلد ان تک پہنچنے کا خواہاں تھا۔ اول خان نے سلطان شاہ سے نک موڈلے کے بارے میں سوال کیا تو میں نے فوری واپسی کا ارادہ کچھ دیر کے لیے ملتوی کردیا۔

"وہ کبوترے چہرے والا ایک دبلا پتلا اور دراز قد امریکی ہے۔ پہلی ہی نظر میں اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ سنگ دل اور مفاد پرست آدمی ہے۔ وہ قونصل خانے میں کسی اہم عہدے پر فائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ بڑے دفتر میں اس کی میز شان دار کمپیوٹر سمیت بہت سی مواصلاتی سہولتوں سے آراستہ ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ باتیں سنتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ آخر اس پورے قصے میں نک موڈلے کا نام کیوں سامنے لایا گیا تھا۔ اگر مدن موہن اپنے خفیہ پیغام میں صرف اتنا ہی ذکر کرتا کہ ٹام کیٹ کے کوڈ سے ایک قابلِ اعتماد قاصد کو امریکی قونصل خانے بھیج دیا جائے تو سب کچھ اسی طرح ہوتا۔ نک موڈلے کا نام پوشیدہ رہتا اور قونصل خانے کے نگراں ٹام کیٹ کا کوڈ سنتے ہی سلطان شاہ کو نک تک پہنچا دیتے۔

نک موڈلے کا نام ظاہر کرنے کے دو ہی اسباب ہوسکتے تھے۔ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے بعد دوسرا سبب یہ ہوسکتا تھا کہ مدن موہن اپنے ان دوستوں سے کسی بھی قیمت پر دوبارہ رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے اگلے قدم کے بارے میں ایک بار ہی ساری معلومات مہیا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ دونوں گیارہ بجے کسی کو ٹام کیٹ بنا کر قونصل خانے بھیجنے میں ناکام رہتے تو بعد میں کسی نہ کسی طرح نک موڈلے سے رابطہ کرسکتے تھے۔ ناکامی کی صورت میں انہیں مدن موہن سے دوبارہ رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

"اردو جاننے کے باوجود وہ تم سے انگریزی میں بات کرنے پر کیوں مصر تھا؟" غزالہ نے پوچھا۔

"اس کا صحیح جواب تو وہ خود ہی دے سکتا ہے۔ میری دانست میں یہ اس کی شرارت تھی۔ وہ میری ذہنی سطح کا اندازہ لگانے کی ایک کوشش بھی ہوسکتی تھی۔"

"تمہاری ذہنی سطح کا اندازہ لگانے کے لیے کسی کو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔" ویرا سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بول پڑی "وہ دراصل تمہیں گالی دینے کا ایک بہانہ تھا۔ تم انگریزی بولنے لگتے تو وہ فرنچ یا جرمن میں تمہارا امتحان لیتا اور جس زبان میں تم کورے نکلتے اسی میں گالی سنا دیتا۔"

"بک بک مت کرو۔" میں نے اسے جھاڑ دیا "یہ سلطان شاہ کا ہی حوصلہ تھا کہ وہ گالی سننے اور سمجھنے کے باوجود اپنا غصہ پی گیا۔ گالی سن کر ٹھنڈے ماتھے کے لوگ بھی اچانک آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ویرا نے تائیدی انداز میں سرہلاتے ہوئے کہا "گالیاں سننا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ جب تک خون پانی کی طرح نہ ہو' یہ کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکتا۔"

میں نے غصیلی نظروں سے ویرا کو گھورا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "تم سلطان شاہ کو ہر وقت اس طرح تحفظ دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہو جیسے وہ تمہارے پروں کے نیچے آیا ہوا کوئی ننھا سا چوزہ ہو۔ کیا وہ میری ذرا سی نوک جھونک کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

"سب کچھ کرسکتا ہوں مگر اس کے لیے کھلے سمندر اور بلیک ہی نامی ایک بوٹ کا ہونا ضروری ہے۔" اس بار سلطان شاہ نے جارحانہ لہجے میں ویرا کی دکھتی رگ چھیڑ دی۔

"ہر وقت بے تکی باتیں کرتے رہتے ہو۔ اس وقت سمندر اور بوٹ کے ذکر کی کیا تک ہے؟" ویرا کی خوش مزاجی یک لخت کافور ہوگئی اور اس کا منہ بن گیا۔

"بولتی رہو گی تو تھوڑی دیر میں ہر بات خود بخود واضح ہوجائے گی۔"

"تم دونوں لڑتے رہو۔ اب میں واپس چلتا ہوں۔ دیکھنا ہے کہ

بدری اپنے گورے آقا سے کیا بات کرتا ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ اول خان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو کیا تم بھی ڈیبی کے ساتھ جارہے ہو؟" سلطان شاہ نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنے دفتر کی خیر خبر لینی ہے۔ مدن موہن کے جھوٹ کھلنے کے بعد اس کی مزید جھاڑ پونچھ ضروری ہوگئی ہے۔ یہ لوگ جوتے کے بغیر بات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" اول خان نے کہا۔

میں نے سلطان شاہ سے ایف ایم مائیکروفون لے کر اپنی جیب میں ڈالا۔ نک موڈلے کا دیا ہوا وزنی پیکٹ پہلے سے میری تحویل میں تھا۔ میں ان تینوں کو خدا حافظ کہہ کر اول خان کے ساتھ فلیٹ سے نکل آیا۔

اس وقت تک جو کچھ ہو رہا تھا' اس کے نتائج ضرور سامنے آرہے تھے لیکن واقعات کی سست رفتار سے میں کسی قدر اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا۔ بدری ناتھ اور رمیش اگروال کا قصہ بظاہر طول پکڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے بارے میں غزالہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ انہیں راستے سے ہٹائے بغیر معاملات کو تیزی سے نمٹانا دن بہ دن دشوار تر ہوتا جارہا تھا۔

نیچے پہنچ کر اول خان اپنی گاڑی میں اسٹیشن فور کی طرف چل دیا۔ میں بھی اسی کے پیچھے پیچھے نادرہ کے مکان کی طرف ہولیا جہاں میرے دونوں حریف امیدوں کے دیپ جلائے میری واپسی کے منتظر تھے۔

احاطے میں گاڑی کا انجن بند ہونے کی آواز سنتے ہی بدری ناتھ کو میری واپسی کا اندازہ ہوگیا تھا اس وجہ سے اس نے مجھے ڈرائنگ روم میں ہی آلیا۔ اس کے ساتھ رمیش موجود نہیں تھا۔

"وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی بلا تمہید بولنا شروع کردیا "نک موڈلے کے دماغ میں خناس بھرا ہوا ہے۔ وہ خود کو تم دونوں کے ساتھ قاصد کا بھی بگ باس کہہ رہا تھا۔"

"بعض حقیقتوں کو جب تک زور دے کر دہرایا نہ جائے' ان کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ ہمارے لیے کام کرنے والا ہر شخص کسی نہ کسی حد تک اس کا تابع ہوگا۔" وہ بولا۔

"میں اسے تسلیم نہیں کرسکوں گا۔ اچھا ہی ہوا کہ میں وہاں نہیں گیا۔ اس نے تمہارے لیے یہ پیکٹ بھیجا ہے۔ پیغام ہے کہ جلد از جلد اس سے بات کرلو۔ تمہیں ٹریننگ پر کہیں جانا ہے۔"

وزنی پیکٹ لے کر وہ متجسس انداز میں اسے گھما پھرا کر دیکھتا اور اس کا وزن تولتا رہا پھر بولا "تم کس ٹریننگ کی بات کر رہے ہو۔ ذرا تفصیل سے پوری گفتگو دہراؤ۔"

"پوری گفتگو نک موڈلے کے چار پانچ جملوں پر مشتمل تھی۔ ان فقروں میں دیا جانے والا پیغام میں تمہیں سنا چکا ہوں۔ باقی باتیں تم خود اس سے معلوم کرلینا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف اتنی احتیاط کی جارہی تھی کہ تم نے براہِ راست رابطہ کرنے کے بجائے ایک قاصد کو اس کے پاس بھیجا تھا اور اب وہ خود تم سے بات کرنے کا خواہش مند ہے۔ تم سب مل کر نجانے کیا ڈراما رچا رہے ہو۔" میں نے ریڈیو کا تھیلا ایک کنارے سے رکھتے ہوئے کہا۔

"اب بھی میں اس سے دور رہوں گا۔ اسے فون کرنا بھی خطرناک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ پاکستانی ایجنسیاں اپنوں اور پرایوں کے فون ٹیپ کرنے کے سلسلے میں دنیا بھر میں بدنام ہیں۔" اس نے مجھ سے لیے ہوئے پیکٹ کو دونوں ہاتھوں میں گھماتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"تو کیا اس نے تمہیں کوئی اپریٹس بھیجا ہے؟" میں نے پیکٹ پر نظریں جما کر حیرت سے پوچھا۔

"تم بہت ذہین ہو۔ میرا یہی خیال ہے۔ اس پر ہونے والی گفتگو کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوگا۔ مجھے اس کی طرف سے اتنی بڑی رعایت ملنے کی امید نہیں تھی۔" بدری ناتھ اس وقت واقعی خوش نظر آرہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے آدمی کے ایک ہی چکر میں تمہارا کام نمٹ گیا۔ اب تم جب چاہو اس سے بات کرسکتے ہو۔ اس خوشی میں تمہیں تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار ڈالر ہی دینے چاہئیں۔"

"اس سے بات ہوجائے پھر پانچ ہزار بھی دے دوں گا لیکن حاجی دل مراد کا کیا کیا جائے؟ اس سے رقم نکلوانی مشکل ہی نظر آرہی ہے۔" بات کرتے کرتے اسے اپنا قیمتی تھیلا یاد آگیا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب تک جیب میں مال ہے کھلے دل سے لٹاتے رہو۔ جیب خالی ہوجائے تو ہم تینوں شہر کی سڑکوں پر بھیک مانگیں گے۔ اس دھندے میں کسی بھی سرمایہ کاری کے بغیر اندھی آمدنی ہوتی ہے۔ اپنے سارے اخراجات نکال کر بھی تم بہت کچھ پس انداز کرسکو گے۔"

"تم خاصا بے تکان اور اچھا بول لیتے ہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت بڑھتی جارہی ہے۔ تمہارے لیے میری سنہری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔"

"سنہری کیا مجھے تو اس چھت کے نیچے کسی کالی کا بھی سایہ نہیں آرہا۔"

"میں لڑکی کی نہیں' ایس ایس بی میں تمہاری شمولیت کی بات کر رہا ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"دیکھا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "ابھی مجھے اس بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا ہے۔"

"سوچو اور ضرور سوچو۔ ہمارے ساتھ یہ تمہارے فائدے کا سودا ہوگا۔"

"اس سودے بازی سے پہلے میں کچھ دیر کے لیے تمہارے کمرے میں جارہا ہوں۔ وہاں مجھے تخلیے میں اپنا ایک ضروری لفافہ تلاش کرنا ہے۔"

"ضرور جاؤ مگر وہاں رمیش غسل خانے میں گھسا ہوا ہے۔ اسے آجانے دو۔"

"مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں اسے ہوشیار کرکے غسل خانے میں ہی روک دوں گا۔" یہ کہہ کر میں ان دونوں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے امید تھی کہ بدری ناتھ گھر کے کسی اور حصے میں اپریٹس کو استعمال کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ ایس ٹی ایف کے تربیت یافتہ افراد گھر میں پراسرار سایوں کی طرح ہر وقت ہمارے ارد گرد ہی سرسراتے پھرتے تھے۔ ایسی صورت میں بدری کسی بھی رازدارانہ رابطے کے لیے اپنی خواب گاہ استعمال کرنے پر مجبور تھا۔

اس خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں سے شاور سے پانی گرنے کی آوازوں کے ساتھ رمیش کی گنگناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ سرور کے عالم میں غسل سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"تھوڑی دیر تک اندر ہی نہاتے رہو' میں اپنے کچھ کاغذ تلاش کر رہا ہوں۔" میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر کہا اور دروازہ باہر سے بولٹ کردیا۔

"جاتے ہوئے بولٹ گرانا نہ بھولنا ورنہ میں دروازہ اکھاڑ دوں گا۔" اندر سے اس کی غراہٹ ابھری۔

میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کردی۔ میری نگاہیں متجسس انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کمرے میں موجود گلدان' ایش ٹریز اور دوسری اشیا میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ ان میں چھپایا ہوا مائیکروفون ان دونوں کی نظروں سے محفوظ رہتا۔ آخر کار میری نظریں چھت سے لٹکے ہوئے سہ شاخہ فانوس پر مرکوز ہوگئیں۔ وہ مائیکروفون بہت حساس تھا۔ میں ذاتی طور پر اس کی طاقت کا تجربہ کرچکا تھا۔ وہ قدرے بلندی پر ہوتے ہوئے بھی اس کمرے کی ہر آواز کو میرے ریڈیو تک منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں جوتوں سمیت مسہری پر چڑھ گیا اور احتیاط سے لاسلکی مائیکروفون کو فانوس کی شاخوں کے درمیان لگی ہوئی سنہری جالی پر رکھ دیا۔ اس سے پہلے میں مائیکروفون کا سوئچ آن کرچکا تھا۔

اپنے اصل کام سے فارغ ہونے کے بعد مجھے کسی لفافے کی تلاش کی فکر ہوئی۔ بدری ناتھ کو اصل صورتِ حال سے مکمل طور پر غافل اور بے خبر رکھنے کے لیے میرے پاس لفافہ موجود ہونا ضروری تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے نچلے خانے میں مجھے بے ترتیبی سے ٹھونسے ہوئے کئی دعوت نامے نظر آگئے جن میں سے بیشتر پر مسٹر اور مسز فنی کے نام درج تھے۔ میں نے ان ہی میں سے ایک چوڑا لفافہ کارڈ سمیت اس طرح موڑ لیا کہ لفافے پر لکھے ہوئے نام پتہ میں چھپ گئے۔ لفافے کو نمایاں طور پر قمیص کی اوپری جیب میں رکھ کر میں نے باتھ روم کا بولٹ گرایا' رمیش کو آزادی کا مژدہ سنایا اور خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

بدری ناتھ بدستور ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ وہ میرا لایا ہوا پیکٹ کھول چکا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا ایک پرانا اپریٹس موجود تھا جسے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تو نک موڈلے نے یہ پرانا اپریٹس بھیجا ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسے کاموں میں نئے کے مقابلے میں آزمودہ آلات ہی بہتر رہتے ہیں۔ اس کی رینج پانچ سو کلو میٹر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ آج کل فیلڈ میں یہی سسٹم استعمال کر رہے ہوں۔" بدری بولا۔

"یہ اپریٹس ان کے سسٹم کا حصہ نہیں ہوسکتا۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"کیوں؟" وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگا۔

"تم ان کے ہر آدمی کی گفتگو سن سکو گے۔ ابھی تو وہ تمہاری صلاحیتوں سے ہی مطمئن نہیں ہے۔ تمہیں ضروری تربیت دلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ تم پر اتنا اعتماد کیسے کرلے گا؟ یہ اپریٹس صرف تمہارے اور نک موڈلے کے درمیان رابطے کے لیے ہی استعمال ہوسکے گا۔"

بدری ناتھ نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری دلیل نے اسے قائل کردیا تھا۔

چٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ اس نے اپریٹس کا سوئچ آن کیا اور کالے پلاسٹک میں روپوش ایک بڑا سا سرخ نقطہ روشن ہوگیا۔ اپریٹس کے اسپیکر پر فضا میں بھٹکتی ہوئی آوارہ ریڈیائی لہروں کی مدھم سی سنسناہٹ گونجنے لگی۔ وہ مواصلاتی آلہ مل جانے پر بدری خاصا خوش نظر آرہا تھا۔

"ساڑھے تین ہزار ڈالر دے کر آج کا حساب بے باق

کردو۔" میں نے اپنا مطالبہ دہرایا۔

وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا "میں تک موڈلے سے بات کرنے جارہا ہوں۔ واپسی پر تمہاری رقم بھی نکال لاؤں گا۔ پتا نہیں پیسوں کے بارے میں تم اتنے بے صبر کیوں ہو۔"

"اپنا پیسہ مانگ رہا ہوں۔ قرض مانگوں تو صاف انکار کردینا۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

اس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

جوں ہی وہ میری نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے کنارے سے رکھا ہوا ریڈیو کا تھیلا اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگادی اور دروازہ بولٹ کرتے ہی ریڈیو کھول دیا۔

لاسلکی مائیکروفون کے ساتھ ریڈیو کی ایف ایم ٹیوننگ کو میں نے ذرا بھی نہیں چھیڑا تھا۔ ریڈیو پر فوراً ہی بدری ناتھ کی دبی دبی آواز سنائی دینے لگی۔

"...... کام ہوا ہے۔" وہ پُرجوش لہجے میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ "علی شیر بہت کام کا آدمی ہے۔ میں اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اس کا دماغ پلٹ گیا تو کام کا مزہ آجائے گا۔"

"چالاک ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ لالچی بھی ہے۔ حساب کتاب پر ہروقت نظر رکھتا ہے۔" وہ رمیش اگروال کی قدرے تلخ آواز تھی "اگر اسے شبہ بھی ہوگیا کہ ہم کنگال ہونے والے ہیں تو وہ آنکھیں پھیر کر ہمیں اس شان دار کوٹھی سے دھکے دے کر باہر نکال دے گا۔"

"حاجی دل مراد ہمارے ساتھ ہاتھ کرگیا۔" بدری ناتھ کی متاسفانہ آواز سنائی دی "میں علی شیر کی تسلی کے لیے امید بھری باتیں کرتا ہوں ورنہ اب مجھے تھیلا ملنے کی ذرا بھی امید نہیں ہے۔"

"غلطی تمہاری ہے کہ تم نے اس پر بھروسا کیا۔ ڈالروں کا تھیلا تمہیں اپنے ساتھ لانا چاہیے تھا۔"

"اب اس وقت کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ابھی ہم علی شیر کے ساڑھے تیرہ ہزار کے قرض دار ہیں۔"

"کیوں؟ ڈیڑھ ہزار سے یہ ساڑھے تیرہ ہزار کیسے ہوگئے؟" تنہائی میں بدری کے ساتھ رمیش کا رویّہ برابری کا سا محسوس ہورہا تھا۔

"وہ بدمعاش اب تین کے پانچ مانگ رہا ہے۔ یہ بات اسے بھی معلوم ہے کہ اپریٹس آجانے کے بعد ہمیں اس کے آدمی کو بار بار تک کے پاس بھیجنے کی ضرورت نہیں رہے گی...... دس ہزار ڈبئی کے دینے ہیں۔"

"تم اسے بگاڑ دو گے۔ ڈبئی والے دس ہزار تو اسی وقت دیے جائیں گے جب وہ ہاتھ آئے گا۔ اس وقت ہمارے پاس دس دس ہزار کی چار بند اور ایک کھلی ہوئی گڈی باقی ہے۔ اگر تم ڈبئی کے چکر میں علی شیر پر زیادہ مہربان ہونے کی کوشش نہ کرو تو یہ رقم بہت کافی ہے۔"

"رقم کے بارے میں تک سے بھی بات نہیں کی جاسکتی۔ اگر حاجی دل مراد کبھی جعلی نوٹوں کے ساتھ پکڑا گیا تو ان لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ ہم نئی دہلی میں ڈالر چھاپ چھاپ کر بازار میں لارہے ہیں۔" اس بار بدری ناتھ کا لہجہ بلند آواز میں خود کلامی جیسا تھا۔

"رقم کے معاملے میں اسے الگ ہی رکھو۔ اب ہم اس کے لیے کام کریں گے تو ہماری ساری ضرورتیں بھی وہی پوری کرے گا۔ ہماری رقم ہماری عیاشیوں کے کام آئے گی۔"

"اس وقت تو علی شیر کی یہ کوٹھی ہی ہماری سب سے بڑی عیاشی ہے۔" بدری ناتھ کی آواز حسرت آمیز تھی۔

"علی شیر کے آدمی نے دو باتوں کے سوا تیسری کوئی بات نہیں بتائی؟"

"ٹریننگ اور اپریٹس پر بات کرنے کے سوا کوئی اور ہدایت نہیں ملی۔"

"تو پھر اس سے بات کرلو۔ کچھ تو پتا چلے کہ اب ہماری ٹریننگ کہاں ہوگی۔"

"علی شیر میری بات مان لے تو ہم ٹریننگ پر اسے بھی اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔"

"مشکل ہے۔ تک موڈلے راضی نہیں ہوگا۔ امریکا والے اب ہر پاکستانی سے خار کھانے لگے ہیں۔"

"چھوٹی ہے مگر یار بڑی حرامی قوم ہے۔" بدری ناتھ نے کہا۔ "سالوں نے ڈیوڈ اسٹارز کو ناک چنے چبوائے ہوئے ہیں۔ ہم کچھ کر گزرنے میں کامیاب ہوگئے تو امریکا والے ہمارا لوہا مان لیں گے۔"

"اب اس سے بات کرہی ڈالو۔ دیر ہوگئی تو علی شیر ادھر کان لگا کر ہماری جاسوسی شروع کردے گا۔ اس کے خلاف کوئی بات سامنے نہ آنے کے باوجود اس پر میرا دل نہیں ٹھکتا۔ سالا ہمارا مال کھا رہا ہے لیکن اس کی آنکھ میں ذرا بھی لحاظ نہیں۔ ہروقت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔"

"ارے، میں اس سے ایک بات تو پوچھنی ہی بھول گیا۔ ذرا تم بھی یاد رکھنا۔ ابھی تک مدن موہن کے بارے میں ہمیں کوئی خیر خبر نہیں ملی ہے۔" بدری کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"مدن موہن کے بارے میں وہ کیا بتائے گا؟" رمیش کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

"اخباروں میں کچھ چھپا ہے تو کم از کم وہ اخبار ہی لادے گا۔ تم اس کے بارے میں بدگمان نہ ہوا کرو۔"

"وہ اتنا کمینہ ہے کہ اخبار کے لیے بھی ڈالر مانگے گا۔ تم اس پر بھروسا کرتے ہو تو کرتے رہو۔ میں تم پر رائے بدلنے کے لیے کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا۔" رمیش کی آواز سے بے زاری مترشح تھی۔

لمحہ بھر کے لیے سناٹا ہوا پھر بدری کی آواز آنے لگی "ہیلو...... بدری کالنگ فار تک موڈلے...... کوڈ نام کیٹ۔ اوور۔" وہ پیغام وقفے وقفے سے دوبارہ دہرایا گیا اور پھر دوسری طرف سے جواب مل گیا۔

"ہیلو۔ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔" وہ واضح طور پر تک موڈلے کی آواز تھی "اب تم اپنا نام بھولے رہو گے۔ تمہارا پاس ورڈ نام کیٹ اور میرا نام بگ باس ہے۔"

اس نے برتری کے گھمنڈ میں لائن اوور نہیں کی تھی مگر بدری نے وقفے سے اندازہ لگا کر فوراً ہی جواب دینا ضروری سمجھا اور کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ آئندہ اس ہدایت پر عمل ہوگا۔"

"تم لوگ بہت دیر سے کراچی آئے ہو۔ یہاں پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا ہے۔ حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ اب سب کچھ نئے سرے سے کرنا ہوگا۔" ان کی وہ گفتگو خالص انگریزی میں چل رہی تھی۔

"اوپر والوں کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم اپنے شیڈول پر آئے تھے۔ راس الہیڈا غائب تھا پھر ہمارا میزبان بھی مارا گیا۔ اسی وجہ سے ہمیں تم تک پہنچنے میں تاخیر ہوئی۔"

"کل سے تمہارے قونصل خانے کا مدن موہن غائب ہے۔ وہ لوگ سخت پریشان ہیں۔ اس کی ڈائری سے پتا چلا ہے کہ وہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر تم کو کوئی پیغام دینے کے لیے نکلا تھا اور پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ اس قسم کی من مانی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ وہ واپس نہ آیا تو کل پاکستانیوں کو اس کی گمشدگی کی باضابطہ اطلاع دے دی جائے گی۔"

"اس سے پیغام لانے والے میرے قاصد نے بتایا تھا کہ وہ پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ پرل کی لالی سے واپس جانے کے بجائے وہ ائرپورٹ کی طرف گیا تھا جیسے اسے کوئی سفر درپیش ہو۔"

"یعنی وہ اپنی مرضی سے کہیں فرار ہوا ہے؟ کہیں وہ منحرف تو نہیں ہوگیا؟" بدری کے انکشاف نے تک موڈلے کو بری طرح پریشان کردیا تھا۔

"میرے قاصد کا یہی اندازہ تھا۔ اسے مدن نے ہی میری موجودہ کمین گاہ کے پاس اتارا تھا۔"

"تمہارا قاصد کیسا آدمی ہے۔ کیا تم اس کی رائے پر انحصار کرسکتے ہو؟"

"وہ بہت سمجھ دار اور وفادار ثابت ہوا ہے۔ اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"مجھے وہ ذہین نظر نہیں آیا۔ ایسے لوگوں کے اندازے عام طور پر غلط ثابت ہوتے ہیں۔" تک موڈلے نے اس بار سلطان شاہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا "وہ وفادار ہوسکتا ہے، سمجھ دار نہیں۔"

"تمہارے پاس آنے والا وہ خود نہیں، اس کا ساتھی تھا۔ اسے رات کو تیز بخار ہوگیا تھا۔" بدری نے سچ میں جھوٹ کی برابر کی ملاوٹ کرکے جواب دیا۔

"اوہ...... " مجھے دھیمے ریڈیائی شور میں تک کی غراہٹ سنائی دی پھر اس نے تیزی سے کہا "وہ مر بھی رہا تھا تو اسی کو میرے پاس آنا چاہیے تھا۔ زیادہ مقامیوں کو ملوث کرکے تم اپنے ساتھ میری گردن بھی کٹواؤ گے۔ یہ سب ناقابلِ اعتماد اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اب آئندہ بھی دوسرا آدمی ہی میرے پاس آئے گا۔"

"او کے بگ باس!" بدری کی آواز پر مردنی طاری ہوگئی "وہ اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہوتا تو خود ہی تمہارے پاس آتا۔ میں نے وقت قریب آنے پر مجبوراً دوسرے کو بھیجا تھا۔ وہ اسی کا آدمی ہے۔"

"تمہارے ساتھ کل کتنے مقامی ہیں؟" تک کا لہجہ سرد اور سپاٹ ہوگیا۔

"صرف دو۔" اس بار بدری ناتھ نے سچ بھول کر خالص جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

"اپنا پتا بتاؤ!" دوسری طرف سے اسی لب ولہجے میں مطالبہ کیا گیا۔

"میں نے مکان اور یہاں تک پہنچنے کا راستہ ذہن نشین کرلیا ہے لیکن پتے سے ناواقف ہوں۔"

"ان دونوں سے تم کیا کام لے رہے ہو؟" ایک مرتبہ برہم ہونے کے بعد تک کا لہجہ معمول پر نہیں آیا تھا۔

"انہوں نے یہ کمین گاہ فراہم کی ہے اور ڈبئی کی تلاش میں ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ جسے راس الہیڈا زیر نہ کرسکا، اسے یہ دو چوہے گھیر لیں گے۔"

"میں صرف کوشش ہی کرسکتا ہوں۔" بدری ناتھ کی آواز کمزور پڑ گئی "ان میں سے ایک اتنا باصلاحیت ہے کہ اسے راز میں بھی لیا جاسکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔"

"نہیں۔ اب میں پاکستانیوں سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ یہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے۔"

"میں آئندہ دھیان رکھوں گا۔ تم سے رابطہ ہونے تک مجھے اپنی صوابدید پر انحصار کرنا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے میں مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوں۔ مجھے آج کوئی متبادل ٹھکانا مل جائے تو میں اسی وقت ان دونوں پر لعنت بھیج سکتا ہوں۔ بگ باس کی ہر خواہش کو پورا کرنا میرا اوّلین فرض ہے۔"

"اپریٹس تمہیں اپنی اصل پیکنگ میں ملا تھا؟" تک پر سوالات کا دورہ سا پڑا ہوا تھا۔

"ہاں۔ میں نے ٹیپ کا ایک ایک جوڑ احتیاط سے دیکھ کر کھولا تھا۔ اسے بالکل نہیں چھیڑا گیا تھا۔ تمہارے بارے میں مدن موہن

کا خط بھی مجھے سرکاری مہروں سمیت ملا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج ہر قیمت پر گیارہ بجے اپنا قاصد تمہارے پاس بھیجنے کی کوشش کی تھی۔"

پہلی بار نک موڈلے کا لہجہ نرم پڑتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ کہنے لگا۔ "تمہارے لیے مقامیوں کی مدد ہر حال میں بہت اہم ہوتی ہے۔ کام کا آدمی مقدر سے ہی ملتا ہے لیکن کچھ عرصے سے اس بارے میں پے در پے تلخ ترین تجربات ہوئے ہیں۔ فی الحال میں کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔ کوئی کام کا آدمی ہے تو اس کو نگاہ میں رکھو۔ آگے چل کر ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ میری باتیں کڑوی ضرور ہوتی ہیں مگر ان کے پیچھے میرا طویل تجربہ بول رہا ہوتا ہے۔ جو اجنبی لوگ شکوک و شبہات کی زد میں آئے بغیر مسلسل تمہارے معیار پر پورے اترتے چلے جائیں، آخر کار بہت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ وہ سوچ سمجھ کر ہر انسانی لغزش سے اجتناب کرتے ہیں اور یہی غیر معمولی خوبی ان کی نشان دہی کا سبب بن جاتی ہے۔"

نک موڈلے کے وہ الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہریں سی سرایت کر گئیں۔ اس نے بدری ناتھ سے سوال جواب کر کے بہت کچھ نتائج اخذ کر لیے تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے مجھے نہ دیکھنے کے باوجود دیکھ لیا ہو۔ یہ غنیمت ہی ہوا تھا کہ میں نے ابتدا سے ہی امریکی قونصل خانے جانے سے گریز کی راہ اختیار کی تھی۔

"تمہاری باتیں سبق آموز ہیں۔ میں ان سے بہت کچھ سیکھوں گا۔" بدری کی آواز آئی۔

"فی الحال ڈیبی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کچھ روز کے لیے اسے بھول جانا ہی بہتر ہوگا۔ اس وحشی بھیڑیے نے ان دونوں میں سے کسی کو گھیر لیا تو وہ ان کے سہارے تم تک پہنچ جائے گا۔ اب تم ٹریننگ کی تیاری کر لو۔ انڈیا سے تمہارا ریکارڈ مل چکا ہے۔ سفری دستاویزات مکمل ہوتے ہی تمہیں بتا دیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کسی اور ملک کا سفر کرنا ہوگا؟" بدری نے پوچھا۔

"یہ امریکا میں چند ہفتوں کی تربیت ہوگی پھر تمہیں لوٹ کر یہیں آنا ہے۔ اس وقت ہماری ساری توجہ پاکستان پر مرکوز ہے۔ یہ ملک ہیروئن کا سب سے بڑا غیر اعلانیہ سرپرست ہے۔ اس کی جنگی جسارتیں پورے خطے کے امن کے لیے خطرہ بن چکی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ کھیل ختم کر دیا جائے۔"

"ہم دونوں ہر وقت تیار رہیں گے۔" بدری ناتھ کی آواز میں اعتماد بحال ہو چلا تھا۔

"ضرورت ہوئی تو اب میں خود رابطہ کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

"یہ تو کوئی بہت ہی خطرناک بلڈاگ معلوم ہوتا ہے۔"

ایریئس پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد رمیش کی تفکر آمیز آواز سنائی دی "باتوں ہی باتوں میں تمہیں بری طرح ادھیڑ کر رکھ دیا۔"

"اپنی لگام دوسروں کے ہاتھ میں دینے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔" بدری کی مجروح آواز ابھری "تم نے سن لیا کہ بھارت سے ہمارا ریکارڈ اسے مل چکا ہے۔ اپنے بیورو میں ہم تیس مار خان تھے۔ اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہمیں اس کے ہاتھ بیچ دیا گیا ہے۔ علی شیر ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ ایک وقت میں دو کی غلامی نہیں کی جاسکتی۔"

"مجھے بھی دکھ ہوا ہے۔" رمیش نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا "مگر تمہارے الفاظ سے بغاوت کی بُو آرہی ہے۔ خود کو سنبھالو۔ یہ باتیں اچھی نہیں۔ کام میں ایسی اونچ نیچ آتی ہی رہتی ہے۔"

"یہ بغاوت نہیں، بد دلی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ میری دریافت پر خوش ہوگا اور علی شیر کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دے گا لیکن اس نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔"

"علی شیر کے بارے میں میری رائے بھی بہت اچھی نہیں ہے۔ تم خود سوچو کہ لالچ کے سوا وہ تمہاری ہر توقع پر کیسے پورا اترتا چلا آرہا ہے۔ برسوں سے ہمیں ایسا کوئی مددگار نہیں ملا ہوگا۔"

"لالچ ہزار خرابیوں کی ایک خرابی ہے۔ اس وقت وہ صرف اور صرف مرعوب کرنے کے چکر میں تھا۔ اس کی بعض باتیں چشم کشا بھی تھیں مگر یہ بگ باس مجھے پسند نہیں آیا۔"

"نوکری میں پسند اور ناپسند نہیں چلتی۔" رمیش کی معنی خیز آواز ابھری "سمجھوتوں کے تحت بہت کچھ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اب اسے بھول کر آگے کی فکر کرو۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پاکستان میں ایسا کون سا کام ہو سکتا ہے جسے سرانجام دینے کے لیے ہمیں طویل تربیت کی ضرورت پیش آجائے۔"

"ٹریننگ اور ریفریشر کورس ان لوگوں کے تکیہ کلام ہیں۔ وہ خود ہی کچھ بتا دیتا تو اور بات تھی۔ میں اس سے کوئی بات نہیں پوچھوں گا۔ پتا نہیں وہ کس بات پر پھاڑ کھانے کو دوڑ پڑے۔"

"تمہارے چہرے سے اداسی جھلک رہی ہے۔ باہر نکلو گے تو علی شیر بہت سے اندازے لگا لے گا۔ خود کو سنبھالو۔ چل کر بگ باس کی ہدایت کی روشنی میں علی شیر کو ٹٹولتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے میری بدگمانیاں ختم ہو گئیں تو میں خود نک سے بات کروں گا۔ وہ برہم ہوتا ہے تو ہو جائے۔ وہ ہمیں مار نہیں سکتا۔ ڈسپلن کی خلاف ورزی پر زیادہ سے زیادہ واپس بھیج دے گا۔ معطلی اور چارج شیٹ کے سوا ہمارا کیا بگاڑا جاسکتا ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے گا۔"

"تم چلو، میں نہا کر باہر آؤں گا۔" بدری نے جواب دیا اور آوازوں کا وہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔

ریڈیو بند کر کے میں کافی دیر بعد اپنے کمرے سے باہر نکلا تو رمیش ایک فلمی گانے کی دُھن پر سیٹی بجاتے ہوئے ٹیلی وژن دیکھنے

معروف تھا۔ میں اسے مخاطب کیے بغیر لابی میں ایک صوفے پر
...ٹھ گیا۔

اس نے چونک کر استہزائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور ...پیرائے میں بولا "سنا ہے کہ تم بڑی اونچی اڑان اڑ رہے ہو۔ ...صحیح آدمی بھیجنے کے تین کے بجائے پانچ ہزار مانگ رہے ہو۔"

"تکلیف ہو رہی ہے تو تین بھی مت دو۔" میں نے اسے گھور ...سرد لہجے میں کہا۔

وہ اپنی کرسی میں کسمسا کر رہ گیا "تم مجھ سے کس طرح بات ...ر رہے ہو؟"

میں نے جواب دیا "دیکھو رمیش! میں دوستوں سے الجھنے والا ...دمی نہیں ہوں لیکن میں اپنی بے عزتی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ...یری انا کو للکارو گے تو میرا لہجہ اس سے بھی زیادہ خراب ہو سکتا ہے۔"

اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی "اس کا مطلب ہوا کہ ...ہیں میری خوشنودی کی کوئی پروا نہیں۔"

"میں مسخرہ نہیں ہوں اور نہ تمہیں خوش کرنے کے پیسے لے ...رہا ہوں۔ مجھ سے صرف کام کی بات کرو گے تو فائدے میں رہو ...گے۔ تم بلا وجہ مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کیا کرو۔"

رمیش چند ثانیوں تک بے اعتباری سے میری طرف دیکھتا رہا ...ر اچانک ہی اس کا موڈ تبدیل ہوگیا اور وہ ہنس پڑا "میں تمہارا ...متحان لے رہا تھا۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم خوددار بھی ہو۔ ...پنی عزت کے لیے بڑے سے بڑے مالی فائدے کو ٹھوکر مار سکتے ...ہو۔"

"کس کا امتحان لے رہے ہو؟" اندر سے بدری سوال کرتا ہوا ...ہیں آگیا۔

"تمہارے ساتھی نے اس وقت میرا موڈ برباد کر دیا ہے۔" ...س نے شکایتی لہجے میں کہا "میری کھوپڑی سنک گئی تو اب کہہ رہا ہے ...کہ یہ میرا امتحان لے رہا تھا۔ کیا نک موڈلے نے اسے ایسی کوئی ...ہدایت کی ہے؟"

بدری کی آنکھیں پھیل گئیں "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟ کیا وہ ...ایسا کہہ سکتا ہے؟"

میں نے بے پروائی سے اپنے شانے جھٹک کر جواب دیا "پتا ...نہیں۔ تم ایریئس پر نک سے بات کرنے گئے تھے۔ اسی کے بعد ...رمیش نے اکھڑی اکھڑی باتیں شروع کی ہیں۔"

بدری نے نرمی سے کہا "رمیش کی باتوں کا برا مت مانو۔ اس ...کی عادت ہی کچھ ایسی ہے کہ کبھی کبھی یہ اپنی باتوں سے مجھے بھی ...غصہ دلا دیتا ہے مگر دل کا برا نہیں ہے۔"

"تم اس کے دوست ہو اور میں ایک اجنبی۔ اسے اس بات کا ...دھیان رکھنا چاہیے۔"

"یار بس، غصہ تھوک دو۔" رمیش نے ہلکا سا قہقہہ مار کے کہا

"اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

بظاہر وہ بات وہیں رفع دفع ہوگئی اور ہم تینوں خاموشی کے ساتھ ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد رمیش پانی پینے کے لیے کچن کی طرف گیا تو بدری میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا "رات کو اپنا دروازہ کھلا رکھنا۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

صاف ظاہر تھا کہ ان دونوں کے درمیان خلیج پیدا ہو چکی تھی۔ میرے لیے وہ دونوں موذی برابر تھے۔ فائدہ اٹھانے کا ایک موقع سامنے آتے ہی میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بدری پھرتی سے اپنی نشست میں دوبارہ سیدھا ہو گیا۔

رمیش پانی پی کر منہ پونچھتا ہوا آیا اور آتے ہی اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا "تم نک کے بارے میں ادھوری بات کر کے چپ ہو گئے۔ بدری سے مزید پوچھ گچھ نہیں کرو گے۔"

"مجھے نک سے کیا لینا۔ وہ تمہاری آپس کی باتیں ہیں۔ تم مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کرتے تو میں اس کا حوالہ بھی نہ دیتا۔ تم خود ہی کچھ بتانا چاہو تو سن لینے میں مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔"

"علی شیر کو ڈیبی کے بارے میں بتا ہی دیا جائے؟" رمیش نے بدری سے استفسار کیا اور اس نے سر ہلا دیا۔

"ڈیبی کی تلاش کے لیے ہم تمہیں پیشگی دس ہزار ڈالر دے چکے ہیں۔ باقی اس کے ہاتھ آجانے پر ادا کرنے تھے۔ فی الحال ہماری ترجیحات بدل گئی ہیں۔ ڈیبی کا قصہ یہیں ختم سمجھو۔"

"اور یہ آج کے بقایا ساڑھے تین ہزار۔" بدری نے اپنی جیب سے نئے نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "یہاں تک ہمارا حساب برابر ہوگیا۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ گے؟" میں نے نوٹ لے کر پوچھا۔

"تمہیں اعتراض نہ ہو تو ہم چند روز یہیں گزاریں گے۔ تم چاہو تو تمام سہولتوں کا معاوضہ لے سکتے ہو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ شاید تم ٹریننگ تک یہیں رکنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"یوں ہی سمجھ لو۔ ہمیں کسی بھی وقت کوچ کا حکم مل سکتا ہے۔ جب تک دانہ پانی ہے یہاں رہیں گے۔"

چند منٹ میں ان دونوں کے قیام کی شرائط طے ہو گئیں لیکن اس وقت میرے ذہن میں بدری کے الفاظ نے ہلچل مچائی ہوئی تھی۔ میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھا کہ وہ رات کو تنہائی میں مجھ سے کیا بات کرنی چاہ رہا تھا۔

نک موڈلے سے ایریئس پر بات ہونے کے بعد گھر کا ماحول یکسر بدل کر رہ گیا۔ فضا میں کشیدگی پھیل گئی تھی۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے نظر آرہے تھے۔ اسی ماحول میں خاصی تاخیر

سے دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ کھانے کی میز پر خاموشی رہی جیسے ہم تینوں کسی کی تدفین کے بعد کڑوی روٹی کھا رہے ہوں۔

کھانے کے بعد میں ستانے کی نیت سے اپنے کمرے میں آگیا۔ اس وقت تک وہ دونوں کھانے میں مصروف تھے۔

پانچ بجے کے قریب میں غنودگی کے عالم میں تھا کہ فون کی تیز گھنٹی نے مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔ وہ اس وقت بھی اپنے دفتر میں موجود تھا۔

رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد وہ بتانے لگا ”بظاہر کمزور اور بے ضرر نظر آنے والا مدن موہن بہت سخت جان ثابت ہوا۔ پٹتے پٹتے جب وہ آخری سانسوں کو پہنچ گیا تب اس نے زبان کھولی ہے وہ نیچرل انفارمیشن سیل کے ذریعے سوشل ریکٹ چلانے کے ساتھ ساتھ دوسرے کاموں میں بھی ملوث رہا ہے۔ اب اس کے گناہوں کی فہرست خاصی طویل اور قابل تعزیر ہوگئی ہے۔ قوتِ مزاحمت کے جواب دینے کے بعد اس نے بدری اور رمیش کے نام تک اگل دیے ہیں۔“

”خوب..... تو اس نے ان دونوں کو بھیجے جانے والے پیغام کا متن بھی بتادیا ہوگا۔“

”پہلے وہ اس پیغام کی طرف سے انجان بنا ہوا تھا۔ اب اس نے وہی کچھ بتایا ہے جو ہم معلوم کرچکے تھے۔ اس نے یہ بھی مان لیا ہے کہ راس المیڈا کی موت کے بعد شہر میں بموں کے دھماکے را کے ایجنٹوں نے کرائے تھے۔ وہ رمیش یا بدری کا کام نہیں تھا۔ اس میں براہِ راست مدن موہن کے آدمی ملوث تھے۔“

”اب تم اطمینان کے ساتھ اس کا جھٹکا کرسکتے ہو۔ اس کے بارے میں تراشی ہوئی میری کہانی آج ہی اس کے بڑوں تک پہنچ جائے گی اور وہ اس کے فرار کے اسباب میں سر کھپانا شروع کردیں گے۔“

”یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا ان دونوں نے اپنے آدمیوں سے رابطہ کرلیا ہے؟“

”اپنے آدمیوں سے نہیں مگر نک موڈلے سے بات ضرور کی ہے اور اسے میری کہانی من و عن سنادی ہے۔ وہ خود ہی بدری سے مدن موہن کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔“

”یہ باتیں تمہیں نادرہ والی ترکیب سے معلوم ہوئیں یا انہوں نے خود بتائی ہیں؟“

”نادرہ والی ترکیب ہی کام آئی ہے۔ نک نے میرے خلاف اتنا زہر اگلا ہے کہ اب ہم تینوں کے درمیان اعتماد کا ہر رشتہ ختم ہوچکا ہے۔“ میں نے دھیمی آواز میں اسے آگاہ کیا۔

”تو کیا نک نے تمہیں پہچان لیا ہے؟“ اس نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر پوچھا۔

”اسے میری اصلیت کی تو بھنک بھی نہیں مل سکی۔ وہ یہی زور دے رہا تھا کہ کوئی پاکستانی قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتا۔ علی شیر خان طور پر اس کی نظروں میں کھٹک رہا ہے۔“

”یہ اس کی طرف سے پاکستانیوں کے لیے کھلا خراجِ تحسین ہے۔ کاش حقیقت بھی یہی ہوتی۔“

میرے پاس وقت ہی وقت تھا اور اول خان تجسس میں مبتلا تھا اس لیے میں نے دھیرے دھیرے ہر بات اسے بتادی۔ اسے حیرت ہوئی کہ رمیش نے نک موڈلے کے افکار سے فیض یاب ہوتے ہی میرے منہ آنے کی اوچھی حرکت کی تھی۔ اگر میں تحمل سے کام نہ لیتا تو اسی وقت کوئی بڑا ہنگامہ کھڑا ہوسکتا تھا۔

میں نے یوں تو اس کے ہر سوال کا کوئی نہ کوئی تسلی بخش جواب دے ڈالا مگر بدری ناتھ کے خفیہ پیغام کے بارے میں میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس وقت صرف ایک ہی بات واضح تھی کہ وہ رمیش اگروال پر اپنا بھرپور اعتماد کھو بیٹھا تھا اور اسی وجہ سے مجھ سے تخلیے میں ملنا چاہ رہا تھا۔

”رات کو اگر وہ تمہارے پاس آیا اور بعد میں رمیش کی آنکھ کھل گئی تو کیا ہوگا؟“ اول خان نے پوچھا۔

”یہ میرے نہیں بدری کے سوچنے کی بات ہے۔ ایسا ہوا تو ان دونوں میں باقاعدہ ٹھن جائے گی۔“

اول خان خوش ہو کر بولا ”پھر تو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تم میرے آدمیوں کو اعتماد میں لے لو۔ جب بدری تمہارے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلے تو تم کوئی اشارہ کردینا۔ وہ تمہارا اشارہ پاتے ہی رمیش کو بیدار کردیں گے۔“

”تمہاری تجویز اچھی ہے۔ میں اس پر ضرور غور کروں گا۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

اول خان کو اچانک ہی یاد آگیا کہ نک سے ملنے کے لیے سلطان شاہ گیا تھا۔ اس نے پوچھا ”سلطان شاہ کے بارے میں وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس سے تو وہ آج صبح خود مل چکا ہے۔“

”اس کی نگاہ میں ہر پاکستانی اس کے مقاصد کے لیے ناکارہ ہے۔ ویسے اس نے ذاتی طور پر سلطان شاہ کے لیے جو کچھ کہا وہ اس کے کانوں میں پڑجائے تو وہ اسی وقت نک کو مارنے کے لیے نکل پڑے گا۔“

اول خان ہنس پڑا ”اس نے ایسی کیا بات کہہ دی جو اسے اتنا مشتعل کردے گی۔“

”وہ وفادار ضرور ہوسکتا ہے مگر ذہین ہرگز نہیں ہے۔“ میں نے نک کی بات دہرادی۔

”اس میں بہت زیادہ مبالغہ نہیں ہے۔ ذہانت کے معاملے میں وہ ویرا اور غزالہ سے بھی پیچھے ہے۔“

”انسان کی خوش فہمیاں اسے ایسی حقیقت قبول نہیں کرنے دیتیں۔“

نک موڈلے ہماری کہانی کا ایک نیا کردار تھا۔ اس کے حوالے

سے بہت سی نئی باتیں سامنے آئی تھیں۔ میں فون پر دیر تک اول خان سے ان ہی پر تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ اس سے گفتگو ختم ہوئی تو وقت گزاری کے لیے میں نے فلیٹ کا نمبر ڈائل کرلیا۔ وہاں فون پر خلافِ معمول غزالہ موجود تھی۔

"یا مظہر العجائب!" اس کی آواز سنتے ہی میں نے حیرت سے کہا "آج تم نے فون کیسے اٹھالیا؟"

"ہنسوں کی جوڑی کچن کی ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے بازار گئی ہوئی ہے۔" غزالہ نے اپنی بے ساختہ ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بتایا۔

"اب تم بھی اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔ وہ بہت خلوص سے تمہیں اپنی بہن کہتا ہے۔"

"میں بھی اسے ایک بے وقوف بھائی سمجھ کر آپ کو بتا رہی ہوں کہ ویرا اس کے لیے ایک مکمل پہیلی بن کر رہ گئی ہے۔ سامنے ہوتی ہے تو وہ اس سے لڑتا رہتا ہے۔ نظروں سے اوجھل ہو تو اس کے لیے فکرمند ہوجاتا ہے۔"

"کیا آج ان دونوں میں دوبارہ کوئی جھڑپ ہوئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہوتی ہی رہتی ہے۔ آج کل سلطان شاہ کو بلیک سی کا نام ملا ہوا ہے۔ پتا نہیں بوٹ کا نام سنتے ہی ویرا کیوں چراغ پا ہوجاتی ہے۔ وہ اس نام سے جتنا چڑتی ہے، سلطان شاہ اسے اتنا ہی چڑاتا ہے۔"

"اس بارے میں ویرا ہی کچھ بتا سکتی ہے۔ میں کسی خاص واقعے سے لاعلم ہوں۔"

"جب آپ بھی اس ذکر سے یوں کترانے لگتے ہیں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور ہے۔ اس سفر میں آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی تھے اور دونوں ہی اس ذکر کو پسند نہیں کرتے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے بے ساختہ کہا "میں اس ذکر کو پسند نہیں تو ناپسند بھی نہیں کرتا۔ اس سفر میں ہم نے غفور بھٹی جیسے شخص سے چھٹکارا حاصل کیا تھا۔"

"خیر، میں اس بحث میں نہیں پڑتی۔ آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے کہ آپ کے دوست نے اخباروں میں آنے والے اشتہارات کی مدد سے ایک چلتے ہوئے کاروبار کا سودا کرلیا ہے۔"

"کیا جہانگیر نے کوئی بزنس خریدا ہے!" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا "اس نے اتنا بڑا کام بالا ہی بالا کر ڈالا اور مجھے اب خبر مل رہی ہے۔"

"وہ آج بیعانہ دینے کے لیے آپ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا، باقی تفصیل کا مجھے علم نہیں۔"

"چلو یہ اچھا ہوا۔ وہ دن بھر کام میں مصروف رہے گا تو سلمٰی کی گھریلو زندگی ذرا خوش گوار ہوجائے گی۔"

"لیکن ہماری گھریلو زندگی کب خوش گوار ہوگی۔ آپ تو آ... دن رات مصروف رہنے لگے ہیں۔"

"اس زندگی کا بھی ایک الگ لطف ہے۔ ایک دو دن کے لیے بچھڑ کر جب ہم دوبارہ یک جا ہوتے ہیں تو شادی کے ابتدائی دنوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ کیا یہ سب تمہیں اچھا نہیں لگتا؟"

"میں جب بھی اس موضوع پر بات کرتی ہوں، آپ مجھے اِدھر اُدھر ٹالنے لگتے ہیں۔"

اپنی جگہ پر اس کا شکوہ بجا تھا مگر وہ میری مجبوریوں کو بھی خوب سمجھتی تھی۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ بدری مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانے کا ارادہ کرچکا تھا۔ وہ تو تنک کا موڈ ہی خراب ہو... ورنہ وہ معاملہ طے ہوچکا ہوتا۔

غزالہ ایسی پُرکشش لڑکی تھی کہ شادی کے بعد بھی اس پر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ محفل میں وہ کم ہی بولتی تھی مگر میرے ساتھ ہر موضوع پر گفتگو میں اتنی گہری دلچسپی لیتی تھی کہ میں گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ عام خانہ دار عورتوں کے برعکس وہ بہت ذہین اور حساس تھی۔ اس کی وجہ شاید اس کا گھریلو پس منظر تھا۔ مسائل اور الجھنوں میں گھرے ہوئے ایک تنہا سے گھرانے میں پروان چڑھنے کے باوجود اس نے خود کو کردار اور سیرت کے اس قدر حسین سانچے میں ڈھالا تھا کہ وہ سراپا حسن بن کر رہ گئی تھی۔

اخلاقی طور پر میرا فرض بنتا تھا کہ میں جہانگیر کو فون کر... برسرِروزگار ہونے کی مبارک باد دوں لیکن غزالہ سے ہونے والی باتوں کے سرور نے میری طبیعت کو اس قدر بشاش کردیا تھا کہ میں نے اس سرور کو خراب کرنے کے بجائے جہانگیر کو مبارک باد دینے کا ارادہ کسی اور وقت کے لیے ملتوی کردیا۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو فضا میں شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ خانساماں نے گھر کی بتّیاں روشن کردی تھیں اور میرے ناپسندیدہ مہمانوں نے شام کے استقبال کے لیے ڈرائنگ روم میں ساغر و مینا کی محفل سجالی تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے شوق کا سامان درمیانی میز پر سجا ہوا تھا لیکن دونوں کے چہرے ویران اور خالی خالی نظر آرہے تھے۔ دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کے درمیان کوئی ناخوش گوار بات ہوچکی تھی۔

مجھے افسوس ہوا کہ میں فون پر الجھ کر ایف ایم بینڈ پر ان کمرے کی خیر خبر لینا بھول گیا ورنہ ان کی آزردگی کے اسباب میرے علم میں ضرور ہوتے۔

میں نے ٹرے میں سے مونگ پھلی کے تلے ہوئے دانے مٹھی میں لیے اور بدری کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"تمہارے لیے پیگ بناؤں؟" رمیش نے رسمی لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میں نے اسے منع کردیا۔

"اس وقت تم دونوں کچھ اداس نظر آرہے ہو۔ سفر کا وقت قریب آگیا ہے؟" میں نے باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بدری کو آنے والے وقت کی فکر ستا رہی ہے۔" رمیش نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا "تم خود ہی سوچو کہ ایک پی ایچ ڈی کیے ہوئے شخص کو ازسرِنو میٹرک کی کتابیں پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی، کچھ ایسا ہی حال بھائی بدری ناتھ کا ہے۔"

"لیکن تمہارا چہرہ بھی اترا ہوا ہے" میں نے مونگ پھلی کے دانے پھانک کر کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہوگے مگر اس وقت ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو" بدری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہم نے اپنا بگڑا ہوا موڈ سنبھالنے کے لیے بوتل نکالی ہے اور تم پھر وہی باتیں چھیڑ رہے ہو۔"

"پھر تم موج کرو۔ میں زیادہ دیر تک خاموش بیٹھ کر تماشا نہیں دیکھ سکتا" یہ کہہ کر میں نکاس کے راستے باہر نکل گیا۔

گیٹ کے قریب ٹہلتا ہوا دربان میری صورت دیکھتے ہی مؤدب ہوگیا۔ میں بغلی سمت میں گیا تو ڈرائیور کی کھلی ہوئی کوٹھری خالی تھی۔ عقب سے لمبا چکر کاٹ کر میں کچن والی راہداری میں پہنچا تو ڈرائیور فرش پر بیٹھا خانساماں کے ساتھ سبزی بنا رہا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہی ہڑبڑا گئے۔ میں نے انہیں پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور بے تکلفی سے اس میلی سی کرسی پر براجمان ہوگیا جو راہداری میں پڑی ہوئی تھی۔

"تم میں سے کسی ایک کو آج رات میرے کمرے پر نگاہ رکھنی ہے" میں نے گھٹنوں پر کہنیاں ٹیک کر رازدارانہ لہجے میں بات شروع کی تو وہ دونوں ہی میرے قریب آگئے۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "رات کو کسی وقت بدری میرے کمرے میں آئے گا۔ بعد میں ضرورت ہوئی تو میں دروازہ کھول کر داہنا ہاتھ فضا میں لہراؤں گا۔ یہ اس بات کا اشارہ ہوگا کہ تم دونوں میں سے جو بھی وہاں موجود ہو، وہ رمیش کو جگا کر میرے کمرے میں بھیج دے۔"

میری بات واضح تھی۔ کوئی سوال کیے بغیر وہ دونوں میرا مفہوم سمجھ گئے اور میں وہاں سے اٹھ کر لابی کی طرف چل دیا جہاں ٹیلی وژن رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں خاموشی سے اپنے شغل میں مصروف تھے۔ میں دھیمی آواز میں ٹیلی وژن آن کرکے لابی میں جم گیا۔ ان دنوں ڈش انٹینا کی سہولت یا لعنت عام نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے ٹیلی وژن کے پروگراموں میں بہت زیادہ انتخاب کی گنجائش نہیں تھی۔ میں کارٹون دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔

باہر رات اپنے ڈیرے ڈال چکی تھی۔ وقت یوں ہی دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ نو بجے خانساماں نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں اس وقت بھی کھانے کے بجائے پینے پر تلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ٹرے میں اپنے لیے لابی میں ہی کھانا منگوایا اور ٹیلی وژن کے سامنے شکم سیر ہوکر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

میں دیر تک سگریٹیں پھونکتا اور گزرے ہوئے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بدری ناتھ سے ہونے والی متوقع ملاقات ایک بوجھ بن کر میرے ذہن پر سوار تھی۔

گیارہ بجے مجھے اطلاع ملی کہ وہ دونوں نشے میں دھت ہوکر حیوانوں کی طرح کھانا کھانے کے بعد جھومتے جھامتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ میرے ذہن میں مایوسی نے سر ابھارنا شروع کردیا۔ ایسی حالت میں بدری کے لیے یہ یاد رکھنا محال تھا کہ اس نے مجھ سے ملنے کا کوئی رازدارانہ وعدہ کیا ہوا تھا۔

میں نے نائٹ لیمپ روشن کرکے بتیاں گل کردیں اور سونے کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

شہر کا وہ رہائشی علاقہ ویسے بھی بہت پُرسکون تھا۔ بس قریبی ریلوے لائن سے گزرنے والی ٹرینوں اور مال گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ اور ریلوے انجنوں کی سیٹیاں ہی اس سکون کو درہم برہم کرتی ہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ رات ہونے کے ساتھ ہر سناٹا گہرا اور پُرہول ہوتا چلا جاتا ہے۔

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز نے مجھے بستر میں بری طرح چونکا دیا۔ میرے جواب سے پہلے دروازہ آہستگی سے کھلا اور پھر اس کی اوٹ میں سے بدری کا چہرہ جھانکنے لگا۔ نشے اور جوش کی وجہ سے نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں سرخ نگینوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

میں نے بیڈ سوئچ کی ڈوری کھینچ کر ایک دیوار گیر بلب روشن کردیا۔ بستر کے سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی اس وقت سوا بارہ بجا رہی تھی۔ میں بستر پر اٹھ بیٹھا۔

میں نے غور سے دیکھا کہ نشے میں ہونے کے باوجود بدری کے قدموں میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ وہ ہموار چال سے اندر آیا اور میری دعوت یا اجازت کے بغیر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی بستر چھوڑ کر اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

"دیکھ لو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور میں یہاں آگیا" وہ بولا۔

"گیارہ بجے تم نشے میں دھت تھے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد رہ سکے گا۔"

اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی "رمیش بہت ندیدا ہے۔ میں کم پی رہا تھا، اسے زیادہ پلا رہا تھا۔ میں اداکاری نہ کرتا تو وہ بھی پینا چھوڑ دیتا۔ اب وہ نشے میں مدہوش پڑا ہوا ہے اور میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں کیونکہ میں تمہیں بہت زیادہ پسند

کرنے لگا ہوں۔"

میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "پسندیدگی کا شکریہ...... تم نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ اسے ہوش آگیا اور اس نے تمہیں کمرے میں موجود نہ پایا تو وہ غل غپاڑہ مچانا شروع کردے گا۔"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کے بولا "میں نے پورا بندوبست کیا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ کھانے کے بعد میں نے اس کے آخری گلاس میں ایٹی وان کی ایک گولی بھی ملادی تھی۔ وہ صبح دیر سے ہی اٹھے گا۔"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "اس کے بغیر مجھ سے ملنے کا سبب کیا ہے؟"

"ایک آرزو۔ بس ایک آرزو۔" اس نے سر جھٹک کر جذباتی لہجے میں کہا "بدری ناتھ کو زندگی میں کبھی اس طرح ذلیل نہیں کیا گیا جیسے وہ آج ہوا ہے۔ میں اس کا منصوبہ ناکام بنادوں گا' ہرگز نہیں بخشوں گا۔"

"شاید تم پر بھی نشے کا گہرا اثر ہے۔ کھل کر اور ذرا ربط کے ساتھ کچھ بتاؤ تاکہ میں بھی پوری بات سمجھ سکوں۔"

"پہلی بات یہ سن لو کہ رمیش مجھ سے دو سال جونیئر ہے مگر وہ پکا خوشامدی ہے۔ جوڑ توڑ کرکے میرے برابر تک پہنچ گیا ہے۔ عہدہ برابر ہے اور میں سینئر ہوں۔ اسے مجھ سے دبنا پڑتا ہے۔ اب وہ سازشیں کرکے مجھ سے پہلے ترقی پانے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کا عہدہ بڑھ جائے گا تو میں اس کا ماتحت ہوجاؤں گا۔ اس وقت بھی وہ یہی کھیل کھیل رہا ہے۔ تک موڈلے کسی خارش زدہ کتیا کا پلا ہے۔ اس نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔ میں اندر ہی اندر سلگ رہا ہوں' کھول رہا ہوں اور رمیش اس کے گن گارہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس مشن کے بعد مجھے معتوب کرانے اور خود ترقی پانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے مگر میں اس کے ساتھ رہ کر دن رات پیشہ ورانہ حسد اور رقابت کی اس تپش کو محسوس کرتا ہوں۔ تک تمہارا بھی دشمن ہے۔ رمیش نے یہی ایک بات پکڑلی ہے۔ وہ تمہاری سفارش کے بہانے تک سے براہِ راست بات کرنے پر تل گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بات یوں توڑ مروڑ کر کرے گا کہ تک مجھے نظر انداز کرکے اسے سر چڑھالے گا۔ میں یہ بھی نہیں ہونے دوں گا۔"

"وہ تمہاری آنکھ بچاکر کسی بھی وقت ایرٹیس استعمال کرسکتا ہے۔ تم اسے کیسے روک لوگے؟"

"وہ اس وقت بھی میرے پاس ہے" اس نے اپنی پھولی ہوئی جیب تھپتھپا کر کہا "وہ تک سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ بدری کی رائے میں علی شیر بہت اچھا اور کارآمد پاکستانی ہے۔ اسے ہمارے ساتھ ٹریننگ پر بھیج دیا جائے۔ تک اس وقت تمام پاکستانیوں کا دشمن ہے۔ وہ میری طرف سے بھڑک جائے گا کہ میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت کیوں کی۔ یہی رمیش کی اصل دلی خواہش ہے۔"

"مجھے کسی ٹریننگ سے دلچسپی نہیں۔ میں تمہیں صاف بتاچکا ہوں کہ میں را تک میں جانا پسند نہیں کرتا۔ تم میری حمایت کیوں کرتے ہو۔ یہ تمہارا آپس کا جھگڑا ہے۔ اس میں 'مَیں کیا کرسکتا ہوں۔ بہتر یہی ہوگا کہ مجھے اس لڑائی میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرو۔ تم چاہتے تو آج رمیش کو شراب میں ایٹی وان کے بجائے کوئی زہر بھی دے سکتے تھے۔ اسے مارنے سے ڈرتے ہو تو مجھے بتاؤ' میں اس کا قصہ تمام کیے دیتا ہوں۔"

"ایسی خطرناک باتیں مت کرو۔ میں ایسی کوئی خواہش نہیں کرسکتا" اس نے محتاط اور دھیمے لہجے میں کہا "اگر تم خود اسے مار ڈالنا چاہتے ہو' تب بھی تم سے کہوں گا کہ ذرا انتظار کرو۔ اسے امریکا پہنچ لینے دو۔ اس کے بعد اپنا ہر ارمان پورا کرلینا۔ اسے یہاں کچھ ہوا تو میرے سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ میں تک موڈلے سے آج کی بدزبانی کا بدلہ نہیں لے سکوں گا۔"

"تم پھر گول مول باتیں کررہے ہو۔ وہ امریکا کیوں جارہا ہے؟"

"ٹریننگ کے لیے ہم دونوں کو امریکا ہی جانا ہے۔ وہ یہاں مارا گیا تو دونوں روک لیے جائیں گے۔"

"تم کو امریکا دیکھنے کا بہت شوق ہے!" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا۔

"امریکا دیکھنے کا نہیں' تک کو شرمسار دیکھنے کا شوق ہے۔ میں اس کے پورے منصوبے کو تباہ کردینا چاہتا ہوں۔ میرے سب ساتھی جانتے ہیں کہ میں کتنا بڑا انا پرست ہوں۔ میرے ستارے ہی کچھ ایسے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کام میں تم میرا ساتھ دو۔ ہمارے ساتھ امریکا چلو اور تھوڑے دنوں کے لیے ڈینی بن کر وہاں تہلکہ مچادو۔ اندر کی خبریں میں نکالوں گا' گردنیں تم کاٹو گے' تک کا ہر خواب بکھر کر رہ جائے گا۔"

میں حیرت سے پلکیں جھپکا کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ سنجیدہ تھا یا مجھ پر کوئی گہرا طنز کررہا تھا۔ میں اسے فریب دینے کے لیے ڈینی سے علی شیر بنا تھا اور وہ مجھے علی شیر سے جعلی ڈینی بننے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ میرے مقدر کی ستم ظریفی کی انتہا تھی کہ میرا ایک دشمن مجھ سے میری ہی نقالی کا خواہش مند تھا۔

"مجھے ساتھ لیا تو شاید تم یہاں سے کبھی نہ جاسکو گے۔ تک اتنی آسانی سے اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔"

"سب ہوجائے گا۔ تم راضی ہوجاؤ تو میں سارا بندوبست کرلوں گا۔ ہم تمہیں بھول جائیں گے۔ تم خود لندن چلے جاؤ اور وہاں ہمارا انتظار کرو۔ میں تمہیں ایک نمبر دے دوں گا۔ وہاں اپنا سراغ چھوڑ دینا۔ میں لندن پہنچتے ہی تم سے رابطہ کروں گا اور ہم آگے کا پروگرام طے کرلیں گے۔"

"تم بہت مشکل اور ناقابلِ عمل باتیں کررہے ہو۔ آسان ترین راستہ یہ ہے کہ رمیش کو ختم کرو اور خود غائب ہوجاؤ۔ تک کا سارا منصوبہ درہم برہم ہوجائے گا۔ بھارت سے نئے آدمی آسانی سے نہیں ملیں گے۔"

"ہم ساگا اور راس المیڈا کی وجہ سے چکروں میں پھنس گئے۔ ہمیں ڈینی کو ٹھکانے لگانے کے بعد اپنا کام شروع کرنا ہوتا۔ اب تک نے ڈینی کو بھولنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہمارے متبادل بھارت سے سیدھے امریکا بھیج دیے جائیں گے۔ تک کا مشن پورا ہوجائے گا... اور پھر میں؟ کیا میں اپنا پورا کیریئر برباد کرلوں۔ میرے بچوں اور خاندان والوں کو میری غداری کے طعنے دیے جائیں' مجھے بھگوڑا قرار دے دیا جائے۔ میں سب کچھ تباہ نہیں کرسکتا۔"

"اپنا پورا منصوبہ بتاڈالو۔ پھر شاید ہم بہتر مشورہ کرسکیں گے۔"

"تم علی شیر کے یا پھر کسی فرضی نام سے سفر کرو گے۔ رمیش کو تمہاری بھنک بھی نہیں ملے گی۔ ہمارے امریکا پہنچنے کے بعد تمہیں آزادی ہوگی کہ جب چاہو رمیش کو مار ڈالو۔ میں چند ہفتوں تک وہیں ٹریننگ کرتا رہوں گا۔ تم دور دور سے مجھ سے رابطہ رکھو گے۔ میں ان کی کمزوریاں بتاؤں گا' تم ڈینی بن کر ان پر وار کرو گے۔ تک نے ڈینی کو بھلادینے کی بات کی ہے۔ تمہاری ان کامیابیوں کے بعد ڈینی کا نام ایک آسیبی خواب بن کر تک موڈلے کے اعصاب پر چھا جائے گا۔ ٹریننگ ختم کرکے میں فیلڈ ورک کے لیے پاکستان آؤں گا تو تم میرے ساتھ ہوگے۔ یہاں بھی میں مخبری کروں گا اور تم تک کا ہر مشن ناکام بناؤ گے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں اصلی ڈینی بھی تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلے۔"

وہ ایک منتقم مزاج اور انا پرست شخص کی انتہا پسندانہ سوچ تھی۔ وہ اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے سب کچھ تباہ کردینے کے ارادے باندھ رہا تھا۔ وہ بھارت کے اسپیشل سروسز بیورو کا ایک اہم اور ذمے دار افسر تھا لیکن مجھے وہی سب کر گزرنے پر اکسا رہا تھا جو میں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا۔

اس کی آنکھوں کی چمک اور فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنے ارادوں میں راسخ اور سنجیدہ تھا۔ اس نے اچانک ہی اپنے سارے پتے میرے سامنے پھینک دیے تھے۔

"تم کو تمہارے بڑوں نے تک موڈلے کی تحویل میں دیا ہے۔ اس کی نافرمانی کرکے کیا تم را اور ایس ایس بی سے غداری کے مرتکب نہیں ہوگے۔ تک کی مسلسل ناکامیاں تمہاری بھی ناکامیاں شمار ہوں گی" میں نے کہا۔

"میں نے یہ سب سوچ لیا ہے۔ دوسروں کے لیے میں اپنی ذات سے غداری نہیں کرسکتا۔ میری انا کا زخم دشمن کے غرور کو نیست و نابود کرکے ہی بھرے گا۔ رہا میری ناکامیوں کے شمار کا مسئلہ تو میں اکیلا نہیں ہوں گا۔ یہ بوجھ میرا ساتھ دینے والے ہر کندھے پر برابر برابر منتقل ہوگا۔"

"تک موڈلے سے ایسا بھرپور انحراف کرکے تم پاکستان کو فائدہ پہنچاؤ گے جسے بھارت اپنا ازلی دشمن تصور کرتا ہے۔ کیا یہ خلش تم آسانی سے سہہ لوگے؟" میں نے اسے کریدا۔

"زمین پر لکیریں کھینچ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دونوں طرف بہتیرے لوگ ایسے ہیں جو آج بھی دونوں کو ایک خیال کرتے ہیں۔ جیوانی سے ہمالیہ تک یہ ساری دھرتی ایک ہے پھر الگ الگ فائدہ اور نقصان کیسا؟" یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اشتعال نے اس کی کھوپڑی بالکل ہی الٹ کر رکھ دی ہو۔

"اور تم نے شروع میں جو باتیں کی تھیں' آنے والی نسلوں کے خوش حال مستقبل کے لیے دونوں طرف کے جنگی بتوں کو گرانے کا عزم ظاہر کیا تھا' تمہاری اسی سوچ کی عکاسی کررہا تھا؟"

"اس وقت میں بدری ناتھ نہیں' ایس ایس بی کا ایک افسر تھا۔ میں وہی کچھ کہہ رہا تھا جو دشمن کی سرزمین پر کامیابی حاصل کرنے کے لیے کہنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ آج میں سچ مچ وہی سوچ رہا ہوں۔ ایس ایس بی کے افسر میں سوئے ہوئے بدری ناتھ کو تک موڈلے نے بیدار کیا ہے' اب وہ اپنا رنگ دکھائے گا۔"

"اگر میں تمہارا ساتھ نہ دوں تو تم کیا کرو گے؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے بھٹکنا پڑے گا۔ میں کوئی اور ساتھی تلاش کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ ٹریننگ سے یہاں واپس آنے کے بعد میں ڈینی سے ہی دوستی کرلوں۔ وہ یہودی اور امریکی دہشت گردوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

غیر ارادی طور پر فخر سے میرا سینہ پھول گیا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا "تک نے تمہیں ایسی کیا بات کہی ہے کہ تم اس حد تک جانے پر تل گئے ہو؟"

"یہ پوچھو کہ اس نے کیا نہیں کہا تو شاید میں جواب دے سکوں" وہ متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے بولا "یہ حرام زادے امریکی خود کو صاف گو اور راست باز کہتے ہیں۔ صاف گوئی کی آڑ لے کر یہ کسی بھی شریف آدمی کو بھیڑ میں ننگا کردینے کے عادی ہیں۔ ان کی ساری تنقید کا معیار ذاتی پسند اور ناپسند کے گرد گھومتا ہے۔ ایسے رویوں میں اصولوں کا دور دور تک سراغ نہیں ملتا۔"

"تمہاری ان باتوں نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ ابتدا میں 'مَیں نے تمہارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرکے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تھا" میں نے اس پر ایک اور پہلو سے ہلکا سا وار کیا۔

"تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو۔ اور اب میں تم کو یہ بھی بتادوں کہ تم نے صرف پیسے کے لالچ میں ہماری غلامی کا طوق اپنی گردن میں لٹکایا تھا۔ تمہارے کردار میں سے لالچ کا عنصر نکال دیا

جائے تو تم ایک قابل رشک انسان بن سکتے ہو۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ایسی باتیں اختیاری نہیں ہوتیں۔"

وہ احمق ایک طرف جس ڈینی کے گن گا رہا تھا دوسری طرف اسی کو طفلانہ مشورے دے رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس وقت وہ ڈینی ہی سے ہم کلام تھا۔

اس نے خود ہی میرے لالچ کا ذکر چھیڑا تھا۔ موقع میسر آتے ہی میں نے لالچ کے تصور کو مستحکم کرنے کی نیت سے کہا "اگر میں راضی ہو بھی جاؤں تو اس لمبے سفر کے اخراجات کون دے گا؟"

وہ تلخی سے ہنس پڑا پھر بولا "میں اسی خرابی کی بات کر رہا تھا۔ تمہارے ہر مسئلے کی تان آخر کار رقم پر ہی آکر ٹوٹتی ہے۔ ہم بھارت سے ڈیڑھ کروڑ ڈالر لے کر آئے تھے۔ اس میں سے مشکل سے ساٹھ ستر ہزار نکالے ہوں گے۔ باقی رقم حاجی دل مراد نے دبالی ہے۔ وہ مل گئی تو میں ڈالروں سے تمہارا منہ بھردوں گا ورنہ تمہیں دس ہزار پر قناعت کرنی ہوگی۔ یہ رقم ٹکٹ اور دوسرے اخراجات سے زیادہ ہی بیٹھے گی۔"

"تم ڈینی کی تلاش کے لیے دیے ہوئے دس ہزار ڈالر کی بات کر رہے ہو؟" میں نے انجان بن کر چونکتے انداز میں سوال کیا۔

"اس میں سے ایک پیسہ بھی ادھر خرچ نہیں ہوگا۔"

"جو رقم تمہیں مل چکی ہے اسے بھول جاؤ۔ میں ایک نئی گڈی کی بات کر رہا ہوں۔ تمہارے لیے میں اس سے زیادہ رقم نہیں دے سکوں گا۔ تم چاہو تو ڈینی کے نام کا ہوا کھڑا کر کے امریکا میں کسی بھی بڑے جوئے خانے پر ہاتھ صاف کر سکتے ہو۔ لاکھوں ڈالر ہاتھ آجائیں گے۔"

"وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے مجھے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ میں کہاں تک تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔ یہ جواب تمہیں کل ہی مل سکے گا" میں نے سب کچھ طے کر لینے کے بعد بے پروائی سے کہا۔

"میں انتظار کرلوں گا' یہ یاد رکھنا کہ تم نے انکار کیا تو مجھے مایوسی ہوگی۔"

"بنیادی طور پر میں تمہارے منصوبے سے متفق ہو چکا ہوں۔ اگر ایس ایس پی کا ایک افسر اتنی ہمت کر سکتا ہے تو پھر میرے لیے کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ سفری دستاویزات کا کیا بنے گا اور میرے لیے کس نام سے سفر کرنا سود مند رہے گا۔"

"سفر کے لیے اصل نام استعمال کرنے میں کیا حرج ہے؟" اس نے پوچھا "بعد میں تم ضرورت کے مطابق اپنے ہزار نام تبدیل کر سکتے ہو۔ کوئی تمہیں نہیں پکڑ سکے گا۔"

"میرا اصل نام رمیش کے ساتھ شاید تک موڈلے کو بھی معلوم ہو جائے۔ اس کے استعمال سے گریز ہی مناسب رہے گا۔ اس بارے میں' میں کل تک کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلوں گا۔"

اس نے اٹھ کر اپنے دونوں بازو فضا میں پھیلا دیے اور میں نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

وہ لاکھ ایس ایس پی کا ایک سفاک افسر سہی لیکن تک موڈلے کی زبان سے نکلے ہوئے چند زہریلے نقروں نے اس کے دل پر ایسے گہرے گھاؤ لگائے تھے کہ اس کی کایا پلٹ ہو کر رہ گئی تھی۔ بظاہر وہ اپنے انتقام کی تسکین کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہ رہا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ نادانستگی میں میرے اور اسپیشل ٹاسک فورس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ ایک اہم آلۂ کار بننے جا رہا تھا اور اس حیثیت میں لائق احترام ہو چکا تھا۔

اس وقت میری اور اس کی مثال چھری اور خربوزے جیسی تھی۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر' دونوں صورتوں میں انجام ایک ہی ہوتا ہے۔

مجھ سے بغل گیر ہونے کے بعد وہ بوجھل قدموں سے واپس چل دیا۔ نیا سمجھوتا ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے میں پہنچا تو رمیش اگروال مسہری پر داہنے پہلو کے بل کسی مردے کی طرح ساکت پڑا ہوا تھا۔ اگر کمرے کی فضا میں اس کے سانسوں کی گہری گہری آوازیں نہ گونج رہی ہوتیں تو اس کے بارے میں دور سے کوئی فیصلہ کرنا محال ہوتا۔

"جی چاہ رہا ہے کہ اسے اسی وقت ذبح کردیا جائے" میں نے بدری کو خوش کرنے کے لیے رمیش کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "اس کی سازشیں اب جلد ہی اسے لے ڈوبیں گی۔"

"اس کا انحصار تمہاری مرضی پر ہوگا۔ میں تمہارے اوپر اپنی رائے مسلط نہیں کروں گا" بدری خود کو الگ تھلگ رکھتے ہوئے مجھے مسلسل رمیش کے قتل کی ترغیب دے رہا تھا۔

میں اسے وہیں چھوڑ کر لوٹ آیا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی کہیں سے ایک سایہ میرے قریب رینگ آیا۔ وہ میرا خانساماں تھا جس نے اپنا اوپری جسم اور چہرہ چادر کی اوٹ میں چھپایا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چادر کی اوٹ میں چھپا ہوا اس کا داہنا ہاتھ کسی نہ کسی آتشیں ہتھیار کے دستے پر جما ہوا ہوگا۔

"جا کر آرام کرو۔ اب مجھے کسی کی موجودگی کی ضرورت نہیں ہے" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی وہ ایک طرف چل دیا اور میں اپنے کمرے میں جا کر بستر پر گر گیا۔

میرے امریکا کے سفر کا معاملہ سرے سے ختم ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر پوری شدت سے سامنے آچکا تھا۔ وہ ایسی بہترین صورت حال تھی کہ اسے نظرانداز کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ امریکا پہنچ کر میں نہ صرف تک موڈلے کے شناسا حلقوں میں دہشت کی لہر دوڑا سکتا تھا بلکہ ڈیوڈ اسٹارز کے آئزک بیل کو اسی کے گھر میں ہراساں کر کے جنم واصل کرنے کے اپنے خواب کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔

جوش اور ہیجان کے عالم میں میری نیند سرے سے اچاٹ ہوگئی۔ میں شدت سے اپنے گھر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا جہاں

میری خوشی میں شریک ہونے والے دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ خوشی اور غم کے عالم میں دوسروں کو اپنے احساسات میں شریک کرکے ہی سکون اور راحت محسوس کرتا ہے اور اگر اسے یہ ذہنی رفاقت میسر نہ آسکے تو پھر وہ ہر خوشی اور صدمے کو پتھر بن کر سرد مہری سے جھیل جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا رہا۔ دیوار گیر کلاک کی سوئیاں ڈھائی بجے سے بھی آگے بڑھ چکی تھیں۔ میرے دل میں کئی بار شدید خواہش پیدا ہوئی کہ گھر فون کرکے سب کو اپنی ایک بڑی کامیابی کی اتھاہ خوشی میں شریک کرلوں لیکن میں ان لوگوں کی نیند خراب ہونے کے خیال سے ہر بار رک گیا۔ صرف چند گھنٹوں کی بات تھی۔ صبح ہوتے ہی میں انہیں اس خوش خبری میں شریک کرسکتا تھا۔

بدری ناتھ کے بیان کے مطابق میرے سفر کا پہلا پڑاؤ لندن میں ہونا تھا جہاں میں نے غزالہ کی تلاش کی جاں گسل جدوجہد میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔ میرے ذہن میں تصوراتی خاکے بننے اور بگڑنے لگے۔

لندن ہمیشہ سے روشنیوں کا شہر کہلاتا رہا تھا۔ اس شہر کی سب سے بڑی شناخت دریائے ٹیمز کو قرار دیا جاتا تھا جو نہایت کاہلانہ انداز میں آبادی کے بیچوں بیچ بہتا رہتا ہے۔ دریا کے دونوں کناروں کو کہیں بالائی پلوں سے ملایا گیا تھا اور کہیں لندن کی روایتی ٹیوب سرنگوں ہی سرنگوں میں چپکے سے دریا کے پار پہنچا دیتی ہے۔

مجھے ٹرافالگر اسکوائر یاد آیا جہاں سال کے بارہ مہینے ہر وقت بھانت بھانت کے سیاحوں کا ہجوم نظر آتا ہے اور اسی ہجوم میں سیکڑوں کبوتروں کے غول سیاحوں کے ہاتھوں سے باجرے کے دانے چھیننے کے لیے مانوس اور والہانہ انداز میں یلغار کرتے رہتے ہیں۔

پکاڈلی کی... پیچ در پیچ، پتلی پتلی اور پراسرار گلیاں جن کے دسیوں پھیرے لگاکے بھی سیاحوں کا دل نہیں بھرتا۔ آکسفورڈ اسٹریٹ کی سازوسامان سے لدی پھندی دکانیں اور بڑے بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹورز۔ وہ سب ڈیوڈ اسٹارز اور آئزک بیل کے خلاف ہونے والی جنگ میں میری گزرگاہ بننے والے تھے۔

متوقع سفر کی رنگین و سنگین کہانیوں کے خاکے بناتے اور بگاڑتے آخرکار مجھے نیند آہی گئی۔

دن بھر کوئی قابلِ ذکر کام نہ کرنے کے باوجود میں یوں گدھے گھوڑے بیچ کر سویا کہ دوبارہ آنکھ کھلی تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑا اور سیدھا باتھ روم میں جا گھسا۔

شیو کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں سونے سے پہلے سفر کے بارے میں سوچتے ہوئے ایک اہم ترین نکتے کو بالکل نظرانداز کیے رہا تھا۔ اول خان ایک سنجیدہ، بردبار اور خانہ دار آدمی تھا۔ ایس پی ایف میں اس کی ذمے داریاں، اسے ملک تو کیا شہر بھی چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔

ویرا، سلطان شاہ اور غزالہ کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ سفر کا اعلان ہوتے ہی وہ تینوں پابہ رکاب ہوجاتے اور میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں روک سکتا تھا جب کہ فنی اعتبار سے اس سفر میں میرا تنہا جانا ہی بہتر اور محفوظ تھا۔ تین چلتے پھرتے اشتہاروں کے ساتھ میں شناخت کے علاوہ دوسرے کئی مسائل میں گھر سکتا تھا۔

غزالہ میری بیوی تھی۔ وہ ٹوٹ کر مجھے چاہتی تھی کیونکہ پوری دنیا میں میرے سوا اس کا کوئی سچا رشتے دار نہیں تھا۔ اپنے بھائی کامران کی موت کے بعد اس کا میکا سرے سے ختم ہوچکا تھا۔ نادرہ والے وسیع اور پرتعیش فلیٹ کے سوا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں چھوڑ کر میں بے فکری سے سفر پر نکل کھڑا ہوتا۔ ان مجبوریوں کی بنا پر غزالہ میرے ساتھ چلنے پر مصر ہوجاتی تو میں اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

رہی ویرا تو وہ پیدائشی طور پر سیلانی طبیعت کی مالک تھی اور امریکا اس کا موروثی وطن تھا۔ پچھلے مہینوں میں وہ کم از کم دو بار امریکا جانے کے لیے پر تول چکی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں آئزک بیل کی سرکوبی کے ارادے سے نکلتا اور وہ ائرپورٹ پر خوش دلی سے مجھے الوداع کہہ کر گھر لوٹ آتی۔ اس کی دانست میں واشنگٹن کا وائٹ ہاؤس اس کے باپ کے اصل قاتل کا مسکن تھا اور آئزک بیل، جمی لائیڈ کے قتل کی سازش کرنے والے ٹولے کا ایک سرگرم یہودی رکن تھا۔ ان سے انتقام لینے کے لیے وہ اس سنہری موقع کو ضائع نہیں کرسکتی تھی۔

اگر وہ دونوں ہی عورتیں سفر پر تل جاتیں تو سلطان شاہ کے لیے کراچی میں رہ کر بھائیں بھائیں کرتے ہوئے فلیٹ کی چوکیداری کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا تھا۔ اخلاقی طور پر اسے ساتھ لے جانا میرا فرض بن جاتا۔

ان تینوں سے نمٹنا ایک دشوار اور پیچیدہ مرحلہ تھا جو میرے اصل کام سے زیادہ کٹھن ثابت ہوسکتا تھا۔ غسل کرتے ہوئے بھی میں اس مسئلے کا کوئی حل نہیں سوچ سکا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس وقت اول خان اپنے دفتر میں موجود ہوگا۔ بہتر یہی تھا کہ میں اپنے مسئلے کا حل اس کے سر ڈال دیتا۔ اس کی ناصحانہ بریفنگ کے بعد میرے اوپر ہونے والی سہ طرفہ یلغار کا زور خاصا کم ہوسکتا تھا۔

فون کا سلسلہ ملنے پر سلام دعا کے بعد میں نے اسے بتایا "میں سر منڈانے کا فیصلہ کرچکا ہوں لیکن اب اولوں کی برسات سے خوف زدہ ہوں۔ اس معاملے میں تم کیا کرسکتے ہو؟"

"مضبوط آہنی ہیلمٹ پیش کرسکتا ہوں" اس نے خوش گوار موڈ میں جواب دیا "اصل قصہ کیا ہے؟"

"بدری ناتھ یکایک ہی نک موڈلے سے متنفر ہوگیا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہہ لو کہ اس نے نک موڈلے کی ہر سازش کو ناکام بنانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور اس بارے میں میری مدد کا خواہاں ہے......"

"ہائیں! یہ تو الٹی گنگا بہنے لگی ہے" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں بولا۔

"ستارے یاور ہوں تو سب کچھ ہونے لگتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے مجھے امریکا جانا ہوگا۔ چند ہفتوں بعد ہم واپس کراچی لوٹ آئیں گے۔"

"امریکا میں وہ تم سے کیا کام لینا چاہ رہا ہے؟" اول خان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"ملاقات ہوگی تو پوری تفصیل بتادوں گا۔ یوں سمجھ لو کہ وہاں ہم آئزک بیل اور اس کے حواریوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے۔ بدری وہاں اپنی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ اُن کی مخبری بھی کرتا رہے گا۔"

"شاندار منصوبہ ہے۔ تمہیں پہلی فرصت میں اس کے ساتھ نکل جانا چاہیے۔"

میں نے یہ وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ ہمیں اس سفر پر الگ الگ روانہ ہونا تھا بلکہ اسے اصل مسئلے کی طرف لاتے ہوئے کہا "یہ خبر میں نے سب سے پہلے تمہیں سنائی ہے۔ وہ تینوں ہی اس سفر پر جانے کی ضد کریں گے۔"

"انہیں تم کیسے لے جاسکو گے؟" اول خان نے خفگی سے کہا۔ "بدری کے ساتھ عورتوں کو لے جانا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ یہ بات انہیں سمجھ لینی چاہیے۔"

"بدری میرے ساتھ نہیں ہوگا۔ وہ نک کی ہدایت پر بعد میں سفر پر نکلے گا۔ عورتوں سے یہ بہانہ کر بھی لیا جائے تو وہ الگ سفر کرنے کی بات کریں گی، یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔"

"میں ابھی گھر جاکر ان تینوں کے ردِعمل کا جائزہ لیتا ہوں۔ تم دو بجے گھر آجاؤ۔ مل جل کر کوئی نہ کوئی حل نکال لیا جائے گا۔ یہ موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ میں حیران ہوں کہ بدری کو کیا ہوا ہے؟"

"بس انسان ایسی ہی عجیب و غریب شے ہے۔ من مانی پر اتر آئے تو دنیا جہان کے اندازوں کو مات دے بیٹھتا ہے۔ تفصیلات سن کر تمہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آئے گا۔"

"میرے لیے تو وہ بھی ناقابلِ یقین ہے جو تم بتاچکے ہو۔ اس پر اب دو بجے ہی بات ہوگی۔"

اس فون کال سے فارغ ہوکر میں باہر نکلا تو میز پر ناشتا تیار تھا۔ خانساماں نے یہ بتاکر میری حیرت دور کردی کہ رمیش بھی مجھ سے ذرا دیر پہلے ہی بیدار ہوکر کمرے سے نکلا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ میز پر آگیا۔ پچھلی رات کی بسیار نوشی کی وجہ سے اس کی آنکھیں متورم ہورہی تھیں۔

"آج بہت دیر سے سوکر اٹھے ہو" میں نے مسکرا کر اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے برجستہ جوابی سوال کرڈالا۔

"بدری کو بھی بلالو۔ وہ ہمارے ساتھ چائے ہی پی لے گا۔" میں نے لمحہ بھر بعد کہا۔

"وہ کچھ روٹھا ہوا ہے اور ناشتے کے بعد سے باہر باغبانی میں مصروف ہے۔ اسے وہیں رہنے دو۔"

میں رمیش کے ساتھ ناشتے میں مصروف ہوگیا۔ میز پر کچھ دیر خاموشی رہی پھر رمیش نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں اچانک ہی مجھ سے پوچھ لیا "تم ہمارے ساتھ ٹریننگ پر چلوگے؟"

"مجھے ٹریننگ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے" میں نے خشک لہجے میں کہا "تم دونوں کے ساتھ معاملات ختم ہوجانے کے بعد میں اس انتظار میں ہوں کہ تم کب جاؤ گے تاکہ میں ملک کے بالائی علاقوں کی طرف نکل سکوں۔"

"یہ تجربہ را کی ملازمت سے بہت بہتر اور رنگین رہے گا۔ ہم امریکا جارہے ہیں" اس نے اسی رازداری کے ساتھ مجھے لالچ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

میں اس کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ وہ کسی بھی حیلے سے میری رضامندی حاصل کرکے نک موڈلے سے براہِ راست گفتگو کرنے کا موقع نکالنا چاہ رہا تھا۔ میں نے رکھائی سے کہا "میں خوشنما جال میں پھنسنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کوئی بھی مستقل پابندی میرے مزاج کے خلاف ہوگی۔ بہتر یہی ہے کہ تم کوئی اور آدمی تلاش کرلو۔"

"اپنے ساتھی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"کس ساتھی کی بات کررہے ہو؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہی جو نک موڈلے سے ملنے گیا تھا۔ وہ بھی بھروسے کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ میرا دست راست ہے۔ میں اسے گنوانا پسند نہیں کروں گا" میں نے وہ بات بھی ختم کردی۔

میں ناشتا ختم کرکے اٹھ ہی رہا تھا کہ بدری نظر آگیا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسے آواز دے کر وہیں بلالیا۔ وہ اپنے دھلے ہوئے ہاتھوں کو ٹی شرٹ سے خشک کرتا ہوا میری طرف آگیا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم لوگ ٹریننگ پر امریکا جارہے ہو؟" اس کے آتے ہی میں نے سوال کرڈالا۔

وہ چونک پڑا "امریکا کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا، یہ بات تو اب تک چھپائی گئی ہے۔"

"ابھی ابھی رمیش نے بتایا ہے" میں نے بے رحمانہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ رمیش کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے سٹپٹا کر چائے کی پیالی منہ سے لگا لی۔

"خوب!" بدری نے طنزیہ انداز میں کہا "اور کیا بتایا ہے اس نے؟"

"یہ مجھے بھی لے جانا چاہتا تھا' تم کان کھول کر سن لو کہ اب تم دونوں سے میرے سارے معاملات ختم ہو چکے ہیں۔ یہاں اپنا وقت پورا کرو اور چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا سکتا" یہ کہتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ اپریٹس کی وجہ سے بدری کی پتلون کی جیب اس وقت بھی پھولی ہوئی تھی۔

"اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کر دی۔ نک مشکل ہی سے تمہیں لے جانے کی اجازت دیتا۔"

"چاہو تو اس مشکل سے بچانے کے چند ڈالر میرے حساب میں جمع کر لینا" یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

رمیش نے بے خبری کے باعث جس غلطی کا ارتکاب کیا تھا' میں نے اپنی دانست میں اس کا پورا فائدہ بدری کو منتقل کر دیا تھا۔ میری وضاحت کے بعد رمیش میری سفارش کے بہانے نک کو ورغلانے کی کسی کوشش کے لیے بدری سے اپریٹس نہیں مانگ سکتا تھا۔

نادرہ کے غیر آباد مکان میں اخبار نہیں آتا تھا۔ ان دونوں کے آجانے کے بعد میں نے دانستہ اخبار نہیں لگوایا تاکہ وہ شہر کے بارے میں زیادہ باخبر نہ ہو سکیں۔ ان کی معلومات کے لیے سرکاری محکموں کی بھٹی میں کندن بنی ہوئی وہی خبریں کافی تھیں جو ٹیلی وژن کے خبرنامے میں سنائی جاتی تھیں۔

اخبار نہ ہونے کی وجہ سے خواب گاہ میں میرے لیے کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں قبل از وقت فلیٹ پر پہنچ کر اول خان کا کام بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

پچھلی رات بدری میرا مضبوط حلیف بن چکا تھا لیکن رمیش کی موجودگی میں' میں اس سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی نے گھٹن میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ تیار ہونے کے بعد میں نے اس ماحول میں رکے رہنے کے بجائے فوری روانگی کا فیصلہ کر لیا۔

شہر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کر کے میں اپنا فاضل وقت بہتر انداز میں گزار سکتا تھا۔

ٹھیک دو بجے میں فلیٹ پر پہنچا تو وہاں بہت بے چینی سے میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔

میرے بیٹھنے سے پہلے ہی ویرا کی زبان چل پڑی "مبارک ہو' اول خان نے بتایا ہے کہ تم نے را کے ایک افسر کو توڑ کر ایک انوکھی اور تاریخی کامیابی حاصل کی ہے مگر یہ بھی سن لو کہ تم اکیلے امریکا نہیں جاؤ گے۔ وہاں مجھے بھی اپنے کئی حساب برابر کرنے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"تم عجیب بات کر رہی ہو۔ میں وہاں سیاحت یا تفریح کے لیے نہیں جا رہا۔ مجھے کام کرنا ہے" میں نے احتجاج کیا "میں تمہیں اپنے ساتھ کہاں لیے پھروں گا۔"

"میں اپنی دیکھ بھال خود کر سکتی ہوں۔ وہاں پہنچنے کے بعد چاہو تو اپنا راستہ الگ کر لینا۔ واپسی پر ہم دونوں دوبارہ یکجا ہو سکتے ہیں۔ میں تمہارے گلے کا ہار نہیں بنوں گی۔"

میں نے بے بسی سے اول خان کی طرف دیکھا تو اس نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے نرمی سے کہا "یہ تقریباً طے ہو چکا ہے۔ غزالہ اور سلطان شاہ ویرا کے حق میں دست بردار ہو گئے ہیں۔"

"سفر کے ساتھی ایک ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ اس بار بھی ویرا کو تمہارے ساتھ جانا چاہیے" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا اور میں اسے گھورنے لگا۔

"پہلے ویرا میرے ساتھ کب گئی ہے جو تم اتنی لمبی چوڑی بکواس کر رہے ہو۔"

"بلیک سی کا سفر ایک رات کا تھا لیکن سفر ہی تھا۔ اس بار چند ہفتوں کی بات ہے۔ اچھا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے کی سفری ضروریات کا خیال رکھ سکو گے۔ میں یہاں غزالہ کی دیکھ بھال کر لوں گا۔"

"سلطان شاہ! تم پر لعنت!" ویرا نے کلکلا کر کہا "تم دنیا کی ہر بات کو اسی طرح بلیک سی سے ملاتے رہے تو ایک دن بلیک سی میں ہی ڈوب کر مرو گے۔"

"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی" سلطان شاہ مسکراتے ہوئے بولا "تمہارے دونوں سفر یکساں ہوں گے۔ بحری سفر ذرا چھوٹا تھا اب فضائی سفر لمبا ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم نے تمہیں ڈینی کے ساتھ جانے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کوئی غلط موازنہ نہیں کیا تھا۔"

غزالہ خاموشی سے مسکرائے جا رہی تھی لیکن میں نے بھانپ لیا تھا کہ اس کی نگاہوں میں میرے لیے شکایت پنہاں تھی۔ میں نے گلا صاف کر کے کہا "یہ بلاوجہ کی بحث ہے۔ ویرا گئی تو سیدھی نیویارک جائے گی۔ مجھے بدری کے انتظار کے لیے چند روز لندن میں ٹھہرنا ہوگا۔ آگے کے پروگرام کا ابھی کچھ پتا نہیں ہے۔"

"یہ باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تم اپنی سناؤ' بدری کا دماغ کیسے الٹ گیا؟" اول خان نے پوچھا۔

"بدری پر میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ اسے نک موڈلے نے بغاوت پر آمادہ کیا ہے۔ میری کامیابی کا کریڈٹ صرف اتنا ہے کہ بدری کی نظروں میں میرا کوئی مقام تھا۔ اس نے دل کی بات مجھ سے کہہ ڈالی۔"

"امریکا میں تم دونوں کیا کرو گے؟" سلطان شاہ نے سادگی سے پوچھا۔

"بدری ہمارے دشمنوں کے خلاف بدترین عزائم لیے بیٹھا ہے۔ ان ہی پر عمل کیا جائے گا۔"

"میں بدری کے نہیں' تمہارے اور ویرا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

سلطان شاہ کے اس ہلکے پھلکے مذاق پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور میں بھی اس ہنسی میں شریک ہو گیا۔ مجھے یہ اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے رضامندانہ طور پر ویرا کو میرے ساتھ امریکا جانے کی اجازت نہیں دی ہوگی۔ اس فیصلے کے پیچھے ان کی مفاہمت سے کہیں زیادہ اول خان کی کوششوں اور نصیحتوں کا دخل معلوم ہو رہا تھا۔ ایسی صورت میں انہیں اپنے دل کا غبار نکالنے کا تھوڑا بہت حق بھی نہ دینا زیادتی کے مترادف ہوتا۔

"بات پھر کاٹ دی گئی۔ میں تمہاری کہانی کا منتظر ہوں" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

میں نے اپریٹس پر بدری اور نک موڈلے کی گفتگو سے وہ قصہ شروع کر دیا۔

میں بدری ناتھ کی سوچ میں انقلابی تبدیلی لانے والے واقعات میں شروع سے آخر تک کسی نہ کسی طرح شریک رہا تھا پھر بھی مجھے اس کے آخری فیصلے پر مشکل سے یقین آیا تھا۔ ان چاروں کے لیے وہ میری سنائی ہوئی ایک کہانی سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا اس وجہ سے ان کے لیے وہ سب حیران کن تھا۔ اول خان کا اصرار تھا کہ بدری ناتھ جیسے تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ کے اس منحرفانہ فیصلے کا محرک صرف نک موڈلے کا رویہ نہیں تھا بلکہ اسے بددل کرنے میں رمیش اگروال کی پیشہ ورانہ رقابت اور سازشوں کا زیادہ دخل تھا جو برسوں سے بدری کے دل میں ایک ناسور پیدا کر رہی تھیں۔ نک موڈلے کی تلخ و ترش باتوں نے اس پرانے زخم پر نشتر کا کام کیا تھا جس کے نتیجے میں سارا چھپا ہوا لاوا یکلخت باہر آگیا تھا۔

"تم نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ پوری طرح سنجیدہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے پر اسے اپنے غلط فیصلے کا احساس ہو اور وہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر پسپائی اختیار کر لے" میری کہانی ختم ہونے کے کئی منٹ بعد ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ پہلی اور بنیادی بات تھی جسے میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا" میں نے ویرا کے سوال کا برا مانے بغیر پورے اعتماد سے جواب دیا "اگر میں اندازے کی غلطی نہیں کر رہا تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا مؤقف زیادہ سخت اور بے لچک ہوتا چلا جائے گا۔"

"کسی اور کے بارے میں پہلے سے کوئی بھی بات سو فیصد وثوق سے نہیں کہی جا سکتی" سلطان شاہ بولا "اگر کسی وجہ سے ویرا کا اندیشہ درست ثابت ہوا تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم آج بھی بدری کی مدد کے بغیر اپنے مشن پر کام کر رہے ہیں۔ اتنا ضرور ہوگا کہ اس وقت تک میں ملک سے باہر نکل چکا ہوں گا اور راس المیڈا کی لگائی ہوئی آگ آئزک بیل کے دامن کی طرف بڑھ رہی ہوگی۔"

"سب کچھ وہی رہے گا۔ بس میدانِ جنگ بدل جائے گا" ویرا تائیدی انداز میں بڑبڑائی۔

"تو کیا آپ بہت جلد روانہ ہونے کا ارادہ کر چکے ہیں؟" غزالہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

"میں سفری دستاویزات مکمل ہونے کے بعد ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گا۔ میں بالکل اکیلا جانا چاہتا ہوں تاکہ پوری بے فکری کے ساتھ اپنی لڑائی لڑ سکوں۔ اب اگر تم لوگوں نے مل کر ویرا کو میرے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ شوق سے امریکا جائے مگر وہ مجھ سے الگ رہے گی۔ حالات خراب ہوئے تو میں خود ہی اسے کہیں نہ کہیں تلاش کر لوں گا۔"

ویرا کے بارے میں' میں نے جن فقروں کو دہرایا' وہ بے مقصد نہیں تھے۔ میں تنہائی میں غزالہ کا سامنا کرنے سے پہلے اسے یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ مجھے ویرا کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوئی آرزو نہیں تھی۔

"میرے کاغذات موجود ہیں" ویرا نے میری بات مکمل ہونے پر انکشاف کیا "بس میرا قیام ویزے کی مدت سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اسے قانونی صورت مل جائے تو میں سفر کے لیے تیار رہوں۔"

مجھے یاد تھا کہ جن دنوں میں یورپ سے چھپتا چھپاتا پیٹرواک کے فرضی نام سے کراچی پہنچا تھا تو میرے تعاقب میں ویرا بھی چارٹرڈ کیے ہوئے ایک جہاز میں ماریا نا گبرائیل کے نام سے میلان سے پرواز کر کے کراچی پہنچی تھی۔ اس کا انطونیو نامی اطالوی ہواباز اسے کراچی پہنچانے کے چند روز بعد اپنے وطن واپس روانہ ہو گیا تھا۔ وہ ان دنوں کی بات تھی جب جمی لائیڈ اپنے پورے اختیار اور دبدبے کے ساتھ ٹی پر حکمرانی کر رہا تھا اور اس کی وجہ سے ہر شخص ویرا کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔

میں نے لمحوں ہی لمحوں میں اس نکتے کا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ٹی کی قیادت تبدیل ہونے کے ساتھ ماضی کی ہر بات ڈیوڈ اسٹارز والوں کے علم میں آ چکی تھی۔ میری وجہ سے وہ ویرا کے بھی خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے اس کی نقل و حرکت کا سراغ لگاتے ہوئے یہ بات ضرور معلوم کر لی ہوگی کہ ویرا نے یورپ سے آخری بار پاکستان کی طرف سفر کرتے ہوئے ماریا نا گبرائیل کا نام اختیار کیا تھا۔

ویرا کسی بین الاقوامی سفر میں دوبارہ وہی نام استعمال کرتی تو پہچانی جا سکتی تھی۔ امریکا میں کمپیوٹر ریکارڈ رائج ہونے کی وجہ سے اس کے پہچانے جانے کے امکانات بہت قوی تھے۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے کہا "اس بار تم کسی اور نام سے سفر کرو گی۔ پرانے

کاغذات کو جلا کر تلف کردو۔"

بحث ویرا کے خمیر میں شامل تھی۔ سوچے سمجھے بغیر وہ کسی بات پر اندھا دھند عمل نہیں کرتی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے سوالات کرنے شروع کردیے۔ بات سمجھ میں آتے ہی اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"نئے پاسپورٹ اور ویزوں کے لیے تم دونوں کی تصاویر درکار ہوں گی" اول خان نے کہا "یہ کام آج ہی کرلیا جائے تو بہتر ہوگا تاکہ ایک دو دن میں تیاری مکمل ہوسکے۔"

"ویزوں کا معاملہ سنگین ہے" ویرا بولی "ایک ساتھ ہم دونوں کی تصاویر امریکی قونصل خانے میں داخل کی گئیں تو دونوں ہی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ویزے ہی نہ ملیں۔"

میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت گمبھیر مسئلہ ہے۔ تصویر سے تمہیں پہچان لیا گیا تو تمہارے ساتھ میں بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔ ابھی تک ان کے پاس میری واضح تصویر نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے میں ان کے ریکارڈ پر آجاؤں گا۔"

"پھر تو ہمیں ویزا کے لیے الگ الگ درخواست دینی چاہیے۔ میں پہچان لی گئی تو تم بچے رہو گے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" سلطان شاہ نے فوراً فتویٰ جاری کردیا "تم لوگ عام شہریوں کی طرح درخواست دو تو الگ الگ رہ سکتے ہو۔ اس طرح ویزا ملنے میں دیر ہوگی۔ دونوں درخواستیں اول خان نے بھجوائیں تو وقت کا فرق ہونے کے باوجود دونوں کا تعلق پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔"

وہ نئی مصیبت تشویش انگیز تھی۔ اگر وہ ہماری تصاویر کی طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو بھی جاتے تو ہمیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دیتے۔ خاموشی سے ویزے جاری کردیے جاتے مگر نیویارک کے ہوائی اڈے پر اترتے ہی ہمیں گھیرے میں لے لیا جاتا۔ وہ لوگ میری اور ویرا کی گرفتاری کے اس آسان ترین موقع کو ضائع کر ہی نہیں سکتے تھے۔

"تم سفر کا ارادہ ملتوی کردو" میں نے ویرا سے کہا "میرا پاسپورٹ کلیئر ہونے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"لیکن اس طرح تمہاری تصاویر ان کے ریکارڈ میں شامل ہوجائیں گی۔ بعد میں انہیں علم ہوا کہ تم نے ایک فرضی نام سے امریکا کا سفر کیا تھا تو تمہاری یہ تصاویر ریکارڈ سے نکال کر مشتہر کرادی جائیں گی۔ میں کسی بھی قیمت پر یہ خطرہ مول نہیں لوں گا" اول خان دور کی بات سوچ رہا تھا۔

"پھر کوئی متبادل راہ نکالو" میں نے اس مسئلے کا سارا بوجھ اسی پر ڈال دیا۔

"اگر بدری اور رمیش بھارت سے اصل جیسے نقلی ڈالر لا سکتے ہیں تو اور کیا کام نہیں ہوسکتا۔ اخبارات میں کبھی کبھار جعلی ویزوں کا ذکر آتا رہتا ہے۔ میں اس کے بارے میں چھان بین کرتا ہوں۔ تم دونوں کو فرضی ناموں سے سفر کرنا ہے۔ پرانے مگر کارآمد پاسپورٹ ویزوں سمیت ہاتھ آجائیں تو ان پر تصویریں بدلنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ سارے خطرات خود بخود ٹل جائیں گے۔"

"یوں تم دونوں فرضی ناموں کے انتخاب سے بھی بچے رہو گے" سلطان شاہ نے کہا۔

اول خان کی تجویز ہر اعتبار سے بہتر اور مناسب تھی۔ میں اسی وقت ویرا اور غزالہ کو ساتھ لے کر تصاویر بنوانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

قریبی بازار میں تصاویر اتروانے کے بعد میں نے رسید سلطان شاہ کے حوالے کردی۔ یہ اس کی ذمے داری تھی کہ ایک گھنٹے بعد تصاویر لا کر اول خان کے حوالے کردیتا۔

"مجھے شہر کے دو جعل سازوں کے نام یاد آگئے ہیں" واپسی پر اول خان نے خوش خبری سنائی "ان میں سے کسی سے رابطہ ہوگیا تو شاید تمہارے پاسپورٹ آج ہی بن جائیں۔"

"میں بدری سے بات کرنے کے بعد تمہیں بتادوں گا تو نشستیں بھی تم ہی محفوظ کرالینا۔"

"اگر تم کل یا پرسوں روانہ ہوجاتے ہو تو نادرہ کا گھر ان دونوں کے رحم و کرم پر رہ جائے گا" سلطان شاہ نے مجھے یاد دلایا "تمہاری غیر حاضری سے رمیش کو شبہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"میں نے جن آدمیوں کو وہاں بھیجا ہے وہ بہت سمجھ دار ہیں۔ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے گا تو وہ مالکانہ دردمندی کے ساتھ نادرہ کے گھر کا دھیان رکھیں گے" اول خان نے کہا "ان کے چلے جانے کے بعد گھر مقفل کردیا جائے گا بس رمیش کا شبہ دور کرنے کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔"

"اس سے میں پہلے ہی ذکر کرچکا ہوں کہ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں ملک کے بالائی علاقوں کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس سے کہہ دوں گا کہ میرا پروگرام بن گیا ہے۔ میں ان دونوں کی روانگی کے انتظار میں اپنا وقت برباد نہیں کرسکتا۔"

الجھنیں سر ابھارنے کے بعد یکے بعد دیگرے معدوم ہوتی چلی جارہی تھیں۔ آثار و قرائن سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس بار ہمارے دشمنوں کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے اور قدرت نے ان کی سرکوبی کا فریضہ میرے ذمے ڈال دیا تھا۔

اس روز غزالہ خلافِ معمول ہمارے ساتھ بیٹھی رہی۔ وہ بار بار چور نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس سے شرمسار ہوا جارہا تھا۔ اسے چھوڑ کر ویرا کے ساتھ لمبے سفر پر اپنی روانگی کے بارے میں میں غزالہ کے دلی جذبات کو خوب سمجھ رہا تھا۔

کئی بار ارادہ کرلینے کے باوجود میں اپنے کمرے کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ میں ڈر رہا تھا کہ میرے اندر جاتے ہی غزالہ مجھے گھیر لے گی اور پھر شکوہ و شکایت کا ایسا سلسلہ شروع ہوگا کہ مجھے جواب دینا دشوار ہوجائے گا۔ وہ مجھے جس قدر چاہتی تھی، میں اسے اس سے زیادہ ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ روئے زمین پر وہی مجھے سب سے بڑھ کر عزیز تھی۔ میں جانتے بوجھتے ہوئے کبھی اس کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میری نظروں میں وہ حسن و وفا کی ایک ایسی دیوی تھی جسے قدرت نے ایک آسمانی انعام کی صورت میں مجھے عطا کیا تھا۔ اس نے اپنے ہر قول و فعل سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس نے اپنی نگاہوں میں میرا ایک ایسا بلند و بالا بت تراشا ہوا ہے جس کے سامنے دنیا کے ہر شوہر کا اخلاق اور کردار ہیچ ہے مگر ویرا کی وجہ سے کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میں نے خود کو اس مقام سے گرالیا ہو۔

میری زندگی میں ویرا کا عمل دخل میرے کسی نئے شوق کا نتیجہ نہیں تھا۔ وہ ان دنوں سے میرے سر پر مسلط تھی جب میں غزالہ سے متعارف بھی نہیں ہوا تھا۔ ان دنوں وہ شی کے مقامی حلقوں میں بلیک کوئن کے نام سے راج کرتی تھی اور ہمیشہ اپنے قیامت خیز سراپا کو سر سے پیر تک چست سیاہ لبادے میں سمیٹ کر نمودار ہوتی تھی۔ پھر حاکم و محکوم کا وہ رشتہ وقت کے دھارے میں دوستی کے روپ میں ڈھلتا چلا گیا۔ اس میں میری پسند سے زیادہ ویرا کی رنگین آرزوؤں اور احساسِ برتری کو دخل حاصل تھا۔ وہ اپنی پسند کے مردوں کو اپنے قدموں میں سرنگوں کرکے عجیب سی لذت حاصل کرتی تھی۔

وہ ایک عالم کو اپنے اشاروں پر نچاتی چلی آئی تھی، مجھے بھی نچانے کی کوششیں کرتی رہی لیکن میں نے اسے احساس دلادیا کہ میں اس سے دوستی کے رتبے سے گر کر اس کی غلامی قبول نہیں کرسکتا۔ بظاہر وہ ایک تصادم تھا۔ انا کے نشے میں چور مرد و زن کا ہولناک تصادم۔ ویرا کے لیے وہ تجربہ انوکھا اور سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس نے سپر ڈال دی اور ہماری دوستی قربتوں کی ایک نئی راہ پر پروان چڑھنے لگی۔

وہ چڑھتے ہوئے خون کے جذبوں میں ڈوبی ہوئی ماضی کی کہانیاں تھیں۔ کیف و سرمستی کا وہ دور گزر چکا تھا اور میں غزالہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہوکر اس سے عمر بھر کے لیے پیمانِ وفا باندھ چکا تھا لیکن ویرا ماضی کے منہ زور حوالوں سے کبھی کبھی میرے سر پر سوار ہوجاتی تھی۔ اسے دھتکارنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں ایسے کمزور لمحوں میں ہمیشہ غزالہ سے شرمندہ ہونے لگتا تھا۔

غزالہ کو وہ سب معلوم تھا۔ اس نے سوچ سمجھ کر میرا انتخاب کیا تھا۔ میری خوبیوں کے ساتھ وہ میری خامیوں کو بھی دل و جان سے قبول کرچکی تھی۔ ایک روایتی مشرقی لڑکی کی طرح اسے بھی معلوم تھا کہ چمنستانِ حیات کے لیے آرائش کا اہتمام کرتے ہوئے گلاب کے نرم و نازک لمس کے ساتھ سیج پر چند کانٹوں کو بھی گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان کانٹوں کے سروں پر ہی گلاب کھلا کرتے ہیں۔

غزالہ کے کردار کی وہ عظمت اور بے نیازی میرے گرد ایک نادیدہ زنجیر بن چکی تھی۔ میں نے بے لگام ہونے کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ویرا کی ہر سرکشی پر میں غزالہ سے نادم ہوا جاتا تھا۔

ایک بڑے فیصلے کے بعد غزالہ کو خلوت کے چند لمحے فراہم کیے بغیر میرا لوٹ جانا اس کے ساتھ ظلم سے کم نہ ہوتا۔ میں نے دل سخت کرکے اپنی جگہ چھوڑی اور خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں مجھے کوئی خاص کام نہیں تھا لیکن اندر جا کر میں نے خود کو یوں مصروف کرلیا جیسے میں ان ہی کاموں کے لیے کمرے میں آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ غزالہ میرے پیچھے پیچھے اندر آئے گی اور دروازہ بند کرکے اپنی بڑی بڑی، غزالی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر بہت کچھ کہے گی مگر کئی منٹ گزرنے کے باوجود وہ نہیں آئی۔

میری بے چینی بڑھنے لگی۔ آخر میں اسے پکارنے پر مجبور ہوگیا۔ "غزالہ! ذرا یہ دیکھ لو کہ میرے سفر کی پیکنگ میں تمہیں کون سی ضروری چیزیں شامل کرنی ہیں۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آگئی۔ اندر آتے ہوئے اس نے ہاتھ مار کر دروازہ بند کردیا تھا۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں، کمرا صاف پڑا ہوا تھا، میں نے پیکنگ کے لیے کچھ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ میری سب سے بڑی مزاج شناس تھی۔ گھنیری پلکیں جھکا کر والہانہ انداز میں میرے بازوؤں میں آگئی اور میرے کشادہ سینے سے اپنا چہرہ رگڑنے لگی۔

میرے سارے اندیشے باطل ثابت ہوئے۔ ایک طویل رفاقت میں اس نے سفر کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی لیکن میرے دل کے کسی دور دراز گوشے میں کہیں کوئی چور چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے خود ہی اس کے سامنے وضاحتوں کا ایک طویل سلسلہ پیش کرنا شروع کردیا۔ وہ بس ایک میٹھی اور دل نشین مسکراہٹ کے ساتھ وہ سب سنتی رہی جیسے کوئی فاضل جج کسی اناڑی ملزم کا صفائی کا بیان سن رہا ہو۔

میں چھ بجے وہاں سے نکلا تو اول خان تصاویر لے کر اپنی مہم پر روانہ ہوچکا تھا۔ سلطان شاہ کہیں غائب تھا۔ موقع دیکھ کر ویرا نے ڈرائنگ روم میں مجھے گھیر لیا۔

"یہ تم نے کراچی سے نیویارک تک الگ الگ سفر کی کیا رٹ لگا رکھی ہے؟" اس نے آنکھیں نکال کر سرگوشیانہ غراہٹ میں مجھ سے سوال کیا اور جواب سنے بغیر اپنا فیصلہ صادر کردیا "میں لندن میں تمہارے ساتھ رکوں گی۔ ہم اجنبی بن کر سفر کرسکتے ہیں لیکن ہماری پروازیں ایک ہی ہوں گی۔"

"تمہیں غزالہ کے جذبات کا ذرا بھی پاس نہیں ہے؟" میں نے ملامت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پاس نہ ہوتا تو اس وقت تم سے چوری چھپے بات نہ کررہی ہوتی۔ میں سمجھ گئی تھی کہ تم غزالہ کا دل رکھنے کے لیے ایسی الٹی

سیدھی باتیں کررہے ہو۔"

"وہ الٹی سیدھی باتیں نہیں تھیں، میں اب بھی یہی چاہتا ہوں" میں نے جھلّا کر کہا۔

"جھوٹ مت بولو" وہ نیچی آواز میں غرائی "میں تمہاری رگ رگ کو سمجھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی اور میں اسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہ گیا۔

میں فلیٹ سے روانہ ہو کر نادرہ کے گھر پہنچا تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور شہر میں اسٹریٹ لائٹس روشن ہوچکی تھیں۔ وہ دونوں اندھیروں کے استقبال کے لیے ایک مرتبہ پھر ڈرائنگ روم میں میز سجائے بیٹھے تھے۔ میں نے اندر قدم رکھتے ہی محسوس کیا کہ وہ دونوں آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی خشونت دور ہوچکی تھی۔

میرے لیے یہ اچھی بات تھی کہ ان کی کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھل چکی تھی۔

"آؤ علی شیر! آج تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہوجاؤ" مجھے دیکھتے ہی بدری نے بے تکلفی سے دعوت دی "ہمارا موڈ اچھا ہے' موسم بھی خوشگوار ہے۔ تم بھی خوشی مناؤ۔"

"خوشی کا تعلق آدمی کے اندر سے ہوتا ہے اور میں ہمیشہ خوش رہتا ہوں۔ خوشی کے اظہار کے لیے نشے میں دھت ہونا ضروری نہیں ہوتا" میں نے وہیں بیٹھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"زیادہ نہ لو تو ایک گلاس ہی لے لو۔ میرا دل خوش ہوجائے گا" رمیش یہ کہہ کر میرے لیے ایک خالی گلاس میں اسکاچ انڈیلنے لگا۔ اس کی توجہ گلاس پر مرکوز تھی۔ بدری نے سرہلا کر مجھے آنکھ ماری۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ میں رمیش کی پیش کش مسترد نہ کروں۔

"چلو یوں ہی سہی" میں نے کہا "اب بچھڑے تو پھر ہم نہ جانے کب ایک دوسرے سے ملیں۔ میں ایک آدھ روز میں بالائی علاقوں کے سفر پر چلا جاؤں گا۔ تم کب امریکا جارہے ہو؟"

"تمہاری تیاری مکمل ہوگئی؟" بدری نے حیرت سے سوال کیا جو ذومعنی تھا۔ اس نے میرے فقروں میں پوشیدہ مفہوم فوراً ہی پالیا تھا۔

"مکمل ہی سمجھو۔ میں کب تک یہاں بیٹھا تمہاری روانگی کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

"آج نک موڈلے سے بات ہوئی ہے۔ ہماری روانگی میں تین چار دن لگیں گے۔"

"میرے چلے جانے کے بعد میرے ملازم تمہارے آرام اور ضروریات کا پورا خیال رکھیں گے۔ حساب کی رقم بھی تم ان کو دے جانا۔ یہاں سے ائرپورٹ زیادہ دور نہیں ہے۔"

"تمہارے چلے جانے کے بعد نک موڈلے سے ہمارے پاسپورٹ اور ٹکٹ کون لائے گا؟ تمہیں معلوم ہے کہ ہم وہاں نہیں جاسکتے" رمیش نے چونک کر سوال کیا۔

"اس کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔ میرا آدمی روز صبح دس بجے تمہیں فون کرلیا کرے گا۔ تمہارے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق وہ مطلوبہ چیزیں میرے کسی ملازم کے ذریعے تم تک پہنچادے گا۔"

"جانے سے پہلے تمہیں بھی ایک بار نک موڈلے سے ملنا ہے" بدری ناتھ نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس خبر پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا "یہ ضرورت کیوں پیش آگئی؟"

"یہ نک موڈلے کی خواہش ہے۔ تم ہمارے جانے تک رکے رہتے تو ٹکٹ وغیرہ لینے کے لیے تم کو ہی بھیجا جاتا۔ اب میں نک سے بات کرکے تمہاری سہولت کے مطابق وقت لے لوں گا" بدری نے بتایا۔

میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوچکی تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو بدری ناتھ مجھ سے وہ ذکر ہی نہ کرتا۔ میں پہلے ہی ان دونوں پر واضح کرچکا تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر نک موڈلے کے پاس جانا پسند نہیں کروں گا۔

سکوت اور اعصاب شکن خاموشی کے چند لمحات بہت دھیرے دھیرے' سسک سسک کر گزرتے رہے۔ رمیش اگروال اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد فلسفیانہ انداز میں مسلسل چھت کی طرف گھورے جارہا تھا' بدری ناتھ کی چمکیلی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں اس کی بیان کی ہوئی نئی کتھا سے بری طرح مضطرب تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی بدری ناتھ نے دوستانہ انداز میں مجھے آنکھ ماری اور سوال کیا "کیا بات ہے؟ تم خاموش کیوں ہوگئے؟"

"میں نک موڈلے کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں" میں نے تلخی سے کہا "میں اس کا نہیں' تمہارا ملازم ہوں۔ اور اب تو یہ بات بھی پرانی ہوگئی۔ تم سے میرا معاہدہ ختم ہوچکا ہے۔ تم دونوں یہاں بن بلائے مہمان ہو اور میں تمہاری جلد از جلد واپسی کا خواہاں ہوں۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ میں ایک وقت میں ایک سے زیادہ مالکوں کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا۔ نک موڈلے اپنی خواہشوں کا اظہار کرتا رہے' میں اس کی خواہشات کو تکمیل تک پہنچانے کا پابند نہیں ہوں۔"

بدری ناتھ میری قطع کلامی کیے بغیر پورے صبر اور سکون سے میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہوجانے پر اس نے نرمی سے کہا "مجھے ہر بات اچھی طرح یاد ہے' تم ابتدا ہی سے اس وہم میں مبتلا تھے کہ نک موڈلے تم سے رابطہ ہونے کے بعد تم پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا۔ تم نے اپنے بجائے اپنے ساتھی کو نام کیٹ بنا کر یہ سب ٹالنے کی پوری کوشش کی مگر اب مجبوری ہے

نک ہمارا آقا ہے اور وہ تم سے ملنے کا خواہاں ہے۔ میری عزت کی خاطر تم کو اس سے مل لینا چاہیے۔"

"ہرگز نہیں" میں نے سختی سے جواب دیا "وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے کیکر کا بیج معلوم ہوتا ہے۔ اس نے وہی چاہا ہے جو میں کسی بھی قیمت پر منظور نہیں کرسکتا۔ وہ مجھ سے ملے گا اور پھر کوئی نادر شاہی فرمان سنادے گا۔ میں اس کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" بدری ناتھ نے پوچھا۔

"یہ میری فطرت ہے۔ میں کسی کی برتری تسلیم نہیں کرسکتا" میں نے اسی لب ولہجے میں کہا "تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ جب تم نے میرے ساتھ پولیس مین بننے کی کوشش کی تو بات بگڑ گئی تھی۔ تم نرمی اختیار نہ کرتے تو اس وقت ہم یکجا نظر نہ آتے۔ میں نے تمہارے ساتھ مفاہمانہ تعاون کیا ہے اور اس کی قیمت وصول کی ہے۔ میں پیسے لے کر بھی کسی کی غلامی نہیں کرسکتا اور وہ اسی مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم دونوں کو خرید لینے کے بعد مجھے بھی اپنا زرخرید سمجھ رہا ہے۔ میں اس کا یہ گھمنڈ خاک میں ملادوں گا۔"

"ہم جانتے ہیں" رمیش اگروال نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا "تم نے اسی وجہ سے را میں شامل ہونے کی پیش کش ٹھکرائی ہے اور امریکا جانے پر بھی آمادہ نہیں ہو...... یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر تمہاری ضد سے ہمارا کام بگڑ جائے گا۔"

"میں نے تمہارے کام سنوارنے کا ٹھیکا نہیں لیا ہوا ہے" میں نے سردمہری سے کہا۔

"اس سے ایک بار مل لینے میں حرج ہی کیا ہے؟" بدری ناتھ نے بے بسی سے پوچھا۔

"حرج نہیں ہے تو تم مجھے یہ سمجھادو کہ اس سے ملنے میں میرا کیا فائدہ ہے۔"

وہ دونوں لاجواب ہو کر چند ثانیوں تک میرا منہ تکتے رہے پھر بدری نے دھیرے سے کہا "فائدہ چاہتے ہو تو اس کا بھی بندوبست ہوجائے گا۔ ہم نک موڈلے سے ملاقات کے لیے تمہیں معاوضہ ادا کرسکتے ہیں..."

میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے برہمی سے کہا "رقم کا لالچ مت دو۔ پیسے لے کر بھی میں وہی کام کرتا ہوں جو مجھے پسند ہوتا ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں محض پیسے کے لالچ میں کسی کو قتل کرنے یا کسی کی عزت لوٹنے پر آمادہ ہوجاؤں گا تو تم غلطی پر ہو۔"

ان دونوں سے میری وہ برجستہ تکرار چل رہی تھی مگر میرے ذہن میں ایک خلفشار سا برپا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ معاملات خوش اسلوبی سے چلتے چلتے نک موڈلے کو اچانک ہی مجھ سے ملاقات کی ضرورت کیوں پیش آگئی تھی۔ بظاہر یوں معلوم ہورہا تھا جیسے اسے میری ذات پر کوئی شبہ ہوگیا ہو اور وہ اس کی تصدیق کے لیے مجھ سے ملنے کا خواہاں ہوگیا ہو۔

نک موڈلے کی طرف سے وہ پریشانی اپنی جگہ پر تھی مگر دوسری چیز جو میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی' یہ تھی کہ اس سنسنی خیز انکشاف پر تکرار کا آغاز ہونے سے پہلے بدری ناتھ نے رمیش اگروال سے نظر بچا کر مجھے دوستانہ انداز میں آنکھ کیوں ماری تھی۔ وہ مجھے مزاحمت پر اکسا رہا تھا یا پھر مجھے نرم اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کی تلقین کرنا چاہ رہا تھا۔

"دیکھو علی شیر!" بدری نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "رمیش نے غلطی سے تمہیں بتادیا ہے کہ نک موڈلے ہم دونوں کو کسی خاص نوعیت کی تربیت کے لیے امریکا بھیج رہا ہے۔ اس کی طرف سے اپرٹیس لانے والا تمہارا ہی آدمی تھا۔ میں نے خود اس سے بات کرکے معلومات حاصل کی ہیں۔ تم نے جس تندہی اور مستعدی سے اپنے کام سرانجام دیے ہیں اس کی بنا پر نک موڈلے بھی شاید متاثر ہوا ہے۔ اسے مقامی کارکنوں کی ضرورت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے مل کر تمہاری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہ رہا ہو۔ مطمئن ہوگیا تو وہ تمہیں بھی ہمارے ساتھ تربیت پر بھیج سکتا ہے۔"

"مگر میں تربیت پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ میں نے اتنی زندگی گزار کر جو کچھ سیکھا ہے وہ میری بقیہ زندگی کو پُرسکون اور آرام دہ بنانے کے لیے بہت کافی ہے۔"

بدری کی زبان سے اپرٹیس کا ذکر سنتے ہی میرا ذہن اس گفتگو کی طرف بھٹک گیا جو بدری ناتھ اور نک موڈلے کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ بہت واضح اور دوٹوک گفتگو تھی۔ سلطان شاہ امریکی قونصل خانے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے بھی نک موڈلے کو متاثر نہیں کرسکا تھا۔ اس نے بدری ناتھ سے کہہ دیا تھا کہ اس کی دانست میں بدری کا بھیجا ہوا آدمی وفادار ہوسکتا تھا مگر سمجھ دار نہیں تھا۔ اس الزام تراشی کے جواب میں بدری ناتھ نے میرے کچھ گن گائے تھے۔ اس پر بھی نک موڈلے کا ردِعمل حوصلہ افزا نہیں تھا۔ اپنی باتوں سے وہ بہت تجربے کار اور عملی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ جو کارکن ہر غلطی سے مبرا اور سوفیصد قابلِ اعتماد نظر آئیں' سب سے زیادہ مشکوک ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں اور ان فطری غلطیوں سے بھی احتراز کرتے ہیں جو انسانی معمولات میں شامل ہوتی ہیں۔

اپنے ذہن میں بدری ناتھ اور نک موڈلے کی وہ ریڈیائی گفتگو تازہ کرتے ہوئے مجھے گمان ہوا کہ بدری ناتھ کی تعریف وتوصیف کی بنا پر نک موڈلے میری طرف سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہوچکا تھا اور محض اسی وجہ سے وہ مجھ سے روبرو ملاقات کا متمنی تھا۔

"تم ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہو" رمیش کی تلخ آواز نے مجھے چونکادیا۔ وہ کہہ رہا تھا "تم نک موڈلے سے اس طرح بھاگ رہے ہو جیسے تم نے اس کے گھر ڈاکا مارا ہو اور تمہیں ڈر ہو کہ وہ تمہیں دیکھتے ہی پہچان لے گا۔ تم ایک طرف خوب

گڑ کھا رہے ہو مگر دوسری طرف گلگلوں سے پرہیز کر رہے ہو۔"

رمیش نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ہرچند کہ میں نے نک موڈلے کے گھر ڈاکا نہیں ڈالا تھا مگر پھر بھی بات یہی تھی کہ وہ مجھے ڈینی کی حیثیت سے شناخت کر سکتا تھا اور ڈینی ان لوگوں کی لغت میں ایک ناقابلِ معافی نام تھا۔ میرا نام سامنے آتے ہی سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ جاتا۔

رمیش کی اس معقول بات کا جواب میں نے بہت جارحانہ تیوروں سے دیا۔ نک موڈلے، اس کے گھر اور گھر والوں کو چند ثقیل گالیاں دیں پھر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ میں کسی وفادار کتے کا مغز رکھا ہوا ہے جو تم ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ اس نے مجھ سے ملاقات کی خواہش اب ظاہر کی ہے۔ میں تو پہلے سے اس کے نام پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ میرے لیے وہ مردود اور ملعون ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی قیمت پر بھی اس سے نہیں ملو گے؟" بدری ناتھ نے قدرے بدمزگی سے استفسار طلب لہجے میں کہا۔

میں نے فوراً ہی ایک قلابازی کھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس گدھ سے ملنے میں ذرا بھی اعتراض نہیں ہے مگر میں اس کی نہیں، اپنی شرائط پر ملوں گا۔"

رمیش اگروال کی نگاہوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔ اس نے پوچھا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ کیا تمہارے ذہن میں کوئی متبادل تجویز ہے؟"

"اسے خارش ہے تو اسی کو پیش قدمی کرنی ہو گی۔ میں قونصل خانے نہیں جاؤں گا۔"

میری برہمی اور بدکلامی کو وہ دونوں بہت تحمل سے نظرانداز کر رہے تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ بات زیادہ بگڑنے نہ پائے اور وہ مجھے نک موڈلے سے ملاقات پر آمادہ کر لیں۔ میرے آخری فقرے پر بدری نے کہا "تمہاری بات واضح مگر ذرا ادھوری ہے، تم خود ہی اس کی وضاحت کر دو تو بہتر ہو گا۔"

"وہ مجھ سے ملنے کے لیے اتنا ہی بے چین ہے تو اسے یہاں آنا ہو گا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ مشکل ہو گا، وہ یہ تجویز سنتے ہی بھڑک جائے گا" بدری ناتھ مایوسی سے بولا۔

"کراچی میں کافی دنوں سے امریکی شہریوں کے ساتھ برا سلوک ہو رہا ہے" رمیش نے بدری کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "بھارت کے اخباروں میں آئے دن کسی نہ کسی امریکی کے قتل کی خبریں چھپتی رہتی تھیں اور پھر میں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ ان لوگوں کو اپنے دفاتر اور گھروں تک محدود ہو جانے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے انہیں مقامیوں اور اجنبیوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ یہ سب اسی ڈینی کی وجہ سے ہوا تھا جو ان کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے۔ انہوں نے ڈینی کو اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس کی گرفتاری پر بھاری انعام رکھا ہوا ہے مگر پھر بھی وہ ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔ وہ وارداتیں کرتا ہے اور کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں نک کبھی بھی ادھر نہیں آئے گا۔"

"پھر اس قصے کو یہیں ختم سمجھو۔ اگر وہ ڈینی سے اس قدر دہشت زدہ ہے تو مجھے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اس سے ملنے کے لیے گیا تو ڈینی کی نگاہوں میں آسکتا ہوں۔ وہ امریکیوں کا دشمن ہے تو ان کے ہمدردوں کا بھی دوست نہیں ہو سکتا۔ نک موڈلے آج یہاں ہے، کل اس کا کہیں اور تبادلہ ہو جائے گا۔ مجھے ہمیشہ ڈینی کے اسی شہر میں رہنا ہے۔ میں دربا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر مول نہیں لے سکتا۔"

"تم بہت ضدی ہو" بدری نے بے بسی سے کہا "میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ اب میں کسی نہ کسی ترکیب سے نک کو ہ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اب تم مجھے اس مکان کا صحیح ب بتا دو۔ اگر وہ تم سے ملنے کے لیے یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا تو مجھے اس کو پتا بتانا ہو گا۔"

بدری بول رہا تھا اور میرا ذہن کام کر رہا تھا۔ مجھے بدری ناتھ اور نک موڈلے کی وہ گفتگو اچھی طرح یاد تھی جو سلطان شاہ کے لائے ہوئے اپریٹس پر پہلی بار ہوئی تھی۔ نک نے مقامیوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے بدری سے اس کی کمین گاہ کا پتا معلوم کرنا چاہا تھا۔ بدری اس معاملے میں بالکل کورا تھا اس لیے بات ٹل گئی تھی ورنہ اس بات کا امکان تھا کہ بدری سے اس گھر کا پتا لینے کے بعد نک موڈلے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے کسی آدمی کو نادرہ کے اس گھر کی نگرانی پر مامور کر دیتا۔

میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی تھی کہ بدری کو گھر کا پتا بتا کر میں نک موڈلے کے اسی جال میں پھنس سکتا تھا۔ میں نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ سب سوچا اور پھر بے نیازی سے بول پڑا "خود کو زمین کا خدا سمجھنے والا کوئی شخص اتنی آسانی سے کہیں نہیں آجا سکتا۔ تم اس سے بات کر لو۔ اگر اس کی فرعونیت میں کمی آ جائے تو پھر میں تمہیں یہاں کا پتا بھی بتا دوں گا۔ میں اپنے ٹھکانوں کی بلاوجہ تشہیر پسند نہیں کرتا۔ وہ یہاں آئے یا نہیں آئے، تم چند روز بعد امریکا جاؤ گے۔ بعد میں وہ کسی اجرتی قاتل کو یہاں بھیج کر میرا کام تمام کروا دے گا تاکہ تمہارے اور اس کے مراسم کا کوئی گواہ باقی نہ رہے۔"

"تم کسی بات پر نہیں ٹک رہے۔" میرے جواب نے بدری کو خاصا بددل کر دیا "میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی مگر میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خاصا خوں خوار اور بد دماغ آدمی ہے۔ پتے کے بغیر میں نے اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کی تو وہ برہم ہو جائے گا۔"

"الزام تراشی مت کرو۔" میں نے ترشی سے کہا "میں شروع سے اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں امریکی قونصل خانے جاؤں گا اور نہ وہ اس گھر میں آئے گا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے اتنا ہی بے چین ہے تو یہ ملاقات شہر کے کسی بھی سینما، بڑے ہوٹل یا پارک میں ہو سکتی ہے......"

"پہلے تم اسے یہاں بلانے کی بات کر رہے تھے۔" بدری نے میری بات کاٹ کے احتجاج کیا۔

"تمہاری پیدا کی ہوئی باریکیاں مجھے دوراز کار خطرات کا احساس دلا رہی ہیں۔ ان خطرات کے پیشِ نظر مجھے اپنی ہر حکمتِ عملی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی لانی پڑ رہی ہے۔ میں تمہیں یہاں کا پتا نہیں دے سکتا۔"

"اچھی طرح سوچ لو۔" رمیش نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد تلخی سے کہا "ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں کوئی خطرہ سجھائی دے اور تم نئی قلابازی کھا کر نک موڈلے سے ملنے سے منکر ہو جاؤ۔"

"وہ تم دونوں کے لیے خوں خوار یا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے کسی چوہے کی طرح بے ضرر ہو گا۔"

"تمہارے سامنے وہ بعد میں آئے گا۔ پہلے مجھے اس کی جرح کا سامنا کرنا ہو گا۔" بدری نے کہا۔

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔" میں نے بے رخی سے کہا "تم سوچو کہ اس سے کیسے نمٹو گے۔"

"ختم کرو" رمیش اکتائے ہوئے لہجے میں بولا "نک موڈلے اپنے بعض تحفظات کی بنا پر علی شیر سے ملنا چاہتا ہے اور علی شیر اس کی طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہے۔ تم یہ صورتِ حال نک موڈلے کو من و عن بتا دو۔ وہ اپنا فیصلہ خود ہی سنا دے گا۔"

"تم یہی چاہ رہے ہو؟" بدری ناتھ نے پُراذیت لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں کچھ بھی نہیں چاہ رہا" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "حقائق تمہارے سامنے ہیں۔ تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ اس بارے میں، میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ میرے لیے نک موڈلے اس وقت بھی ایک اجنبی بھیڑیا ہے جس نے تم دونوں کو دہشت زدہ کیا ہوا ہے۔"

"اس کے بارے میں ایسے غیر محتاط الفاظ استعمال مت کرو" بدری ناتھ نے تادیبی لہجے میں کہا "اسے تمہارے ان الفاظ کی بھنک بھی مل گئی تو وہ تمہاری چمڑی گرا دے گا۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا "یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک درندہ ہے۔ وہ مجھ سے مل کر مطمئن ہو گیا تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ اس کا اطمینان نہ ہو سکا تو وہ کسی خونخوار بھیڑیے کی طرح میرے پیچھے لگ جائے گا۔ میں ایسی خواہ مخواہ کی دشمنی مول نہیں لیتا۔ رہی میرے غیر محتاط الفاظ کی بات تو یہ باتیں تم دونوں ہی اس تک پہنچا سکتے ہو۔ یہاں تمہارے سوا کوئی اور موجود نہیں ہے۔"

"کوئی موجود ہو یا نہ ہو، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" رمیش نے تلخ لہجے میں کہا "ویسے بھی میرا یہاں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ اپریٹس بدری ناتھ کے قبضے میں ہے۔ میں چاہوں تب بھی نک موڈلے سے بات نہیں کر سکتا۔"

"یہ تمہارے آپس کے مسائل ہیں" میں نے بے پروائی سے کہا "انہیں تم خود حل کرتے رہو۔ مجھے دیواروں کے کان ہونے کا یقین دلانے کی ضرورت نہیں۔ یہ باتیں نک تک تم دونوں کے سوا تیسرا آدمی نہیں پہنچا سکتا۔"

اس طویل تکرار سے وہ دونوں ہی زچ ہو گئے تھے۔ میں نے بات آگے بڑھانے کے بجائے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

بدری ناتھ نے اپریٹس ملنے کے بعد نک موڈلے سے پہلی بار بات کی تو میں نے اس کا ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سنا تھا مگر مجھے اس کے دوسرے رابطے کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ گمان یہی تھا کہ دوبارہ نک موڈلے نے خود ہی اس سے رابطہ کیا ہو گا کیونکہ پہلی بار بات کرتے ہوئے اس نے بدری ناتھ پر واضح کر دیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ خود ہی اس سے بات کرے گا۔

میں نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ بند کر کے ایف ایم بینڈ پر ٹیون کیا ہوا ریڈیو دھیمی آواز میں آن کر دیا۔ اس بار میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتوں سے بالکل بے خبر رہوں۔

وہ سب ہیروئن کی عالمی تجارت پر بالادستی حاصل کرنے کی خواہش کے شاخسانے تھے۔

ایک زمانے میں پاکستان افیم کی پیداوار میں امتیازی مقام رکھتا تھا۔ ملک کے سرحدی اور پہاڑی علاقوں میں اس قدرتی نشے کو بہترین نقد فصل کا درجہ حاصل تھا جو پودوں پر پھول کھلنے سے پہلے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی تھی مگر جب یورپ کے ماہرین نے افغانستان میں خود سر قبائلیوں کو افیم سے ہیروئن تیار کرنے کی ترغیب دی تو افیم کا پیداواری مرکز خود بخود افغان سرحدی علاقوں میں منتقل ہو گیا۔ وہ چاروں طرف سے خشکی میں گھرا ہوا ایک پسماندہ اور بحران زدہ ملک تھا اس لئے وہاں تیار ہونے والی ہیروئن کے کاروبار میں پاکستان کی راہداریاں استعمال ہونے لگیں۔ یہ کاروبار ہی پاکستان میں ٹی کی دلچسپی کا سبب بنا اور جب ایک بار ٹی نے یہاں اپنے قدم جما لئے تو اس کے گماشتے دوسری سمتوں میں بھی مقدر آزمائی کرنے لگے۔

ٹی کے پاس مالی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ تخریب کاریوں کے لئے پاکستان کی فضا سازگار تھی، بھارتی ایجنسیاں پہلے سے اس علاقے میں سرگرم تھیں۔ امریکی مفادات نے اس سازشی الاؤ کے

لئے ایندھن کا کام سرانجام دیا اور نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت ہر کس و ناکس پاکستان کے خلاف برسرِپیکار تھا۔

میں بستر پر دراز اپنے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کی کڑیاں یکجا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ بند کمرے کی محدود فضا میں ائرکنڈیشنر کی دھیمی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔ کھلے ہوئے ریڈیو پر سکوت طاری تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکی سی نامانوس دستک سنائی دی۔

اول خان کے تینوں آدمی میرے طلب کئے بغیر کمرے میں نہیں آتے تھے۔ میں نے پھرتی سے ریڈیو کا سوئچ بند کیا اور بستر پر لیٹے ہی لیٹے کم آن کی آواز لگائی۔

اگلے ہی لمحے بدری ناتھ دروازہ کھول کر اندر آگیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میں رمیش سے یہ کہہ کر آیا ہوں کہ ایک بار پھر تمہیں سمجھانے کی کوشش کئے لیتا ہوں..."

"تو کیا اس وقت تمہاری آمد کا کوئی اور مطلب ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ تمہارے انکار سے معاملہ خراب بھی ہوسکتا ہے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں تمہارے کہنے پر شاید اس سے مل بھی لیتا لیکن اس کے حکم پر حاضری دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے، تم اس سے جو چاہو کہہ سکتے ہو۔"

"رمیش تمہارے انکار پر بہت برہم ہے۔ ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔"

"میرے سامنے اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے کینہ ظاہر ہوتا۔ کیا بعد میں وہ تم سے کچھ کہہ رہا تھا؟" میں نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے نوکر کسی نہ کسی کام یا خدمت کے بہانے ہمارے آس پاس منڈلاتے رہتے ہیں" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "تمہارے لوٹتے ہی خانساماں وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کی موجودگی کی وجہ سے رمیش خاموش رہا مگر میں نے اس کی آنکھوں میں درندگی جھلکتی دیکھی ہے۔ اب کمرے میں جاؤں گا تو وہ یقیناً بات کرے گا۔"

"میری چھت کے نیچے اس نے کوئی سازش کرنے کی کوشش کی تو پچھتائے گا۔ اگر تم مجھے نہ روکو تو میں آج ہی اس کا کام تمام کرسکتا ہوں۔"

"فی الحال یہ میری مجبوری ہے۔ تم اشتعال میں بھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے چھوٹے موٹے سمجھوتے کرنے ہی پڑتے ہیں۔"

"پانی سر سے اونچا ہونے لگے تو پھر سب کچھ بھول جانا پڑتا ہے۔"

وہ فکرمندانہ انداز میں سہلاتا ہوا میرے کمرے سے رخصت ہوگیا۔

اس کے جاتے ہی میں نے دروازہ بولٹ کرکے دوبارہ ریڈیو آن کردیا۔

چند ثانیوں بعد ان دونوں کے کمرے میں چھپے ہوئے لاسلکی مائیکرو فون کے ذریعے ریڈیو پر کچھ آہٹیں سنائی دیں پھر رمیش کی بھرائی ہوئی تلخ آواز ابھری "تمہارے چہرے سے ظاہر ہورہا ہے کہ تم ناکام واپس آئے ہو۔ میرے لئے علی شیر ناقابلِ برداشت ہوگیا ہے۔"

"مجھے بھی اس سے محبت نہیں ہے" وہ بدری کی آواز تھی "مگر ہم اس سے مدد لینے پر مجبور ہیں۔ اس سے بگاڑ پیدا ہوگیا تو ہم اس پناہ گاہ سے محروم ہوجائیں گے۔"

"حیرت ہے کہ تمہاری سوچ اس قدر کمزور ہوگئی ہے۔ نک موڈلے سے ایڈریس مل جانے کے بعد اب ہم اتنے مجبور نہیں رہے ہیں کہ علی شیر کی منہ زوریاں سہتے رہیں۔ دو چار دن ہم کہیں بھی گزار سکتے ہیں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" بدری کی آواز قدرے تحیر زدہ سی ہوگئی۔

"علی شیر ہم سے بہت مال سمیٹ چکا ہے اور اب سیر سپاٹے کے لئے جانے والا ہے۔ میری مانو تو آج رات ہی اس کی گردن کاٹ کے خاموشی سے یہاں سے نکل چلو' یہ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔"

"بھروسے کے قابل نہ ہوتا تو مدن موہن کا مہربند لفافہ جوں کا توں لاکر نہ دیتا۔"

"اس سے کیا فرق پڑا! ہم نے احمقوں کی طرح خود ہی اسے وہ پیغام سنادیا۔"

"وہ بعد کی بات تھی۔ خط لاتے ہوئے علی شیر کو کیا پتا تھا کہ ہم اس سے اتنا کھل جائیں گے۔ وہ اکھڑ اور ضدی ضرور ہے مگر اتنا برا نہیں ہے کہ اسے مار ڈالا جائے۔ اس نے آڑے وقت میں ہمارا ساتھ دیا ہے اور اب بھی ہم بے فکری سے یہاں رہ رہے ہیں۔ اسے مار کر نکل جانا ہمارے لئے اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اس کے تینوں ملازم کم بولتے ہیں مگر وہ تینوں چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں پورا شہر چھان ماریں گے۔"

"میں اتنا بدھو نہیں ہوں کہ علی شیر کو مارنے کے لیے بعد ان کو چھوڑ دوں۔ اپنے خلاف ... گواہ زندہ چھوڑا تو ہم امریکا جانے کے بجائے یہیں الجھ کر رہ جائیں گے۔ کام ہوگا تو پورا ہی ہوگا۔"

"کھل کر بات کرو کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے۔ ایک آدمی کی بدزبانی پر ہم چار آدمیوں کا خون کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ نک موڈلے بھی یہ بات پسند نہیں کرے گا۔"

"نک ہمارے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کرسکے گا۔ بات علی شیر کی بدزبانی کی نہیں ہے میں اس سے بھی آگے بہت

...مجھ رہا ہوں۔ یہ ہماری آستین کا سانپ ثابت ہوسکتا ہے۔"
...میں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔ پوری بات جانے بغیر میں کیا فیصلہ کرسکتا ہوں۔"

"مجھے شبہ بلکہ یقین ہے کہ علی شیر ڈینی کا کوئی قریبی ساتھی ہے" رمیش کے وہ الفاظ سنتے ہی میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ اس نے وہ انکشاف اچانک ہی کیا تھا۔ پتا نہیں مجھ سے کہاں لغزش ہوئی تھی کہ اس کینہ پرور شخص کو وہ رائے قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"علی شیر ڈینی کا ساتھی کیسے ہوسکتا ہے؟" بدری ناتھ کی ...سراتی ہوئی آواز آئی۔

"ڈینی کوئی ہوّا نہیں ہے۔ وہ بھی ہم جیسا ایک عام انسان ہے۔ اس کے گروہ میں بہت سے لوگ شامل ہوں گے جو اس کی ہدایت پر قتل و غارت اور دہشت گردی کی وارداتیں کرتے ہوں گے۔ علی شیر ان ہی میں سے کوئی مشہور آدمی ہے۔ امریکیوں سے ان لوگوں کے پرانے جھگڑے چل رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ علی شیر بھی اشتہاری مجرم ہو۔ وہ اسی وجہ سے نک کے پاس جانے سے گریز کررہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہاں جاتے ہی وہ پہچان لیا جائے گا اور اس کا کھیل ختم ہوجائے گا۔"

"تمہاری باتیں قرینِ قیاس ہیں مگر میرا دل نہیں مانتا کہ ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکا ہوا ہے۔ وہ خود ہمارے پاس نہیں آیا۔ ہم حاجی دل مراد کے آدمی کے ذریعے اس سے ملے تھے۔"

"بس یہی ایک بات علی شیر کے حق میں جاتی ہے۔ ویسے غور کرو تو حاجی دل مراد بھی بے ایمان آدمی ہے۔ جو شخص امانت کی رقم ڈکار لیے بغیر ہضم کرسکتا ہے وہ ہمارے بارے میں ڈینی کے آدمیوں سے کوئی سودا بھی کرسکتا تھا۔ موجودہ حالات میں ہم اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرسکتے۔"

"تم نے مجھے سوچ میں ڈال دیا ہے۔ اگر نک کو تمہارے ان شبہات کی ہوا بھی لگ گئی تو سمجھ لو کہ ہم دونوں کی تقدیر پر مہر لگ جائے گی۔ وہ ہماری اس لغزش کو معاف نہیں کرے گا۔"

"ان چاروں کو مار کر ہم نک کے سامنے سرخرو ہوسکتے ہیں۔ اسے یہ بات پسند آنی چاہیے کہ ہم غافل نہیں ہیں۔ دھوکا کھانے کے بعد فوراً ہی اس کا ازالہ بھی کرلیا۔"

"تم بات نہیں سمجھ رہے۔ اگر تمہاری کہانی کو درست مان لیا جائے تو یہ قصہ علی شیر اور اس کے تینوں نوکروں تک نہیں رہا ہے۔ علی شیر نے ڈینی کو ہر بات کی خبر دی ہوگی۔ اچھا ہوا کہ تم نے کھل کر مجھے یہ سب بتادیا۔ اب فیصلہ کرنے میں جلدی مت کرو۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔ میں علی شیر کو ایک مرتبہ پھر ٹٹولوں گا۔ اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔"

اس وقت وہ دونوں بظاہر بڑے خلوص سے باتیں کررہے تھے۔ مجھے رمیش کے بارے میں بہت زیادہ اندازہ نہیں تھا مگر بدری ناتھ میرے سامنے کھل چکا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں رمیش اور نک کے خلاف نفرتوں کا زہر بھرا ہوا تھا۔ ان دونوں کو نیچا دکھانے اور خاک چٹوانے کے لیے وہ ایک لمبا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ رمیش کے نئے خیالات اسے میری طرف سے بدگمان نہیں کرسکیں گے کیونکہ وہ تربیت سے واپسی پر آخر کار ڈینی سے خفیہ تعاون کا فیصلہ کئے بیٹھا تھا۔

رمیش اگروال کی تمام باتوں سے یہ تاثر بہت قوی ہوکر ابھرا تھا کہ وہ اپنی مفروضہ ہر بات کو نک موڈلے کے کانوں تک پہنچانے کے لیے بے چین تھا۔ اس کی اس خواہش کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ نئی کہانی سے واقف ہونے کے بعد نک موڈلے غلط فیصلے کی ساری ذمے داری بدری پر ڈال دیتا کیونکہ وہی لیڈر تھا۔ رمیش سرد مہری سے اس کا ساتھ چھوڑ دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ بدری

کسی بڑے عتاب میں مبتلا ہو جاتا اور اس کی ذمے داریاں خود بخود رمیش کو منتقل ہو جاتیں۔

"تم کل تک کوئی فیصلہ کرلو۔ میں ان تمام باتوں کو اپنے دماغ میں جتنا گھما رہا ہوں' میرے شبہات اسی قدر پکے ہوتے جارہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی رائے تم پر نہیں تھوپ سکتا۔ بس مشورہ دے سکتا ہوں کیونکہ بڑے تم ہو اور فیصلے کا اختیار تم ہی کو ہے۔"

"غصہ تھوک دو اور ایسی کڑوی کسیلی باتیں مت کرو۔" بدری کی کھسیائی ہوئی ہنسی کی آواز کے ساتھ اس کے الفاظ سنائی دیے "ہم دونوں برسوں کے ساتھی ہیں اور ہمیں مل جل کر ہی کسی نتیجے پر پہنچنا ہے۔ آج کی رات سکون سے گزار لو۔ کل ہم بیٹھ کر دوبارہ بات کریں گے۔"

"تم علی شیر کو اسی وقت کیوں نہیں ٹٹول لیتے۔ ہمارا وقت بچ جائے گا۔"

"میں ابھی اس کے کمرے میں ہو کر آیا ہوں۔ اس سے یوں بار بار چھیڑ چھاڑ کی گئی تو وہ بدک جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے کچھ کرنے سے پہلے وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرگزرے۔"

"اب تمہیں بھی اس سے خوف محسوس ہو رہا ہے؟" رمیش کی آواز استہزائیہ سی تھی۔

"جب تک علی شیر کی پوزیشن صاف نہیں ہو جاتی' اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔"

"مگر میں آج کی رات بے کاری میں برباد نہیں کروں گا۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔"

"کیسا کام؟" بدری ناتھ کے لہجے سے حیرت مترشح تھی۔

"ویسے تو علی شیر کے تینوں نوکر باہر ہی سوتے ہوں گے مگر میں پھر بھی رات میں گھر کا جائزہ لوں گا۔ ان چاروں کا کام تمام کرنے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کون کہاں سوتا ہے۔"

"تمہارے سر پر چار خون سوار ہو چکے ہیں۔ اگر علی شیر کے ہاتھ صاف ہوئے تو تمہاری یہ محنت اکارت جائے گی۔ تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تیز چلنا چاہ رہے ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ میری پرانی خوبی یا کمزوری ہے اور اس سے مجھے کبھی نقصان نہیں ہوا۔"

ان دونوں کی اہم گفتگو ختم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ہی سرور میں تھے۔ ان کی نوک جھونک سے مجھے مزید کوئی کارآمد بات معلوم ہونے کی امید نہیں تھی۔ میں نے ریڈیو بند کردیا۔

میں دروازہ کھول کر خوابگاہ سے باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر محتاط ہو چکا تھا۔

معمول کے مطابق اس وقت بھی خانساماں باورچی خانے میں رات کا کھانا بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دور ہی سے اشارہ کرکے ڈرائیور کو بلایا اور دوبارہ اپنے کمرے میں گھس گیا۔ اس مرتبہ میں نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کا وہ آدمی مؤدب ہو کر کمرے میں آ... میں نے اسے رمیش کے خونی عزائم سے آگاہ کرنا غیر ضرور... سمجھتے ہوئے احتیاطی تدابیر کے بارے میں ضروری ہدایات د... کے ساتھ تاکید کردی کہ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی باخ... کردے۔

ہم نے جب سے نادرہ کا مکان آباد کیا تھا وہاں سکون ہی سکو... تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس میں اول خان کے تینوں آدمیوں کا ز... عمل دخل نہیں تھا۔ صرف اس وقت تھوڑی سی سنسنی پیدا ہ... تھی جب بدری ناتھ نے پچھلی رات میرے کمرے میں آکر با... کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کا مدعا ظاہر ہونے کے ب... واقعات کا رخ تبدیل ہو گیا تھا اور وہ رات بھی سکون سے گز... تھی۔ میری نئی ہدایات سن کر اول خان کے آدمی کی آنکھیں چ... اٹھیں۔ ان تینوں کے لیے وہ اپنی افادیت ثابت کرنے کا ایک... موقع ثابت ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم کھانے کی میز پر جمع ہوئے تو وہ دو... خاموش اور گہری سوچ کا شکار نظر آرہے تھے۔

"آج تم دونوں ایک دوسرے سے کچھ روٹھے روٹھے... آرہے ہو" کھانے کے دوران میں نے انہیں چھیڑا۔

رمیش نے لقمہ چباتے چباتے سر اٹھا کر میری طرف سرد... عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ د... اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے... وہی سرد مہری اور سفاکی رچی ہوئی تھی جس کا اعتراف میں تو... دیر پہلے ہی اپنے کانوں سے سن چکا تھا۔

بدری ناتھ کا رویہ رمیش سے بہت مختلف تھا۔ اس نے آ... سے کہا "یہ آپس کی لڑائی نہیں' فکر... مندی ہے۔ تمہارے ا... نے ہم دونوں کو تشویش اور پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔"

"پھر تو یہ سراسر تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے اس پر زبا... نہیں کھولنی چاہیے" میں نے یک بہ یک سنجیدگی اختیار کر... ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"ہم تم کو کسی بات پر مجبور نہیں کرسکتے" بدری نے محتاط... میں کہا "مگر پھر بھی میں تم سے مزید چند منٹ بات کرنا چاہتا ہوں... ہو سکتا ہے کہ ہمارے مسئلے کا کوئی حل نکل آئے۔"

"کہو! میں سن رہا ہوں" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام ل... ہوئے اسے دعوت دی۔

"کھانے کی میز سے اٹھ کر میرے کمرے میں آجاؤ یا م... تمہارے پاس آجاتا ہوں" وہ پُرامید لہجے میں بولا۔

میں دانستہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر میں نے نرمی سے... "ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔"

کھانا خاموشی سے ختم کرلیا گیا۔ بدری کے برعکس رمیش کسی بلڈاگ کی طرح منہ سجائے کھانے میں مصروف رہا۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور سب سے پہلے میز سے اٹھ گیا۔

اس کے جاتے ہی بدری ناتھ کے پتلے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی نظریں دور تک رمیش کا پیچھا کرتی رہیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے بس اتنا ہی کہا۔ "اب تم سے بڑی باتیں ہوں گی' بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے۔"

میں نے مفاہمانہ انداز میں سہلاتے ہوئے کرسی چھوڑ دی۔ "میں تمہارا منتظر ہوں۔"

مجھے اپنے کمرے میں پہنچ کر زیادہ دیر تک اس کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"تم اس طرح بار بار مجھ سے راز و نیاز کرکے رمیش کے شبہات کو ہوا دے رہے ہو۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ تم اسے الگ تھلگ رکھ کر میرے ساتھ کوئی سازش کر رہے ہو۔"

"میں اسی کی خواہش پر تم سے ملنے آیا ہوں۔ اس کے دماغ میں تمہارے خلاف زہر بھر چکا ہے۔ بظاہر میں اس کی باتوں پر دھیان دے رہا ہوں لیکن اب مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔"

"تمہارا خیال تھا کہ وہ تک موڈلے کی خوشنودی حاصل کرنے اور تمہیں پیچھے دھکیلنے کی فکر میں ہے۔ کیا اب وہ اپنے ان عزائم سے تائب ہو چکا ہے؟" میں نے اپنے بارے میں اس کی کہی ہوئی بات کو دانستہ نظر انداز کرکے پرانے حوالے سے سوال کیا۔

"اس کی خواہشات بڑھتی جارہی ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ تم ڈینی کے آدمی ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا "اس کا یہ دماغی خلل جاری رہا تو کل وہ مجھے ڈینی بھی قرار دے سکتا ہے۔"

"اس کے پاس دلائل ہیں۔ وہ خود بھی تمہیں ڈینی قرار دینے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ ڈینی کے بارے میں جو کچھ سنا گیا ہے وہ تم پر پورا نہیں اترتا۔ وہ پیسے کے لالچ سے بے نیاز ہو کر اصولوں کی خاطر خون کی ہولی کھیلتا ہے۔ تم اپنی مرضی کے مطابق صرف پیسے کے پیچھے بھاگتے ہو۔ یہ بات ہم دونوں نے پہلے ہی دن بھانپ لی تھی۔ ڈینی کے لیے کام کرنے والوں میں ہر قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"شاید رمیش کے ان ہی شبہات کی وجہ سے مجھے ڈینی کی تلاش سے روکا گیا ہے۔"

"اسے غیر ضروری اہمیت مت دو" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ تبدیلی تک کی ہدایت پر عمل میں لائی گئی ہے۔"

"پھر رمیش کیوں ڈینی کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوا جارہا ہے۔"

جواب میں اس نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ میری توقع کے برعکس اس نے ہر بات من و عن بتائی تھی۔ صرف یہ ذکر گول کردیا تھا کہ رمیش مجھے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ رمیش کے قاتلانہ ارادے کی پردہ پوشی میں بدری کی کسی بدنیتی کا دخل نہیں تھا۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ رمیش کے ان انتہائی مخالفانہ عزائم سے واقف ہو کر میں آپے سے باہر نہ ہو جاؤں۔ میرے کسی بھی اضطراری ردِعمل سے اس کا پورا کھیل خراب ہو سکتا تھا۔

"تم اس کے اندازوں سے متفق نہیں ہو تو پھر اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"تمہارا اس کے خیالات سے باخبر رہنا ضروری ہے۔ اس کے اندازوں کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ تم شناخت کے خوف سے تک کے پاس جانے سے کترا رہے ہو۔ اگر تم اس ملاقات کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کردو تو رمیش کے سارے وسوسے خاک میں مل جائیں گے۔"

"تمہارا اصرار مجھے ضد دلا رہا ہے۔ یہ کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ رمیش میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ تم چاہو تو اس کے نادر خیالات سے تک کو بھی آگاہ کرسکتے ہو۔"

"یہ نہیں ہوگا" بدری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "رمیش یہی چاہ رہا ہے۔ بات تک تک پہنچے گی تو غلط فیصلے کی ذمے داری میرے کندھوں پر ہی آئے گی۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ رمیش کو تک سے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔ ایریس ہر وقت میرے قبضے میں رہتا ہے۔ فون تم اپنے کمرے میں بند رکھو۔ ویسے بھی تک سے فون پر رابطہ ہونا ناممکن ہے۔ اس بارے میں ہمیں سخت ہدایات ملی ہوئی ہیں۔"

"تم اس کی چالوں کو سمجھ رہے ہو تو کیا وہ تمہاری چال کو نہیں سمجھے گا۔ وہ آسانی سے یہ فیصلہ کرلے گا کہ تم نے مجھ سے کوئی سازباز ...کرلی ہے۔ میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ اس نے یہاں کوئی بدمعاشی یا چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح گمنامی کی موت مارا جائے گا۔"

"امریکا کے تربیتی پروگرام سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کا زندہ رہنا ضروری ہے" اس نے بے بسی سے کہا۔

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھے امریکا جانے کا بہت زیادہ شوق نہیں ہے۔ تمہارے اصرار پر میں نے رضامندی ظاہر کی ہے۔ میرا وعدہ ہے کہ میں اسے مارنے میں پہل نہیں کروں گا۔ اس نے کوئی حرکت کی تو ضرور برے انجام سے دوچار ہوگا۔ اسے لگام دینا تمہارا کام ہے۔"

"مجھے ہر وقت اس کی کڑی نگرانی کرنی پڑے گی" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "مگر خیر' میں یہ بھی کرلوں گا... اب سوچتا یہ

ہے کہ نک موڈلے کو کیسے مطمئن کیا جائے۔"

"مجھے کھل کر بتاؤ کہ نک موڈلے مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ اسے بھی رمیش کی طرح مجھ پر کوئی شبہ ہے یا وہ میری ذات میں کوئی کار آمد مقامی کارکن تلاش کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔"

"مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لو۔ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ وہ اپنے لب و لہجے پر اتنا قادر ہے کہ اس کی آواز سے اس کے موڈ کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ بہت خرانٹ آدمی ہے۔"

"تم رمیش کو اس سے دور رکھنے کا فیصلہ کرچکے ہو اس لیے بہتر ہوگا کہ اپنی پرانی کہانی کو ہی آگے بڑھا دو۔"

"کون سی پرانی کہانی؟" اس نے چونک کر اضطراری لہجے میں کہا۔

"اپرٹس مل جانے کے بعد تم نے اسے بتایا تھا کہ میں بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کے پاس نہیں جاسکا تھا۔ میری بیماری کی وجہ سے میرا ساتھی اس سے ملا تھا۔ اب تم اس بیماری کو طول دے ڈالو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ بے ساختہ بول پڑا "مگر بخار کی بات اسے مطمئن نہیں کرسکے گی۔"

"امریکی صحت اور جراثیم کے بارے میں بہت وہمی ہوتے ہیں۔ کہہ دو کہ بخار کے بعد مجھے یرقان ہوگیا ہے اور میں علاج کے لیے کسی نامعلوم اسپتال میں چلا گیا ہوں۔ ایسی متعدی بیماری کا ذکر سنتے ہی وہ پسپا ہوجائے گا۔ اسے تم اسی طرح مطمئن کرسکتے ہو۔"

"یرقان تک کی بات ٹھیک ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "مگر اسپتال والی بات نہیں چل سکے گی۔ اس نے خاص طور پر مجھ سے ان مقامیوں کی تعداد پوچھی تھی جو میرے ساتھ ہیں۔ میں نے صرف دو افراد کا ذکر کیا تھا۔ تمہارے ملازموں کا تذکرہ گول کردیا تھا۔ تمہیں اسپتال میں زیر علاج ظاہر کرنے کا مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ صرف ایک آدمی رہ جاتا ہے۔ کہیں وہ کوئی نیا مطالبہ پیش نہ کردے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ نک پہلے بھی اس سے نادرہ کے گھر کا پتا پوچھ چکا تھا۔ میرے یرقان زدہ ہونے کی خبر سننے کے بعد وہ اس پر اصرار کرسکتا تھا۔ انہیں باہر نکل کر اڑوس پڑوس سے پتا معلوم کرنے کا حکم دے سکتا تھا۔ ایک آدمی کو باتوں میں الجھا کر ان دونوں میں سے کوئی بھی یہ کام کرسکتا تھا۔

پتا اس کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ کسی نہ کسی کے ذریعے اس گھر کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتا تھا۔ نادرہ کا نام سامنے آتا تو اس کے ذہن میں گیری ہارٹ اور حیف طر کے واقعات تازہ ہوجاتے۔ میں وہ سنگین خطرہ کسی بھی قیمت پر مول نہیں لے سکتا تھا۔

"اس سے کہہ دو کہ میں گھر پر ہی آرام کررہا ہوں اور میرا علاج ہورہا ہے۔ ڈاکٹر کی آمد و رفت کی وجہ سے تم دونوں ا... کمرے میں محصور ہو اور پھر تمہیں یرقان کے جراثیم کی زد... آنے کا خوف بھی ہے۔" میں نے سوچنے کے بعد تجویز پیش کی... ایسی گمبھیر صورتِ حال ہوگی کہ وہ تلملا کر رہ جائے گا۔"

اس بار بدری نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر سپاٹ... میں کہا "یہی کہنا بہتر رہے گا۔ یہ چند روز نکل گئے تو پھر ہم امریکا... جائیں گے۔ یہ قصہ یہیں ختم ہوجائے گا۔"

"ایک بات کی احتیاط ضرور رکھنا۔ نک موڈلے سے با... کرتے ہوئے رمیش کو تمہارے قریب موجود نہیں ہونا چاہیے۔ تمہارے جھوٹ پر جھلا کر کسی منفی راہ پر بھی لگ سکتا ہے۔"

"یہ احتیاط بھی کرلی جائے گی۔ آج کل میں اپنا خاصا وق... لان اور کیاریوں کی دیکھ بھال میں گزارتا ہوں۔ وہیں سے نک... بات کی جاسکتی ہے لیکن مجھے اس کو کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔"

اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض و عناد کے جذبا... رکھنے کے باوجود وہ ساتھی تھے۔ رمیش کو نک کے بارے میں ... بات معلوم تھی۔ بدری اس سے مکمل راز داری اختیار نہ... کرسکتا۔ میں نے کہا "رمیش کو تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں... صرف اتنا کہہ دینا کہ تم نے نک کے سامنے میری بیماری کا عذر پیش... کردیا ہے۔ اب مجھے لندن کا فون نمبر بھی دے دو۔ تیاری ہوتے ہی... میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی یہاں سے نکلنے پر آمادہ... ہوجاؤ گے۔ صبح میں تمہیں پتا دے دوں گا اور ہاں، ذرا رات کو... کمرے کا دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ کرکے سونا۔"

"کیوں؟ کیا رمیش کی طرف سے کسی شرارت کا اندیشہ ہے؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"امید نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ کچھ... نہیں کہ کب اس کے دماغ پر شیطان سوار ہوجائے۔ جب ... میرے پیچھے پڑسکتا ہے تو تمہارے بارے میں میں اس سے کیا امید... رکھ سکتا ہوں۔"

"فکر مت کرو۔ شیطان اس پر سوار ہوسکتا ہے مگر میری... سواری میں رہتا ہے۔ اس نے گڑبڑ کی تو اسے چھٹی کا دودھ یاد... آجائے گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم اس کے زہریلے... شبہات سے متفق نہیں ہو۔"

"زیادہ سوچنے سے ہر اچھی بات میں بھی برائی کے دس پہ... نکل آتے ہیں۔ شاید آج رمیش دن بھر تمہارے ہی بارے میں... سوچتا رہا ہے۔" اس نے مسکرا کے کہا اور الوداعیہ انداز میں ہاتھ... لہرا کر میرے کمرے سے چلا گیا۔

بدری ناتھ نے مجھے رمیش کے ارادوں سے پوری طرح با خبر... نہیں کیا تھا مگر اشاروں کنایوں میں اس نے بہت کچھ کہہ دیا تھا... میں نے اس کے سامنے ذرا سخت ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا لیکن...

درحقیقت میں خود بھی سمجھ رہا تھا کہ اس وقت رمیش اگر دال کی ہلاکت ایک بنتے ہوئے کھیل کو بگاڑ سکتی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ریڈیو آن کردیا۔ بدری اپنے کمرے میں واپس پہنچ چکا تھا۔ وہ رمیش کو یقین دلانے کی کوشش کررہا تھا کہ میرا ڈینی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس کے پاس بہتیرے... دلائل بھی تھے لیکن رمیش اس کی باتوں سے زیادہ متاثر نہیں تھا۔

آخر میں بدری نے اسے تنبیہہ کی کہ وہ رات کو گھر کا جائزہ لینے کا خیال دل سے نکال دے اور اس نے ہوں ہاں کرکے بدری کی بات ٹال دی۔

اس وقت تک میں نے ان کی جو گفتگو سنی تھی اس سے وہ اپنے اپنے اصل روپ میں میرے سامنے آچکے تھے۔ ان کے بارے میں مجھے مزید جاننے کی خواہش رہی تھی نہ ضرورت تھی۔ میں نے ریڈیو کا بینڈ تبدیل کرکے ایک ایسا اسٹیشن لگا دیا جہاں سے فلمی نغموں کا پروگرام نشر ہورہا تھا۔

ساڑھے بارہ بجے میرے دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت ملنے پر ڈرائیور اندر آگیا "سر! اندر ساری روشنیاں گل ہوچکی ہیں۔ کافی دیر سے مہمانوں کے کمرے میں بھی اندھیرا ہے۔"

"اور تم تینوں اپنی اپنی جگہ تیار ہو؟" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یس سر! وہ دونوں اگلے حصے میں ہیں۔ میں پیچھے موجود ہوں۔ میں نے احتیاطاً احاطے میں بھی اندھیرا کردیا ہے۔ چوکی دار نے ایک موٹر سائیکل پر دو آدمیوں کو کئی مرتبہ گلی میں سے گزرتے دیکھا ہے۔ اسے ان پر شبہ ہورہا ہے۔ وہ اب ادھر آئے تو ہمارے آدمی اندھیرے میں انہیں آسانی سے دیکھ لیں گے۔"

اس کا آخری فقرہ ناموزوں تھا مگر بات میری سمجھ میں آگئی۔ خود اندھیرے میں روپوش رہ کر روشن گلی پر نگاہ رکھنا خاصا آسان تھا۔ چوکی دار کا وہ مشاہدہ بے بنیاد نہیں ہوسکتا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی کہ باہر سے کون ہماری کمین گاہ میں دلچسپی لے رہا تھا۔

"ہر طرف نگاہ رکھو۔ آج مہمانوں کی طرف سے گڑبڑ کا اندیشہ ہے۔ باہر پھرنے والوں کی بات خطرناک ہوسکتی ہے۔ کوئی اندر گھسنے کی کوشش کرے تو بے رحمی سے اسے دبوچ لینا۔"

وہ سر ہلا کر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں کہیں مدغم ہوگیا۔

میں ریڈیو کا بینڈ تبدیل کرکے سوئی دوبارہ پرانے مقام پر لے آیا۔ دوسری طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اسی وقت دور سے کسی انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی پھر ٹرین کے آہنی پہیوں کی گڑگڑاہٹ تیزی سے قریب آنے لگی۔

دن میں ٹرینوں کے شور کی وہ آوازیں زیادہ نامانوس اور اجنبی نہیں معلوم ہوتی تھیں لیکن رات کے سناٹے میں وہ بھیانک آسیبی روپ دھار لیتی تھیں۔ نادرہ کے مکان میں واحد خرابی یہی تھی کہ وہ ریلوے لائن سے بہت قریب واقع تھا اور آہنی پٹڑیوں پر وزنی بوگیوں کی گونج بعض اوقات سر میں دھمکنے لگتی تھی۔

رمیش کی باتیں اس وقت میرے ذہن میں تازہ تھیں۔ میں گھر میں اندھیرا کرکے اسے بے خبری میں کہیں بھی گھیرنے اور بری طرح ادھیڑ ڈالنے کا پختہ ارادہ کرچکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ بدری کے سوجانے کا یقین کرنے کے بعد ہی اپنے کمرے سے باہر قدم نکالے گا۔ اس انتظار میں اسے تاخیر بھی ہوسکتی تھی لیکن میں ہر حال میں اس کے نکلنے سے پہلے کہیں چھپ جانا چاہتا تھا۔

ریڈیو پر چھائے ہوئے مکمل سکوت سے مایوس ہوکر میں نے سوئچ بند کردیا۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں سے بیم گن نکال کر اپنی جیب میں اڑسی اور کمرے کی روشنیاں گل کرکے باہر رینگ آیا۔

وہ کسی مسافر بردار ٹرین کا وقت نہیں تھا۔ کراچی سے ملک کے بالائی حصوں کے لیے کوئی طویل مال گاڑی دھیمی رفتار سے شہر کے قلب میں سے گزر رہی تھی اور اس کا شور اپنے سوا ہر آواز کو نگل گیا تھا۔

میں چند ثانیوں تک اپنے دروازے کے سامنے کھڑا رہا پھر اگلی راہداری کی طرف چل دیا۔ ابھی میں چند قدم بھی نہیں گیا تھا کہ اچانک ان دونوں کے کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا اور گھور... اندھیرے میں دھیمی روشنی کا ایک اونچا مستطیل چمکنے لگا۔

میں فوراً ہی دیوار سے چپک گیا۔ اس ناکافی روشنی کو دیکھتے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ دروازہ کھولنے والے نے روشنی کے لئے کمرے کا کوئی بلب روشن نہیں کیا تھا بلکہ باتھ روم کا دروازہ قدرے کھول کر وہاں روشنی کردی تھی۔

اس روشن اور مستطیل خلا میں تھوڑی سی وسعت ہوئی اور پلک جھپکتے میں ایک سایہ نیم روشن کمرے میں سے تاریک راہداری میں رینگ آیا۔ میں نے اسی اثنا میں اس کی جھلک دیکھ لی تھی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ کمرے میں سے تاریکی میں آنے والا رمیش نہیں بدری ناتھ تھا۔

میرے ذہن میں بجلی کی سی سرعت سے پہلا خیال یہی آیا کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر بدری کی بھی کایا پلٹ ہوچکی تھی۔ وہ راہداری کے بند سرے پر تھا۔ میرے مقابلے میں اس کے پاس اپنے کمرے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔ میں نے اسے اس گوشے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی للکار ڈالا۔

"ہینڈز اپ!" میں نے غرا کر کہا "میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔ میں گولی ماردوں گا۔" یہ دھمکی دیتے ہی میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی تھی اور دیوار سے لگ کر اس کی طرف سرکنا شروع کردیا۔

"علی شیر! فائر نہ کرنا۔ یہ میں ہوں۔" اندھیرے میں بدری ناتھ کی بے ساختہ اور گھبرائی ہوئی آواز گونجی۔ اسی کے ساتھ اس نے کوئی قریبی دیوار گیر سوئچ دبا کر اپنی راہداری روشن کردی۔

گزر جانے والی مال گاڑی کے دور ہوتے ہوئے شور کے باعث

اسے قدرے زور سے بولنا پڑا تھا۔ روشنی ہونے پر میں نے دیکھا کہ اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھالیے تھے اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں اس کے مقابلے میں اس وقت بھی اندھیرے میں تھا اس وجہ سے وہ مجھے نہیں دیکھ سکا۔

"رمیش کہاں ہے؟ تم اندھیرے میں اپنے کمرے سے باہر کیا کررہے ہو؟" میں نے اپنی حیوانی جبلت کے زیرِ اثر زہریلی آواز میں سوال کیا۔ میں نے اپنی پیش قدمی اندھیرے میں ہی روک دی تھی۔

"وہ گہری نیند سورہا ہے۔ میں نے آج پھر اس کی شراب میں خواب آور دوا ملادی تھی۔" اس نے تھکی تھکی اور شکست خوردہ آواز میں کہا "میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ تم قرب وجوار میں کہیں نہ کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوگے۔ میں تمہارے پاس ہی آرہا تھا۔"

"مجھے امید نہیں تھی کہ اس وقت رمیش کے بجائے تم سے ملاقات ہوگی۔" میں نے تلخی سے کہا "اس وقت ایک بجنے والا ہے۔ تم میرے پاس کیا لینے آرہے تھے؟"

"مجھے اپنی طرف آنے دو۔ میں تمہیں پوری بات بتادوں گا۔" اس کی آواز ابھری۔

"ہاتھ گرائے بغیر بڑھتے چلے آؤ۔ اب میں تلاشی لیے بغیر تم پر بھروسا نہیں کروں گا۔ تم دونوں ہی خطرناک اور ناقابلِ اعتماد ہو۔ تم مسلح ہوئے تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ہاتھ گرائے بغیر میری طرف آتے ہوئے اپنی آواز دبا کر بولا۔ "میں بالکل غیر مسلح ہوں۔ ابھی چند منٹ پہلے مجھے اپریٹس پر کال کا اشارہ مل رہا تھا۔ میں نے اپریٹس آن نہیں کیا۔ میں اس بے وقت کال سے سخت پریشان ہوکر تمہاری طرف آرہا تھا۔"

میں نے بیم گن جیسے انوکھے ہتھیار کو اس سے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ بختل کی محبوبہ کے گھر پر پہلے بھی میرے پاس بیم گن دیکھ چکا تھا۔ وہاں اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی تھی اس وجہ سے میں نے اسے یہ بتایا کہ میری گن مہلک ترین زہر میں بجھی ہوئی باریک سوئیوں سے میرے حریف کے جسم کو ایک سیکنڈ میں بارہ مرتبہ چھیدنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

تیز روشنی سے نکلنے کے بعد وہ مجھے دیکھنے پر قادر ہوچکا تھا۔ وہ میرے سامنے آکر رک گیا۔ میں نے مروت کے بغیر اس کے پورے جسم کو ٹٹول کر اس کی تلاشی لی اور پھر اسے ہاتھ گرانے کی اجازت دے دی۔

"اب اپنی اس بلو گن کو بھی رکھ لو۔ اس سے مجھے خوف آرہا ہے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "یہ چل گئی تو بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔"

"اگر رمیش سورہا ہے تو تمہیں چوروں کی طرح اندھیرے میں باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اپنے کمرے کی طرف لوٹتے ہوئے خفگی سے پوچھا۔

"میں کمرا نیم روشن کرکے باہر نکلا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ باہر گھپ اندھیرا ہوگا۔ روز رات کو یہاں کی تمام راہداریاں روشن ہی رہتی ہیں۔"

"کمرے میں چھپنے کے بجائے میں رمیش کے استقبال کے لیے اندھیرے میں نکلا ہوا تھا......"

"بلو گن مارنے والا ہتھیار ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کے شکوہ کیا "میں نے تم سے کہا تھا کہ رمیش کو ابھی زندہ رہنا چاہیے۔ وہ ہماری ضرورت ہے۔"

"بلو گن میری انگلی کے اشارے کی تابع ہے۔ رمیش زیادہ سرکشی دکھاتا تو انگلی حرکت کرسکتی تھی۔"

"غنیمت ہوا کہ تم دور تھے۔" میرا کمرا روشن ہوجانے کے بعد اس نے کہا "قریب ہوتے تو ہاتھا پائی ضرور ہوجاتی۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ رات گئے مجھ سے کیا چاہ رہا ہے۔"

"یہ سوال تمہیں اسی سے پوچھنا چاہیے تھا۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"وقت ایسا تھا کہ میں نے اضطراری طور پر کال سگنل کو نظر انداز کردیا۔ میں اس سے بہانہ کرسکتا ہوں کہ میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب میں سو نہیں سکوں گا۔"

"اسے کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔ تم فکر مت کرو۔ وقفہ دے کر وہ دوبارہ رابطے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس بار اسے مایوسی کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہارے سامنے بات ہوگی تو تم بھی مشورہ دے سکو گے۔ ٹرانس میٹر کا بٹن دبائے بغیر ادھر کی آواز اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔" اس نے روا روی میں کہا۔

"لاسلکی مواصلات کا یہ اصول مجھے معلوم ہے۔" میں نے ناخوش گوار لہجے میں کہا "کراچی میں اب یہ آلات چور اچکے تک استعمال کرنے لگے ہیں۔"

وہ خفت آمیز انداز میں بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا۔ اس وقت اس کی تنگ پیشانی کے نیچے چمکتی ہوئی گول گول آنکھوں میں مکاری کے بجائے سادگی نمایاں تھی۔ پتلے پھل والے دو دھاری خنجر سے دشمن کا سر اتار لینے میں مہارت رکھنے والا وہ شخص اس وقت بالکل بے ضرر نظر آرہا تھا۔ مفاہمت ہونے کے بعد سے اس کی ساری تیزی اور طراری معدوم ہوتی چلی گئی تھی۔

ہمیں بمشکل بیس منٹ انتظار کرنا پڑا۔ اپریٹس پر ایک مرتبہ پھر اشارہ آنے لگا۔

بدری نے بھرپور نظروں سے میری طرف دیکھا اور اپنا اپریٹس آن کردیا۔

اپنی کال کے جواب میں بدری کی آواز سن لینے کے بعد نک غرانے لگا۔ "میں نے دوسری بار کوشش کی ہے۔ پہلی کال کے وقت تم کیا کررہے تھے؟"

"اس وقت رات کا ڈیڑھ بجنے والا ہے بگ باس" بدری خوشامدانہ انداز میں بولا "ہوسکتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی ہو۔"

"میں تمہاری کمین گاہ کا سراغ لگا چکا ہوں۔" نک موڈلے کے وہ الفاظ کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر اثر انداز ہوئے۔ وہ کہہ رہا تھا "تمہارے اپریٹس میں ایک ایسا طاقتور پوزیشن ڈی ٹیکٹر پوشیدہ ہے جو اپریٹس آن ہونے پر میرے نیٹ ورک کے تیلے طاقت ور سگنل نشر کرنے لگتا ہے۔ ان سگنلز سے اپریٹس کا محلِ وقوع معلوم ہوجاتا ہے۔ تم شارعِ فیصل سے داہنی طرف سوسائٹی کے ایک مخصوص علاقے میں رہ رہے ہو اور اب ہر وقت میری دسترس میں ہو۔"

اس کی بات سنتے ہوئے بدری ناتھ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ نک کا وہ انکشاف اس قدر غیر متوقع تھا کہ میں بدری کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس بار نک موڈلے کے مقابلے پر میدان میں اترتے ہوئے میں بالکل فراموش کر بیٹھا تھا کہ امریکی قونصل خانے کی آڑ میں سازشوں کو پروان چڑھانے والوں کو بہت ہی جدید ترین ایجادات اور مواصلاتی سہولتوں تک رسائی حاصل تھی اور وہ گھر بیٹھے بہت سی ایسی معلومات حاصل کرنے پر قادر تھے جو عام حالات میں میسر ہی نہیں آسکتی تھیں۔

نک کا دیا ہوا ٹرانسمیٹر بدری تک پہنچاتے ہوئے مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ اس آلے میں کوئی سمت نما پرزہ بھی پوشیدہ ہوسکتا ہے مگر مجھ سے چوک ہوگئی۔ میں اس وار کے لیے ذہنی طور پر قطعی تیار نہیں تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ میں بروقت ایسے کسی پرزے کی موجودگی کا ادراک کر بھی لیتا تو کھیل بگاڑے بغیر اس کا کوئی سدِباب نہیں کرسکتا تھا۔ پیکٹ کھولتے یا ٹرانسمیٹر کو چھیڑتے ہی ایک نئی خرابی کی بنیاد پڑجاتی۔

بدری بہت چالاک تھا۔ اس نے توقف کے بغیر نک سے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ اب مجھے تمہارا سایہ بھی میسر رہے گا۔ علی شیر پر کوئی شبہ نہ ہونے کے باوجود میں خود کو بے یار ومددگار محسوس کررہا تھا۔"

"وہ مجھ سے ملاقات کے لیے کب آرہا ہے؟" نک کی طرف سے سوال کیا گیا۔

"کل کے لیے کہہ دو" بدلے ہوئے حالات میں، میں نے کراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ یرقان میں مبتلا ہوگیا ہے" بدری نے خوب صورت تمہید باندھ کر کہا "میں کوشش کروں گا کہ کل کسی طرح اسے تمہارے پاس بھیج سکوں۔"

"ہرگز نہیں، میں کسی یرقان زدہ ایشیائی سے ملنا پسند نہیں کروں گا۔ اگر وہ اس مہلک اور متعدی مرض میں مبتلا ہوگیا ہے تو تم دونوں بھی اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ یہ بیماری اڑ کر انسانوں پر حملہ آور ہوتی ہے۔ تمہارا سراغ مل جانے کے بعد شاید مجھے ان دونوں میں سے کسی کو بلانے کی ضرورت پیش نہ آئے مگر میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ تم کن لوگوں کے درمیان ہو۔ اگر علی شیر کوئی غلطی کیے بغیر تمہاری توقعات پر پورا اتر رہا ہے تو وہ بہت چالاک اور خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ امکان بھی ہے کہ وہ کسی ایجنسی کا ناؤٹ ہو۔ اس کے بارے میں یہی سب جانچنے کے لیے میں اسے اپنے روبرو بٹھانا چاہ رہا تھا۔"

"مجھے اس پر ایسا کوئی شبہ نہیں ہے مگر تمہاری رائے زیادہ مستند ہوگی" بدری نے مجھے آنکھ مار کر جواب دیا۔

"مجھے اپنی صحت ہر بات سے زیادہ عزیز ہے۔ اسے وہیں روکو۔ میرے آدمی اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی تمہارے علاقے میں کہیں بھٹک رہے ہوں گے۔"

نک موڈلے بہت سکون سے دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ اس کے نئے انکشافات پر میری ریڑھ کی ہڈی میں بیک وقت بے شمار چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کا مطلب تھا کہ دو مشتبہ موٹر سائیکل سواروں کے بارے میں مجھے جو اطلاع دی گئی تھی وہ درست تھی۔

اس کے شکاری کتے میری بے خبری میں اتنے قریب آچکے تھے کہ تشویش ہونی لازی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں میرا ذہن تیزی سے کام کرنے میں مصروف ہوگیا۔

"اس کے آدمیوں کو یہاں آنے کی ترغیب دو" میں نے بدری کے بٹن دبانے سے پہلے تیزی سے کہا۔

بدری نے قدرے توقف کے بعد نک سے کہا "یہ خوشی کی بات ہے کہ وہ مجھ سے اتنے قریب موجود ہیں۔ مجھے ان کے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں باہر نکل کر ان کی مدد کرسکوں۔"

"تو کیا علی شیر نے تم کو اتنی آزادی دی ہوئی ہے؟" نک نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اس کے قیدی نہیں ہیں۔ ویسے بھی وہ کرائے پر ہمارے لیے کام کررہا ہے۔ بیماری کی وجہ سے وہ اس وقت آرام کررہا ہے۔ سامنے ہوتا تب بھی مجھے باہر جانے سے روکنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔ تم اشارہ کرو اور دیکھو کہ میں کتنی تیزی سے تمہاری ہدایت پر عمل کرتا ہوں۔"

"اس کا ساتھی کہاں ہے؟" نک اس پناہ گاہ کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

"وہ بھی اسی کے کمرے میں سورہا ہوگا۔ بظاہر یہاں میدان صاف ہے۔"

"یہ کوئی چھوٹا مکان ہے یا اس میں احاطہ وغیرہ بھی ہے؟" نک نے پوچھا۔

"یہ وسیع لان اور احاطے والی کوٹھی ہے۔ مکانات ایک دوسرے سے دور اور الگ الگ بنے ہوئے ہیں۔"

"پھر تم اپنا ایریٹس آن رکھو اور اسے لے کر سڑک کی طرف والی دیوار کے پاس پہنچ جاؤ۔ میرے آدمیوں کے پاس ایک میٹر ہے جو تمہارا اور ان کا درمیانی فاصلہ ظاہر کرتا ہے۔ فاصلہ گھٹنے بڑھنے سے وہ اندازہ لگالیں گے کہ تم کہاں موجود ہو۔ ان کے پہنچنے تک تم انتظار کرو۔ ان کی طرف سے کوئی اشارہ ملتے ہی تم مجھے اطلاع دو گے۔ اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"یعنی ان کی رہنمائی کے لیے ایریٹس کا مسلسل آن رہنا ضروری ہے؟" بدری نے پوچھا۔

"شاید میں نے شروع سے اسی ایک بات پر زور دیا ہے" بدری کے سوال پر وہ برہم ہوگیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں پوری بات سمجھ گیا" بدری نے جلدی سے کہا "میں ابھی باہر نکلتا ہوں۔"

"ہوش میں رہ کر کام کرنا۔ میرے آدمی علی شیر یا اس کے ساتھی کی نظروں میں آگئے تو یہ ساری مشق رائگاں جائے گی۔ تمہارے مددگاروں کے بارے میں وہی کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے مقاصد کے لیے سردھڑ کی بازی لگادوں گا۔"

"گڈ...." نک کے منہ سے رواروی میں پہلی بار کوئی تعریفی لفظ برآمد ہوا "میری بات فی الحال مکمل ہوگئی۔ اگلی بار تم ان کے آجانے پر مجھ سے بات کرو گے۔ اب تم ایریٹس آن رکھ کر پورے اطمینان سے گھر بھر میں گھوم سکتے ہو۔ اس پر میرا کوئی پیغام نہیں آئے گا۔"

"تھینک یو!" یہ کہہ کر بدری نے ایریٹس کا نشری بٹن چھوڑ دیا اور اسے یوں گھورنے لگا جیسے اس نے وہ عجوبہ اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو۔

میں نے بولنے میں دانستہ پہل نہیں کی اور خاموشی کے وہ لمحات گزارنے کے لیے بلاوجہ نئی سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

بدری میری اس بامقصد خاموشی کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا "یہ تو سارا قصہ ہی چوپٹ ہوتا نظر آرہا ہے۔ نک میری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا ہے۔"

"وہ چالاک نہ ہوتا تو تم دونوں کو اس کی تحویل میں نہ دیا جاتا" میں نے جواب دیا "اب تم اتنی سعادت مندی نہ دکھاؤ اور تھوڑی دیر کے لیے ایریٹس بند کردو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں بیٹھے باتیں کرتے رہیں اور نک کے آدمی پھاٹک پر پہنچ جائیں۔"

"اوہ!" بدری نے چونک کر جلدی سے ایریٹس آف کردیا "یہ واقعی کافی دیر سے آن ہے۔ اس دوران میں انہوں نے اپنی نقل و حرکت اور فاصلے کی تبدیلی کی بنا پر یہ اندازہ تو لگا ہی لیا ہوگا کہ ہم ان سے کس سمت میں موجود ہیں۔ تم انہیں اس طرف راغب کرنے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟"

"مجبوری ہے۔ ہمارے پاس بچاؤ کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ ہم سے دور رہ کر وہ نک کے مفادات پورے کرتے رہیں گے۔ ہمارے ہاتھ لگ گئے تو چوکڑی بھول جائیں گے۔"

"تو کیا تم انہیں اپنا قیدی بنانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے بے پروائی سے کہا "وہ آسانی سے قیدی بننے پر آمادہ نہ ہوئے تو ان کا جھٹکا بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنے آخری انجام کے وہ خود ذمے دار ہوں گے۔"

"نک بپھر جائے گا۔ تمہاری مخبری کے لیے وہ ان پر بہت زیادہ انحصار کررہا ہے۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ اس کے آدمیوں پر کیا گزری ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے" اس نے بے اعتباری سے کہا "اس کے آدمی غائب ہوجائیں گے اور اسے علم نہیں ہوگا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اسے ان آدمیوں کے بارے میں اطلاع دینے کی ذمے داری تمہاری ہے۔ آج کی رات بہت اچھی ہے۔ رمیش خواب آور دوا کے زیرِ اثر سورہا ہے۔ وہ یہاں آئیں گے اور پکڑے یا مارے جائیں گے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹا گزار لینے کے بعد تم نک سے پوچھو گے کہ اس کے آدمی کہاں رہ گئے۔ اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی ان کا پتا نہیں ہے۔ اس کی کھوپڑی چکرا جائے گی۔ وہ سمجھے گا کہ اس کے آدمی تمہاری کمین گاہ کا سراغ لگا کر واپس چلے گئے ہیں۔ انہوں نے تم سے رابطہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر بھیجا ہوگا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کے حکم سے انحراف کریں؟"

"فضا میں خطرے کی بُو سونگھ کر وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ وہ ہر بات سوچ سکتا ہے مگر یہ اندازہ نہیں لگاسکے گا کہ اس کے آدمیوں کو تمہاری موجودگی میں مارا یا پکڑا گیا ہے۔"

"ہاں۔ شاید وہ ہم لوگوں سے اتنی جلد بدظن نہ ہوسکے۔ فکرمندی کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس کے آدمیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ علم نہیں، پتا نہیں وہ کتنے ہوں گے۔"

"لشکر نہیں آسکتا۔ اس نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تو بس دو ہی ہوں گے" اسے وہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں مشتبہ موٹر سائیکل سواروں کا خیال موجود تھا۔

"انہیں پکڑ کر تم کہاں رکھو گے؟ صبح رمیش سو کر اٹھے گا تو نہیں دیکھ کر سوالوں کی بوچھاڑ کردے گا۔"

"تم ابھی تک اس گھر کی پوری مکانیت سے باخبر نہیں ہو۔ یہاں ایک تہ خانہ بھی موجود ہے۔ پکڑے جانے والوں کو باندھ کر دو چار دن وہاں رکھا جاسکتا ہے۔"

"ایک طرف تم اپنی روانگی کا پروگرام بنارہے ہو، دوسری طرف نک سے الجھنے پر تلے ہوئے ہو۔ تمہارے جانے کے بعد قیدیوں کا کیا بنے گا۔ وہ رہا ہوتے ہی نک کو پوری تفصیل سنادیں گے۔"

"یہ میں اپنی مرضی سے نہیں کررہا۔ الجھنیں میرے اوپر تھوپی جارہی ہیں۔ اپنے لیے کوئی سنگین خطرہ نظر آیا تو میں نک کے آدمیوں کو ذبح کرکے نکل جاؤں گا۔"

بنیادی طور پر بدری ناتھ کو تصادم کی حکمتِ عملی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ خود بھی کشت و خون کرکے اپنی راہ بنانے کا عادی تھا۔ اسے بعد میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کی فکر تھی۔ ایسا ہوا تو کیا ہوگا اور ویسا ہوا تو پھر کیا بنے گا؟ مجھ سے تھوڑی دیر تک بحث کرنے کے بعد اس کا ذہن صاف ہوگیا۔ میں نے بیم گن کے ساتھ بھرا ہوا ریوالور اپنی جیب میں رکھا تو بدری کچھ پریشان ہوگیا۔

اس کو اپنی خنجر زنی پر ناز تھا۔ وہ کھلے کھلے مکانوں میں رہنے والے متمول شہریوں کی پُرسکون آبادی تھی۔ کسی بھی گھر میں تھوڑی بہت مار دھاڑ، دھینگا مشتی ہوتی تو پڑوسیوں تک کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ فائر ہوتا تو پوری آبادی میں خوف و ہراس پھیل سکتا تھا۔ کوئی پولیس کو خبر دے دیتا تو قانون کے محافظوں کی مداخلت سے ہمارے حالات خراب ہوسکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ ہمیں چپ چپاتے اس صورتِ حال پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس وقت تک مجھے بدری ناتھ کی خنجر زنی کے کمالات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ریشم جان کے گھر میں جس اعتماد سے دہری دھار کا خنجر لیے بیٹھا تھا اس سے یہ ضرور جھلک رہا تھا کہ اسے اپنے فن میں کوئی نہ کوئی کمال حاصل تھا۔ اس کے اصرار پر میں نے اس کا تیکھی دھار والا خنجر اسے لوٹا دیا۔ میں نے چاہا کہ وہ خنجر کے ساتھ مجھ سے ریوالور بھی لے لے مگر اس نے شکریے کے ساتھ میری پیش کش مسترد کردی۔

"وقت آیا تو تم دیکھو گے کہ میرے ہاتھ میں یہ خنجر دنیا کے ہر ہتھیار سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ میرے صرف دو نشانے ہوتے ہیں۔ میرے حریف کا نرخرا کٹ جاتا ہے یا پھر اس کی آنتیں باہر نکل پڑتی ہیں۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ پہلا موقع ملتے ہی میں اس کی مقابلے کی صلاحیت آزمانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چھری چاقو سے حریفوں کو زمین پر ڈھیر کرنے والوں کی نسل تیزی سے معدوم ہوتی جارہی تھی۔

طاقتور روشنی والی ایک چھوٹی جیبی ٹارچ جیب میں رکھنے کے بعد میں اطمینان سے بدری کے ساتھ عقبی دروازے سے ہی باہر نکل گیا۔

مجھے یقین تھا کہ اسے دیکھ لینے کے بعد ایس ٹی ایف کا کوئی آدمی ہمارے سامنے آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ تینوں اپنی تاریک کمین گاہوں میں گھات لگائے بیٹھے رہیں گے اور ضرورت پڑنے پر بلائے ناگہانی بن کر میرے کسی بھی حریف پر ٹوٹ پڑیں گے۔

باہر احاطے میں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ ہم ٹہلتے ہوئے چند ہی لمحوں میں اس بلب کی روشنی کی زد سے نکل آئے جو بدری ناتھ نے اندرونی راہداری کے ایک حصے میں روشن کیا تھا۔

ٹرینوں کا شور موقوف ہوجانے کی وجہ سے فضا میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں بہت واضح سنائی دے رہی تھی۔ میں نے مشورہ دیا اور بدری نے فوراً ہی ایریٹس آن کردیا۔

"باہر بالکل سناٹا ہے۔ تمہارے نوکر بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ انہیں کیوں نہیں اٹھا لیتے؟" عمارت کے بغلی راستے سے گزرتے ہوئے بدری نے دھیمی آواز میں کہا۔

"فکر مت کرو۔ ذرا بھی آہٹ ہوئی تو وہ تینوں خود ہی بیدار ہوکر میدان میں آجائیں گے۔"

"ہڑبونگ پھیل گئی تو وہ اندھیرے میں دھوکے سے ہم پر بھی حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں پہلے سے جگا کر اعتماد میں لے لیا جائے۔ ہوش مندی کے عالم میں ان کی کارکردگی بڑھ جائے گی۔"

"نوکروں کو میں یہ احساس نہیں دلانا چاہتا کہ میں اپنی حفاظت کے لیے ان کے زورِ بازو کا محتاج ہوں" میں نے بہت دھیمی آواز میں اس کی سوچ کے مطابق گھٹیا سا جواب دیا "ایک بار انہیں اپنی اہمیت کا اندازہ ہوجائے تو یہ مالک کے سر پر سوار ہونے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔"

ٹرانسمیٹر آن ہوچکا تھا۔ اس میں چھپی ہوئی پوزیشن ڈی ٹیکٹنگ ڈیوائس نے ایک مرتبہ پھر طاقتور ریڈیائی سگنل نشر کرنے شروع کردیے تھے۔ نک موڈلے شاید اپنے نیٹ ورک پر ان اشاروں کو مفہوم پہنانے کی کوشش کررہا تھا۔ دوسری طرف اس کے آدمی اپنے میٹر کی اسکرین پر ٹرانسمیٹر سے اپنا فاصلہ پڑھنے اور سمت پہچاننے کی کوشش کررہے تھے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ نیٹ ورک پر سگنلز کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف ہونے پر نک تشویش میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ میں نے بدری سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"اسے میں سنبھال لوں گا۔ تمہارے تاریک کمرے میں ایریٹس کا ننھا سا سبز بلب بہت زیادہ چمک رہا تھا اس وجہ سے میں نے ایریٹس آف کرکے وہ روشنی بجھادی۔ وہاں کا تفصیلی جائزہ لینے

کے بعد میں باہر نکلا اور اسے دوبارہ آن کردیا" اس نے جواب دیا۔ "اندھیرے میں سگریٹ کا روشن سرا تک بہت تیز روشنی دیتا ہے۔"

میری خواہش تھی کہ میں اس سمت میں چھپے ہوئے اپنے کسی آدمی سے معلوم کروں کہ مشتبہ موٹر سائیکل تیسری بار بھی نظر آئی تھی یا نہیں مگر بدری کی موجودگی کی وجہ سے میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ پہلے وہ ادھر سے گزرے تو اپریٹس آف تھا لہٰذا انہیں اپنے میٹر سے کوئی رہنمائی نہیں مل سکی ہوگی۔ اب صورتِ حال مختلف تھی۔ ہدف خود ان شکاریوں کو اپنی طرف بلا رہا تھا۔

پھاٹک کے قریب ہی ہم دونوں ایک درخت کے سائے میں رک گئے۔ وہ چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ تاریک آسمان پر ستاروں کی بھری ہوئی چادر جھلملا رہی تھی۔ نیچے ماحول خاصا مختلف تھا۔ بیرونی سڑک کے کنارے کھمبوں پر لگی ہوئی اسٹریٹ لائٹس قرب وجوار میں دھندلائی ہوئی روشنی پھیلا رہی تھیں۔ ان کا انعکاس ہمارے احاطے میں بھی پڑ رہا تھا لیکن اس سمت سے ہمارا گھر گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آرہا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے لیکن فضا پر چھایا ہوا سکوت برقرار رہا۔ تک کے آدمی اپنی تلاش سے مایوس ہوکر لوٹ چکے تھے یا پھر وہ اتنے احمق تھے کہ فاصلہ نما آلے کی رہنمائی کے باوجود اپنی پیش قدمی کی صحیح سمت کا تعین نہیں کرپا رہے تھے۔

آخر میرے کانوں میں کسی موٹر سائیکل کے انجن کی موہوم سی آواز آئی جو رفتہ رفتہ قریب آتی جارہی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والے ست رفتاری سے آرہے تھے۔

"کوئی موٹر سائیکل آرہی ہے" بدری نے میرا بازو دبا کر پُرجوش لہجے میں سرگوشی کی۔

اس وقت تک یہ واضح ہوچکا تھا کہ دور سے آنے والی موٹر سائیکل ہماری پختہ گلی میں ہی داخل ہوئی تھی۔ انجن کا شور لحہ بہ لحہ قریب آتا جارہا تھا لیکن ان کی رفتار بہت کم ہوگئی تھی۔

آخر وہ موٹر سائیکل ہمارے پھاٹک کے قریب ہی روک دی گئی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آنے لگا۔

موٹر سائیکل رکتے ہی باہر سے کسی شخص کی دبی دبی ہذیانی آواز سنائی دی۔ شاید وہ دو تھے اور ایک نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا تھا۔ انسانی آواز کو واضح طور پر سن لینے کے باوجود میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس آواز میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ تھمی ہوئی موٹر سائیکل کے انجن کی آواز یکلخت تیز ہوگئی اور وہ وہاں سے آگے روانہ ہوگئی۔ میرے کان اسی آواز پر جمے ہوئے تھے۔

بس چند ثانیوں تک وہ شور برقرار رہا پھر اچانک ہی موٹر سائیکل کا انجن ایک بار زیادہ زور سے غرا کر خاموش ہوگیا۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ دوڑتی ہوئی موٹر سائیکل کا کلچ دبا کر انجن بند کیا گیا تھا۔

"یہ سوفیصد وہی آدمی معلوم ہوتے ہیں" بدری ناتھ متوقع تصادم کے احساس سے ہی دیوانہ ہوا جارہا تھا۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد شاید اس کے لیے وہ آزادی سے کچھ کرگزرنے کا پہلا عملی موقع تھا۔

وہ اپنے میٹر کو پڑھتے ہوئے آئے تھے۔ اس وقت بدری احاطے کی دیوار کے قریب ہی موجود تھا۔ وہاں سے پتلی سڑک کا فاصلہ شاید دو تین میٹر سے زیادہ نہیں تھا۔ اتنا کم فاصلہ شاید ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ اضطرار کے عالم میں موٹر سائیکل وہیں روک دی گئی مگر پھر ان میں سے کسی ایک کو اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ اپنے ہدف سے اتنے کم فاصلے پر رک کر وہ کئی مسائل سے دوچار ہوسکتے تھے۔

رکتے ہی وہ دوبارہ موٹر سائیکل بھگا لے گئے اور تھوڑی دور جاکر انجن بند کردیا گیا۔

اس وقت مجھے دو ہی امکان نظر آرہے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کو دور چھوڑ کر پیدل ہماری کمین گاہ کی طرف لوٹتے یا پھر بند موٹر سائیکل کو کھینچتے ہوئے خاموشی سے وہاں تک آتے تاکہ نامساعد حالات میں فرار کے لیے ان کی سواری قریب ہی موجود رہے۔ دونوں صورتوں میں انہیں ہماری طرف آنا ہی تھا۔

"اگر میں ان کے استقبال کے لیے پھاٹک کھول کر کھڑا ہوجاؤں تو انہیں اپنی خوش قسمتی پر کسی طرح یقین نہیں آئے گا" بدری نے مسرور لہجے میں کہا۔

"تک نے تمہارے پاس شریف ملاقاتیوں کو نہیں بھیجا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہاری طرف آنے والے بدمعاش بھڑک کر اچانک ہی الٹی دوڑ لگادیں اور تم اپنا خنجر خود چاٹتے رہ جاؤ۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے۔" اندھیرے میں اس کی تفہیمی آواز ابھری "مشکل یہ ہے کہ برے آدمیوں کو ہر کام کی اچھائی ذرا دیر سے ہی نظر آتی ہے۔ ان کی چھٹی حس خرابیوں کو دور ہی سے تاڑلیتی ہے۔ آنے دو، سالوں کو اپنی مرضی سے آنے دو۔ اگر وہ صرف دو ہیں تو ان کے سواگت کے لیے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔"

اس نازک موقع پر وہ خوش فہمیوں میں مگن تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ تک کی ہدایت تھی کہ جوں ہی بدری کو اس کے آدمیوں کی طرف سے کوئی اشارہ ملے، وہ تک سے بات کرے۔ کچھ علم نہیں تھا کہ اس مرحلے کے لیے اس نے اپنے آدمیوں کو کیا ہدایت دی تھی۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ اپریٹس سے اپنے واجبی سے فاصلے کا تعین کرنے کے بعد وہ اندر گھسنے کی کوشش بھی کرتے۔ مکان کو پورے وثوق سے پہچان لینے کے بعد وہ واپس جاسکتے تھے۔ ان کے کسی بھی ردِ عمل کا انحصار اس بات پر تھا کہ تک نے انہیں کیا ہدایات دی ہوئی تھیں۔

"تھوڑی دیر کے لیے اپنا اپریٹس بند کردو" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بدری سے کہا۔

"گڑبڑ ہوجائے گی۔ آنے والے چکر میں پڑسکتے ہیں" وہ بڑبڑایا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ جلدی کرو، وہ قریب آگئے تو کچھ نہیں ہوسکے گا۔"

بدری نے اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے اپریٹس کو آف کرتے ہوئے کہا "تک موڈلے ضرور پوچھے گا کہ دوسری بار اپریٹس بند کرنے کا سبب کیا تھا۔"

"اندھیرے میں اپریٹس تمہارے ہاتھ سے گر جائے تو اس کے سیل نکل سکتے ہیں جنہیں ڈھونڈنا دشوار بھی ہوسکتا ہے۔ یہ سب بہانے بعد میں سوچ لیے جائیں گے۔ پہلے آنے والوں کی فکر کرو۔"

"ابھی انہوں نے دو تین میٹر کا فاصلہ نوٹ کرکے موٹر سائیکل روکی تھی۔ اب ان کا میٹر ناکارہ ہوجائے گا تو وہ کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟" وہ میرے مشورے سے مطمئن نہیں تھا۔

"یہ ان کا مسئلہ ہے۔ تمہاری مشکل یہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی اشارہ دیتے تو تم کیا کرتے؟ اگلے اور صحیح قدم کے بارے میں تک تمہیں بتانے والا تھا۔ تم اسی سے رابطہ کرتے اور اسے معلوم ہوجاتا کہ اس کے آدمی تم تک پہنچ چکے ہیں تو پھر ہم انہیں غائب نہیں کرسکتے تھے۔ تم تک سے ہدایت لیے بغیر اشارے کا جواب دوگے تو سوفیصد غلطی کروگے۔ وہ بھاگ جائیں گے۔ ہم گلی میں نکل کر انہیں نہیں پکڑ سکتے۔"

"یہ سب تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا" وہ جھنجلا کے بولا "تم میں یہ خرابی ہے کہ تم بہت سی باتیں چھپائے رہتے ہو اور ایسے وقت پر زبان کھولتے ہو جب کمر دیوار سے جالگتی ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔ مجھے اسی وقت دھیان آیا ہے کہ تک نے ان کے اندر آنے یا باہر سے لوٹ جانے کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ ہم انہیں اندر کودنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ اشارے کے جواب میں ہمیں وہی کہنا یا کرنا ہوگا جس کے وہ منتظر ہوں گے" میں نے نیچی آواز میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"یہ الہامی کام تم کرسکتے ہو تو کرلو۔ میں ایسے شعبدے نہیں دکھا سکتا۔"

احاطے کی دیوار کے پیچھے ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ باہر کا نقشہ میرے ذہن میں پوری طرح جم چکا تھا۔ مجھے وہ آواز پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔ وہ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کرنے کی دبی ہوئی آواز تھی۔ وہ دونوں کوشش کے باوجود اسپرنگ کے جھٹکے پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔

میں بدری کا ہاتھ تھام کر اندھیرے میں اسی طرف دیوار کے قریب پہنچ گیا جدھر سے کھٹکے کی آواز آئی تھی۔

میں سانس روک کر باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ چند ثانیوں بعد مجھے وہم سا ہوا کہ باہر سرگوشیاں ہورہی ہیں۔ ہوا کی سی وہ سرسراہٹیں بہت موہوم اور غیرواضح تھیں لیکن میری حد سے بڑھی ہوئی سماعت کی حس اس وقت ان سرسراہٹوں کو سن رہی تھی۔

"تم اتنے غور سے کیا سن رہے ہو؟ مجھے تو کچھ نہیں سنائی دے رہا" بدری سانسوں کی سی دھیمی سرگوشیانہ آواز میں میرے کان کے قریب منمنایا۔

"چپ رہو.... اب میں بڑبڑانے جارہا ہوں، شاید بات بن ہی جائے" میں نے اس سے بھی ہلکی آواز میں اس کے کان سے منہ لگا کر کہا پھر سیدھا ہوگیا۔

"سالا پھر گر گیا" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے جھلائی ہوئی بے ساختہ آواز میں اس طرح کہا کہ باہر کوئی موجود ہو تو میرے وہ الفاظ اس کے کان میں پڑجائیں۔

اسی لمحے مجھے ایک اور تدبیر سوجھی اور میں نے بدری کی جیب سے اپریٹس کھینچ لیا۔

بدری اچانک میرا ہاتھ کھینچ کر تیزی سے دیوار کے سائے میں بیٹھتا چلا گیا۔ اس کا چہرہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ پھر میں نے بھی اپنے احاطے کی دیوار کی اندرونی سطح پر سختی سے جمے ہوئے دو انسانی ہاتھ دیکھ لیے۔ باہر سے کوئی دیوار پر اچک کر اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کررہا تھا مگر اس وقت ہم دونوں اسٹریٹ لیمپس کے انعکاس سے بچ کر دیوار کے تاریک سائے میں محفوظ بیٹھے ہوئے تھے۔

دیوار کے قریب ہونے کی وجہ سے میں جھانکنے والے کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ دونوں انسانی ہاتھ کئی سیکنڈ تک اسی جگہ جمے رہے پھر باہر غائب ہوگئے۔ ساتھ ہی زمین پر قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دی۔

میرے رہے سہے شبہات بھی زائل ہوگئے۔ پوزیشن بالکل واضح ہوچکی تھی۔ دو حریفوں کی برابر کی نفری دیوار کے دونوں طرف موجود تھی۔ ہر فریق دوسرے کے بارے میں تجسس، بے چینی اور ہیجان میں مبتلا تھا۔

میں نے قدرے بلند آواز میں جو کچھ کہا وہ دیوانے کی بڑ نہیں تھا۔ اس سوچے سمجھے فقرے سے میں نے باہر والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میرے اپریٹس کے سیل گر چکے تھے۔ اس فقرے کو اپنے مدعا کے اظہار کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے میں نے بدری کے اپریٹس پر قبضہ کیا تھا۔

دیوار کی مگر پر سے انسانی ہاتھ غائب ہونے کے بعد میں نے اپریٹس کو پل بھر کے لیے آن کرکے فوراً ہی بند کردیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ دونوں بار بار میٹر ہی کو دیکھ رہے ہوں گے۔ میری اس حرکت کے نتیجے میں ان کے میٹر پر لحہ بھر کے لیے ایک آدھ میٹر کا فاصلہ نمودار ہوکر معدوم ہوگیا ہوگا۔ میری یہ حرکت انہیں اس

مغالطے میں ڈالنے کے لیے کافی تھی کہ اندر کوئی روشنی کرنے کا خطرہ مول لیے بغیر اریٹس کے سیل لگانے کی ناکام کوشش کررہا تھا اور اسی وجہ سے ان کے میٹر نے کام کرنا بند کردیا تھا۔

میں نے اس بار قدرے بلند آواز میں ایک بے مقصد گالی دی جو بظاہر سیل یا اریٹس کے لیے تھی۔

میری وہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ باہر سے ایک بھاری اور محتاط آواز ابھری "کیا دیوار کے پیچھے کوئی ہے؟"

بدری نے اندھیرے میں جوش سے میرا ہاتھ دبایا۔ میں نے چڑچڑے اور خود کلامی کے انداز میں کہا "پتا نہیں اتنی رات گئے سالا کون ہیرو پنچی یہاں آن پڑا ہے۔ ہر جگہ مرتے پھرتے ہیں حرام زادے۔"

"بھائی! میں ہیرو پنچی نہیں' گھڑی والا ہوں۔" باہر کی آواز اس بار بھی زیادہ بلند نہیں بلکہ محتاط تھی "چند منٹ پہلے گھڑی چل رہی تھی' اب بند پڑی ہے۔ ابھی ابھی اس نے ایک سانس لیا اور پھر بند ہوگئی۔ شاید اس کی چابی تمہارے پاس ہے۔ اتنی رات کو تم اپنی دیوار کے نیچے کیا کررہے ہو؟"

وہ اس کی طرف سے واضح استعارے تھے۔ اپنے میٹر کو وہ گھڑی کہہ رہا تھا۔ اپنی حکمتِ عملی کی کامیابی پر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا مگر میں نے اسے جھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا "دیوار کی جڑ میں پیشاب کررہا ہوں۔ تمہیں اعتراض ہے تو آکر روک لو۔ میرے پاس چابی نہیں بلکہ چابا ہے۔ اندھیرے میں اس کی بیٹریاں نکل گئی ہیں۔ پتا نہیں اب کیا ہوگا۔ بیٹری کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔" اسے یہ دھیان نہیں آیا کہ دونوں بیٹریوں کے بغیر اس کے میٹر نے سانس کیوں لیا تھا۔

"تام کیٹ۔" باہر سے آنے والی آواز اس بار خاصی دھیمی ہوگئی مگر سناٹے میں واضح تھی۔

"سن لیا مگر یہ سب بے کار ہے۔ جب تک دوسری بیٹری نہیں ملتی' میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

"ماچس یا لائٹر جلا کر ڈھونڈ لو۔ یہاں روشنی میں ہم زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔"

"اندر والوں نے روشنی دیکھ لی تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔" میں نے چڑچڑے انداز میں کہا "تم ایسے ہی بے وقوفانہ مشورے دینے آئے ہو تو چلے جاؤ۔ مجھے بیٹری سے زیادہ اپنی زندگی سے محبت ہے۔"

"تو پھر دروازہ کھول دو۔ ہم اندر آکر تمہاری مدد کرتے ہیں" وہ پیشکش بہت حوصلہ افزا تھی۔

"چھوٹے اور بڑے دونوں دروازوں میں تالے ہیں۔ آنا ہے تو دیوار پھاند کر آجاؤ۔ ادھر میدان صاف ہے۔ اگر تم نے سیل ڈھونڈ لیا تو چند منٹ میں سب کام سیدھے ہوجائیں گے۔"

چند ثانیوں تک خاموشی چھائی رہی۔ شاید وہ دونوں سرگوشیوں میں مشورے کررہے تھے پھر تھکی تھکی سی وہی آواز بلند ہوئی "ٹھیک ہے۔ ہم آرہے ہیں۔"

اس وقت بولنے والا دیوار کے پیچھے میرے سامنے ہی موجود تھا۔ اس کی آواز اس کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کافی تھی۔ میں چند قدم پیچھے ہٹ کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ میری نظریں دیوار کی کگر پر ہی جمی ہوئی تھیں جس پر ہاتھ جمائے بغیر اندر کودنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دونوں بیک وقت اندر آئے۔ ہمیں ان کی آمد کا علم ان کے قدموں کے زمین پر ٹکنے کی گونجیلی آوازوں سے ہوا۔ ہم اپنے آس پاس ہی دیوار کو تکتے رہے اور وہ تیزی سے اپنی جگہ بدل کر ہم سے دس بارہ فٹ دور ایک دوسرے کے قریب لان پر کودے تھے۔ اس وقت تک ہم دونوں دیوار کے سائے میں تھے مگر وہ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کی زد میں آئے ہوئے تھے۔

وہ دونوں کم وبیش ایک جیسے مضبوط قد کاٹھ کے نوجوان تھے اور اپنے انداز سے بہت پھرتیلے نظر آرہے تھے۔ انہوں نے اپنے قدموں پر کھڑا ہوتے ہی متجسسانہ انداز میں ہماری تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا تھا۔ اس وقت تک ان کے ہاتھ خالی تھے۔ ایک افسوس ناک خرابی یہ ہوئی کہ اندھیرے میں پودوں وغیرہ کے درمیان چھپا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ فوری طور پر ہمارا سراغ نہیں لگا سکے۔

قدرے گورے رنگ کے نوجوان نے خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے پھرتی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

اس وقت تک ان دونوں نے محض میری باتوں پر اعتماد کیا تھا۔ عملی طور پر کوئی قابلِ اعتبار پہلوان کے سامنے نہیں آسکا تھا۔ ان کا بھڑکنا فطری تھا مگر بدری ناتھ اس رات تک کے بھیجے ہوئے ہرکاروں کو کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے دماغ پر اپنے جوہر دکھانے کی دھن سوار ہوچکی تھی۔

اس نے اچانک اپنی جگہ چھوڑ دی اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر کسی پھرتیلے چیتے کی طرح اڑتا ہوا دس بارہ فٹ کا فاصلہ طے کر کے اس نوجوان پر جھپٹ پڑا جس نے پستول نکالا تھا۔ تصادم کے آثار نمودار ہوتے ہی ایس ٹی ایف کے تینوں اہل کار نیچی آوازوں میں غراتے ہوئے اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے۔

بدری کا حملہ اس قدر اچانک اور تیز تھا کہ اس کے حریف کو کچھ کرنے یا سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور بدری اسے اپنی وحشیانہ گرفت میں لیتا ہوا گھاس پر ڈھیر ہوگیا۔

وہ نوجوان قد اور جسامت میں بدری ناتھ سے سوا تھا لیکن اس کے جسم پر بدری کی نپی تلی گرفت اتنی سخت اور مضبوط تھی کہ وہ بدری کے نیچے ہل بھی نہ سکا۔ بدری کسی ہشت پا بلا کی طرح اس کے وجود سے لپٹا ہوا تھا۔ مجھے اس کے داہنے ہاتھ میں دو دھاری خنجر کے پتلے سے پھل کی جھلک نظر آئی۔ میں اضطراری طور پر ان دونوں کی طرف دوڑ پڑا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بدری کو زبردستی اس کے سینے پر سے اتار لوں گا۔

بدری میرے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے شکار کو چھوڑ کر الگ ہوچکا تھا۔ اس نے نہایت بے رحمی' صفائی اور تیزی سے اس کا نرخرا کاٹ دیا تھا جس سے تازہ تازہ جوان لہو کے ساتھ ہوا خارج ہونے کی بھیانک آوازیں بھی برآمد ہورہی تھیں اور وہ سبز لان پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

مرنے والے کا ساتھی پانچ مسلح دشمنوں میں تنہا رہ گیا تھا۔ اپنے ہمراہی کا سفاکانہ انجام دیکھ کر خوف سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اور دہشت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"تمہارا بھی یہی انجام ہوسکتا ہے۔" بدری نے اپنا خنجر اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خنجر کے پھل پر خون کا داغ تک نہیں تھا۔ اسی طرح بدری کے ہاتھوں یا لباس پر بھی خون کی کوئی چھینٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے چند سیکنڈ کی قلیل سی مدت میں اپنے حریف کی گردن کاٹنے کے ساتھ ہی اپنے خنجر کا پھل اسی کے لباس کے کسی حصے سے صاف کرلیا تھا۔

نوواردنے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کمزور آواز میں بدری سے پوچھا "یہ تم نے بہت برا کیا۔ میں نے آج تک ایسا سفاک اور خوں ریز آدمی نہیں دیکھا جو کسی کو صفائی کا موقع دیے بغیر یوں کاٹ ڈالے۔ تم کون ہو؟"

"میں وہی ہوں جس کی تلاش میں تم مارے مارے پھر رہے تھے۔ اب تم اپنی کتھا سنانے میں ذرا بھی ہچکچائے تو میرا اگلا نشانہ تم خود ہوگے۔" بدری نے فخریہ انداز میں سینہ پھلا کر کہا۔

اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ بدری کے ہاتھوں ہونے والے قتل نے اس کی ہر مزاحمتی قوت کو ابھرنے سے پہلے کچل دیا تھا۔ وہ اس واردات کا ایک مثبت پہلو تھا کہ اس سے بازپرس آسان ہوتی نظر آرہی تھی۔

میں نے اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہاتھ پھیلا کر کہا "وہ بڑا گھڑی کہاں ہے جس پر تم فاصلے پڑھ رہے تھے؟"

"وہ راہول کی جیب میں ہوگی۔" اس کے الفاظ سن کر میں ہونکا رہ گیا۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائیوں میں سکون کی ایک عجیب سی لہر انگڑائیاں لیتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تک موڈلے کے لیے کام کرنے والے مقتول کی قومیت کے بارے میں اس وقت تک مجھے کچھ علم نہیں ہوسکا تھا لیکن اس کا نام سن کر مجھے یہ خوشی ہوئی تھی کہ غداروں اور سازشیوں کے ایک وحشی ٹولے کی دلالی کرنے والا وہ شخص میرا ہم مذہب نہیں تھا۔

میں نے چور نظروں سے دیکھا کہ بدری کے بشرے پر دکھ کا ایک سایہ لہرا کر غائب ہوگیا۔ اگر اسے پہلے ہی مرنے والے کا نام معلوم ہوجاتا تو شاید وہ اسے سرے سے قتل نہ کرتا یا پھر اسے مارنے میں اتنی شقاوت اور سرعت سے کام نہ لیتا مگر وہ میری بدگمانی بھی ہوسکتی تھی۔ اٹل حقیقت یہ تھی کہ بدری نے نسل' قوم اور مذہب کا امتیاز روا رکھے بغیر راہول نامی ایک غدار کو ہلاک کردیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے زندہ قیدی کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

"پ...... پرشوتم۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا "ہم بھارتی نہیں' پاکستانی ہندو ہیں۔"

"میں نے صرف نام پوچھا تھا۔" میں نے بدری کا دل رکھنے کے لیے غرا کر کہا "تم مریخی مسلمان ہوتے تب بھی تم کسی بہتر سلوک کے حق دار نہیں ہوسکتے تھے۔"

میں نے ایس ٹی ایف کے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ بڑھ کر راہول اور پرشوتم کی جامہ تلاشی لینے لگے۔ بدری نے راہول کا گلا ایسی پیشہ ورانہ مہارت سے کاٹا تھا کہ اس وقت تک وہ سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا۔

ان دونوں کی جیبوں سے برآمد ہونے والی اشیا میں مزید ایک پستول' کچھ رقم' دونوں کے دفتری شناختی کارڈ اور خوب صورت میٹر ہی قابلِ ذکر تھا۔ وہ دونوں شہر میں شراب کا کاروبار کرنے والی سیٹھ موہن داس کی فرم میں کل وقتی ملازم تھے۔

ان کا فاصلہ ظاہر کرنے والا میٹر میرے اندازے کے مطابق بہت مختصر بلکہ ماچس کی چھوٹی ڈبیا کے برابر پلاسٹک کے سیاہ کیس اور شیشے کے دودھیا ڈائل میں چھپے ہوئے نازک آلات پر مشتمل تھا۔ ڈائل یا اسکرین کے نچلے سرے پر ایک قطار میں تین سوئچ تھے جو اسے آپریٹ کرنے میں مدد دیتے ہوں گے۔

"اسے کچل کر ریزہ ریزہ کردو۔" میں نے میٹر لان پر پھینک کر خاص طور پر کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

ایس ٹی ایف کے ایک آدمی نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل شروع کردیا۔ وہ اپنے ماؤزر کے وزنی دستے سے اس پر شدید ضربات لگا رہا تھا۔

"یہ میٹر کام آسکتا تھا۔ تم نے بلاوجہ اسے برباد کرادیا۔" بدری نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی علیحدہ پوزیشن ڈی ٹیکٹر لگا ہوا ہو۔ جب وہ مسلسل ایک ہی مقام کی نشان دہی کرے گا تو ہمارے دشمن کو ایک نئی راہ مل جائے گی۔"

میرے ایما پر بدری میرے ایک آدمی کے ساتھ عمارت کی طرف چل دیا۔ پرشوتم اس سے آگے چل رہا تھا۔ میں نے انہیں براہِ راست تہ خانے میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ بدری لاش کے غائب کرنے میں ایس ٹی ایف کے کسی آدمی کی مہارت سے واقفیت حاصل کرسکے۔

ان تینوں کے دور نکل جانے کے بعد میں نے باقی رہ جانے والوں کو راہول کی بھیانک لاش اور باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں بریف کیا اور تیزی سے واپس ہولیا۔

تہ خانے میں ماحول سے مزید خوف زدہ ہو کر پرشوتم نے خود بخود بولنا شروع کردیا تھا۔ بدری کسی فرعون کی طرح اسی مسہری پر دراز تھا جس پر لنگڑا حیف ملر آرام کرتا رہا تھا۔ یہ بات ضرور تھی کہ ہماری آمد سے پہلے اول خان نے گھر کے ساتھ ساتھ تہ خانے کو بھی پوری طرح نکھار دیا تھا۔

پرشوتم کی کہانی میں تک موڑلے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔ اصل آدمی سے ان کی فرم کا منیجر واقف تھا۔ وہ اپنے منیجر کی ہدایات کی تعمیل کررہے تھے۔ مکمل ہدایات کے ساتھ وہ میٹر بھی انہیں ان کے منیجر نے ہی فراہم کیا تھا اور وہ اس کے احکام بجالانے پر مجبور تھے۔

وہ فرم مقامی شراب ساز کمپنیوں کی مصنوعات پرمٹ پر فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ غیر ملکیوں اور سفارتی اہل کاروں کے لیے بڑے پیانے پر غیر ملکی شراب بھی درآمد کرتی تھی۔ ان دونوں دھندوں میں مقامی حکام کی ملی بھگت سے بڑے پیانے پر گھپلے ہوتے تھے۔ پرمٹ رکھنے والوں کے نام پر مقامی شراب کی بڑی مقدار مہنگے داموں پر مسلمانوں کو بیچی جاتی تھی۔ یہی حال سفارتی کوٹے پر درآمد ہونے والی شراب کا تھا۔ اس چور بازاری سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک بڑا حصہ منیجر کی جیب میں جاتا تھا۔ اس میں سے وہ اپنی صوابدید کے مطابق منظورِ نظر ملازمین کو بھی رقوم دیتا رہتا تھا۔ ان غلط کاموں کی وجہ سے فرم میں غنڈا گردی کرنے والوں کا ایک گروپ بن گیا تھا جسے منیجر کے ذریعے پولیس والوں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

پھر یوں ہوا کہ راہول کو اپنی بیوی کی بے وفائی کا علم ہوا۔ اس نے پرشوتم کے ساتھ مل کر اپنی بیوی کو قتل کردیا اور یہ خبر اڑا دی کہ وہ عورت اپنے نامعلوم آشنا کے ساتھ کہیں فرار ہوگئی۔ منیجر کو کسی طرح اصل واقعے کی بھنک مل گئی اور اس نے چال بازی سے کام لیتے ہوئے ان دونوں کو اعترافِ جرم پر مجبور کردیا۔ یوں وہ دونوں اس کے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی بن گئے۔

منیجر نے میٹر دے کر انہیں یہ سمجھایا تھا کہ ٹھکانے کی تلاش میں انہیں رات کے دس بجے سے صبح تین بجے تک شہر کے ایک مخصوص علاقے میں متحرک رہنا ہے تاکہ میٹر کے کام شروع کرتے ہی وہ تیزی سے مطلوبہ مقام تک پہنچ سکیں۔ وہاں انہیں نام کیٹ کا کوڈ سنا کر کچھ دیر انتظار کرنا تھا۔ وقفے کے بعد دوسری طرف سے بگ بینگ کہا جاتا تو پھر انہیں بگ بینگ کی ہدایت پر عمل کرنا پڑتا۔ اسی کے ساتھ ان دونوں کو اس مکان میں رہنے والے علی شیر اور اس کے ساتھی کے بارے میں مکمل معلومات جمع کرنی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ بیرونِ ملک سے سفارتی استعمال کے لیے ڈیوٹی فری شراب کی درآمد اور چور بازار میں اس کی فروخت کے چکر میں تک موڑلے اور منیجر کے مراسم استوار ہوئے ہوں گے۔ مجرمانہ ذہن رکھنے والے مقامی ہر وقت تک کی ضرورت رہے ہوں گے۔ اس نے منیجر کو گھپلوں میں ڈھیل دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس طرح اسے ایک چھوٹے مگر مضبوط اور محفوظ گروہ کا تعاون مل گیا۔

وہ منیجر کے ذریعے نہ جانے کتنے کام لے چکا ہوگا۔ کام کرنے والوں کو بھنک بھی نہیں ملتی ہوگی کہ وہ کسی امریکی ایجنٹ کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے تک میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے ساتھ یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ بدری اور رمیش کے فارغ ہوتے ہی مجھے ٹھکانے لگوا دے گا تاکہ خود مستقبل کے ہر خطرے سے محفوظ رہ سکے۔ سائنسی بنیادوں پر میرے ٹھکانے کا سراغ لگانے اور راہول اور پرشوتم جیسے مستند قاتلوں کو میری راہ پر لگانے کا اس کے سوا کوئی اور مقصد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات منیجر پر ہاتھ ڈالنے سے سامنے آسکتی تھی۔

ہمیں پرشوتم پر کوئی محنت نہیں کرنی پڑی۔ گفتگو مکمل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تاکہ وہ کسی بھی وقت رمیش کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کراسکے۔

"تم نے راہول کے ساتھ بہت ظلم کیا۔ وہ ایسی موت کا مستحق نہیں تھا۔" تہ خانہ مقفل کرکے اوپر آنے کے بعد میں نے پہلی بار بدری سے کہا "اس کی حماقت سے آج تک کا ایک ریکٹ ٹوٹا ہے۔"

"میں اپنے کیے پر پچھتانے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے بے پروائی سے کہا "اسے زندہ چھوڑتے تو آج رات کی پوری کہانی تک کے کانوں تک پہنچ جاتی۔ تم اسے کب تک قید رکھ سکتے ہو؟ پرشوتم کو تم کتنے دن مفت کی روٹیاں کھلاؤ گے۔ سیکرٹ سروس کے یہ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ دوستوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو اور دشمن کو کبھی مہلت نہ دو۔ زیر کرتے ہی اسے جہنم واصل کردو۔"

"تو کیا پرشوتم کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ کرچکے ہو؟" میں نے اس کے فلسفے سے متاثر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اس سے سوال کیا "وہ تو راہول کا انجام دیکھ کر ہی ادھ موا ہوچکا ہے۔"

"وہ آسان ترین موت تھی جو راہول کے حصے میں آئی۔ ٹخنوں اور کلائیوں کی رگیں کاٹ دی جائیں تو خون دھیرے دھیرے بہتا ہے اور مرنے والے کو بڑی اذیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم پرشوتم کی مہمان داری سے اکتا جاؤ تو مجھے بتا دینا میں اسے نرگباش کردوں گا۔"

"رمیش کو ٹوکتے ہو اور خود اس وقت ایک ہندی لفظ بول رہے ہو۔"

"ہاتھ پیر کھلنے کی خوشی میں اس وقت ذرا سا بہکا ہوا ہوں۔

...کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

...تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ میں کسی بھی وقت سفر پر روانہ ہوں۔ میرے پیچھے پرشوتم کا معاملہ الجھ جائے گا۔ اسے رہا کر ...سب عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے۔"

...تو چلو، نیچے چل کر ایک اور کمال بھی دیکھ لو۔ صاف ستھرے ...نے کو خون سے گندا کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

...ہرا ارادہ اسے تہ خانے سے نکال لانے کا تھا مگر بدری کا موڈ ...میں چپ رہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ وہ خوش ہوگیا۔ یوں ...ہو رہا تھا جیسے میں نے اسے اس کے من پسند کھیل کی دعوت ...ہی ہو۔

چند منٹ بعد ہمیں دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر پرشوتم کی ...سے خوف جھلکنے لگا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری یہ مشکلیں جلد ہی آسان ...ہیں گی۔" بدری نے اس پر جھک کر نرمی سے کہا اور پھر اس ...دہانے میں ٹھنسا ہوا کپڑا کھینچ کر باہر نکال پھینکا۔ پرشوتم کی ...وں میں اس کے لیے ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔

"اس وقت تم بہت نرم دل اور مہربان معلوم ہورہے ہو۔" وہ ...ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ تو میں ہوں۔" بدری اس کے ہاتھوں کی بندشیں کھولتے ...بولا "بس کبھی کبھی تازہ خون کی سرخی دیکھنے کو جی چاہتا ہے تو ...بہک جاتا ہوں۔ ارے، تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا ...بہا کر میں یہ خوب صورت تہ خانہ برباد نہیں کروں گا۔ دیکھو ...کباڑ بھی ایک کونے میں کتنے سلیقے سے چنا ہوا ہے۔"

اس نے پرشوتم کو پوری طرح آزاد کردیا۔ وہ اپنی کلائیوں کو ...سہلاتا ہوا اپنے قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔

بدری ٹہلتا ہوا اس کے مقابل جا کھڑا ہوا۔ اس وقت تک وہ ...خالی ہاتھ تھا۔

"اب ذرا سر اٹھا کر اپنے سامنے والی دیوار اور چھت کے جوڑ ...کوئی خرابی تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تمہارے مشاہدے کا ...معمولی سا امتحان ہے۔"

پرشوتم نے سر اٹھا کر اپنی نظریں بدری کے بتائے ہوئے مقام ...تبھی اچانک بدری کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔ بہت تیزی ...ساتھ اس کا داہنا بازو فضا میں بلند ہوا۔ بدری کا جسم بائیں ...جھک گیا تھا۔ پھر اچانک ہی بدری کا داہنا مکا پوری قوت سے ...کی ٹھوڑی پر پڑا۔ ایک شدید جھٹکے سے پرشوتم کا سر پیچھے گیا، ...گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی واضح آواز آئی۔ اس کے منہ سے ...ایک تیز اور اضطراری ہچکی آزاد ہوسکی اور وہ پشت کے بل ...گر کر بے حس و حرکت ہوگیا۔

بدری اپنے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی پشت رگڑتے ہوئے ...لگا جیسے کسی عالمانہ موضوع پر لیکچر دینے کا ارادہ رکھتا ہو پھر پُرسکون آواز میں کہنے لگا "ہوتا یوں ہے کہ جب بے خبری میں تمہارا فولادی مکا کسی کی ٹھوڑی پر پڑتا ہے تو گردن کو جھٹکا لگتا ہے۔ گردن نازک ہوتی ہے۔ ہڈی ٹوٹ جاتی ہے مگر آدمی ہڈی ٹوٹنے سے نہیں مرتا۔ ہڈی کے ساتھ دماغ سے اترا ہوا مغز جسے تم حرام مغز کہتے ہو، ٹوٹ جاتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔ دیکھو یہ کتنے سکون سے مرگیا.. اسے پتا بھی نہیں چلا ہوگا کہ یہ مرنے والا ہے۔"

میں کچھ کہے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دوسروں کو اذیت رسانی کے کسی ہولناک نفسیاتی عارضے میں مبتلا معلوم ہوتا تھا۔ انسانوں کی زندگی کا چراغ گل کرکے وہ سرور بلکہ نشے کی سی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اذیت دینے کا یہ عمل ہر کس و ناکس پر آزمانے کا عادی نہیں تھا۔ اپنا شوق صرف اپنے دشمنوں پر پورا کرتا تھا۔ اس کے اس شوق نے مجھے دو افراد کے قتل سے بچالیا تھا۔

"یہ بڑی عجیب صورتِ حال ہے کہ یہاں آکر بھی اتفاق سے ہندو میرا نشانہ بن رہے ہیں۔" راستے میں اس نے ہنس کر کہا "مجھے مدد کی ضرورت پڑی تھی تو میرے سامنے ان میں سے کوئی نام نہیں تھا۔"

"فکر مت کرو۔ جلد ہی مسلمان بھی تمہاری زد میں آسکتے ہیں۔ مجرم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ صرف مجرم ہوتا ہے۔ آخر تک ہم کو پتا نہیں تھا کہ تک نے کن لوگوں کو بھیجا ہے۔"

"ساری رات اسی چکر میں بیت گئی۔ اب میں تھوڑی دیر کے لیے سونے جارہا ہوں۔ میری یہ بات یاد رکھنا کہ اب رمیش بھروسے کے قابل نہیں رہا ہے۔ تمہیں اس سے ہوشیار رہنا ہے۔"

اس رات میں نے بدری کے ساتھ بہت زیادہ وقت گزار لیا تھا۔ میں خود بھی اس سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں تھا تاکہ اس سے الگ ہونے کے بعد دوسرے کاموں کی طرف توجہ دے سکوں۔ میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے اسے فوراً ہی اس کے کمرے کی طرف روانہ کردیا۔

راہول اور پرشوتم نے اپنے منیجر کے ذریعے تک کا آلۂ کار بن کر جو جرم سرزد کیا تھا وہ اتنا سنگین نہیں تھا کہ اس کی پاداش میں ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ راہول کے قتل پر میرا فوری تاثر گہرے صدمے اور افسوس کا تھا مگر پرشوتم کی کہانی سن لینے کے بعد مجھے یہ اطمینان ہوا تھا کہ وہ دونوں مکافاتِ عمل کا شکار ہوئے تھے۔ قدرت کے اس خودکار نظام میں یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے بعض سنگین اور کردہ گناہوں کے چکر سے صاف بچ نکلتا ہے لیکن پھر کسی ناکردہ یا معمولی جرم کے نتیجے میں ایسی بھیانک سزا سے دوچار ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کی روح تک لرز اٹھتی ہے۔ اس بار بھی شاید قدرت نے ان دونوں کو راہول کی بیوی کے قتل کی سزا بدری ناتھ کے ہاتھوں دلوا کر اپنے اسی اصول کی ایک اور اٹل نظیر پیش کی تھی۔

باہر اول خان کے تینوں آدمی راہول کی گردن بریدہ لاش کو لان سے ہٹا چکے تھے۔ باہر کھڑی ہوئی موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹیں نکال کر اسے گیراج میں بند کردیا گیا تھا۔ اس وقت وہ لان پر جمے ہوئے خون کی علامات کو مٹی سے چھپانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

میں نے انہیں تہ خانے میں پرشوتم کی خشک لاش کی موجودگی سے آگاہ کرتے ہوئے دونوں لاشوں اور موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹوں کو اسی وقت ٹھکانے لگانے کے بارے میں سمجھایا اور پھر لوٹ آیا۔

واپسی پر معاً مجھے خیال آیا کہ کشت و خون میں الجھ کر بدری ایک اہم ترین کام کے بارے میں بھول گیا تھا۔ میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ روشنی گل کرکے بستر پر دراز ہوچکا تھا مگر جاگ رہا تھا۔

میں اسے خاموشی سے اس کے کمرے سے باہر نکال لایا۔ اس نے میرے قدموں کی آہٹ محسوس کرتے ہی تیزی سے بستر چھوڑ دیا تھا۔

میری بات پہلے ہی اشارے پر اس کی سمجھ میں آگئی۔ اپنی طرف سے نک موڈلے کا ذہن صاف رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ بدری اسی وقت نک سے رابطہ کرکے اس سے اپنے بے نیل و مرام انتظار کا شکوہ کرکے ایریئس بند ہونے کے بارے میں ضروری وضاحتیں کرتا تاکہ وہ اس کی طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ رہتا۔

بظاہر وہ قصہ خوش اسلوبی سے نمٹ گیا تھا۔ راہول اور پرشوتم نک کی لاعلمی میں ہمارے پنگل میں پھنس کر اپنے منطقی انجام سے دوچار ہوچکے تھے۔ ان دونوں کے اچانک غائب ہونے پر ان سے متعلقہ لوگوں کو تشویش ہوسکتی تھی مگر میں نے اس کا رخ بدلنے کی ایک ترکیب سوچ لی تھی۔

اول خان اسی رات کے حوالے سے اخبارات میں دو پارٹیوں کے درمیان رات گئے فائرنگ کے تبادلے، پھر ایک سے زائد افراد کے اغوا کی فرضی خبر چھپوادیتا تو یہی سمجھا جاتا کہ رات کو آوارہ گردی کرتے ہوئے وہ دونوں مقامی بدمعاشوں کی کسی ٹولی سے ٹکرا گئے اور اس مقابلے کے نتیجے میں اغوا کرلیے گئے۔

ان کے بارے میں کچھ عرصے تک تلاش کی سرگرم کوششیں جاری رہتیں پھر متعلقین رو پیٹ کر خود ہی صبر کرلیتے کیونکہ شہر میں ان دنوں اس قسم کی متعدد وارداتیں رونما ہوچکی تھیں جن میں اٹھائے جانے والوں کا ہفتوں بعد بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

ان دونوں سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں شراب کی درآمدی اور کاروباری فرم کا منیجر اہم کردار کا حامل تھا۔ اس پر ہاتھ ڈال کر ملک دشمن افراد کے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ ان دونوں کے اچانک غائب ہونے کے فوراً بعد منیجر پر ہاتھ ڈالنے سے نک واقعات کی کڑیوں کو یکجا کرسکتا تھا۔ ضروری تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے تازہ واقعے کی گرد دبنے کا انتظار کیا جاتا۔ ایک بار راہول اور پرشوتم کے نام ذہنوں میں ماند پڑجاتے تو خبیث منیجر کو خاموشی سے اٹھایا جاسکتا تھا۔

میں خاموش بیٹھا ان پہلوؤں کی جزئیات پر غور کرتا رہا اسی دوران میں بدری نے اپنے ایریئس پر نک موڈلے سے رابطہ کرلیا۔

بدری کی پہلی ہی کال پر اس نے برہمی کے ساتھ کہا تھا "کہاں تھے۔ اتنی دیر سے ایریئس کیوں بند تھا؟"

"میں باہر اندھیرے میں تمہارے آدمیوں کا انتظار کررہا تھا۔ ایریئس میرے ہاتھ سے گر گیا اور سیل اندھیرے میں کہیں کھو گئے۔ میں باہر روشنی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اب اندر آنے کے بعد درازوں سے پرانے سیل تلاش کرنے کے بعد تم سے بات کررہا ہوں۔ ان کے انتظار میں میری پوری رات کالی ہوگئی۔"

"تم ڈفر ہو" نک کی غضبناک آواز توہین آمیز ہوگئی "ایریئس بند کرکے تم قیامت تک بھی باہر بیٹھے رہو تو وہ تم تک نہیں آ سکتے۔ میں نے تمہیں پوری بات سمجھادی تھی۔ تمہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سیل تلاش کرنے چاہیے تھے۔ تم لولے نہیں ہو کہ تمہارے ہاتھ سے ایریئس گر گیا۔"

"بس غلطی ہوگئی" بدری نے مردہ سی آواز میں کہا "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"اپنا منہ پیٹو اور اپنے اوپر لعنت بھیجو" نک اپنی باتوں سے بدری کے سینے میں سلگتے ہوئے نفرت کے الاؤ کو بھڑکانے کی نادانستہ کوششوں میں مصروف تھا "اس سے پہلے بھی تم نے تھوڑی دیر کے لیے ایریئس بند کیا تھا۔"

بدری نے پہلے سے رٹی رٹائی تاویل دہرادی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کے ہر سادہ اور عاجزانہ لفظ پر نک بری طرح پیچ و تاب کھا رہا ہوگا۔ وہ بہانے قابلِ فہم ضرور تھے مگر ایک نازک موقع پر دو مرتبہ ناگزیر مجبوریوں کا پیش آجانا کسی کو بھی نک کی طرح مشتعل کرسکتا تھا۔

"تم کام چور اور نمک حرام ہو" نک اس پر بے تکان برسنے لگا "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے بڑوں نے راس کے لیے ایسے ناکارہ کھوپڑیوں کا انتخاب کیا ہوگا۔ اب تمہاری سزا یہی ہے کہ ایریئس لے کر سورج طلوع ہونے تک باہر انتظار کرتے رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ اب وہ نہیں آئیں گے۔ وہ مایوس ہوکر لوٹ چکے ہوں گے لیکن تم کو اپنی سزا پھر بھی بھگتنی ہوگی، یہ میرا حکم ہے۔"

"تم بگ باس ہو۔" بدری نے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا "چاہو تو مجھے اسی لمحے واپسی کا حکم دے سکتے ہو۔" شاید اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی اسی لئے اس نے اتنی بڑی بات کہہ ڈالی تھی مگر پھر اس نے اپنے فقروں کی کاٹ کم کرنے کے لیے رکے بغیر بات جاری رکھی "مجھے تمہارا ہر حکم منظور ہے۔ میں اسی وقت کھلے آسمان کے نیچے رات کا باقی حصہ گزارنے کے لیے جاتا ہوں۔"

"اچھے کارندوں سے ہر ایک کام لے لیتا ہے۔ میں ہر ایک سے کام لینا جانتا ہوں۔ تربیت کے دوران تمہارے ذہن پر زنگ کا ایک ایک ذرّہ کھرچ کر نکال دیا جائے گا۔ واپسی پر تم خود کو ایک نیا ایجنٹ محسوس کرو گے۔ تمہاری ذاتی انا بیرے سے مٹ چکی ہوگی اور تم صرف پیشہ ورانہ انا اور وقار کے لئے زندہ رہنا سیکھ لوگے۔"

"میری انا اب بھی مرچکی ہے۔" بدری نے سرد نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایریئس میں کہا "میں شروع سے تمہاری جھڑکیاں انعام سمجھ کر سہہ رہا ہوں کیونکہ تم میرے بگ باس ہو اور میں تمہارا ادنیٰ سا خادم۔"

"اگر میرے دونوں آدمی تین بجے واپس لوٹ چکے ہیں تو کل رات بھی یہی مشق دہرانی ہوگی" اس نے پہلی بار اپنے آدمیوں کی تعداد کا انکشاف کرتے ہوئے کہا "آج کی رات رائگاں جائے گی۔ چاہو تو دن میں اپنی نیند پوری کرلینا تاکہ آنے والی رات میں تم پوری یکسوئی سے کام کرسکو۔"

"سورج طلوع ہونے کے بعد مجھے تم کو رپورٹ دینی ہوگی؟" بدری نے پوچھا۔

"سورج نکلتا ہے تو سارا عالم اسے دیکھ لیتا ہے۔" اس نے شاید بدری کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی تھی۔ "اب تم مجھے ڈسٹرب نہیں کرو گے۔ ضرورت پڑنے پر میں خود بات کروں گا۔ اوور اینڈ آل۔"

بدری نے ایریئس کو حقارت سے گھورا اور پھر آف کئے بغیر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"تم دیکھتے ہو کہ وہ اپنے ایک ایک لفظ سے میری روح پر نشتر لگاتا ہے۔" بدری نے زہر آلود لہجے میں کہا۔ "ایسے آدمی سے نفرت کو زندگی کا مشن بنالینے کو میں عین عبادت سمجھتا ہوں۔"

"اب میں تمہاری بغاوت اور سرکشی کے اسباب کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ رہا ہوں۔ نک بددماغ اور دوسروں کے جذبات کو سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل عاری ہے۔ اس کے لئے کام کرنا بہت مشکل ہے۔ آج رات تم نے پہلی بار اسے براہِ راست شکست دی ہے۔ باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ ایریئس بند کئے بغیر اپنے بستر میں گھس کر آرام کرو۔"

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے کسلمندانہ انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سوئیاں ساڑھے تین بجانے والی تھیں۔ تذبذب کے باوجود میں نے فون پر اپنے فلیٹ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کردیا۔

فون کی پہلی گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے اول خان نے ریسیور اٹھالیا۔ اس کی آواز میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں تھا۔ میری آواز سن کر وہ خوش ہوگیا۔ "میں اس وقت بھی تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"ویرا کے سامنے ایسی بات نہ کہہ بیٹھنا۔ وہ تمہارا نذاق بنا لے گی۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "بستر میں لیٹ کر لوگ صرف محبوبہ یا بیوی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ویسے تم کو اس وقت میرا خیال کیوں آرہا تھا؟"

"تم تلوار کی تیز دھار پر چل رہے ہو۔ ہر وقت کسی حادثے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"ان تفکرات کے لئے غزالہ کافی ہے۔ یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے اس کی بات اُڑادی۔

"تم دونوں کے پاسپورٹ دوپہر تک ہاتھ میں آجائیں گے۔" اس نے مجھے خوش خبری سنائی۔ "ناموں کی تبدیلی اور عمروں کے تھوڑے بہت فرقوں کے سوا سب کچھ اصل جیسا ہی ہوگا۔"

"گڈ! اس کا مطلب ہے کہ میں پرسوں سفر پر روانہ ہوسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"پرسوں کیوں، کل کہو۔ اب تو نیا دن شروع ہی ہوچکا ہے۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ قمری حساب سے غروبِ آفتاب کے بعد نیا دن شروع ہوجاتا ہے۔ جس کی ابتدا آسمان کی بے کراں وسعتوں میں چاند کی حکمرانی سے ہوتی ہے۔ شمسی حساب سے رات کے بارہ بجے کے بعد سے نئے دن کا آغاز ہوجاتا ہے مگر ہوتا یہی ہے کہ عام طور پر رات کو پچھلے دن میں شمار کیا جاتا ہے۔

"بات ایک ہی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا "میں نے آج کی رات خاصی بھاگ دوڑ میں گزاری ہے۔ اس وقت تمہارے آدمی ایک گیلی اور دوسری خشک لاش کو ٹھکانے لگانے کی تیاری کررہے ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔" اول خان کی بے ساختہ آواز آئی۔ "یہ لاشوں کا نزول پھر سے شروع ہوگیا۔"

"یہ سب نِک موڈلے کے دیے ہوئے ایریئس کی کرامات ہیں۔ آج رات بدری نے اس کے بھیجے ہوئے دو ہندو مجرموں کو ٹھکانے لگا کر اسے پہلی شکست سے دوچار کیا ہے۔"

اول خان بعد میں رونما ہونے والے واقعات سے بالکل بے خبر تھا۔ اس لئے اس کے ذہن پر بے شمار سوالات نے یلغار کردی۔ میرے لئے اس کے لامتناہی سوالات کے جواب دینا آسان نہیں تھا۔ میں نے اسے شروع سے پوری کہانی سناڈالی۔ اس کے لئے وہ تفصیلات تحیر خیز ثابت ہوئی تھیں۔

"یہ واقعی بہت بڑی کامیابی ہے۔ میں راہول والی فرم سے واقف ہوں۔ سمجھ لو کہ اب اس کے منیجر کی باری ہے۔ وہ واقعی خود کو ایک بارسوخ بدمعاش سمجھنے لگا ہے۔ میں اس کی ساری بدمعاشی ناک کے راستے بہادوں گا۔ وہ ایک ایک بات اُگلنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"ابھی ایسا نہ کرنا۔" اسے منع کرنے کے بعد میں نے اپنے تحفظات دہرا ڈالے۔ نک کو خلش اور بے یقینی میں مبتلا رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ راہول اور پرشوتم سے تعلق رکھنے والے کسی

بھی فرد کو نہ چھیڑا جائے۔ بات فوراً ہی اول خان کی سمجھ میں آگئی۔

پھر اس نے خود ہی دونوں مقتولین کی بات چھیڑ دی۔ ان کی یکایک روپوشی' ہزاروں وسوسوں کو جنم دے سکتی تھی۔ میں پہلے ہی تک کو گمراہ کرنے کی ایک اخباری تجویز لئے بیٹھا تھا۔ ابتدا میں وہ بات اول خان کے پلے نہیں پڑ سکی۔ میں نے تجویز کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی تو اس نے خود ہی وہ ذمے داری اپنے سر لے لی۔ میرے پاس ویسے بھی اول خان کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسائل یوں چٹکی بجاتے میں حل ہو جاتے تھے کہ ان کی صحیح اہمیت کا احساس ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہیروئن کی پیداواری منڈی پر قبضے کی عالمی چپقلش ہمارے خلاف ایک بھیانک روپ دھارتی چلی جا رہی ہے۔" ان معاملات کے طے ہو جانے پر ایک گہرے سانس کے ساتھ اول خان کی آواز آئی۔ "بعض اہم قوتوں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہمیں اپنی مرضی کے راستے پر نہیں چلنے دیا جائے گا۔"

"اگر تم ملک میں گاہے گاہے پھیلنے والی سیاسی افواہوں کے حوالے سے بات کر رہے ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے بیشتر لیڈر اپنے کئے دھرے کا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ کرسی پر بیٹھ کر جن قوتوں کی جی حضوری کرتے ہیں' کرسی سے اترتے ہی خرابیوں کا طوق اسی کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ مجھے ان سے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ انہوں نے ہیروئن کو بھی اپنے مفادات کے حصول کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ہمارے ملک کے چپے چپے پر سسکتے اور اونگھتے ہوئے زندہ لاشے نظر آنے لگتے۔"

"مجھے خود بھی سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان کی ناصحانہ آواز ابھری۔ "میں پہلے بھی تم کو بتا تا رہا ہوں کہ ہم اپنے سسٹم میں رہ کر کام کرنے کے عادی ہیں۔ میں کچھ اور بات کر رہا تھا۔ راس المیڈا شی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تاکہ شی کو ملنے والی بھاری گرانٹ کے ساتھ ہیروئن کے بین الاقوامی کاروبار پر قبضہ کر سکے۔ بظاہر وہ پاکستان بھی اسی لئے آیا تھا۔ پاکستان کے راستے اسمگل ہونے والی مقامی اور افغان ہیروئن پر اس کے دانت تھے۔ ساگا کو اس نے تلخ ذائقہ' بے بو اور اعلیٰ قسم کی سفید اور براؤن ہیروئن کی خریداری کی ذمے داری سونپی تھی۔ مگر دوسری طرف اس نے بھارت سے رمیش اور بدری کو بلا لیا۔ مدن موہن پہلے سے یہاں ایک سوشل ریکٹ چلا رہا تھا۔ تک موڑلے سے ان لوگوں کے گہرے روابط سامنے آ رہے ہیں۔ مگر آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے درمیان چلی آنے والی پرانی مفاہمت کسی بھی وقت ختم نہیں ہوئی تھی۔ راس نے ان رابطوں کو دوبارہ فعال بنا لیا تھا اور آج ہم اسی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ یہ سب راس المیڈا کے لگائے ہوئے پودے ہیں جو اب زہر کی فصل دے رہے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ آج میں تمہیں بتا دوں کہ کسی انقلابی قدم کے بغیر ہمارے خلاف سی آئی اے اور را والوں کا گٹھ جوڑ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ وہ ہمارے خون کی بو پر لگے رہیں گے۔"

"انقلابی قدم کے دور دور آثار نظر نہیں آتے۔ آنے والے برسوں میں سب کچھ یونہی چلتا رہے گا۔"

"میں تبدیلی کے آثار محسوس کر رہا ہوں۔ بدری ناتھ نے صرف تک سے نہیں را سے بھی بغاوت کی ہے۔ میری دانست میں یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے اثرات دور رس ہوں گے۔"

"ہاں۔" اول خان نے اعتراف کیا۔ "چند روز پہلے تک یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ کامیابی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ بدری کی ذات' شبہات کی زد میں نہ آنے پائے۔ جس دن اسے منظر سے ہٹا دیا گیا اسی دن ہم پرانی جگہ پر پہنچ جائیں گے۔"

"میں صبح گھر آؤں گا تو یہ باتیں ہوں گی۔ اس وقت میں صرف راہول اور پرشوتم کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ تم میرا مطلب سمجھ ہی چکے ہو۔ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہئے۔"

"کام کے بارے میں بے فکر رہو۔ یہ خیال رکھنا کہ صبح مجھ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ مجھے اسٹیشن فور جانا ہے۔"

"وہاں آج کل کیا سرگرمیاں چل رہی ہیں؟" میں نے بے دھیانی میں پوچھ لیا۔

"روٹین کے کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بس آج کل مدن موہن کے دیئے ہوئے سات ناموں پر پورے زور و شور سے کام ہو رہا ہے۔ ابھی تک ہمیں تین افراد کو اٹھانے کی اجازت ملی ہے۔ بقیہ چار افسران شجرِ ممنوعہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں مدن موہن کی شہادت کو ناکافی قرار دیا جا رہا ہے۔"

"وہ تین بدنصیب رنگیلے کون ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے؟" میں نے تلخی سے پوچھا۔

"ان میں بس لیڈی سرفراز ہی قابلِ ذکر ہے۔" اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی "چاروں بڑے افسران اور ان کی بیگمات کے بارے میں لیڈی سرفراز کئی اہم باتیں بتا چکی ہے۔"

"یہ وہی لیڈی سرفراز تو نہیں جو کئی بڑے کاروباری اداروں کو کامیابی سے چلا رہی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی ہے۔ سماجی خدمات اور عورتوں کی مساویانہ آزادی کے سلسلے میں اس نے خاصا نام کمایا ہے۔"

"اور وہ بھی انڈین سوشل ریکٹ میں گھسی ہوئی تھی!" میں نے تعجب سے کہا۔

"ایسی ہی شخصیات پر ڈورے ڈالے جاتے ہیں۔ وہ جوانی میں بیوہ ہو جانے کے بعد سے بہت نیک نامی سے اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو ترقی دے رہی ہے۔ وہ کسی طرح چالیس سال سے کم نہیں ہے اور اس عمر میں مدن موہن جیسے جوان پر بری

طرح مرمٹی ہے۔ مدن موہن بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ ان کی بیشتر ملاقاتیں' نیچرل انفارمیشن سیل کی تقریبات میں ہوتی رہی ہیں۔"

"خدایا!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "اخباری تصاویر میں وہ مجھے ہمیشہ بہت حسین اور پروقار نظر آئی ہے وہ بھی اس گند میں شامل ہے۔"

"میرے الفاظ بہت نرم اور شائستہ ہیں۔ اس عورت نے پختہ عمر کو پہنچنے پر خود کو برباد کرلیا ہے۔ مدن موہن نے اس کے بارے میں ناقابلِ یقین اور چشم کشا کہانیاں سنائی ہیں۔"

"اس وقت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔" میں نے اُداسی سے کہا۔ "میرا اس سے کوئی ذاتی تعارف نہیں تھا۔ مگر تمہاری باتیں سن کر مجھے صدمہ ہوا ہے۔ لیڈی سرفراز نے مدن موہن کے چکر میں آکر مجھے سرنگوں کردیا ہے۔"

فون بند ہوگیا۔ مجھے یکایک ہی تکان اور نقاہت کا احساس ہونے لگا اور میں نے آنکھیں موند لیں۔

انسان قدرت کی ایک عجیب ہی مخلوق ہے۔ یہ اپنے کردار کی بلندی کی طرف سفر شروع کر دے تو فرشتے بھی اس سے شرمسار ہو کر اپنا منہ چھپانے لگتے ہیں۔ جب یہی انسان گراوٹ اور اخلاقی پستی میں مبتلا ہو جائے تو درندوں اور وحشی حیوانوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

میں کوئی تخیل پرست انسان نہیں ہوں۔ میں نے ابتدا ہی سے بہت بھرپور عملی انداز میں اپنی زندگی گزاری ہے اور میں زندگی کے ہر موڑ پر تلخ ترین حقیقتوں کے مقابلے کے لئے تیار رہتا ہوں۔ اسی کے ساتھ میرے وجود کے کسی نہاں خانے میں کوئی جمالیاتی حس بھی پوشیدہ ہے جو ہر اچھائی' خوبی اور خوب صورتی سراہتی ہے اور اسے خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ اس حوالے سے میری یہ رائے ہے کہ بنیادی طور پر ہر انسان اندر سے کسی نہ کسی حد تک تخیل پرست ہوتا ہے۔ ایک چیز اس کی اپنی نہیں ہوتی' وہ جانتا ہے کہ اسے کبھی نہیں اپنا سکے گا۔ وہ اسے اچھی لگتی ہے اور وہ چپکے چپکے اسے پسند کرنے لگتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی خاموشی اور یکطرفہ چاہت کا یہ رشتہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور ساری زندگی اسی شدت سے قائم رہتا ہے۔ یہ وہ چاہت ہوتی ہے جو بے نفس اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ پھر ایک دن اجل کا بے رحم ہاتھ دونوں میں سے کسی ایک کو بے رحمی سے اچک لیتا ہے' یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لوگوں کی یہ چاہت کسی خوب صورت جھیل' اونچے پہاڑ' نامور عالم' محبوب لیڈر' خوبرو اداکارہ یا باوقار شخصیت تک' کسی کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ اس پسند میں قسم اور جنس کا کوئی تعین ضروری نہیں ہوتا' بس دل کو بھا جانے والی بات ہوتی ہے۔

میں نے برسوں پہلے لیڈی سرفراز کا ایک تصویری انٹرویو پڑھا تو اس پُرکشش خاتون کے عزم و حوصلے اور ستھرے خیالات نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا اور میرے دل میں اس کے لئے عزت و احترام کا ایک خودرو جذبہ ابھر آیا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ میں نے اس کے بارے میں بہت زیادہ جاننے کی کبھی کوئی جستجو نہیں کی۔ جو کچھ میری نظروں سے گزرا اسے میں نے ہمیشہ بہت شوق اور غور سے پڑھا۔ میری نظروں میں وہ نسوانی عزم و وقار کا ایک مثالی پیکر بنتی چلی گئی۔

مجھے دکھ تھا کہ میرے اور اس کے اس نادیدہ اور لطیف سے تعلق کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے نہیں بلکہ خود اسی مثالی پیکر نے تباہ کیا تھا۔ وہ خود مختار تھی' اس پر میرا کوئی حق نہیں تھا' میں اس کے لئے اجنبی تھا مگر پھر بھی مجھے قلق تھا۔

اول خان کی زبان سے اس کی کہانی سن کر میرے پندار کو ٹھیس پہنچی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے مجھے آدمیوں کی پرکھ نہ ہو۔ اپنی نظروں میں' میں وہ جوہر شناس بن گیا تھا جو ہیرے کے دھوکے میں شیشے کی کرچ کو انمول سمجھ بیٹھا ہو۔ قصور لیڈی سرفراز کا تھا' بدکردار اور بے وقعت وہ کہلائی تھی مگر مجروح میں ہوا تھا۔

پتا نہیں اس عورت نے میرے ساتھ اور کتنے لوگوں کا اعتبار لہولہان کیا تھا۔

میں آنکھیں موندے دیر تک اسی کے بارے میں سوچتا اور کُڑھتا رہا اور پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

○☆○

فلیٹ میں دوپہر کا کھانا ویرا کی کوششوں سے تیار ہو کر میز تک پہنچا تھا اور وہیں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے میں اپنے کمرے میں سوتا رہا تھا۔

اول خان کے آدمیوں نے لاشوں کو ٹھکانے لگانے کا کام رات کے اندھیرے میں ہی مکمل کرلیا تھا اور میری گاڑی فارغ ہو گئی تھی۔ اس لئے میں صبح سات بجے ہی نادرہ کے گھر سے نکل کر فلیٹ پر پہنچ گیا تھا۔ اس وقت فلیٹ میں صرف غزالہ بیدار تھی۔ دروازہ کھول کر مجھے دیکھتے ہی وہ خوشگوار حیرت سے دوچار ہو گئی۔

میں نے فلیٹ میں سوئے ہوئے دو فتنوں کو جگانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اول خان میرے پہنچنے سے پہلے اسٹیشن فور کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ میدان بالکل صاف تھا۔ میں غزالہ کے ساتھ کمرے میں گھس گیا۔ اس مرتبہ میں دروازہ بولٹ کرنا نہیں بھولا تھا کیونکہ ویرا کسی خدائی فوجدار کی طرح کسی بھی وقت بے دھڑک اندر آسکتی تھی۔

غزالہ کے لئے میری آمد ہی ایک بڑی خوشی تھی پھر باہمی رفاقت کے لئے طویل خلوت بھی میسر تھی۔ دل کے تاروں کو چھیڑنے والی نرم و نازک باتوں اور شکوہ شکایت کا سلسلہ کچھ یوں چلا کہ ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

ویرا شوخ اور گستاخ ضرور تھی مگر بدتمیز نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ہماری مدہوشی کے درمیان اس نے کسی وقت غزالہ کے

کمرے کے دروازے پر ضرور طبع آزمائی کی ہوگی۔ دروازہ بولٹ نہ ہوتا تو وہ اندر گھس آتی لیکن اس نے بند دروازے پر دستک دے کر غزالہ کی نیند میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اسے سرے سے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں بھی صبح سویرے اسی کمرے کی آشنا خلوت میں پناہ لے چکا ہوں۔

دوپہر کے قریب غزالہ کمرے سے نکلی تو کھانا تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔ اس وقت ان دونوں کو میری آمد کی اطلاع ملی۔ میں طویل غسل سے فارغ اور تیار ہو کر باہر نکلا تو وہ میز پر میرے منتظر تھے۔

رات گئے میں نے فون پر صرف اول خان سے بات کی تھی مگر ٹیلی فون کی گھنٹی پر وہ تینوں ہی بیدار ہوگئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میرے اور اول خان کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو ان تینوں کے علم میں تھی۔

"کل آنے والوں کے ساتھ تم نے جو سلوک کیا وہی سب سے مناسب تھا۔" کھانے کے دوران ویرا نے وہی ذکر چھیڑ دیا۔ "تمہارے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا لیکن واقعات کے تسلسل کی وجہ سے تم علی شیر کی صورت میں نِک کے لئے مشتبہ ہوتے جارہے ہو۔"

"کن واقعات کے تسلسل کی بات کررہی ہو؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"مدن موہن پرل کی لابی میں تم سے ملنے گیا اور غائب ہوگیا۔ اب راہول اور پرشوتم تمہارے ٹھکانے پر پہنچنے کے لئے نکلے تو وہ بھی لاپتا ہوگئے۔ جب نک کو ان دونوں کے غائب ہونے کا یقین ہوجائے گا تو تمہارے بارے میں اس کے شبہات زیادہ قوی ہوجائیں گے۔ وہ مدن موہن کی گمشدگی سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔"

"ابھی وہ ان دونوں کی واپسی کا انتظار کرے گا۔ جب اسے حقیقت کا ادراک ہوگا تو میں یہاں سے نکل چکا ہوں گا۔ تمہیں علم ہوگا کہ ہمارے مکمل پاسپورٹ آج ملنے والے ہیں۔"

"تم اکیلے کسی مہم پر نہیں جارہے ہو جو تمہارا نکل جانا کافی ہوگا۔ تمہارے ساتھ بدری اور رمیش کی روانگی بھی ضروری ہے۔"

"میرے ساتھ نہیں، میرے بعد۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"ایسی غلطیاں مت کیا کرو۔ اب تمہارا شمار بھی اہلِ زبان لوگوں میں ہونے لگا ہے۔"

"میرا یہی مقصد تھا، تم غائب ہوگئے تو نک جھلا کر ترہتی پروگرام منسوخ کرسکتا ہے۔"

"یہ مجھ سے زیادہ بدری کی انا کا مسئلہ ہوگا۔ وہ بات سنبھالنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دے گا۔"

"میری چھٹی حِس کہہ رہی ہے کہ تمہارے چلے جانے کے بعد یہاں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی۔"

"کہو تو میں سفر کا ارادہ منسوخ کئے دیتا ہوں۔ پتا نہیں تمہاری چھٹی حس اتنی فعال کیوں ہوگئی ہے۔"

"پانچوں حواسوں پر بدحواسی طاری ہونے لگتی ہے تو چھٹی حس خود بہ خود حرکت میں آجاتی ہے۔" اس بار سلطان شاہ ہماری گفتگو میں ٹانگ اَڑائے بغیر نہ رہ سکا۔

ویرا غصے سے اسے گھور کر رہ گئی اور سلطان شاہ اسے سلگانے والے انداز میں مسکرانے لگا۔

"میں ہر بات پر سوچتی ہوں۔" ویرا نے چڑ کر سلطان شاہ سے کہا "تمہاری طرح شترمرغ نہیں ہوں کہ ریت میں منہ چھپایا اور فرض کرلیا کہ طوفان ختم ہوچکا ہے۔"

"ویسے تم شترمرغ ہو بھی نہیں سکتیں۔" سلطان شاہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"اس لئے کہ میری دم نہیں ہے۔ تم یہی کہنا چاہ رہے ہونا؟" ویرا نے اسی لہجے میں پوچھا۔

سلطان شاہ نے مایوسی سے اپنے سر کو دائیں بائیں ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "جب تک غور سے نہ دیکھا جائے، دم کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے قطعِ نظر تم اپنی جنس کے اعتبار سے شترمرغ نہیں شترمرغی ہوسکتی ہو۔ رویّہ دونوں کا یکساں ہوتا ہے۔"

"چپ رہو۔" ویرا نے رُکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں تم سے نہیں ڈیبی سے بات کررہی ہوں۔"

"تم نے دیکھا نہیں کہ وہ تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے رہا۔ تم بھول رہی ہو کہ آج کل وہ صرف علی شیر بنا ہوا ہے۔ اس کے حصے کی باتیں بھی مجھ سے کرلو۔ کل یا پرسوں تو تم چلی ہی جاؤ گی۔"

"تم بہت ڈھیٹ ہو۔" ویرا لقمہ پلیٹ میں چھوڑ کر بے بسی سے ہنس پڑی۔ "ہم لوگ چلے جائیں گے تو یہ باتیں تمہارے ہی کام آئیں گی۔ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا سامنا تم ہی کو کرنا پڑے گا۔"

"یہ تمہارا اور ڈیبی کا خبط ہے کہ جو کام تم دونوں نے چھوڑ دیا وہ دنیا میں کسی سے بھی نہیں ہوسکے گا۔" سلطان شاہ نے ویرا کی التجا کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا "تم دونوں کے پیدا ہونے سے پہلے دنیا کے کاروبار اسی طرح چل رہے تھے۔ تم نہیں رہو گے تب بھی سب کچھ یوں ہی رہے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ یہ دونوں اس دنیا میں بالکل بے مصرف ہیں۔" غزالہ نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"مم...... میں نے یہ کب کہا؟" سلطان شاہ غزالہ کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔ "وہ تو ایک عام سی بات ہے۔"

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو۔" غزالہ نے اصرار کیا۔

چند ثانیوں تک ہکلانے اور بوکھلانے کے بعد سلطان شاہ کو ایک موزوں جواب سوجھ ہی گیا۔ "دنیا میں کوئی بھی بے مصرف نہیں ہے۔ سب کٹھ پتلیاں ہیں۔ جس کا جتنا رول ہوتا ہے وہ ادا کرتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔ پتلی گھر کے تماشے سے نکل جانے والوں کی جگہ دوسرے لے لیتے ہیں۔ ازل سے یہ اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے۔"

اس نے ابتدائی گھبراہٹ کے باوجود بہت معقول اور گہرا جواب دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر تو میٹھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر غزالہ اس کے پیچھے پڑ چکی تھی کیونکہ اس نے میرے بارے میں بھی تبصرہ کیا تھا۔

"میں تمہاری بات مانتی ہوں۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں وہی کردار ادا کررہے ہیں جو اِن کو سونپا گیا ہے۔ اس میں ان کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ زندگی کے تماشے میں یہ اپنے کردار کو گھٹانے پر قادر ہیں نہ اس میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ ڈوریاں کہیں اور سے ہلائی جارہی ہوں تو کٹھ پتلیاں کیا کرسکتی ہیں۔"

سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں پھر بولا "تم مجھے گھیرنے کی کوشش کررہی ہو۔ اگر سب کچھ یوں ہی ہے تو پھر گناہ اور ثواب، نیکی اور بدی کا تصور کیا ہے۔ یہ معاملے......"

"بالکل!" غزالہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا "راہول کو قتل ہونا ہی تھا۔ بدری کو اسے ذبح کرنا ہی تھا۔ ہر کام پہلے سے طے شدہ طریقے پر ہورہا ہے تو پھر انسان کی عقل اور کوشش کو کہاں لے جاؤ گے؟"

سلطان شاہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے "تم اس بحث میں کہاں الجھ گئیں۔ مجھے معاف کردو۔ میں ویرا سے بات کررہا تھا۔ اسی کو میری باتوں کا جواب دینے دو۔"

"اور میں بھی تم سے یہی کہہ رہی تھی کہ مجھے ڈیبی سے بات کرنے دو۔ ہمارے درمیان دخل مت دو مگر تم سنتے ہی نہیں ہو۔" سلطان شاہ کی پسپائی سے فائدہ اٹھا کر ویرا بھی آنکھیں نکالنے لگی۔

"تم سب اپنا مغز کھپاتے رہو۔ میں کچھ نہیں بولوں گا۔" سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

ہمارے ساتھ جو کچھ ہورہا تھا بس ہوتا ہی چلا جارہا تھا۔ منصوبہ بندی ہمارے حریفوں کی ہوتی تھی۔ جب مشکل سر پر پڑتی تھی تو ہم کسی نہ کسی طرح اس کا سدِّباب کرلیتے تھے۔ مشکلات کے ازالے کی ان ہنگامی کوششوں میں دسیوں خامیاں ہوتی تھیں۔ ہم بہتر نتائج حاصل کرنے کی خوشی میں ہمیشہ ان خامیوں کو نظرانداز کردیتے تھے۔ ویرا کی یہ سوچ درست تھی کہ ہمیں متوقع خطرات کے بارے میں پیشگی اندازہ لگا کر اپنی تیاریاں مکمل رکھنی چاہئیں۔ راہول اور پرشوتم کی گمشدگی کے بعد ایک بدترین خطرہ یہی ہوسکتا تھا کہ نک جھلا کر بدری اور رمیش کو اپنی انتقامی کارروائی کا نشانہ بنا بیٹھے۔ ایسا ہوتا تو ہم اس کا ذہن تبدیل نہیں کرسکتے تھے۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ ایسے خطرے کو دانشمندی سے ٹالنا صرف اور صرف بدری کے بس میں تھا کیونکہ وہ نک موڈلے کے براہِ راست رابطے میں تھا۔

ویرا نے ناقدانہ انداز ترک کرکے مفاہمت کا رویّہ اپنایا تو میں یہ باتیں اسے بھی سمجھانے میں کامیاب ہوگیا۔ مدن موہن کا سوشل ریکٹ، نیچرل انفارمیشن سیل سمیت نظروں میں آچکا تھا، راہول کی فرم کا منیجر بھی بے نقاب ہوچکا تھا۔ توقع یہی تھی کہ ہم چاروں کے کراچی سے نکل جانے کے بعد نک موڈلے بس منصوبہ بندیوں میں الجھا رہ جاتا۔ میدان میں کوئی مددگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کی عملی سرگرمیاں ٹھپ ہوجاتیں۔ لے دے کر را والے اپنی سطح پر تخریب کاریاں کرتے رہتے تو وہ سرکاری ایجنسیوں کے لئے ایک معمول کا سلسلہ تھا۔ اس بارے میں اسپیشل ٹاسک فورس نے رفتہ رفتہ ایک باقاعدہ کردار اپنا ہی لیا تھا۔

تین بجے اول خان بھی تھکا ہارا دفتر سے لوٹ آیا اور اس نے ایک وزنی خاکی لفافہ میرے سامنے ڈال دیا۔

لفافے میں دو پرانے بین الاقوامی پاسپورٹ موجود تھے۔ اسلم خان نامی شخص کے پاسپورٹ پر میری نئی تصویر پرانی جیسی حالت میں مہروں سمیت چسپاں تھی۔ ویرا کے پاسپورٹ پر اس کا نام مسز روزی برڈ تحریر تھا۔

"مبارک ہو۔" سلطان شاہ نے میرے پیچھے آکر ویرا کے پاسپورٹ پر نام پڑھتے ہی نعرہ لگایا "آخرکار ویرا کی شادی ہو ہی گئی ہے۔ اب یہ مسز روزی برڈ بن چکی ہے۔"

"تمہیں اتنا چہکنے کی کیا ضرورت ہے" ویرا چوکنے والی نہیں تھی۔ "تمہارا نام برڈ تو نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں مسٹر برڈ نہیں ہوں۔ اب وہی بے چارے برڈ کی مغفرت کرے گا۔"

"کیا تمہیں ویرا کے لئے کسی غیر شادی شدہ لڑکی کا پاسپورٹ نہیں مل سکا تھا؟" غزالہ نے بے ساختہ ہنسی کے ساتھ اول خان سے پوچھا۔

"امریکا کے کارآمد ویزوں کے ساتھ آج کل پاسپورٹ مشکل سے ہی ملتے ہیں۔ جو مل گیا اسے غنیمت سمجھو۔ تصویروں کے علاوہ ان کے سارے اندراجات اصلی ہیں۔ تصویریں بدلنے سے پہلے یہ دیکھنا بھی ضروری تھا کہ قد وغیرہ جیسے ذاتی کوائف میں قریب کی مماثلت موجود ہو۔" اول خان نے کہا۔

"تو کیا انگلینڈ کا ویزا بھی اصلی ہوگا" میں نے اپنے پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے پوچھا۔ دوسرا پاسپورٹ غزالہ نے لے لیا تھا اور دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"بالکل اصلی اور تازے ویزے ہیں۔" اول خان نے پورے یقین سے کہا "تمہارا ویزا ایک ٹریول ایجنٹ نے لگوایا ہے۔ ویرا کا ویزا محکمۂ داخلہ کے ذریعے لیا گیا ہے۔"

"محکمے کی وجہ سے ویزا پر کسی قسم کا شبہ تو نہیں کیا جائے گا۔" غزالہ نے پوچھا۔

"یہ سرکاری نہیں، عام وزٹ ویزا ہے۔ سرکاری افسران ایسے بہتیرے ذاتی کاموں کے لئے اپنی سرکاری حیثیت اور رسوخ سے کام لیتے رہتے ہیں۔ یہ کام بھی اسی طرح ہوا ہے ورنہ کڑے انٹرویو کے بغیر آج کل ان ممالک کا ویزا لینا خاصا مشکل کام ہے۔ بعض اوقات تو کسی واضح سبب کے بغیر انکار کردیا جاتا ہے۔"

"پھر ڈینی کا ویزا ٹریول ایجنٹ نے کیسے لے لیا تھا؟" سلطان شاہ نے ایک نیا سوال داغ دیا۔

"تم ایک وقت میں سب کچھ ہی جان لینا چاہ رہے ہو۔" اول خان نے اسے گھور کر کہا "بھائی! ذاتی مراسم بھی کچھ وزن رکھتے ہیں۔ اس ایجنٹ نے بھی دوسرے ویزے کی ذمے داری لینے سے انکار کردیا تھا۔ اس لئے مجھے محکمۂ داخلہ میں اپنے ایک دوست سے مدد لینی پڑ گئی۔"

سلطان شاہ تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "آج کل یہ معلومات اہم ہیں۔ کیا پتا کل مجھے بھی ان دونوں میں کوئی تصفیہ کرانے کے لئے لمبے سفر پر روانہ ہونا پڑ جائے۔"

"آج کل لمبے سفر کا تصور ختم ہو چکا ہے۔" ویرا نے ہنس کر کہا [illegible] یہ جہاز میں مشرق سے مغرب کی طرف سفر کیا جائے تو شاید [illegible] پہلے واپس اپنے شہر [illegible]

[illegible] سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے [illegible]

[illegible] گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور جب مشرق [illegible] طرف سفر کیا جاتا ہے تو انسان وقت حاصل کرتا ہے۔ [illegible] سمت الٹ جائے تو وقت کا خسارہ ہوتا ہے کیونکہ دنیا کے کسی بھی دو سروں پر وقت میں بارہ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔"

"یہ بہت سیدھی سی بات ہے" غزالہ نے کسمسا کر سلطان شاہ سے کہا "یہاں سے پیرس تک کی پرواز سات گھنٹے کی ہے۔ گھڑیوں سے دیکھو تو تم تین گھنٹوں میں وہاں پہنچ جاتے ہو کیونکہ پیرس کا وقت یہاں سے چار گھنٹے پیچھے رہتا ہے اور تمہارا دن اٹھائیس گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ تم تو خود باہر رہ کر آئے ہو۔ تمہارے لئے یہ باتیں نئی نہیں ہونی چاہئیں۔"

سلطان شاہ مسکرانے لگا۔ "باہر رہنے سے یہ باتیں واضح نہیں ہوتیں۔ اس کا احساس یا مشاہدہ کسی سفر کے آغاز اور اختتام پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ پھر تو جو جہاں ہوتا ہے وہیں کے وقت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس وقت مجھے پہلی بار ویرا کی باتیں دلچسپ محسوس ہوئی ہیں۔"

"گڈ!" ویرا نے خوش دلی سے کہا "اس کا مطلب ہے کہ اس وقت تمہاری کھوپڑی سے برف پگھلی ہوئی ہے اور تم سے مزید گفتگو کی جاسکتی ہے۔"

میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔ اس دوران میں اول خان اپنی پلیٹ بھر کر ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔

"اب نادرہ کے مکان پر کیا صورتِ حال ہے۔" چند ثانیوں بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

"کشیدگی میں ڈوبے ہوئے سناٹے کا راج ہے وہاں" میں نے کہا "میرے خلاف رمیش اور تنک کے نظریات میں حیران کن مماثلت موجود ہے مگر بدری ابھی تک ان دونوں کے درمیان ایک آہنی دیوار بنا ہوا ہے۔ تنک کو یہ نہیں معلوم کہ رمیش مجھ سے کتنا متنفر ہے اور رمیش تنک کے شکوک و شبہات سے بے خبر ہے۔ ان میں رابطہ صرف اپریٹس پر ہو سکتا ہے اور اپریٹس ہر وقت بدری کے قبضے میں رہتا ہے۔"

"وہاں میرے تینوں آدمی کافی ہیں۔ تم اپنا وقت اب یہیں گزارو۔"

"وقت کیا گزارنا۔ میں نے اب رمیش کو ذرا سا سبق دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ رات کو بدری نے اسے خواب آور گولی نہ دی ہوتی اور وہ اندھیرے میں باہر نکلا ہوتا تو میں اس کا چہرہ اُدھیڑ ڈالنے کا ارادہ کئے بیٹھا تھا۔ میں بعد میں اندھیرے کا بہانہ کرکے اس سے معذرت کرلیتا اور وہ چوں بھی نہ کرپاتا۔ رات کو غلط فہمی میں اس کی ٹھکائی کرنے کا ایک شاندار موقع ضائع ہو گیا۔"

"پھر بھی تم خسارے میں نہیں رہے۔ تم نے بدری سے [illegible] کا جھٹکا کروا دیا" سلطان شاہ بولا۔

کھانا کھانے کے بعد اول خان نے اپنی جیب میں سے ایک سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر گہری اور معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

لفافے میں ہم دونوں کے فرضی ناموں سے ٹکٹ موجود تھے۔

اگلے روز دوپہر کو امارات کی پرواز سے لندن روانگی کے لئے ہماری نشستیں کنفرم ہو چکی تھیں۔

"یہ دونوں کل صبح دس بجے تک گھر سے نکل جائیں گے۔" اول خان نے اعلان کیا "بارہ بج کر دس منٹ پر یہ دبئی کی طرف پرواز کررہے ہوں گے۔"

ویرا کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا "میں نے زندگی میں سیکڑوں سفر کئے ہیں مگر اس بار کیفیت ہی عجیب سی ہے۔ اس بار میں اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لینے جارہی ہوں۔ دعا کرنا کہ میں کامیاب رہوں۔"

ان مختصر اور سیدھے سادے جملوں نے ہم میں سے ہر ایک کو متاثر کیا اور چند ثانیوں کے لئے کمرے کی فضا میں بوجھل سا سکوت چھا گیا۔

"تمہارے تین قیدیوں کا کیا حال ہے؟" سکوت توڑنے کے لئے میں نے اول خان سے پوچھا۔

"تین نہیں، مدن موہن سمیت وہ چار تھے۔ اب تین رہ گئے ہیں۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کیوں؟ کیا چوتھا فرار ہوگیا؟" ویرا نے بے یقینی سے سوال کیا۔

"لیڈی سرفراز نے اپنے دوپٹے کے ذریعے ایک کڑی سے لٹک کر رات کو خودکشی کرلی۔"

سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکل گئیں۔ میرے لئے بھی وہ خبر غیر متوقع تھی۔

"وہ مدن موہن کو حاصل کرکے ایک نئی زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ مدن کی اداکاری کی وجہ سے اسے گمان تھا کہ وہ بھی دل و جان سے اسے چاہنے لگا ہے۔ ہماری تحویل میں وہ مدن کی بے گناہی کا دم بھر رہی تھی جب اسے مدن کا ریکارڈ کیا ہوا اعتراف سنایا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ دوسری عورتوں کی طرح مدن نے اسے ایک کھلونا بنایا ہوا تھا۔ وہ اس کے بعد سے تھکی تھکی اور دل برداشتہ نظر آرہی تھی۔ کل رات وہ زندہ تھی۔ آج صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش چھت کی کڑی سے جھول رہی تھی۔ اندازہ ہے کہ اس نے تین چار بجے کے درمیان اپنی زندگی کا خاتمہ کیا ہوگا۔ کسی محافظ نے اس کی سسکی کی آواز تک نہیں سنی۔"

"اسٹیشن فور تو شاید ملیر چھاؤنی کے کسی میدان میں قائم تھا۔ وہاں چھت کی کڑیاں کہاں سے آگئیں۔" ویرا نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ہمیں ایک پرانی بیرک مل گئی ہے۔ عورت ہونے کی وجہ سے اسے دوسرے قیدیوں سے الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ رات کو دس بجے کے بعد کسی کو اس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"حیرت ہے کہ ایک بے کردار عورت اتنی حساس بھی ہوسکتی ہے۔" سلطان شاہ بڑبڑایا۔ "محبوب کی بے وفائی اور ریاکاری کا علم ہوگیا تھا تو اسے مدن کا خون کرنا چاہئے تھا۔ خود کیوں مرگئی۔"

"محبت میں کسی سے دھوکا کھانے کا احساس بہت ذلت آمیز ہوتا ہے۔" ویرا نے تلخ لہجے میں کہا "ایسے موقع پر عورت خود اپنی نظروں میں گر جاتی ہے۔ شاید وہ بھی اسی سانحے سے دوچار ہوئی ہے۔ وہ بدکردار نہیں تھی۔ اس نے زندگی کے بقیہ سفر کو طے کرنے کے لئے کسی قابلِ اعتماد سہارے کے خواب دیکھے تھے جو چکنا چور ہوگئے۔"

"کیا پاکستان کے سارے مرد مرگئے تھے جو اسے مدن نظر آیا تھا" سلطان شاہ نے حقارت سے پوچھا۔

"محبت بہت ظالم جذبہ ہے۔ یہ کی نہیں جاتی، بس ہو جاتی ہے اور جس سے بھی ہو جائے اس کی ہر کمزوری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ مدن موہن نے اس کو مارا ہے۔"

"گلے میں پھندا تنگ ہونے پر بھی اس کی کوئی آواز نہیں سنی گئی۔ یہ مشکل ہے۔"

"عورت اپنی فطرت میں نرم خو اور مہربان ہوتی ہے مگر جب ظلم پر اتر آئے تو بہت سفاک ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ وہ اپنے ساتھ بھی ایسی ہی سخت گیر ہوتی ہے۔ وہ مرنے کا اٹل فیصلہ کر چکی تھی اس لئے اس نے اپنی ہر کمزوری پر قابو پالیا۔ اس نے اپنی چیخ اپنے سینے میں روک لی ہوگی۔ یہ ایسی ناممکن بات نہیں ہے۔ آباد گھروں میں بہت سے لوگ اسی طرح خود کو لٹکا کر ختم کرتے ہیں اور برابر والے کمرے میں کسی کو پتا نہیں چلتا۔ میری ساری ہمدردیاں لیڈی سرفراز کے لئے ہیں۔ خدا اس کی روح کو قبر میں چین عطا کرے۔"

اس بار سلطان شاہ نے ویرا سے بحث نہیں کی، اول خان بول پڑا۔ "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت گارڈ اپنے بستر پر سو گیا ہو۔ ایسی انسانی کمزوریاں میرے آدمیوں میں بھی ہیں۔"

میرے کان ان کی باتوں پر لگے ہوئے تھے لیکن میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ پچھلی رات اول خان کی زبان سے لیڈی سرفراز کی کہانی سن کر میں دیر تک اس عورت کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات انگڑائیاں لے رہے تھے۔ مجھے دکھ تھا کہ اس نادیدہ عورت کے بارے میں میری قائم کی ہوئی رائے غلط ثابت ہوئی تھی لیکن اس نے اپنی جان دے کر دنیا کو یہ بتا دیا تھا کہ وہ گمراہ یا بدکردار نہیں بس ایک فریب خوردہ عورت تھی۔ ہر عورت کی طرح تنہا اور بے بس۔ اس نے اپنے آپ کو ختم کرکے اپنے کھائے ہوئے فریب کی بھرپور قیمت ادا کردی تھی۔ اس معاملے میں بھی وہ مثالی رہی تھی۔

"اس کی موت پر مدن موہن کو ضرور صدمہ ہوا ہوگا؟" ویرا نے اول خان سے پوچھا۔

"صدمہ کیا اسے تو ملال تک نہیں ہوا۔ خبر سن کر اس نے بس یہ کہا کہ وہ مشہور عورت تھی۔ بدنامی کے ڈر سے اپنا خاتمہ کر

بیٹھی۔ اس خود غرض درندے کو انسانی خون کی حرمت کا ذرا بھی پاس نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تمہیں بھی لیڈی سرفراز سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے۔"

اول خان نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا اور اسے سنجیدہ پا کر کہنے لگا "پہلے میں اسے مکار سمجھ رہا تھا۔ وہ بڑی عمر کی عورت اور ایک نوجوان کا عشق تھا۔ اس پر اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حسابی فارمولے کی طرح یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ اپنے نفس کی غلام تھی مگر اب میری رائے بدل گئی ہے۔"

"مدن موہن کے حوالے سے کچھ افراد کی گرفتاریوں کے بعد یہ بات تو کھل گئی ہوگی کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے ایک خیال آتے ہی چونک کر پوچھا۔

"نہیں، یہ بات ابھی تک پوشیدہ ہے۔" اس نے میرے خیال کی فوراً تردید کردی۔

"اور وہ چار افسر جو تمہارے لئے شجرِ ممنوعہ بنے ہوئے ہیں ان کو تو معلوم ہی ہوگا کہ مدن موہن کے بیان کی بنیاد پر ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔" ویرا نے میری بات کو آگے بڑھایا۔

"مدن موہن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا نام کھلتے ہی پریشانیوں کا آغاز ہو جائے گا۔ اس کے افسران اس کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرا چکے ہیں۔ اس وقت مدن کی گرفتاری یا تحویل کی کوئی شہادت سامنے آگئی تو ایک سیاسی بھونچال آجائے گا۔ مدن تو ایک سفارتی اہل کار ہے، قانون کے مطابق ریمانڈ لئے بغیر کسی پاکستانی شہر کو بھی چوبیس گھنٹوں سے زیادہ حراست میں نہیں رکھا جا سکتا۔"

اپنی جگہ پر اس کی بات درست تھی۔ میں نے اسے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ مقامیوں کے بارے میں ہمارا قانون ہمارے بعض پولیس افسران کی جیب میں پڑا رہتا ہے۔ وہ اپنے معتوب ملزموں کو کسی بھی کچے یا پکے اندراج کے بغیر ہفتوں حراست میں رکھتے ہیں۔ ان کے متعلقین کو ان تک نہیں پہنچنے دیتے۔ صرف اسی وقت اس کے خلاف پرچہ کاٹتے ہیں جب اس کے اقبالی بیان کی روشنی میں اگلے دن ریمانڈ ملنے کی پوری امید ہو جائے۔

اول خان اس ملک میں قانون سے ماورا مگر مخلص ترین قوتوں کی نمائندگی کرتا تھا مگر یہ اس کے کردار کی عظمت تھی کہ وہ ہر قدم پر قانون سے تصادم کے بجائے گریز کی راہ اختیار کرتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ قانون کی پابندی کرکے وہ اپنے فرائض تک ادا نہیں کر سکتا تھا۔

"مدن موہن کا نام پوشیدہ رکھا گیا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے ساتوں نام سوشل ریکٹ کے سرکردہ افراد کے ہیں۔ یہ بات چھپی نہیں رہ سکے گی کہ کچھ لوگ سوشل ریکٹ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کا پیچھا کر رہے ہیں۔ یہ بھنک ملتے ہی نیچل انفارمیشن سیل والے حرکت میں آجائیں گے۔" ویرا کہہ رہی تھی۔

"ان میں سے کوئی بات نہیں ہوگی۔ ان میں سے کسی کو یہ نہیں بتایا گیا کہ اس پر سوشل ریکٹ سے تعلق رکھنے کی بنا پر نوٹ کیا گیا ہے۔ اوباش فطرت اور رنگین مزاج لوگ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عام طور پر غیر ذمے دارانہ رویّہ اختیار کئے رہتے ہیں۔ مدن ان لوگوں کی ان تمام کمزوریوں کی زندہ ڈائریکٹری ہے۔ رشوت ستانی، محاصل کی چوری، جعلی ادویہ کی تیاری اور پوشیدہ اثاثوں کی ملکیت کے الزام میں رپورٹیں تیار کرکے بھیجی گئی ہیں جو اُن کے خلاف ہیں۔ غیر سرکاری افراد کو ہم نے اٹھالیا۔ چار سرکاری افسران کے بڑے ان رپورٹوں کے ذرائع جاننا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک بچے ہوئے ہیں۔"

"لیڈی سرفراز کو کس الزام میں پکڑا گیا تھا؟" ویرا کا ذہن ا... میں الجھا ہوا تھا۔

"یہ اس کی شرافت تھی کہ اس نے ہر بات مان لی۔ میرا خیال ہے کہ دنیا بھر میں کوئی ان بے ایمانیوں کے بغیر کروڑ پتی نہیں بنتا۔ یہاں سے امریکا اور کینیڈا تک ہر سرمایہ دار اس ہیر پھیر میں ملوث نظر آئے گا۔ وہ اوباش فطرت یا رنگین مزاج بھی نہیں تھی۔ یہ بات اس کی خودکشی سے ثابت ہو چکی ہے۔"

"چلو مانے لیتا ہوں۔" اول خان نے بحث ختم کرنے کے لئے کہا۔ "تم کیا بات ثابت کرنا چاہ رہی ہو؟"

"پھر وہ اس سوشل ریکٹ کی سرگرمیوں میں کیوں اور کیسے ملوث ہوئی؟"

"لیڈی سرفراز کی شہرت ایک مخیر خاتون کی بھی تھی۔ مدن موہن فون پر بات کرنے کے بعد مدر ٹریسا کے متعدد فلاحی منصوبوں کے بارے میں معلوماتی مواد لے کر اس کے دفتر پہنچا تھا۔ مقصد ٹریسا کے لئے سرمایہ حاصل کرنا تھا۔ اس ملاقات میں لیڈی سرفراز دل ہار گئی۔ اس نے مدن موہن کو پہلا عطیہ ایک ملین ڈالر کا تھا۔ مدن نے اسے اپنے پروگراموں میں مدعو کرنا شروع کردیا۔ ایسی تقریبات میں آزادی سے مدن سے مل جل سکتی تھی۔ ہوٹل میں ملاقاتوں کے اسکینڈل بن سکتے تھے۔ یوں یہ سلسلہ چل پڑا۔"

"وہ بے قصور تھی۔" ویرا متاسفانہ لہجے بولی "خفیہ اثاثے بنانے کے سوا اس کا کوئی جرم نہیں تھا اور یہ جرم دنیا میں باحیثیت شخص کم و بیش کرتا ہی ہے۔ مدن اس سے مال اینٹھ رہا تھا۔ وہ عورت اس پوزیشن میں ہی نہیں تھی کہ پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا سکے......"

اول خان نے اکتا کر اس کی بات کاٹ دی "جو ہونا تھا ہوگیا۔ اسے میں نے نہیں مارا۔ مایوسی کے عالم میں اس نے خودکشی کی ہے۔ اس موضوع کو چھوڑ کر دوسری بات کرو۔ اچھا ہوا مدن موہن اسی وقت اپنے اصل روپ میں اس کے سامنے آگیا۔ بات زیادہ بڑھ جانے کے بعد اس کی نیت کا راز کھلتا تو لیڈی سرفراز کو زیادہ صدمہ ہوتا۔ اس کا وہ انجام موجودہ انجام سے کہیں زیادہ دردناک ہو سکتا تھا۔"

"میں تم سے سو فیصد متفق ہوں۔" میں یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "تم بحث جاری رکھو۔ میں ایس ایس بی والوں کی خیر خبر لے کر واپس آتا ہوں۔ آج میرا سارا دن یہیں بیٹھے بیٹھے گزر گیا۔"

"فون کیوں نہیں کرلیتے۔" سلطان شاہ نے مجھے روکنے کے لئے پورے خلوص سے یاد دلایا۔

"اپنی غیر حاضری میں مَیں فون اپنے کمرے میں مقفل رکھتا ہوں۔ اسی وجہ سے وہ اب تک میرے قابو میں ہیں۔ ان کے رابطوں کا سلسلہ چل پڑا ہوتا تو وہ اب تک کہیں اور نکل گئے ہوتے۔" میں نے ان چاروں کو خدا حافظ کہا اور فلیٹ سے باہر آگیا۔

نادرہ کے گھر پر اس روز ماحول بہت بدلا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایس ٹی ایف کے دو آدمیوں کے ساتھ مل کر لان پر فٹ بال کھیلنے میں مصروف تھے۔ وہ منظر دیکھتے ہی میں پریشان ہوگیا۔

لان کے ایک حصے پر راہول کے قتل کی واردات کو مشکل سے بارہ گھنٹے گزرے تھے۔ مجھے امید تھی کہ میرے آدمیوں نے وہاں سے خون کے لوتھڑے صاف کرکے خشک مٹی سے ہر داغ کو چھپا دیا ہوگا مگر پھر بھی خون کی بُو کو تو آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر رمیش بال فٹ کا تعاقب کرتا ہوا اتفاقاً اس کنارے کی طرف جا نکلتا تو خون کی بو یا سبز گھاس پر پھیلی ہوئی تازہ مٹی دیکھ کر تجسس میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ پتا نہیں کئی دن کے جمود کے بعد بدری کو اسی روز فٹ بال کھیلنے کی کیا سوجھی تھی۔

میں جوں ہی گاڑی سے اترا، رمیش نے دور سے آواز لگائی۔ "علی! جوتے اتار کر یہیں آجاؤ۔ تھوڑی سی ورزش ہوگی اور ہاتھ پیر کھل جائیں گے۔" اس وقت بدری کو لان سے بلانا مناسب نہیں تھا۔ میں رمیش کی پیش کش قبول کرکے لان کی طرف ہولیا۔ بدری ڈرائیور سے گیند چھیننے کی جدوجہد میں ہانپ رہا تھا۔ رمیش اور چوکیدار دو مختلف سمتوں میں اچھل اچھل کر پاس لینے کی تیاری کر رہے تھے۔ بظاہر وہ چاروں دو فطری ٹیموں میں بٹے ہوئے تھے۔

"تم اپنے نوکروں کے ساتھ مل جاؤ۔" بدری نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "ہم تم تینوں کو سنبھال لیں گے۔ اس وقت اسکور دو، پانچ ہے۔ ہم جیت رہے ہیں۔"

وہ خاصی مضحکہ خیز صورتِ حال تھی۔ چار آدمی ایک دوسرے کے خلاف اپنے دل میں نفرت اور کدورتیں لئے لان پر یوں کھیل رہے تھے جیسے سب آپس میں دوست ہوں۔

میں نے جوتے اور موزے اتار کر کنارے پر رکھے اور ہاتھ پیروں کو ورزشی انداز میں حرکت دیتا ہوا لان پر اتر گیا۔ اس وقت گیند چوکیدار کے پاس تھی۔ وہ گول کرنے کے لئے دوڑ رہا تھا۔ ان چاروں کے سانس چڑھے ہوئے تھے۔ میں تازہ دم تھا۔ چوکیدار نے فٹ بال میری طرف پھینک دی۔ میں گول کی طرف چلا تو رمیش میرے تعاقب میں تھا۔ پہلا گول کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ گیند چھیننے سے زیادہ مجھے اڑنگا دے کر گرانے کی فکر میں تھا۔ ہم کچھ دیر تک کھیلتے رہے۔ میں نے رمیش کو دو مرتبہ بری طرح گرایا۔ مجھ پر اس کا کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکا تو اس نے ڈرائیور سے بدلہ لے لیا۔

میرے شامل ہوتے ہی کھیل میں تلخی کا عنصر پیدا ہونے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد رمیش بری طرح ہانپتے ہوئے ایک طرف جا بیٹھا۔ میں بھی اسی کے قریب آبیٹھا۔

"آج ہم نے شراب نوشی سے دور رہنے کے لئے کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بتانے لگا۔ "سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہاری شراب کیسی ہے۔ پینے کے بعد کل رات دوسری مرتبہ یہ ہوا کہ صبح سے پہلے میری آنکھ ہی نہیں کھل سکی۔ آج بدری کا حال مجھ سے بھی برا تھا۔"

"تمہارے لئے مہر لگی ہوئی نئی بوتلیں لائی گئی تھیں۔ ان میں کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"ہم روز نئی بوتل کھولتے ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ چند روز تک شراب سے دور ہی رہوں گا۔"

وہ اپنی کہتا رہا۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ جب بدری کھیل چھوڑ کر واپس لوٹا تو جوتے اٹھا کر میں بھی عمارت کی طرف ہولیا۔ رمیش تھکے ہوئے انداز میں وہیں بیٹھا رہا۔ مَیں کمرے میں گھسا ہی تھا کہ میرے پیچھے خانساماں بھی اندر گھستا چلا آیا۔ میں اس کی جسارت پر حیران رہ گیا۔ عام طور پر وہ اجازت لینے کے بعد ہی میرے کمرے میں آتا تھا۔

"سر، دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔" اس نے کسی تمہید کے بغیر فوراً ہی بولنا شروع کردیا۔ "تین بجے سے دھوپ میں فٹ بال ہو رہی تھی۔ مجھے یہ کوئی لمبا چکر نظر آرہا ہے۔ کیونکہ کھیل شروع ہونے کے بعد ہی ایک ہیلی کاپٹر اس علاقے پر سے گزرا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے کئی نیچے چکر لگائے۔ ایک بار وہ ریلوے لائن کی طرف ہوا میں رکا ہوا بھی نظر آیا تھا۔ پھر وہ چلا گیا۔ یہ ابھی تک کھیلے جا رہے تھے۔"

وہ کوئی عام گھریلو خانساماں نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے اعتماد کی بنا پر اسے میرے پاس بھیجا تھا۔ اس کا وہ بیان بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر پوچھا۔ "وہ کس قسم کا ہیلی کاپٹر تھا؟ میرا مطلب ہے کہ فوجی تھا یا کوئی عام سا ہیلی کاپٹر نظر آرہا تھا۔"

"وہ فوجی نہیں تھا۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "کسی

اشتہاری کمپنی کا چھوٹا ہیلی کاپٹر معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اتنی نیچی پرواز کر رہا تھا کہ آگے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی صاف نظر آ رہے تھے۔"

"وہ مقامی تھے یا گورے؟" میں نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"کنٹوپ اور وردی کی وجہ سے یہ پتا نہیں چل رہا تھا۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

میں نے اسے رخصت کر دیا۔ غسل خانے میں ہلکا سا شاور لیتے ہوئے میرا ذہن اسی پہیلی میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہن صرف اور صرف نک موڈلے کی ذات پر مرکوز تھا مگر میں ہیلی کاپٹر کی مشکوک پرواز اور فٹ بال کے کھیل میں کوئی تعلق تلاش نہیں کر پا رہا تھا۔ اس معمے کا حل بدری سے ہی مل سکتا تھا۔

بدری کے پیچھے جانے کے بجائے میں اپنے کمرے میں چائے نوشی میں مصروف ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی بات رونما ہوئی ہے تو بدری خود ہی میرے پاس آ پہنچے گا۔

میرے اس اندازے کی تعبیر خاصی دیر بعد سامنے آئی۔ بدری کے بشرے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ اس نے آتے ہی چائے کی فرمائش کی۔ میں نے بستر کے سرہانے لگا ہوا بیل سوئچ دبا کر خانساماں کو بلایا اور اسے چائے لانے کی ہدایت دے دی۔

"راہول اور پرشوتم کے گم ہونے پر وہ کسی پاگل کتے کی طرح بلبلایا ہوا ہے۔ پہلے مدن فرار ہوا اب وہ دونوں غائب ہیں۔ وہ پوچھ رہا ہے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ تم خود ہی بتاؤ کہ میں اس الو کے پٹھے کو کیا جواب دوں۔" اس کی دھیمی آواز سے گہری پریشانی جھلک رہی تھی۔

"یہ فضول باتیں بھول جاؤ۔ یہ بتاؤ کہ آج تم فٹ بال کس لئے کھیل رہے تھے۔"

"یہ احمقانہ حکم اسی کا تھا۔ تین سے چھ بجے تک ہمیں اپنے دونوں مقامی مددگاروں کے ساتھ لان پر فٹ بال کھیلتے رہنے کا نادر شاہی حکم ملا تھا۔ میں نے اسے تمہارے یرقان کے بارے میں یاد دلایا مگر وہ میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ مقررہ اوقات میں وہ چاروں کو باہر بلانے پر مُصر تھا۔ تمہارا اور تمہارے ساتھی کا پتا نہیں تھا اس لئے میں نے دو نوکروں کو بلا کر نفری پوری کر لی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔"

"اس نے اور کیا کہا تھا" میں نے متجسس لہجے میں پوچھا "مزید کوئی نئی ہدایت یا نئی بات؟"

"باتیں تو وہ بہت کر رہا تھا۔ غصے میں ہذیان کی حالت سے دوچار معلوم ہو رہا تھا۔ خاص ہدایت ایک ہی تھی کہ مقررہ اوقات میں ہمیں لان میں فٹ بال کھیلنی ہے۔"

"ایریئس آن یا آف رکھنے کے بارے میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا؟" میرے سوال پر بدری حیرت سے اچھل پڑا۔ "تمہیں یہ کس نے بتایا؟ اس نے تین سے چھ بجے تک ایریئس آن رکھنے کے لئے بھی کہا تھا۔ میں یہ بات بھول رہا تھا اس سے میری بات تخلیے میں ہوئی تھی۔ رمیش کو صرف وہی کچھ معلوم ہے جو میں نے اسے بتایا ہے پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ ایریئس کے بارے میں بات ہوئی تھی؟"

"یہ میرا اندازہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب اسے تم پر بھی اعتماد نہیں رہا۔ وہ بالا ہی بالا اپنا کام کر رہا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ان اوقات میں کوئی میٹر کے ذریعے خاموشی سے مکان دیکھ کر چلا گیا۔"

"ایک امکان یہ بھی ہے لیکن دوسرا کام اس سے بھی بڑا ہوا ہے۔ اس کا ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کر کے اس مکان کو تلاش کرتا رہا ہے جس کے لان پر چار آدمی فٹ بال کھیل رہے ہوں۔"

"نہیں" اس کے منہ سے سہمی ہوئی آواز نکلی۔ "وے۔ ویسے تمہارا خیال ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ جب ہم نے کھیلنا شروع کیا تو ایک ہیلی کاپٹر کئی مرتبہ اوپر سے گزرا تھا۔ مگر اس نے کسی فضائی سروے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہیلی کاپٹر اتفاق سے ادھر آنکلا ہو۔ یہ سب تمہیں کون بتا رہا ہے؟"

"میں آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہوں۔ میرے تینوں آدمی بھی عقلیں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس نے تم سے فضائی سروے کا ذکر نہ کر کے جتایا ہے کہ اب اسے تم پر بھی بھروسا نہیں رہا۔"

"اگر اوپر سے ہیلی کاپٹر فٹ بال کے چار کھلاڑیوں کو تلاش کر رہا تھا تو پھر اسے ایریئس آن کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ فضائی سروے کے ذریعے گھر کی نشاندہی والی بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"فاصلہ نما میٹر زمین پر بہترین کام کرتا ہوگا کیونکہ کہیں بھی رک کر یا قدم بہ قدم فاصلہ پڑھ کر یقینی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ شاید فضا میں ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔ پرواز کرتا ہوا ہیلی کاپٹر عملی طور پر بیک وقت کئی مکانوں پر ہوتا ہے۔ ہوا باز یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ فاصلہ نما میٹر کس مکان سے فاصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ پھر ہوا میں عمودی فاصلہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے ہیلی کاپٹر والوں کو مدد ملی ہوگی۔ انہوں نے دیکھ لیا ہوگا کہ فٹ بال والے مکان کے آس پاس سے گزرتے ہوئے ان کا میٹر کم سے کم فاصلہ ظاہر کر رہا ہے۔ دونوں طریقوں کی مشترکہ تائید سے تلاش کیا جانے والا ٹھکانا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔"

"ہمیں فٹ بال کھیلنے پر مجبور کئے بغیر صرف میٹر سے بھی یہ مکان تلاش کیا جا سکتا تھا۔ ہیلی کاپٹر ہر مکان پر معلق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے......"

اس بار میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ نہ بھولو کہ وہ ایک مشتبہ آدمی کی تلاش میں ہے۔ ہیلی کاپٹر دیر تک ایک ایک مکان پر یوں رکتا رہتا تو کسی زمینی کارروائی کا نشانہ بن سکتا تھا۔ تم کھیل میں مگن تھے۔ تمہیں کسی بات کا علم نہیں مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک محفوظ ریلوے لائن پر وہ ہیلی کاپٹر کچھ دیر تک معلق رہا ہے۔ ہو

ہے کہ وہاں سے دور بین لگا کر تم چاروں سمیت اس گھر کا جائزہ لیا گیا ہو۔"

اس کی تنگ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ تم بہت خوف ناک اور دہلا دینے والی باتیں کر رہے ہو۔ تم اتنے اہم نہیں ہو کہ تمہارے لئے وہ اپنی ساری زمینی اور فضائی صلاحیتیں میدان میں جھونک دے گا۔"

"مجھے اعتراف ہے کہ میں اتنا اہم نہیں ہوں۔ اس نے اپنے وہم سے مجھے اہمیت دی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رمیش کی طرح وہ بھی مجھے ڈبل کا گر گا سمجھ رہا ہو!"

"اگر تمہاری معلومات اور اندازے درست ہیں تو میرے لئے خطرہ بڑھ رہا ہے۔" وہ تشویش سے بڑبڑایا "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ فٹ بال کی آڑ میں وہ ہمیں اس بے دردی سے استعمال کر سکتا ہے۔ اگر یہ مکان اس کی نظروں میں آچکا ہے تو اب کیا کرنا چاہئے؟"

اسی وقت خانساماں چائے لے کر آگیا۔ اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں نئے سوال نے سر ابھارا اور میں نے وہ سوال دہرا دیا۔ "ہیلی کاپٹر نے آس پاس میں کوئی ہلکی یا بھاری چیز تو نہیں گرائی تھی؟"

"میں نے یہ غور نہیں کیا صاحب!" بدری کی موجودگی کے سبب اس نے کسی پشتینی ملازم کی طرح گھگیا کر کہا "میرا دھیان ہیلی کاپٹر پر تھا۔ وہ بہت نیچے اُڑ رہا تھا۔"

"ذرا اوپر کے زینے کا دروازہ کھول دو" لمحہ بھر سوچنے کے بعد میں نے کہا "چائے پینے کے بعد ہم دونوں اوپر جائیں گے۔ یہ بات دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی ہے۔"

"چھت پر کیا دیکھنا ہے؟" خانساماں کے چلے جانے کے بعد بدری نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوپر چل کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔" میں نے اپنی پیالی خالی کر کے سگریٹ سلگائی۔

بدری ناتھ بہت مضبوط اعصاب کا مالک تھا لیکن تیزی سے بدلتے ہوئے حالات نے اسے بری طرح چکرا کر رکھ دیا تھا۔ مجھ تک پہنچنے سے پہلے وہ اخبارات میں امریکی بحریہ کے ایک جنگی ہیلی کاپٹر اور... بیس کمانڈوز کی ہلاکت کے بارے میں پڑھ چکا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سراب گوٹھ کے قریب ہی ویرانے میں راس المیڈا کی لاش اسی ہیلی کاپٹر کے جلے ہوئے ملبے کے قریب پڑی ہوئی ملی تھی۔ ان حالات میں مزید کسی چھوٹے موٹے ہیلی کاپٹر کا استعمال ہر طرح سے قرین قیاس تھا۔

اس نے اپنی چائے عجلت میں ختم کی اور میرے ساتھ چھت پر جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ہفتوں کی گرد میں اٹے ہوئے زینے طے کر کے چھت پر قدم رکھتے ہی میرے بدترین اندیشے کی تصدیق ہو گئی۔ چھت کے فرش کے ایک بڑے سے گوشے پر سیاہ رنگ کا ایک دھبا چمک رہا تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ وہ بڑا اور بے ترتیب دھبا پہلے سے موجود تھا یا تازہ تھا مگر وہ میرے شبہات کے مطابق ضرور تھا۔ میں بدری اور خانساماں کو حیران چھوڑ کر اس بڑے نشان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جوتے سے رگڑنے پر وہ رنگ خشک ثابت ہوا۔

میں نے اس کی سطح پر انگلی پھیر کر جائزہ لیا تو رنگ کی دبیز تہ پر گرد کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ سیاہ رنگ کا وہ چمکیلا داغ بالکل نیا تھا۔ بازار میں ایسے رنگ عام تھے جو ہوا لگتے ہی خشک اور سخت ہو جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

میں نے خشک رنگ کی موٹی تہ میں جمی ہوئی ایک تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "یہ رنگ اس تھیلی میں سیل تھا۔ فضا سے چھت پر گرتے ہی تھیلی پھٹ گئی۔ گاڑھا رنگ فرش پر پھیل گیا۔ رنگ کے چھینٹے فرش اور دیواروں پر دور تک نظر آرہے ہیں۔"

بدری نے اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ پھر ناقدانہ سوالوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ میں زبان کھولنے سے پہلے ہر بات کا اطمینان کر چکا تھا۔

"میں تمہیں خوف زدہ نہیں کر رہا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "سیڑھیوں کی حالت تم دیکھ ہی چکے ہو۔ پہلے فرش پر انگلی پھیرو پھر سیاہ رنگ پر یہی عمل دہراؤ۔ تمہیں یقین آجائے گا کہ رنگ کی تھیلی حال ہی میں بلکہ آج شام یہاں پھینکی گئی ہے۔ ہیلی کاپٹر سے آنے والے اپنا کام پورا کر کے گئے ہیں۔"

بدری نے میرے الفاظ پر انحصار کرنے کے بجائے خود فرش اور سیاہ رنگ پر انگلیاں پھیر کر مشاہدہ کیا پھر قائل ہو کر بولا۔ "مگر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس طرح ہمیں ہراساں کیا جا رہا ہے۔"

"یوں سمجھو کہ اس چھت پر نشان لگا دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج رات ہی یہاں کمانڈو اتارنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے لئے یہ سیاہ نشان ہی سب سے بڑی پہچان ہے ورنہ اوپر سے سارے مکان یکساں نظر آئیں گے۔ یہ برا وقت تمہارے فٹ بال کھیلنے سے آیا ہے۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اصل شکوہ یہ ہے کہ تک مسلسل ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہا ہے۔" بدری نے خانساماں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر کہا۔ "اگر وہ ہم پر یوں لشکر کشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہمیں اس کے مقابلے کی بھرپور تیاری کرلینی چاہیے۔ ہم کب تک اس سے دبتے رہیں گے۔"

"بازار سے سفید اور گرے رنگ کے ڈبے لے آؤ۔ انہیں مکس کر کے سیمنٹ کا رنگ بناؤ اور پوری چھت پر پھیر دو۔" میں نے خانساماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ان کے لگائے ہوئے نشان کو مٹانا وقت کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ پوری چھت پر کہیں سیاہ چھینٹ نظر نہیں آنی چاہیے۔ دیواروں پر گرے رنگ پھیر دینا۔"

میری پوری بات سنتے ہی خانساماں تیزی سے زینوں کی طرف چل دیا۔

"کراچی میں تمہاری پوزیشن بہت مخدوش ہے۔ اس سے بھڑ کر تم مارے جاؤ گے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اس معاملے میں رمیش کو اعتماد میں لے لو۔"

"کیسے لے لوں؟ میں نے اسے ہوا بھی نہیں لگنے دی ہے کہ تمہارے بارے میں تک کے نظریات کتنے بدل چکے ہیں۔ اب میں کس منہ سے اس سے بات کر سکتا ہوں۔"

"نیچے چلو۔ کوئی نہ کوئی راہ مل ہی جائے گی۔" میں اس کے ساتھ زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

رمیش ہمیں راستے ہی میں مل گیا۔ وہ بدری کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

"تم دونوں کہاں سے آرہے ہو؟" سامنا ہوتے ہی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"تم فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ایک ہیلی کاپٹر چھت پر رنگ سے بھری ہوئی پلاسٹک کی تھیلی گرا کر چلا گیا۔ اس گھر پر کسی نے موت کا نشان لگانے کی سنگین واردات کی ہے۔"

"ہاں، شام کو ادھر کوئی ہیلی کاپٹر اُڑ تو رہا تھا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ رنگ اسی نے پھینکا ہے۔"

اسے ساتھ لے کر ہمیں ایک مرتبہ پھر چھت پر جانا پڑا اور اسے میری بات کا یقین آگیا۔

"گرد آلود سیڑھیاں بتا رہی ہیں کہ کسی نے مہینوں سے چھت کا رخ نہیں کیا پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ چھت پر تھیلی پھینکی گئی ہے۔" وہ بدری سے زیادہ متجسس تھا۔

"میرے آدمی نے چھپاکے کی آواز سنی تھی۔ پوری صورتِ حال اوپر آنے کے بعد ہی واضح ہوئی تھی۔"

فضا میں اندھیرا تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا۔ ہم تینوں نیچے اتر آئے۔

"یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟" رمیش نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔ "ایک مجرمانہ کام کے لئے کراچی جیسے شہر میں ہیلی کاپٹر کا استعمال حیرتناک ہے....."

میں نے بدری کو آنکھ ماری اور رمیش کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے یا تمہارے کسی دشمن کی حرکت ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر ہونے کے ساتھ بے اندازہ وسائل کا بھی مالک ہے۔"

"تک موڈلے؟" رمیش نے میری طرف دیکھ کر بے ساختہ سوال کیا۔

میں دھیرے سے ہنس پڑا۔ "اس کے بارے میں ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ وہ تمہارا بگ باس اور خیر خواہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اسے فوراً اس نازک مسئلے سے آگاہ کر دو۔"

میری تجویز پر بدری کا چہرہ دمک اٹھا۔ چور کے پاس چوری کی رپورٹ درج کروانے کا وہ انوکھا خیال اسے پسند آیا تھا۔ اس طرح رمیش کو بھی اعتماد میں لے لیا گیا تھا۔

"تم دونوں یہیں بیٹھو۔ میں تک سے بات کر کے آتا ہوں۔" بدری نے ڈرائنگ روم چھوڑ دیا۔

"میں خالی بیٹھ کر کیا کروں گا۔ اب تو شراب پینی ہی پڑے گی۔" رمیش بھی فوراً اٹھ گیا۔

میں نے اسے یہ تاثر دیا جیسے میں اس کی واپسی کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہوں گا۔ ان دونوں کے غائب ہوتے ہی میں پنجوں کے بل دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ دروازہ بولٹ کرتے ہی میں نے ایف ایم بینڈ پر ملایا ہوا ریڈیو آن کر دیا۔

"..... کا چلایا ہوا چکر ہے۔" اسپیکر پر رمیش کی قدرے برہم آواز آرہی تھی۔ "علی شیر کو اب ہم سے زیادہ رقم ملنے کی امید نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے جانے سے پہلے اس کا گھر خالی کر دیں۔ وہ ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے اسی لئے اس نے ہیلی کاپٹر سے رنگ کی تھیلی پھینکے جانے کا ناٹک رچایا ہے۔ یہ سب افسانے کی باتیں ہیں۔ آرام سے لمبی تان کر سوؤ۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہوگا تو دیکھا جائے گا۔"

"اگر یہ علی شیر کی کوئی شرارت ہے تب بھی تک کو خبر دینے میں کیا حرج ہے؟"

"خبر دے دو مگر اسے یہ بھی بتا دو کہ میری کیا رائے ہے۔" رمیش کی آواز آئی۔

وہ واقعات سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ اسی لاعلمی میں وہ معاملے کی اہمیت اور نزاکت کو نظر انداز کر رہا تھا۔ بدری نے بھی اس کی تصحیح کی کوئی کوشش نہیں کی۔ راہول اور پرشوتم کی کہانی سے واقف ہوئے بغیر رمیش حالات کی سنگینی کا ادراک کر ہی نہیں سکتا تھا جب کہ ان واقعات کا انکشاف کرنا بدری کے حق میں بدترین ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے رمیش کو ٹالنے کے لئے خاموشی اختیار کر لی۔

چند ثانیوں بعد بدری ایرٹیس پر اپنے بگ باس کو پکار رہا تھا۔

بگ باس نے درشت لہجے میں پوچھا تھا۔ "کیا بات ہے؟ اب کس لئے مجھے تنگ کر رہے ہو؟"

"عجیب قصہ ہوا ہے۔ جب ہم فٹ بال کھیل رہے تھے تو ایک ہیلی کاپٹر ہماری چھت پر کالے رنگ سے بھری ہوئی تھیلی پھینک گیا۔ چھت پر کالے رنگ کا ایک بڑا نشان بن گیا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ چھت پر رنگ پھینکا گیا ہے؟" تک کی آواز نرم پڑ گئی۔

"علی شیر نے ہیلی کاپٹر سے کچھ گرتے دیکھا تھا۔" بدری نے سفید جھوٹ بولا۔ "اوپر جاتے ہی اس کے شبے کی تصدیق ہو گئی۔"

"پھر میں کیا کروں۔ یہ کوئی اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔" وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہا تھا۔

"علی شیر گھر سے نکل بھاگنے کی فکر میں ہے۔" موقع پا کر بدری نے میری روانگی کی راہ ہموار کرنی شروع کر دی۔ "اسے ڈر ہے کہ کسی نے کمانڈو اتارنے کے لئے چھت پر نشان لگایا ہے۔"

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔" دل کے چور کی وجہ سے تک کا لہجہ بالکل

مفاہمانہ ہوگیا۔ "اسے سمجھاؤ کہ وہ بلاوجہ ڈر رہا ہے۔ کچھ نہیں ہوگا۔ تم لوگ میرے لئے کام کررہے ہو۔ کوئی تمہیں ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔"

"وہ ڈینی سے ڈرا ہوا ہے۔" بدری اپنا رول بہت خوبصورتی سے ادا کررہا تھا۔ "ہم سے پیسے لے کر اس نے ڈینی کی تلاش میں مخبر پھیلائے تھے۔ پھر وہ کام ادھورا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا ہے کہ باقی پیسے نہ ملنے پر کسی مخبر نے ڈینی کو سب کچھ بتا دیا ہے اور وہ علی شیر کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"ڈینی دو ٹکے کا بدمعاش ہے۔ وہ ہیلی کاپٹر کہاں سے لائے گا۔ اسے تسلی دے کر صبح تک روکو۔ مجھے اس کہانی کا کوئی سرا ملا تو میں خود تم سے بات کروں گا۔"

"اور ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم علی شیر کے ساتھ مفت میں مارے جائیں۔"

"تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ وہیں ڈٹے رہو۔ تم نے ذرا بھی کمزوری دکھائی تو علی شیر فوراً بھاگ نکلے گا۔ ڈینی کی طرف سے اس کے خوف نے مجھے اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ اب بات ختم کرو۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔"

"اوکے تِک باس!" بدری کی آواز کے بعد اسپیکر پر خاموشی چھاگئی۔ میں نے سوئچ بند کرکے دروازہ کھول دیا۔ باتھ روم میں ہاتھ دھوکر میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رمیش مجھ پر ناراض ہونے لگا۔ "میں تمہاری وجہ سے یہاں آیا اور تم میدان صاف دیکھ کر بھاگ گئے۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"پیٹ میں گڑبڑ ہو رہی تھی۔" میں نے خفت آمیز لہجے میں عذر پیش کیا۔

رمیش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "آدمی کوئی بڑا جھوٹ بول رہا ہو یا اس پر کوئی دہشت سوار ہو تو اس کا ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے۔ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔"

"جھوٹ میں بولتا نہیں' دہشت بھی دور کی بات ہے۔ ہاں' ہیلی کاپٹر والے قصے کی طرف سے پریشانی ہے۔"

"کیسی پریشانی؟ میں شرط لگاتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ سب فراڈ ہے۔"

"خدا کرے کہ تمہارا اندازہ درست ہو۔ اب جو کچھ ہوتا ہے' وہ تم دونوں کو ہی بھگتنا ہوگا۔ میں تم دونوں سے آخری ملاقات کے لئے آیا تھا۔ مجھے کل صبح روانہ ہوجانا ہے۔ آج کی رات میں دوستوں کی محفل میں گزاروں گا۔"

"اگر ہیلی کاپٹر والی سازش تمہارے کسی دشمن کی ہے تو آج رات تمہیں یہاں رکنا چاہئے۔ کچھ ہوا تو تمہاری دشمنی کا مزہ ہم کو چکھنا پڑے گا' تم صاف نکل چکے ہوگے۔ یہ انصاف نہیں ہے۔"

"میں نے نہیں روکا' تم اپنی مجبوری سے یہاں پڑے ہوئے ہو۔ تمہاری وجہ سے میرے آدمی بھی یہاں پھنسے رہیں گے۔ وہ میرے دشمن ہوئے تو سارا غصہ ان ہی پر نکالیں گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

ہیلی کاپٹر والا قضیہ سامنے آنے کے بعد واقعات بہت بری طرح الجھ گئے تھے۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ دونوں اپنے اپنے اسباب کی وجہ سے مجھے وہاں سے جانے کی چھوٹ دینے پر آمادہ ہوچکے تھے۔ رمیش ہیلی کاپٹر والے قصے کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ بدری میری ہمدردی میں مجھے الوداع کہنے کے لئے آمادہ تھا۔

میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ نادرہ کے مکان میں ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی موجودگی کی وجہ سے میرے لئے اول خان سے فوری رابطہ ضروری ہوگیا تھا۔ میں وہاں سے اٹھا تو بدری بھی چند قدم دور تک میرے ساتھ آیا اور خاموشی سے ایک رقعہ مجھے تھما کر لوٹ گیا۔

میں نے کمرے میں جاکر وہ پرچہ دیکھا تو اس پر لندن کا ایک فون نمبر اور نام موجود تھا۔

تِک موڈلے نے جس طرح بدری کو مجھے صرف رات بھر کے لئے روکنے کا مشورہ دیا تھا اس کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ رات کو نادرہ کے مکان پر چڑھائی کی کوشش ضرور کی جائے گی۔ بدری نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے سیاہ نشانات کو مٹانے کا ذکر گول کردیا تھا۔

ہدف کی شناخت مٹ جانے کے بعد آنے والوں کے لئے فضا سے منزل کا تعین کرنا ناممکن ہوکر رہ جاتا۔ وہ آتے اور ناکام و نامراد واپس لوٹ جاتے۔ بعد میں بدری بہت معصومیت سے یہ کہہ سکتا تھا کہ علی شیر نے اس کے علم میں لائے بغیر سیاہ رنگ کا ہر نشان مٹا ڈالا تھا۔ چالاکی سے بنائے ہوئے منصوبے کی اس شرمناک ناکامی کی اطلاع پر تِک موڈلے اپنے بال ہی نوچ سکتا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ تصادم نہ ہونے کی وجہ سے تِک کو سوچنے کا وقت مل جاتا۔ غالب امکان یہی تھا کہ را کے ایجنٹوں کو طے شدہ پروگرام کے مطابق تربیت پر روانہ کردیا جاتا۔

وقت بچانے کے لئے میں نے اسی وقت اول خان کو فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس نے میری پوری کہانی گہری دلچسپی سے سنی پھر بولا "جب بھی تم ان دونوں کو چھوڑ کر ادھر آتے ہو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ کل راہول اور پرشوتم کے آنے کا منصوبہ بن گیا۔ آج ہیلی کاپٹر نے پرواز شروع کردی۔"

"پریشانی تِک کے اعصاب پر سوار ہے۔ آج بھی وہ منہ کی کھائے گا۔"

"فکر مت کرو۔ آج کے زخم وہ مدتوں سہلائے گا۔ میں بے آواز رائفلوں کے ساتھ اپنی مزید نفری قرب و جوار میں مامور کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔ میرے نشانچی اس ہیلی کاپٹر کو بھی مار گرائیں گے۔"

"نفری لگا دو مگر میں تصادم نہیں چاہتا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "نقصان اٹھانے کے بعد تِک بدری سے بھڑک جائے گا۔ میں اب تک ایسی کسی بھی صورتِ حال کو ٹالنے کے لئے محنت کرتا رہا ہوں۔ اس کے لئے یہی چرکا کافی ہوگا کہ اس کے آدمی اپنا ہدف کھو بیٹھیں گے۔"

"تم میرے آدمیوں کی پروا مت کرو۔ وہ جنگی تجربات کی بھٹی سے گزر کر کندن بنے ہوئے شیردل ہیں۔ موت کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال کر زندگی چھین لینے کے فن میں طاق ہیں۔ حالات کیسے ہی ہوں' وہ خود کو سنبھال لیں گے۔ بس ذرا گھر کے انتظامات کے بارے میں انہیں بریف کردینا' ایسا نہ ہو کہ تمہاری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر وہ دونوں ان پر حاوی ہونے کی کوشش کریں۔"

"اور تم سلطان شاہ کو یہ بتا دینا کہ میرے چلے جانے کے بعد اسے روز صبح گیارہ بجے بدری کو فون کرنا ہے۔ جب بھی وہ کہے تو اسے تِک سے ایک لفافہ لاکر تمہارے کسی آدمی کے ذریعے بدری تک پہنچانا ہوگا۔ اسے ان دونوں میں سے کسی کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ کس قسم کا لفافہ ہوگا؟" اول خان نے دلچسپی سے سوال کیا۔

"ان دونوں کے پاسپورٹ اور ٹکٹ آنے باقی ہیں۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کا بندوبست کرکے ہی جاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ میں وقت کی کمی کی وجہ سے سلطان شاہ کو بتانا بھول جاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تمہیں وہاں سے آجانا چاہئے۔ سامنے رہوگے تو یاد آنے والے نکات پر ہاتھوں ہاتھ بات ہوتی رہے گی۔ وقت گزر گیا تو بہت سے کام ادھورے رہ جائیں گے۔"

اس سے وعدہ کرکے میں نے فون بند کردیا اور کمرے سے نکل آیا۔

گھر کی نگرانی اور اوپری کاموں کی دیکھ بھال کے لئے خانساماں نیچے ہی تھا۔ بقیہ دونوں آدمی چھت کے فرش پر دیواروں پر رنگ پھیرنے کے لئے اوپر گئے ہوئے تھے۔

گھریلو خانساماں کے روپ میں وہ واقعی سادہ لوح اور کم سخن ثابت ہوتا چلا آیا تھا لیکن جب میں نے اپنی روانگی کے حوالے سے گفتگو شروع کی تو پتا چلا کہ وہ خاصا چالاک اور باخبر آدمی ہے۔

بدری اور رمیش کے کمرے میں چھپے ہوئے لاسلکی مائیکروفون سے ایف ایم بینڈ پر ان دونوں کی گفتگو سننے کے لئے اسے صرف ریڈیو آن آف ہی کرنا تھا۔ یہی صورت فون کال ٹیپ کرنے کے لئے تھی۔ میں نے اسے تاکید کی کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ہر اہم بات سے اول خان کو باخبر کرتا رہے۔

گھریلو اخراجات کے لئے ایک معقول رقم اسے پہلے ہی دی جاچکی تھی۔ اسے دس منٹ میں ہر اونچ نیچ سمجھا کر میں چھت پر پہنچا تو وہاں عارضی روشنی کا بندوبست کرکے بقیہ دو افراد نے چھت کے فرش پر جھاڑو دے کر گردو غبار کو سمیٹ دیا تھا۔ وہ دونوں نہایت جانفشانی سے رنگ کررہے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک بڑا حصہ سرمئی رنگ میں چھپ چکا تھا۔

ان دونوں کو کام ختم کرکے خانساماں سے معلومات حاصل کرنے کی ہدایات دے کر میں نے ان دونوں سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملائے تو ڈرائیور چونک پڑا۔

"صاحب! کیا تم جارہے ہو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں' یہاں سے اتر کر میں چلا جاؤں گا۔ کل مجھے باہر جانا ہے۔ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔"

وہاں کھڑے کھڑے میں نے انہیں ہیلی کاپٹر والے واقعے کے مختصر پس منظر سے آگاہ کرنے کے ساتھ یہ یقین دلایا کہ کالے رنگ کے شناختی دھبے کو کیموفلاج کرنے کے بعد ہر خطرہ بڑی حد تک ٹل گیا تھا مگر پھر بھی اول خان ہر بات سے باخبر تھا اور ضرورت پیش آنے پر انہیں باہر سے مدد بھی مل سکتی تھی۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ان سے ہاتھ ملایا اور نیچے آکر اپنا اسلحہ سمیٹ لیا جس میں بیم گن بھی شامل تھی۔

"تو کیا تم واقعی جارہے ہو؟" میرے ہاتھ میں سفری بیگ دیکھ کر رمیش نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ ذرا یہ دھیان رکھنا کہ میرے چلے جانے کے بعد میرے آدمی ہی اس مکان کے مالک اور نگراں ہوں گے' رقم ان ہی کو دے دینا۔ نوکر سمجھ کر انہیں دبانے کی کوشش کرو گے تو بدمزگی پیدا ہوگی۔ دوسری صورت میں وہ ہر طرح تمہارے آرام کا خیال رکھیں گے۔"

"تم شہر میں کب تک رکو گے؟" بدری نے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس آج کی رات ہی یاروں کی محفل میں گزرے گی۔ صبح میں شہر چھوڑ دوں گا۔"

"رمیش کا اب بھی یہی خیال ہے کہ تم بلاوجہ جارہے ہو۔ یہاں کچھ نہیں ہوگا۔"

"میں رمیش سے مذاق کررہا تھا ورنہ میری روانگی کا متوقع خطرے سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ پروگرام پہلے سے طے تھا۔ کل مجھے ہر حال میں سفر پر روانہ ہوجانا تھا۔"

"سفر کے لئے تمہارے ساتھ کوئی سامان نظر نہیں آرہا۔ یہ بیگ بھی بالکل خالی معلوم ہورہا ہے؟" رمیش نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جیب میں پیسے ہوں تو ضرورت کی چیزیں ہر جگہ مل جاتی ہیں۔ میں تفریح میں زیادہ بوجھ ڈھونے کا قائل نہیں ہوں۔ تم بھارت سے یہاں آئے تو کیا لے کر آئے تھے؟" میں نے اس کی

نظریں ڈال کر کہا۔
رمیش ری اداسی سے ہنس پڑا "ہم بھی ڈالروں کا تھیلا ہی لے کر آئے تھے۔ اب اس کا ذکر کرکے ہمارے زخموں کو نہ کریدو۔ تمہارے حاجی دل مراد نے ہماری وہ پونجی بھی ہم سے چھین لی۔"
"کسی وقت اسے بھی دیکھ لیا جائے گا" رمیش نے کینہ توز لہجے میں کہا "تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تک سے ہمارے پاسپورٹ وغیرہ کیسے آئیں گے۔ یہ آخری کام نہ ہوا تو میں تمہارے آدمیوں کو مزید رقم نہیں دوں گا۔"
"تمام کیبٹ روز صبح گیارہ بجے تمہیں فون کرتا رہے گا۔ اسے صرف اسی کام کے لئے کہا گیا ہے۔ تم نے اس سے مزید توقعات وابستہ کیں تو وہ پوری نہیں ہوں گی۔" میں نے اس آخری نکتے کی بھی وضاحت کر دی۔
"اور فون تمہارے کمرے میں ہی مقفل رہے گا!" رمیش نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔
"کل صبح وہ باہر آجائے گا۔ میرے آدمی ضرورت پڑنے پر ہی اسے اندر لے جائیں گے۔"
وہ دونوں ایک خون آشام پیشے سے منسلک ہو گئے تھے لیکن ہر اعتبار سے مہذب اور تعلیم یافتہ تھے۔ مجھے رخصت کرنے کے لئے وہ دونوں باہر تک آئے تھے۔ روانگی کا لمحہ آیا تو بدری بڑھ کر بے اختیار مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ رمیش کو اس کی تقلید کرنی پڑی۔ خانساماں ہمارے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ اس نے پھاٹک کھولا اور میں نے نادرہ کے گھر کو خیرباد کہہ دیا۔
گھر پر مسافر خانے کا منظر میرا منتظر تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو چھوٹے چھوٹے سوٹ کیس قالین پر پڑے ہوئے تھے۔ ویرا صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اول خان اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ سلطان شاہ کندھے پر تولیا ڈالے اِدھر اُدھر چکراتا پھر رہا تھا۔
"سفر کے لئے کچھ نہ کچھ زادِ راہ ضروری ہوتا ہے۔" میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں غزالہ نے مسکرا کر کہا "خالی ہاتھ سفر کرنے والے خواہ مخواہ دوسروں کی نظروں میں آتے ہیں۔ ایک میں ویرا کا اور دوسرے میں آپ کا سامان ہے۔ دونوں سوٹ کیس چھوٹے اور بہت ہلکے ہیں۔"
"بیم گن بھی اسی میں ڈال لینا۔ مشینی تلاشی کی وجہ سے تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔"
"بیم گن لے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے اعلان کیا "یہی غنیمت ہے کہ تم یہ ہتھیار یورپ سے پاکستان لانے میں کامیاب ہو گئے۔ امریکا میں یہ پیٹنٹ ہوگا۔ اس کی ساخت تمہارا بھانڈا پھوڑ سکتی ہے۔ اسکریننگ مشینوں سے سامان گزارنے پر ایسی چیزیں بہت نمایاں ہو کر نظر آتی ہیں۔"
"یہ ایک بڑی محرومی ہوگی۔" اول خان نے اخبار ایک طرف ڈال کر کہا۔ "اس مہم پر بیم گن جیسا جدید ہتھیار قبضے میں ہونا بہت ضروری ہے۔"
"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے فضا میں ہاتھ لہرا کر بے نیازی سے کہا۔ "امریکا میں آج بھی میرا لحاظ کرنے والے موجود ہوں گے۔ میں کہیں نہ کہیں سے بیم گن حاصل کر ہی لوں گی۔ یہاں سے اسے ساتھ لے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کہیں پر اسے چیک کر لیا گیا تو یہ ضبط ہو جائے گی۔"
میں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے میں سے جملہ ہتھیار نکال کر میز پر ڈال دیے۔ بیم گن سلطان شاہ نے اٹھا لی۔
ویرا نے نادرہ کے مکان کی چھت پر ہیلی کاپٹر سے رنگ کی تھیلی پھینکے جانے کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ اپنی نوعیت کی ایک عجیب بات تھی۔ بحث اور باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے دو گاڑیوں میں چار مسلح آدمیوں کو نادرہ کے مکان کے قرب وجوار میں مامور کر دیا ہے۔
ان باتوں میں بہت سے ضمنی موضوعات بھی ابھرتے رہے جن پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ دس بجے غزالہ نے کھانا لگا لیا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی اول خان نے محفل برخاست کر دی۔
آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی اور بات تھی۔ اس وقت ہر ایک کو یہ احساس تھا کہ بے یقینی کے اس سفر پر میری روانگی سے پہلے غزالہ کو میری رفاقت میں رہنے کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ اس رات فلیٹ میں جلد ہی رات اتر آئی اور ہم دونوں اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔
اگلی صبح ویرا ہمارے بیدار ہونے سے پہلے تیار ہو چکی تھی۔ اس نے پھول دار قمیص شلوار کے ساتھ اسی ڈیزائن کا ہلکا دوپٹا یوں گردن میں ڈالا ہوا تھا کہ دونوں پلو اس کے شانوں سے آگے جھول رہے تھے۔ کسی میک اپ کے بغیر وہ اس وقت بہت حسین اور پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت سلطان شاہ بہت خاموش اور اداس تھا۔ وہ بار بار کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔
غزالہ کی کیفیت میرے لئے قابلِ فہم تھی۔ میں ویرا جیسی ضدی اور سرکش عورت کے ساتھ سفر پر جا رہا تھا۔ غزالہ کتنی بھی فراخ دل رہی ہو، اس صورتِ حال پر خوش نہیں ہو سکتی تھی پھر بھی وہ بھری بھری آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے میری اور ویرا کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔
اس بھیڑ میں بس ویرا ہی سب سے زیادہ خوش اور بے فکر نظر آ رہی تھی۔ اس نے خلافِ معمول سلطان شاہ سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اس کی اداسی سے بے خبر نہیں تھی۔
"سلطان شاہ!" ناشتا کرتے ہوئے ویرا اچانک ہی اسے مخاطب کر بیٹھی۔ "میری غلطیوں اور خطاؤں کو خلوصِ دل سے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے۔ میں وحشیوں کے

ل میں اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے جا رہی ہوں۔ میری میابی کے لئے دعا کرنا، سنا ہے کہ اچھے آدمیوں کی دعائیں قبول تی ہیں اور...... اور تم بہت نیک اور اچھے آدمی ہو، اتنے اچھے کہ نے تمہارے سامنے خود کو ہمیشہ بہت پست اور حقیر سمجھا......"
ویرا وہ اعتراف نہ جانے کب سے اپنے دل کی پنہائیوں میں ئے بیٹھی تھی۔ آخر میں اس کی بھرائی ہوئی آواز اس کے حلق میں نس گئی۔ اپنی آنکھوں میں یکایک امڈ آنے والے دو آنسوؤں کو نے رخساروں پر لڑھکنے سے پہلے ٹشو پیپر میں جذب کر لیا اور ں کے ہونٹوں پر ایک غمگین مسکراہٹ پھیل گئی۔
سلطان شاہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ویرا کے جواب میں کچھ ے بغیر اس نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑی اور اپنے کمرے کی رف بڑھتا چلا گیا۔
اس وقت ہم چاروں ہی خاموش تھے اور فضا بوجھل ہو گئی ی۔
"یہ واقعی شتر مرغ ہے۔" چند ثانیوں بعد ویرا نے دلفریب کراہٹ کے ساتھ کہا "یہاں بیٹھ کر میرا سامنا کرنے کے بجائے نے کمرے میں بھاگ گیا۔ سمجھتا ہے کہ میں وہاں نہیں پہنچ ں۔" وہ بھی اٹھی اور اسی طرف چل دی۔
ہمارے گھر سے نکلنے تک سب کا جذباتی ابال قدرے کمزور پڑ ا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کو فلیٹ میں ہی الوداع کہہ دیا ونکہ سلطان شاہ کو غزالہ کے پاس رکنا تھا۔ ویرا کو اول خان رپورٹ لے جاتا جبکہ مجھے ٹیکسی سے وہاں پہنچنا تھا۔
حفاظت کے نکتہ نظر سے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے الگ ہنا ضروری تھا۔
میں ٹیکسی سے ائرپورٹ پہنچا تو ویرا پہلے ہی بین الاقوامی لاؤنج ں اول خان کے ساتھ موجود تھی اور بہت سی نگاہوں کا مرکز بنی ی تھی۔
ویرا ایک پُرکشش عورت تھی۔ اس وقت اس کی یہ خوبی ہی ام آئی۔ اکانومی کلاس کی طویل قطاروں کو چھوڑ کر وہ فرسٹ کلاس کے خالی کاؤنٹر پر گئی تو چند ثانیوں میں ہی اسے بورڈنگ کارڈ جاری کر دیا گیا۔ وہ اول خان سے ہاتھ ملا کر امیگریشن کاؤنٹر تک گئی ور پاسپورٹ پر مہر لگوا کر وہاں سے بھی گزر گئی۔ بہت سے دوسرے مسافروں کی طرح میں بھی ڈھٹائی سے اس کو دیکھتا رہا پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
اول خان ایک گوشے میں پڑی ہوئی فرش گیر کرسی پر جا بیٹھا۔ یرا اندر جا چکی تھی مگر وہ میری کلیرنس کے انتظار میں وہاں رکا ہوا ۔ میری باری کافی دیر بعد آئی۔ مسافروں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ امارات کی اس بین الاقوامی پرواز پر بڑا جیٹ طیارہ ستعمال ہو رہا تھا۔
بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد میں بھی خیر و خوبی سے امیگریشن اور ابرونی کے مراحل سے گزر کر اندر پہنچ گیا۔ ان دنوں کراچی کا قائدِ اعظم ٹرمنل زیرِ تعمیر تھا اور ساری ملکی اور غیر ملکی پروازیں پرانے ٹرمنل سے ہی آتی جاتی تھیں۔
اندر گھستے ہی ویرا مجھے نظر آ گئی۔ وہ سروس کاؤنٹر پر فون کرنے میں مصروف تھی۔ اس کی نظریں اسی راستے پر جمی ہوئی تھیں جدھر سے مسافر اندر آ رہے تھے۔
اس پرواز کے اصل مسافروں کا اندازہ تو جہاز میں پہنچ کر ہی ہو سکتا تھا مگر لاؤنج میں ہر طبقے کے لوگ نظر آ رہے تھے۔
امارات کی پرواز پر بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی بڑی تعداد میں ہلچل پیدا ہوئی اور گیٹ کے سامنے مسافروں کی قطار لگتی چلی گئی جو ٹارمک پر کھڑی ہوئی بڑی بسوں میں منتقل ہونے کی منتظر تھی۔
بورڈنگ کارڈ کے دو حصے گنوا کر میں جہاز میں پہنچا۔ مجھے دو نشستوں والی راہداری کے ساتھ نشست ملی تھی۔ چند ثانیوں بعد کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر باریش شخص آ بیٹھا۔
مقررہ وقت پر مخصوص اعلانات کیبن میں گونجنے لگے اور پھر جہاز رن وے کی سمت میں رینگنے لگا۔
رن وے کے سرے پر چند ثانیوں تک شاید کنٹرول ٹاور کی کلیرنس کا انتظار کیا گیا پھر یکایک جہاز کے انجنوں کا شور تیز ہوا اور پورے جہاز نے کسی آہنی پرندے کی طرح جھرجھری لے کر دوڑ لگا دی۔
لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ آخر کار جہاز فضا میں بلند ہونے لگا۔

جہاز کے فضا میں بلند ہونے کے چند منٹ بعد ہی تمباکو نوشی کی ممانعت کی روشن ہدایت تاریک ہوگئی۔ میں نے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے وضاحت کردی تھی کہ میں تمباکو نوشی کا عادی تھا اس وجہ سے میری نشست ایسے حصے میں تھی جہاں دورانِ پرواز تمباکو نوشی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میرے برابر میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا ہوا خشخشی داڑھی والا ادھیڑ عمر شخص خاصا مضطرب تھا اور بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے سگریٹ کا پہلا کش لے کر گہرے دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیر دیے۔

نشستوں کے اوپر حفاظتی بند باندھے رکھنے کے بارے میں ہدایت اس وقت بھی روشن تھی لیکن شاید فضائی میزبان اس ہدایت کی پابندی سے مستثنیٰ تھے۔ وہ طیارے کی دونوں راہداریوں میں کچھ اس انداز میں حرکت میں آچکے تھے جیسے وہ طیارہ ان ہی کی نقل و حرکت کے نتیجے میں محوِ پرواز تھا۔

میں نے سر گھما کر آگے پیچھے کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو اپنی سمت کی راہداری میں سرے کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے چند ہی مسافروں کو دیکھنے میں کامیاب ہوسکا۔ جہازوں میں مسافروں کے آرام کے نام پر کچھ ایسی منصوبہ سازی کی جاتی ہے کہ بیشتر مسافروں کو اپنی اپنی جگہ پر بڑی حد تک خلوت سی میسر رہتی ہے۔ وہ قرب و جوار کے چند مسافروں کی نظروں میں ضرور ہوتے ہیں لیکن آگے پیچھے والے جب تک ارادی طور پر جگہ چھوڑ کر کیبن کا سروے کرنے کے ارادے سے چہل قدمی نہ کریں، سارے مسافروں کا جائزہ نہیں لے سکتے۔ اس محدود بندوبست میں، میں ویرا کو دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

خوشبوؤں میں بسی ایک دلکش اور پختہ عمر ائر ہوسٹس قریب سے گزری تو میرے برابر میں بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر شخص کے ہونٹوں سے ایک بے ساختہ سسکاری کی صورت میں "مس" کی صدا بلند ہوئی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اسے پکارنے سے پہلے موصوف نے مجھے غصیلی نظروں سے گھورا تھا۔ شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ اس کی تمام تر بے چینی کے باوجود میں نے ایک بار بھی براہِ راست اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"یس سر!" ائر ہوسٹس تعلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئی تو اس کے جملہ اعضائے رئیسہ و خبیثہ میرے قریب تر تھے کیونکہ میں سرے کی نشست پر براجمان تھا اور وہ عرب بلکہ لبنانی خاتون ابتدائے پرواز میں فضائی مہمانوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار نظر آرہی تھی۔ مسافروں کی اکثریت کے تل طور دیکھتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ اگلی منزل آنے سے بہت پہلے اس خاتون کی وہ ساری خوش خلقی رفع ہوجائے گی۔

"ایک گلاس ٹھنڈا ٹھنڈا پانی!" میرے پڑوسی نے بڑی فرمائش کی۔

ائر ہوسٹس ایک فیاضانہ مسکراہٹ بکھیر کر آگے چلی اس وقت تک بہت سی نشستوں پر سروس کی طلب کی روشنیاں نمودار ہوچکی تھیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں تپتی ہوئی دھوپ میں پسینہ بہا کر روزی کمانے والے محنت کشوں کو دو چار سال میں بار ہی فضائی سفر کا یہ موقع میسر آتا ہے جب وہ مزدور اور نہیں بلکہ ایک بین الاقوامی فضائی کمپنی کے معزز مسافر ہوتے وہ اپنی یا اپنے آجر کی جیب سے پورا کرایہ ادا کرکے سفر کر اور پھر دورانِ سفر اپنے ادا کیے ہوئے کرائے سے پوری طرح یاب ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ایسے مسافروں کی کوششوں کا بیشتر بوجھ فضائی میزبانوں پر پڑتا ہے۔ مرد اپنی نظر مہری کی بنا پر اس بوجھ سے بڑی حد تک بچے رہتے ہیں۔ ان کا بوجھ بھی ان خوش خلق خواتین کو اٹھانا پڑتا ہے جو اندر بھُن جانے کے باوجود اپنے لبوں پر ایک لطیف مسکراہٹ رہنے کی عادی ہوجاتی ہیں۔

ائر ہوسٹس کے چلے جانے کے بعد میں نے پہلی بار پڑوسی کی طرف دیکھا۔

وہ شاید شروع سے ہی میری کسی نگاہِ التفات کا منتظر تھا نے فوراً ہی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کے ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟" اس نے تعارف کے بغیر ہی میں سوال کرکے مجھے یہ جتا دیا کہ اس کی منزل دبئی نہیں تھی طرح وہ بھی دور کا مسافر تھا۔

"لندن کا ارادہ ہے۔" میں نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ
"فی الحال تو کچھ دیر کے لیے دبئی میں رکنا ہوگا۔ یہ امارات کی مجبوری ہے۔"

"گُڈ!" وہ خوش ہوگیا "کراچی سے دبئی تک مشکل کوئی باذوق ہم سفر ملتا ہے۔ ذرا دیکھیں کتنے مسافر چار پیروں سے نشستوں پر چڑھے بیٹھے ہیں جیسے ان کے بعد کوئی جگہوں پر بیٹھ ہی نہیں سکے گا۔ کوئی نسوار دبائے بیٹھا ہے تو چبا رہا ہے۔"

میں اسے خشک نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ میں پہلے تلخ تجربے سے گزر چکا تھا کہ دیارِ مغرب کا سفر کرنے والے سے مسافر مشرقِ وسطیٰ کے محنت کش عازمین کو عموماً تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ برتری کے ہولناک گھمنڈ میں امیروں اور رئیس زادوں کے لیے یہ احساس ہی سوہانِ روح ہے کہ بہت سے مفلس اور بے مایہ لوگ بھی ان کی جسارت کرتے ہوئے ان کے ہم سفر بنے ہوئے ہیں اور اڑتے ہوئے جہاز سے باہر پھینکنے پر قادر نہیں ہیں۔

"آپ لندن جارہے ہیں تو پیتے بھی ہوں گے۔" قدرے کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے خوش ہوکر کہا۔ وہ اردو میں چھکا تھا مگر لندن کو اس نے لنڈن ہی کہا تھا۔

"نسوار اور پان کے مقابلے میں الکحل زیادہ مہلک ہوتی ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔ پھر خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نا۔ گورے پان یا نسوار نہیں کھاتے، شراب پیتے ہیں۔ لنڈن میں نسوار یا پان کھا کر پچکاریاں مارتا پھرے گا تو سالے کیا سوچیں گے۔ ہم کو اپنے ملک کی عزت کا بھی خیال ہونا ہے نا۔"

"آپ شاید پشاور نہیں گئے۔ وہاں گوری لونڈیاں نسوار ہی بھنگ اور چرس بلکہ ہیروئن تک استعمال کرتی ہیں، اپنا خرچ پورا کرنے کے لیے ہر شام بازاروں میں نکلتی ہیں۔ انہیں کوئی نہ کوئی گوری چمڑی کا شوقین مل ہی جاتا ہے اور ان کا گزارہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ یہاں آتی ہیں تو انہیں اپنے ملک کی عزت کا ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ عورتیں تو عورتیں ان کے مرد بھی یہاں آکر کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ فرنگیوں کے پشتینی دشمن انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں......"

"ارے آپ تو بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹ دی "میں عرض یہ کررہا تھا کہ ایسے سب لوگ غیر مہذب ہوتے ہیں۔ چرس یا ہیروئن کے لیے جسم فروشی! لاحول ولا قوۃ۔ نشہ کرنا ہے تو آدمی کوئی شائستہ نشہ کرے۔ آپ کو پتا ہے کہ امارات ڈرائی لائن نہیں ہے؟" آخری سوال اس نے میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کیا تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے عارفانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اسی لیے میں پی آئی اے یا سعودیہ سے سفر نہیں کرتا۔ سفر میں ذرا بے اعتدالی نہ ہو تو پھر وہ سفر کیا ہوا۔"

وہ کھل اٹھا "واہ! کیا بات کہی ہے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ کی وجہ سے میرا دبئی تک کا سفر کرکرا نہ ہوجائے۔ اب مزہ آئے گا۔" یہ کہتے ہی انہوں نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

اس راہداری میں مامور ائر ہوسٹس کا جوش و جذبہ تازہ تھا۔ وہ فوراً ہی اس کے لیے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس لے آئی جس کی اس نے پہلے سے فرمائش کی ہوئی تھی۔

"ہم دونوں کے لیے اسکاچ لے آؤ۔" اس نے پانی کا کاغذی گلاس لے کر ائر ہوسٹس کو ہدایت دی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا "چند برسوں پہلے کی بات ہے کہ اکانومی کلاس میں اپنی گرہ سے خرید کر شراب پینی پڑتی تھی۔ آج تو سب ہی پلانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ کرایہ پورا دیا ہو اور مفت میں مل رہی ہو تو میرا خیال ہے کہ واعظ کو بھی اپنے ظرف کے مطابق تھوڑی بہت پی لینی چاہیے۔"

"غنیمت ہے کہ آپ اپنے نادر خیالات کا اظہار دورانِ پرواز صرف مجھ سے کررہے ہیں۔ یہی بات آپ نے پاکستان کے کسی بھی حصے میں برسرِزمین کی ہوتی تو اب تک آپ کا فند یلمہ ہوچکا ہوتا۔"

"فند یلمہ؟" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ کیا ہوتا ہے؟"

"جب فند یلمہ ہوتا ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مرنے والے کے لیے دنیا ویران اور اجنبی ہوجاتی ہے۔ دل میں ایک گولی اترتی ہے یا گلے پر خنجر چلتا ہے اور یہی فند یلمہ ہوتا ہے۔"

وہ کھسیائے ہوئے انداز میں ہنستے ہوئے گویا ہوا "آپ درست کہہ رہے ہیں۔ پاکستان میں مولوی ملّاؤں کے بارے میں کوئی ناقدانہ بات چھیڑ کر محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔ کوئی نہ کوئی فرقہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے مگر میں نے اٹلی کے پچھلے سفر میں خود ایک مولوی صاحب کے ساتھ مے نوشی کی تھی۔ وہ شاید عمر بھر کے ترسے ہوئے تھے۔ دوسرے پیگ میں ہی بہکنے لگے تھے۔ ایسے ایسے گل کھلا رہے تھے کہ میرے لیے انہیں دہرانا بھی ممکن نہیں۔ طلاق زدہ عورتوں کے بارے میں ان کے خیالات بہت گھناؤنے تھے۔ وہ ایسی ہر عورت کو جنسی کج روی کا شکار قرار دینے پر تلے ہوئے تھے۔"

"آپ کے بال بچے کہاں رہتے ہیں؟" میں نے اس کی بے تکلفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھ لیا۔

"بال سر پر ہیں، بچے حیدرآباد میں دادی کے پاس رہتے ہیں۔" وہ بولے۔

دادی کے ذکر پر میں چونک پڑا۔ اس نے اپنی بیوی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں نے ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے براہِ راست سوال کر ڈالا "بچے دادی کے پاس رہتے ہیں تو آپ کی بیگم بھی اپنی ساس کے ساتھ رہتی ہوں گی۔"

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، وہ بیوہ ہوچکی ہے۔"

"بیوہ!" میں نے منہ بنا کر اسے گھورا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ میری بے تکلفی سے فائدہ اٹھا کر وہ مجھے گھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے قدرے سختی سے کہا "وہ بیوہ ہوچکی ہے تو اب تک آپ کو خاک میں مل کر سفر اور اسکاچ کی ضرورت سے بے نیاز ہوجانا چاہیے تھا۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اسے چھوڑ چکا تھا۔ اس نے دوسری شادی کرلی۔ حال ہی میں اس کے دوسرے شوہر کا انتقال ہوا ہے۔"

اس کی وضاحت سنتے ہی یہ نکتہ میری سمجھ میں آگیا کہ وہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں اپنے کسی پرانے ہم سفر کی رائے سے کیوں بھڑکا ہوا تھا۔ وہ باتونی ضرور تھا مگر مکار نہیں تھا۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سرسری انداز میں پوچھ لیا "پہلی سے چھٹکارا

پانے کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟؟"

"کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔" اس نے گول مول سا جواب دیا "عدّت پوری ہوجانے پر اب اُسی سے شادی کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔" اس کے آخری فقروں سے بے چارگی مترشح تھی۔

"جب دوبارہ اسی سے شادی کرنی تھی تو پہلے اسے کیوں چھوڑا تھا؟"

"عورت تلخ نوا اور بد زبان ہو تو بعض اوقات مرد پر دلیری طاری ہو ہی جاتی ہے۔"

اس شخص کی وہ باتیں لحہ بہ لحہ میری حیرت میں اضافہ کررہی تھیں۔ میں اس سے فوری طور پر کوئی نیا سوال نہیں کرسکا کیونکہ اسی وقت ائر ہوسٹس اس کے مطلوبہ لوازم قدرے اختصار کے ساتھ لے آئی تھی۔ ایک کاغذی گلاس برف کے ڈلوں سے لبریز تھا۔ اس کے نیچے دو خالی گلاس پھنسے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ میرے سامنے والی ٹرے گرا کر اُس پر بلیک لیبل کے چار نِپ رکھ دیے تھے۔ ننھی منی وہ خوشنما بوتلیں اپنی ساخت اور پیکنگ میں بڑی بوتلوں کی بالکل نقل تھیں۔ ایسی منی ایچرز دورانِ پرواز غیر ملکی ائرلائنوں پر ملتی تھیں یا پھر ڈیوٹی فری شاپس پر نظر آتی تھیں اور ان میں ایک عجیب ہی کشش محسوس ہوتی تھی۔

ائر ہوسٹس نے میرے ہم سفر کی فرمائش سے شاید یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ عادی مے نوش تھا اور اگر اس کی طلب کا بروقت مناسب بندوبست نہ کیا گیا تو وہ دبئی میں لینڈنگ تک اسے طلب کرتا رہے گا۔ اس نے ہمارے سامنے دو کے بجائے چار نپ رکھ کر اپنی دانست میں پوری پرواز کے لیے فرصت کا اہتمام کرلیا تھا۔ اپنی اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونے کے بعد وہ لہراتی ہوئی آگے نکل گئی۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ برابر والی قطار میں بیٹھے ہوئے دو محنت کش پاکستانی ہمیں عجیب سی ملامت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پاکستان میں امتناع سے پہلے بھی الکحل کبھی اتنی بے ضرر نہیں سمجھی گئی تھی کہ لوگ کھلے بندوں اس سے اپنا شوق پورا کرتے نظر آتے۔ جو اس کی صد رنگ تلخیوں کے سحر میں گرفتار تھے، وہ بھی اپنے ہم ذوق دوستوں کے ساتھ چوری چھپے اس سے شغل کیا کرتے تھے۔ قانونی پابندی کے بعد عام لوگوں میں اسے زیادہ معیوب تصور کیا جانے لگا مگر زمین سے رشتہ توڑ کر آزاد فضاؤں میں بلند ہوتے ہی وہ سارے زمینی ضابطے اپنی گرفت کھو بیٹھتے ہیں۔ لوگ اپنے دل میں جس کو جو چاہیں سمجھتے رہیں، عملاً اسے برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

میں نے گرد و پیش کی اس فضا کو نظرانداز کرکے اپنی توجہ اپنے ہم نشین پر مرکوز کردی۔ وہ پورے انہماک سے نپ کھول کر طلائی سیال گلاسوں میں منتقل کرنے اور پھر ان میں برف کے ڈلے ڈالنے میں مصروف تھا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں میں ویسی ہی چمک تھی جیسی کسی بچے کی آنکھوں میں اپنا من پسند کھلونا مل جانے پر نمودار ہوتی ہے۔

"تو کیا اب تمہاری سابقہ بیوی اپنی بدزبانی سے تائب ہوچکی ہے؟" میں نے سلسلۂ کلام پھر سے جوڑتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ اس بار میں دانستہ آپ سے تم پر آگیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب وہ بہت محتاط ہوچکی ہوگی۔ اس کا دوسرا شوہر بدکلامی پر اسے چار چوٹ کی مار مارتا تھا۔ اس نے میرے لیے حلالہ کرنے کے ساتھ ہی اس عورت کا دماغ بھی درست کردیا ہوگا۔"

"ایسی فضول باتیں سوچتے ہوئے تمہیں ندامت نہیں ہوتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے میرے طرزِ تخاطب میں تبدیلی پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا اور اس بات نے میرا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

"شادی کے بعد آدمی کے مزاج میں بڑی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔" وہ ڈھٹائی کے ساتھ ہنستے ہوئے بولا "معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی تک کنوارے ہو۔ اسی وجہ سے ان رموز سے ناواقف ہو۔"

اس نے بھی تکلف برطرف کرکے مجھے تم کے صیغے سے مخاطب کیا تھا۔ سفر طویل ہو تو ہم سفریوں ہی رفتہ رفتہ اپنی ذات کے حصار سے نکل کر بے تکلف ہونے لگتے ہیں۔

"تمہاری یہ باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔" میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ میں نے اپنے بارے میں اس کی رائے پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"شادی ہوتی ہے تو مجھ جیسے سادہ لوح مرد اپنی نئی نویلی دلہن کی نازبرداریوں کے جال میں پھنس کر اسے اتنی ڈھیل دے بیٹھتے ہیں کہ عورت غیر محسوس طریقے پر ان کے سر پر سوار ہوجاتی ہے۔ ہوش آتا ہے تو پانی سر سے اونچا ہوچکا ہوتا ہے مگر پھر بھی نئی بیوی کے مقابلے میں دیکھی بھالی پرانی بیوی ہی بہتر ہوتی ہے۔ یہ بات الگ ہونے کے بعد میری سمجھ میں آئی ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے تلخ سیال کا ایک گھونٹ لینے کے بعد اپنی صفائی پیش کی۔

میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ اس کی وہ باتیں میرے لیے بہت مبہم اور سمجھ میں نہ آنے والی تھیں۔ اپنی سابقہ بیوی پر الزام تراشی کرنے کے باوجود وہ اس کا عادی تھا۔ اشتعال کے عالم میں ایک غلط فیصلہ کر بیٹھا اور اب قدرت کی طرف سے ایک موقع مل جانے پر اپنی اس غلطی کا ازالہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ اس کا ذاتی فعل تھا۔ میں نے اس موضوع کو وہیں ختم کردیا۔

وہ گلاس کو اپنی انگلیوں میں گھماتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں دھیرے دھیرے بولنے لگا "یہ اکثر ہوتا ہے۔ اخلاق اور قانون اختیار بے بس ہوجاتا ہے تو پھر اس سے ماورا طریقے وجود میں آجاتے ہیں۔"

"کیا تم ایک ہی گھونٹ میں بہکنے لگے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

وہ ہنس پڑا "میں نہیں، میری ذہنی رَو بہکی ہے۔ شادی مرد اور عورت کا گھریلو معاملہ ہوتا ہے۔ باہمی احترام کی فضا پیدا نہ ہو تو یہ رشتہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اور آخری نتیجہ عام طور پر دونوں فریقوں کے لیے تلخ ہوتا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ......"

میں نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی "مجھے تمہاری ان گھریلو الجھنوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اگر تم ان ہی باتوں کی تکرار پر مُصر ہو تو میں پیچھے کوئی خالی سیٹ دیکھ لیتا ہوں۔"

"اوہ!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا "میں سمجھ رہا تھا کہ تم ان باتوں میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس نے رک کر ایک گہرا سانس لیا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ ایسے اجنبیوں سے اپنے دکھ سکھ کی باتیں کرکے دل کا بوجھ ہلکا کیا جاسکتا ہے۔ جاننے والوں میں زبان کھولی جائے تو ہر لفظ کی بازگشت مدتوں پیچھا کرتی رہتی ہے۔"

"ابھی تم اخلاق اور قانون کی بے بسی کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"ایک ایسے دوست کا خیال آگیا تھا جو کئی دن سے غائب ہے۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"کیا اسے اغوا کیا گیا ہے؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں، وہ کسی کام سے نکلا تھا پھر واپس نہیں آیا۔ یہ کئی دن پرانی بات ہے۔"

"اگر وہ کوئی مال دار اسامی ہے تو سمجھ لو کہ اسے اغوا ہی کیا گیا ہوگا اور اب اس کے لواحقین پر تاوان کی رقم کی ادائیگی کے لیے دباؤ ڈالا جارہا ہوگا۔"

"وہ خوش حال ضرور ہے مگر مال دار نہیں ہے۔ ایک رنگین مزاج اور یار باش بھارتی سفارت کار مال دار کیسے ہوسکتا ہے؟ ان بے چاروں کو تو ہمارے لوگوں سے بھی کم تنخواہیں ملتی ہیں۔"

اس کے جواب نے مجھے بری طرح چونکا دیا مگر میں نے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو پائے رکھا۔

دنیا ایک بار پھر بہت مختصر ثابت ہورہی تھی۔ اگر وہ باتونی اور الکحل کا رسیا نہ ہوتا، اگر میں نے اس کی خالص نجی باتوں میں قدرے دلچسپی نہ لی ہوتی اور اگر میں اُس سے الگ تھلگ اپنی ذات کے خول میں بند بیٹھا رہتا تو بات ہرگز وہاں تک نہ پہنچی ہوتی جہاں وہ اس وقت تقریباً آ گئی تھی۔

معاً راہداریوں کے درمیان کچن کی اوٹ کے لیے پڑے ہوئے پردے سمٹے اور پھر حسبِ معمول لڑکیاں یا عورتیں قدرے پُرشور آوازوں کے ساتھ کھانے کی ٹرالیاں دھکیلتی ہوئی راہداریوں میں نکل آئیں۔

ٹرالیوں سے کھانے کی پہلی ٹرے برآمد ہوتے ہی فضا قورمے اور بریانی کی مانوس اور اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھی۔ یہ امارات کی پیشہ ورانہ کارکردگی تھی کہ وہ ہر سیکٹر پر مسافروں کی اکثریت کا خیال رکھتے ہوئے اپنے مینو میں مقبول ترین ڈشیں شامل کرتی تھی۔

میں نے تیزی سے اپنا گلاس خالی کرکے اپنے حصے کا دوسرا نپ گلاس میں انڈیل لیا۔ دبئی میں لینڈنگ سے پہلے ان لذیذ کھانوں پر دست اندازی نہ کی جاتی تو مجھے سفر کی اس لذت سے محروم رہنا پڑتا۔

"تو تمہارا وہ دوست سفارت کار ہے؟" میں نے اپنی گہری دلچسپی چھپاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں، اگر تم باقاعدگی سے اخبار پڑھتے ہو تو مدن موہن کی گمشدگی کی خبر بھی تمہاری نظروں سے گزری ہوگی۔ وہ بہت اچھا اور ملنسار آدمی تھا۔ اس کے گرد لڑکیوں کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔"

"میں نے خبر پڑھی تھی لیکن اس میں وہ رنگ آمیزی نہیں تھی جو تم سنا رہے ہو۔"

"یہ اندر کی باتیں ہیں۔ وہ یہاں بہت مقبول تھا۔ پتا نہیں اب بے چارہ کہاں ہوگا۔"

"تم اس کے بارے میں یوں باتیں کررہے ہو جیسے وہ مرچکا ہو۔" میں نے بے رحمی سے کہا۔

"جب تک اسے بازیاب نہ کرالیا جائے اس کی زندگی کی امید نہیں کی جاسکتی۔"

"شاید تم مسلمان ہو اور ایک مسلمان کے لیے مایوسی کفر ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں مسلمان ہی ہوں مگر وہ ہندو ہے۔ اسے لے جانے والے بھی یہ بات جانتے ہوں گے۔"

وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں مدن موہن کے سوشل ریکٹ کے بارے میں جو کچھ جان چکا تھا اس کی روشنی میں میرے ہم سفر کی وہ گہری دلچسپی اور تشویش قابلِ فہم تھی۔ مدن موہن ایسے لوگوں کو تاک تاک کر پھانسنے کے کام میں مہارت رکھتا تھا جو اپنے کردار کی کسی مالی یا اخلاقی کمزوری کی بِنا پر اس کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتے تھے۔

میرے دل میں تجسس پیدا ہوگیا کہ اس شخص میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جن کی بنا پر مدن موہن کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

"کیا اس سے تمہاری دوستی بہت پرانی تھی؟" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"نہیں...... لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ میرے ساتھ یوں

شیروشکر ہوگیا تھا جیسے ہم بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی رہے ہوں۔ وہ جس سے ملتا تھا‘ اسے اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔"

"تو کیا تم بھی کوئی سرکاری ملازمت کرتے ہو؟" میں آہستہ آہستہ اپنے مطلب کی طرف آرہا تھا۔

"ملازمت میں کیا رکھا ہے۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا "میں مشینوں اور ان کے پرزوں کی انڈینٹنگ کرتا ہوں۔ بجلی گھروں کی ضروریات زیادہ تر میں ہی پوری کرتا ہوں۔"

بجلی گھر کے حوالے سے میرے ذہن میں کوٹ اڈو کے تھرمل بجلی گھر میں ہونے والا دھماکا تازہ ہوگیا۔ یوم السبت کی اس تخریب کاری میں بھی اس کا کوئی ہاتھ ہوسکتا تھا مگر میں نے وہ خیال فوراً ہی اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ اس واقعے کی ساری کڑیاں مل چکی تھیں۔ اگر میں اندھیرے میں یوں ہی ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا تو اس سے کام کی زیادہ باتیں نہیں اگلوا سکتا تھا۔ میں نے چند تیکھے اور براہ راست سوالات پوچھنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ایٹمی بجلی گھروں سے بھی تمہارا واسطہ رہتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایسا ویسا۔" اس نے فخر سے کہا "میرے پاس کئی بڑی ایجنسیاں ہیں۔ بعض آلات اور پرزے تو ایسے ہیں کہ ان پر میری اجارہ داری ہے۔ میں ان سے منہ مانگے دام وصول کرتا ہوں۔ لیٹر آف کریڈٹ کھلتے ہی اصل قیمت اور میری طلب کی ہوئی قیمت کا فرق میرے کھاتے میں منتقل ہوجاتا ہے۔ ان ہی چکروں کی دیکھ بھال کے لیے مجھے آئے دن باہر کے سفر کرنے پڑتے ہیں۔"

"خوب!" میں نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا "پیسہ قسمت سے مل رہا ہے۔ عورتیں یا لڑکیاں مدن موہن کے طفیل ملتی رہتی ہوں گی۔ اسی لیے تم نے دوسری شادی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ مدن موہن بہت سیر چشم اور دریا دل آدمی ہے۔ اس نے کبھی میرا دل نہیں توڑا۔ میں نے جس کی طرف اشارہ کیا اُس نے اسی کو میری گود میں ڈال دیا۔ ایسے بے نفس دوست اس دور میں کہاں ملتے ہیں؟ اسی وجہ سے اس کی گمشدگی بہت کھل رہی ہے۔"

"وہ گم ہوگیا ہے تو کیا ہوا۔ تمہاری دوستیاں تو اسی طرح چل رہی ہوں گی۔"

"اس کے غائب ہونے کی خبر پھیلتے ہی سب یوں غائب ہوئی ہیں جیسے شکاری کے پیروں کی آہٹ سن کر چڑیاں پھُر سے اڑ جاتی ہیں۔ سارے ٹھکانے اجڑ چکے ہیں۔ شہر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی شامیں پھیکی اور بے کیف گزر رہی ہوں گی۔ وہ آئے دن ایسی رنگا رنگ تقریبات منعقد کراتا رہتا تھا جہاں آنے والے سارے نہیں تو بیشتر جوڑے ایک دوسرے کو بھول کر اپنے خوابوں کے جزیروں میں محصور ہوجاتے تھے۔"

اس وقت تک ٹرالی ہمارے قریب آگئی۔ اگلی نشستوں کی پشت پر نصب تھالیاں کھنا کھٹ گر رہی تھیں۔ پرواز کے مختصر دورانیے کی وجہ سے میزبان لڑکیاں اپنا کام بہت سرعت سے انجام دے رہی تھیں۔ بھاپ اُڑاتے ہوئے تازہ اور خوشبودار کھانے کی ٹرے دیگر لوازم کے ساتھ ہمارے سامنے سجا کر ہماری سمت والی میزبان آگے بڑھ گئی۔ میرا ساتھی فوراً ہی نیپکن کھولنے میں مصروف ہوگیا۔

وہ شخص اتفاقی طور پر میرا ہم سفر بنا تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے قدرت نے اسے دانستہ میری راہ پر دھکیلا تھا۔ وہ بے حس اور بے خبر شخص میری دانست میں سزا کا حق دار تھا۔ اگر کراچی میں مجھے اس کے کرتوتوں کا علم ہوجاتا تو شاید معاملہ ہی کچھ اور ہوتا۔ اس وقت فضا میں پرواز کرتے ہوئے میں اس مردود کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا تھا۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں بار بار لیڈی سرفراز کا باوقار سراپا سر ابھارتا۔ اس عورت کا الم ناک انجام ایک بہت بڑا المیہ تھا۔ مدن موہن نے اپنی خود غرضی اور سفاکی کے باعث اسے حرام موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں دھکیلا تھا اور ایسا ہی کچھ انجام میرے ہم سفر کا ہونا چاہیے تھا۔

"تمہیں کبھی شبہ نہیں ہوا کہ مدن موہن اپنی رنگین محفلوں کی آڑ میں کوئی مذموم چکر چلا رہا ہے؟" میں نے کانٹے کی مدد سے ایک بوٹی منہ میں ڈال کر اُس سے پوچھا۔

"وہاں شبے والی کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ راگ ورنگ اور سرمستیوں کے سوا وہاں کچھ ہوتا ہی نہیں تھا جو شبہ کرنے کی نوبت آتی۔ اس کے یوں غائب ہونے کے بعد میں نے کئی بار سوچا ہے کہ وہ بے چارہ کتنا ہی بے لوث اور مخلص رہا ہو‘ اس کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بھارتی اور ہندو تھا۔ ہماری ایجنسیاں اس کے تیزی سے بڑھتے ہوئے میل جول کو آسانی سے برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ انہوں نے بھی وہی سوچا ہوگا جو سوال بن کر اس وقت تمہاری زبان پر آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی لوگ اسے کسی چوپائے کی طرح باندھ کر اٹھالے گئے ہوں۔ وہ ان کی قید میں ہے اور اس کا اعلان نہیں ہوا تو بس سمجھ لو کہ کیا ہونے والا ہے۔ زمین کا سینہ بہت فراخ ہے۔ میرے بتائے بغیر تم یہ سب سمجھ سکتے ہو۔"

"اخلاقی اور قانونی اختیار کے بارے میں تم جو کچھ بڑبڑا رہے تھے‘ وہ شاید تمہاری اسی فکر مندی کا نتیجہ تھا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں اس سے پوچھا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔ وہ بدنصیب لڑکا اگر یہاں کوئی گڑبڑ کررہا تھا تو قانون کی راہ سے اس پر الزام لگایا جاسکتا تھا۔ اس کی سفارت کاری گرفتاری میں آڑے آتی تو اسے ناپسندیدہ قرار دے کر ملک بدر کیا جاسکتا تھا مگر یہاں تو اندھیر ہے۔ جاننے والے جانتے تھے کہ قانون مدن موہن کے سامنے بے بس ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اسے

تاوان کے لیے نہ اٹھایا گیا ہو۔ اس کے لہو کے پیاسے اسے ہانک کر لے گئے ہوں۔"

"تم سچے محسن پرست اور انصاف پرور آدمی ہو۔" میں نے اپنے غصے پر قابو رکھ کر سپاٹ لہجے میں کہا "تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مدن موہن بہت عظیم تھا۔ وہ کسی لالچ کے بغیر تمہارے نفس کی بھڑکتی ہوئی آگ کو شبنمی پیکروں کی ٹھنڈک سے سرد کرتا تھا...... کاش تم نے یہ سب پرواز روانہ ہونے سے پہلے کراچی میں ہی بتا دیا ہوتا۔"

شاید آخری فقروں میں غیر ارادی طور پر میرا لہجہ بھیانک یا ڈراؤنا ہو گیا اور وہ گھبرا گیا "کیا مطلب؟ کیا تم مجھے کوئی دھمکی دے رہے ہو۔"

میں نے فوراً ہی سنبھالا لے لیا اور اس کے بازو پر ہاتھ مار کر خوش دلی سے کہا "تم بلاوجہ ڈر رہے ہو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ پھر ہم وہیں رک کر مدن موہن کو تلاش کر سکتے تھے۔ ایسے نادر الوجود ہیرے کو یوں رائگاں نہیں جانا چاہیے۔"

وہ مطمئن ہو گیا اور بولا "یہ بات تم کہہ رہے ہو۔ اسے ملے جانے والے ان باتوں پر کبھی بھی یقین نہیں کریں گے۔ ان کی نظروں میں بھارت کا ہر وفادار ہمارے ملک کا غدار ہوتا ہے۔"

"تم نے اخلاق اور قانون سے ماورا قوتوں کے بارے میں اپنی بڑبڑاہٹ کی وضاحت اب بھی نہیں کی۔"

کھانا کھاتے کھاتے اس نے رک کر غور سے میری طرف دیکھا پھر نیچی آواز میں بولا "اسے بھول جاؤ۔ پاکستان میں رہنے والے کنوئیں کے مینڈک ہوتے ہیں اور وہ اپنے کنوئیں کو ہی پوری کائنات تصور کرتے ہیں۔ میں دنیا بھر میں گھومتا پھرتا رہتا ہوں اور ہر جگہ اخبار بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنا ہے؟"

وہ اپنی باتوں سے بار بار مجھے چونکا رہا تھا۔ ایک پاکستانی شہری کی زبان سے میں نے ایس ٹی ایف کا نام پہلی بار سنا تھا۔ میں نے اپنی حیرت کو ایک لقمہ نگلنے میں چھپا لیا اور پھر سرسری لہجے میں پوچھا "یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ کیا یہ بھی رینجرز یا ائرپورٹ سیکیوریٹی فورس کی طرز کی کوئی فورس ہے؟"

"میں اس کے بارے میں مغربی اخبارات میں حیران کن بلکہ دہشت ناک اور ماورائی کہانیاں پڑھتا رہا ہوں۔" وہ بتانے لگا۔ "پاکستانی آئین اور قانون کی موٹی موٹی کتابوں میں اس سفاک تنظیم کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا' ذمے دار سرکاری اور فوجی اہل کار اس کے وجود سے مکمل بے خبری کا اظہار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر یہ ڈراؤنی فورس بہت فعال ہے۔ جسے تاک لیتی ہے اس پر زندگی حرام ہو جاتی ہے۔ ان کا واردات کرنے کا طریقہ لگا بندھا ہے۔ یہ جس کے پیچھے لگ جائیں' اسے خاموشی سے اٹھا لیتے ہیں۔ اس کی چمڑی اُدھیڑ کر اُس سے من مانے اعترافات کراتے ہیں اور پھر خاموشی سے اسے مار ڈالتے ہیں۔ پہلے یہ سوچ کر میرا سر فخر سے بلند ہوتا تھا کہ پاکستان میں بھی کوئی ایسی طاقت سرگرم عمل ہے جو ملک کے دشمنوں کی گردن ناپتی رہتی ہے مگر اب میں اس کے تصور سے اندر ہی اندر شرمسار ہونے لگتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا اب کوئی نئی کہانی تمہارے سامنے آئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مدن موہن صرف اسپیشل ٹاسک فورس سے خائف تھا۔ میں نے اسے اپنی پڑھی پڑھائی معلومات سے آگاہ کیا تو اس نے بتایا کہ وہ لوگ درندے ہیں۔ اختیارات اور آزادیوں سے فائدہ اٹھا کر ذاتی دشمنیوں اور پسند و ناپسند کے حساب بھی چکا رہتے ہیں۔"

"ایسی ہی بات تھی تو وہ کیوں اس فورس سے خائف تھا؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اسے یقین تھا کہ اپنی سرگرمیوں میں وہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس لیے پاکستانی قانون کا کوئی بھی محافظ اس کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے دماغ پر اسپیشل ٹاسک فورس کی دہشت سوار تھی کیونکہ وہ لوگ کسی جواز یا ثبوت کے بغیر لوگوں کو خود ساختہ انصاف کی چکی میں پیسنے کی شہرت رکھتے ہیں۔ شاید وہ ان ہی کی زیادتی کا نشانہ بنا ہے۔"

"مجھے اور مجھ جیسے گوشہ نشین شہریوں کو تم کنوئیں کا مینڈک قرار دے رہے ہو۔ تم خود ساری دنیا گھومتے پھرتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسپیشل ٹاسک فورس اگر ہے تو صرف پاکستان ہی میں نہیں ہے۔ دنیا کے بیشتر ملکوں میں قانون سے ماورا ادارے بنانے کا رجحان روز افزوں ہے جو قانون کی نرمی اور سے فائدہ اٹھا کر بچ نکلنے والے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا ہیں۔"

"شاید تم بلیک جسٹس نامی فلم کی بات کر رہے ہو۔ مجھے اس کی سچائی میں شبہ ہے۔ امریکا جیسے مہذب اور آزاد ملک میں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"وہ فلم پاکستان میں نہیں امریکا میں ہی بنی تھی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ ایک جج کی کہانی تھی جو عدالت میں منظم جرائم کے خلاف برسرِپیکار تھا۔ وہ چالاک اور پیشہ ور مجرموں کے سیاہ کرتوتوں سے ذاتی طور پر باخبر تھا لیکن جب ایک رسوائے زمانہ مجرم اس کے سامنے کٹہرے میں لایا گیا تو شہری حقوق اور انفرادی آزادیوں کے نام پر وکلائے صفائی نے قانون کے ایسے بخیے ادھیڑے کہ گواہ بے اعتبار ہو کر رہ گئے' ثبوت سزا دلانے میں ناکام رہے اور مجرم کو باعزت بری کرنا پڑ گیا۔

قانون کی اس بے بسی پر جج نے اپنے ہم خیال دوستوں سے ایک گروہ بنایا اور پھر قانون کے سینے پر مونگ دلنے والے رسوائے زمانہ عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچانا شروع کر دیا۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کہنے کو تو سی آئی اے اور ایف بی آئی پر بھی بہت سے الزام لگائے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ مدن موہن جیسا دوست مجھ سے گیا۔"

ائر ہوسٹس نے دوبارہ اپنی سمت کے ابتدائی سرے سے خالی سمیٹنے شروع کر دیے تھے۔ مشروبات کی دوسری ٹرالی بھی حرکت آچکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹرالی قریب آکر راستہ مسدود میں کھانے سے فارغ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میری متجسس نگاہیں تیزی سے کیبن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ورا فوراً ہی نظر آ گئی۔ اپنے گورے چٹے رنگ اور دلکشی کے پاکستانی لباس میں وہ الگ ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید پہلے ہی نشست سے واقف تھی کیونکہ میرے اٹھتے ہی اس نے میری دیکھا۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں' اس نے ہاتھ کی ہی جنبش سے مجھے اشارہ کیا اور میں جہاز کے عقبی حصے کی چل دیا۔

جہاز میں اتفاقیہ طور پر ٹکرانے والے' مدن موہن کے اس کے بارے میں میرے ذہن میں رہ رہ کر عجیب سوالات پیدا ہے تھے۔ یہ درست ہے کہ تیز رفتار ہوائی سفر اور جدید ترین مواصلاتی رابطوں کی بنا پر دنیا اس حد تک سمٹ کر رہ گئی ہے کہ بھی رونما ہونے والے ایک واقعے کی بازگشت بیک وقت دنیا ہر گوشے میں سنائی دیتی ہے۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ میں بدری ناتھ اور رمیش اگروال کے ذریعے چند روز قبل ہی خفیہ بچے سے مدن موہن کو اول خان کی تحویل میں پہنچایا تھا اور اب فضائی سفر میں ایک اجنبی مسافر مجھ سے ان ہی حوالوں سے کر رہا تھا۔

سفر کی ابتدا میں نشستوں پر خاموش اور منظم انداز میں بیٹھے مسافروں میں لنچ کے بعد ہلچل پیدا ہو چکی تھی اور دونوں کی راہداریوں میں خاصی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ جہاز میں غالباً کوئی نشست خالی نہیں تھی۔ جن نشستوں پر موجود نہیں تھے وہاں بھی سفری ساز و سامان کسی نہ کسی کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ویرا اپنی سے اٹھ کر کچن کے قریب دروازے والی کشادہ جگہ میں آکھڑی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ مصروف راہداری میں میں اس کے زیادہ دیر تک نہیں رک سکوں گا۔

"سفر خوشگوار اور پرواز بہت ہموار ہے۔" میرے پہنچتے ہی نے کہا۔

"اس کا انحصار ہم سفر پر ہوتا ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس کر جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پڑوس میں کوئی معقول آدمی براجمان ہے۔"

"آدمی آخری سرے پر ہے۔ میرے برابر میں دو پٹھان خواتین ہیں اور وہ دونوں ہی میری اردو دانی پر بہت حیران ہیں۔ وہ دو تعلیم یافتہ بہنیں ہیں جو اپنے باپ کے ساتھ دبئی جا رہی ہیں۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی غنڈا آ بیٹھا ہے جو یوں ٹھنڈے سانس لے رہے ہو۔"

"وہ ٹیڑھا کیس ہے۔" میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنے تجربے سے آگاہ کر دیا۔

وہ خاموشی سے میری بات سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مدن موہن کراچی میں بہت سے لوگوں سے ملتا جلتا تھا۔ اس کا مدن کے بارے میں فکر مند ہونا تشویشناک نہیں ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ ایس ٹی ایف کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔" میرے خاموش ہونے پر ویرا نے دھیمی اور تفکر آمیز آواز میں کہا "نام کیا ہے اس کا؟"

"نام میں نے نہیں پوچھا۔" میں نے خفت سے کہا "مجھے وہ خطرناک نظر آ رہا ہے۔"

"دماغ کو ٹھنڈا رکھو!" وہ میرے شانے کے قریب ہو کر سرگوشیانہ آواز میں غرائی "کراچی میں سیکڑوں لوگوں کو مدن کی پُراسرار گمشدگی پر تشویش ہوگی۔ ان میں سے ایک اتفاق سے تمہارے ساتھ سفر کر رہا ہے تو اس پر تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ ایک اچھی بات ہے کہ وہ بھی لندن ہی جا رہا ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو اس سے وہاں بھی نمٹا جا سکے گا۔ یقین ہے کہ اس نے مدن کو بہت سی اہم معلومات فراہم کی ہوں گی۔ اگر میں اس بارے میں اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گیا تو فیصلہ کرنا آسان ثابت ہوگا۔"

"میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ اسے بھول جاؤ۔ دبئی سے آگے کے سفر میں میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گی۔ امریکا پہنچنے سے پہلے ہی تم کسی نئے مسئلے میں الجھ گئے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ بدری ناتھ اپنی پوری کوشش کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔"

"اور تم اس سے بھی اہم بات کو ابھی تک نظر انداز کرتی چلی آ رہی ہو۔" میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"پہیلیاں بجھوانے کے بجائے صاف صاف بات کرو۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مشورہ دیا۔

"قمیص شلوار دبئی تک تو ٹھیک ہے۔ سفر کے اگلے مرحلے میں محض اس لباس کی وجہ سے تم ہر شخص کی نگاہوں کا مرکز بنی رہو گی۔ ہمارے سفر کا آغاز ایک سنسنی خیز اتفاق سے ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ

کوئی تماشائی تمہیں ویرا کی حیثیت سے شناخت کرلے۔"
اس کے پتلے پتلے یاقوتی ہونٹوں پر ذو معنی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"پھر کیا کیا جائے؟"
"صبر کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ بدقسمتی یہ ہے کہ ڈیوٹی فری شاپس پر ریڈی میڈ ملبوسات نہیں ملتے ورنہ تم وہیں سے نیا لباس خرید کر تبدیل کرسکتی تھیں۔"
"فکر مت کرو" اس نے میری بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "گھر سے نکلنے سے پہلے میں نے اس مسئلے کا ادراک کرلیا تھا۔ میرے ہینڈ بیگ میں ایک جینز اور بلاؤز سوٹ موجود ہے۔"
"ویری گڈ!" میرے سر سے ایک بوجھ ٹل گیا "تم زنانہ ریسٹ روم میں اپنا کام کرلینا۔"
"اور اس سے بھی ضروری کام یہ ہے کہ دبئی سے کراچی بات کی جائے۔ سفر کی افراتفری میں ہمیں یہ پوچھنا یاد ہی نہیں رہا کہ پچھلی رات بدری اور رمیش پر کیا گزری۔ نادرہ کی چھت پر سیاہ رنگ کی تھیلی گرانے کے بعد تک موڈلے کے آدمیوں نے ضرور ادھر کا رخ کیا ہوگا۔"
ہم دونوں وہیں کھڑے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ راہداری سے گزرنے والے بعض بے خوف مسافر ہم دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ شاید وہ ہم دونوں کے راز و نیاز کو اسی پرواز کا کوئی تازہ کرشمہ سمجھ رہے تھے۔
دورانِ سفر کبھی کبھار یوں ہوتا ہی ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی جنسِ مخالف میں کچھ اتنی دلچسپی لینے لگتے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں کا سفر بن جاتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا لیکن سنانے والے زیبِ داستاں کے ساتھ جو کچھ سناتے تھے، اس میں ایسے امکانات کی نشاندہی ہوتی تھی۔
فضائی میزبانوں نے پھرتی کے ساتھ کیبن سے سب کچھ سمیٹ لیا۔ ڈائننگ ہال کا سماں ختم ہونے کے بعد ماحول بدل گیا۔ کہیں کہیں کوئی مسافر چائے یا کافی پی رہا تھا۔ تمباکو نوشی کے لیے مخصوص نشستوں پر فضا میں متعدد سرمئی لہریے نظر آرہے تھے۔
گھنٹی کی مترنم آواز کے ساتھ سیٹ بیلٹ باندھنے کی ہدایت روشن ہوئی تو میں ویرا کے شانے پر تھپکی دے کر اپنی نشست کی طرف چل دیا۔
کچھ مسافر کانوں میں ایئرفون لگائے موسیقی سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ بعض اگلی نشستوں کی پشت پر لگے ہوئے چھوٹے سے رنگین ٹیلی وژن پر اپنی پسند کے پروگرام دیکھ رہے تھے۔ ان مصروفیات کے باوجود بیلٹوں کے آہنی بکل پُر شور آوازوں کے ساتھ بند ہورہے تھے۔
میں سوچ رہا تھا کہ میری طویل غیر حاضری نے مدن موہن کے پرستار کو مضطرب کردیا ہوگا۔ میں اپنی جگہ پر پہنچا تو وہ غائب تھا۔ میں نے بے فکری سے سیٹ میں دراز ہوکر حفاظتی بند باندھ لیا۔

چند ثانیوں بعد وہ جہاز کے اگلے حصے سے آتا ہوا نظر آیا۔
"تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟ میں نے پورا جہاز چھان مارا۔ تمہارا کہیں پتا نہیں تھا" اس نے بیٹھتے ہی پُر تشویش لہجے میں شکایت کرڈالی۔
"میں جہاز کے عقبی حصے میں تھا۔ ایک لڑکی نے ذرا سی لفٹ دی تو میں وہیں رک گیا تھا" بات کرتے کرتے میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"
"سلیم..... سلیم اکبر خان" یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنسنے لگا "اب ہم دبئی پہنچنے والے ہیں۔ ہم نے دنیا جہاں کی باتیں کرلیں لیکن ایک دوسرے کے نام سے اب تک بے خبر ہیں۔ میرا نام لینے کے بعد اب تمہیں بھی اپنا تعارف کرادینا چاہیے۔"
میرے لیے وہ چند لمحات بہت ڈرامائی ثابت ہوئے۔ تنویر میرا اصل نام تھا مگر میں ڈینی کے نام سے مشہور تھا۔ ڈینی کہتے ہی مجھے یاد آیا کہ بدری اور رمیش کے لیے میں ان دنوں عالم شیر بنا ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد آگیا کہ وہ سفر میں اسلم خان کے نام سے کررہا تھا۔
"خوب! اسلم اور سلیم! ہم دونوں کے نام بھی ملتے جلتے ہیں۔ تم کیا کرتے ہو؟" میرا نام سن کر اس نے دوستانہ بے تکلفی سے کہا۔
"سفر کرتا ہوں" میں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔
"صرف سفر کرتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا "مگر کچھ تمہارا کاروبار کیا ہے؟"
"جب اردو والا سفر نہیں کررہا ہوتا تو انگریزی میں سفر کرتا ہوں۔ میرے کاروبار کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ سفر میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔"
"خیر، تم نہیں بتانا چاہتے تو میں بھی اصرار نہیں کرتا۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے اس جہاز میں سوار ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سب اپنی اپنی منزلوں کی طرف بکھر جائیں گے۔ پھر شاید زندگی میں ایک دوسرے سے ملنا نہ ہو۔ اتنی مختصر رفاقت میں زیادہ جاننے کا فائدہ؟"
میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس وقت میرے وجود پر اچانک ہی غنودگی طاری ہوچلی تھی۔ میں نے نشست سے پشت جما کر آنکھیں موندلیں۔ اس طرح میں سلیم کی مغز خوری سے بھی محفوظ رہا تھا۔
تھوڑی دیر بعد کیبن کے پیجر سسٹم پر جہاز کے کپتان کی آواز گونجنے لگی۔ سفر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنے کے علاوہ وہ خیر مقدم اور شکریے کے رسمی کلمات تھے۔
میں آنکھیں موندے اس کی مختصر سی تقریر سنتا رہا۔ پھر شیریں لحن خاتون مسافروں کی رہنمائی کے لیے متعدد اعلانات کرنے لگی۔ اہم ترین بات یہ تھی کہ لندن جانے والے مسافروں کو

اپنے سامان کے ساتھ سوا دو گھنٹے کے لیے دبئی ایئرپورٹ کے ٹرانزٹ لاؤنج سے لطف اندوز ہونا تھا۔
طیارے کا ہوا باز مشاقی سے طیارے کی بلندی کو بتدریج کم کرتا جارہا تھا۔ اس تبدیلی کا احساس صرف تجربے کار مسافر کانوں پر بڑھتے ہوئے دباؤ سے محسوس کرسکتے تھے ورنہ سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے بیشتر کھڑکیوں کے بلائنڈز بڑی حد تک گرے ہوئے تھے۔ مسافروں کی بہت کم تعداد زمین کے تیزی سے واضح ہوتے ہوئے آثار دیکھنے کے قابل تھی۔
دو تین مرتبہ طیارے نے کسی مضطرب آہنی پرندے کی طرح فضا میں پہلو بدلے، مخصوص لینڈنگ پوزیشن اختیار کی، مزید ہدایات جاری ہوئیں، عملے کے اراکین نے راہداریاں خالی کرکے اپنی مخصوص جگہیں سنبھالیں اور پھر طیارے نے نہایت سبک انداز میں زمین کو چھولیا۔
رن وے پر دوڑتے ہوئے بڑے جہاز کی رفتار ٹوٹتے ہی بہت سے مضطرب پاکستانی مسافروں نے حفاظتی بند کھول دیے اور اوپری خانوں سے دستی سامان نکالنا چاہا۔ جہاز کے تجربے کار عملے کے لیے یہ صورتِ حال نئی نہیں تھی۔ ایسے مسافروں کو جہاز کے رکنے تک اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے کی ہدایت کی گئی۔ آخر طیارہ کسی تھکے ہارے پرندے کی طرح رینگتا ہوا اپنی مخصوص جگہ پر جا رکا۔
سیڑھیاں بہت جلد طیارے سے لگادی گئیں۔ اس دوران میں جہاز کی راہداریوں میں مسافروں کی قطاریں لگ چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ اگلے، پچھلے راستوں سے مسافروں کا انخلا ہونے لگا۔
ٹرمنل کی سیڑھیوں پر ائرلائن کا عملہ مسافروں کی رہنمائی کے لیے موجود تھا۔ ٹرانزٹ پاس لے کر لندن جانے والے مسافر ڈیوٹی فری شاپ اور ٹرانزٹ ایریا کی طرف ہولیے۔ اس بھیڑ میں ویرا مجھ سے آگے تھی۔ سلیم اکبر خان کو میں نے دانستہ پیچھے چھوڑ دیا تھا۔
ٹرانزٹ ایریا میں ویرا سیدھی ائرلائن کے امدادی کاؤنٹر پر گئی۔ میں بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ اس وقت تک ویرا اسے اپنا مسئلہ بتا چکی تھی۔
اس شخص نے ویرا کا بورڈنگ کارڈ دیکھ کر معذرت کی کہ وہ کسی دوسرے مسافر کو اٹھا کر اسے میرے برابر والی نشست نہیں دے سکتا۔ البتہ اس نے متبادل کے طور پر ہم دونوں کو دبئی میں خالی ہونے والی کوئی بھی دو متصل نشستیں دینے کی پیش کش کی جو معقولیت پر مبنی تھی۔
اس نے ہم دونوں کے ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ کے بقیہ حصے لے کر اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ سے کچھ دیر چھیڑ چھاڑ کی پھر رنگین اسکرین پر آنے والی تفصیلات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس پوری کارروائی میں اس نے بمشکل تین منٹ لیے اور پھر ایک بورڈنگ کارڈ پر قلم سے دو خالی نشستوں کے نمبر ڈال کر ہمیں لوٹا دیا۔
ہم اس کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے ہٹے اور دو آرام دہ نشستوں پر قابض ہوگئے۔
"چلو فون کارڈ خرید کر کراچی بات کرلیں" ویرا نے بیٹھتے ہی مطالبہ کردیا۔
"سب سے پہلے تم اپنا لباس تبدیل کر آؤ تاکہ زیادہ لوگوں کو اس تبدیلی کا علم نہ ہو۔"
"پھر تم میری واپسی کا انتظار کرو۔ میں کم از کم تمہاری باتوں سے کچھ نہ کچھ اندازہ تو لگا ہی لوں گی" اس نے اصرار کیا "مجھے بدری اور رمیش کے انجام میں گہری دلچسپی ہے۔ انہیں کراچی میں کچھ ہوگیا تو ہم لندن میں بدری کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے۔"
"میں علیحدگی میں فون کرنا چاہتا ہوں" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "تمہیں غزالہ کے جذبات کا پاس ہونا چاہیے۔ وہ میرے اس سفر پر زیادہ خوش نہیں ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ تم مجھ سے الگ سفر کررہی ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے انجان بنے ہوئے ہیں..."
"تو اس میں جھوٹ کیا ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر ترشی سے پوچھا "کراچی سے دبئی تک ہم ایک دوسرے سے انجان بن کر الگ الگ ہی آئے ہیں۔"
"لیکن یہاں سے صورتِ حال بدل جائے گی" میں نے اسے بتایا "غزالہ یہ جان کر آزردہ ہوجائے گی۔"
"کیا اسے صحیح صورتِ حال سے باخبر رکھنا اس قدر ضروری ہے؟"
"ظاہر ہے کہ مجھے اس سے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ اس کے لیے میں خلوت چاہتا ہوں۔ وہ میری بیوی ہے اور اس سے مکمل رازداری کے ساتھ بات کرنا میرا حق ہے۔"
وہ ہنس پڑی "تم ضدی ہو، مجھے معلوم ہے کہ میں نے انکار کیا تب بھی تم میری واپسی سے پہلے کراچی بات کرلوگے۔ تمہارا جو دل چاہے تم کرو۔ میں کپڑے بدلنے جارہی ہوں۔"
وہ اپنا ہینڈ بیگ سنبھال کر ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور لاؤنج میں موجود علامات کے سہارے زنانہ ریسٹ روم یا واش روم کی طرف چل دی۔
دبئی کا ٹرانزٹ لاؤنج بہت وسیع نہیں ہے۔ اس وقت وہاں مسافروں کی زیادہ تعداد نہیں تھی۔ میں نے کاؤنٹر سے بیس ڈالر میں ایک کارڈ خریدا اور پھر گوشے میں لگے ہوئے کارڈ فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس گوشے سے میں نسبتاً زیادہ سکون اور رازداری سے بات کرسکتا تھا۔
انسٹرومنٹ کی سلاٹ میں کارڈ لگانے کے بعد ڈائل ٹون آتے ہی میں نے کراچی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ ادھر سے پہلی ہی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔
"ہیلو..... آپ دبئی پہنچ گئے؟" میری زبان سے کوئی لفظ ادا ہونے سے پہلے ہی میرے کانوں میں غزالہ کی ہیجان آمیز آواز آئی۔

اور میں حیران رہ گیا۔
"تم نے فون کی گھنٹی بجتے ہی کیسے سمجھ لیا کہ یہ میرا فون ہے؟"
"مجھے آپ کے سفر کے پورے شیڈول کا علم ہے۔ اب سے بارہ منٹ پہلے آپ دبئی انٹرنیشنل پر اترے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں پہنچتے ہی آپ سب سے پہلے کراچی فون کریں گے۔ میں آپ کی کال کے انتظار میں فون سے لگی بیٹھی تھی۔ آپ خیریت سے ہیں نا؟"
"میں بالکل خیریت سے ہوں لیکن میری حیرت ابھی تک برقرار ہے۔ محض گھنٹی پر تم نے پورے اعتماد سے یہ کیسے جان لیا کہ دوسری طرف میں ہی بول رہا ہوں گا۔"
"ریسیور اٹھاتے ہی میں نے مختصر سی وہ خاص ٹون سنی تھی جو انٹرنیشنل کال ملنے پر سنائی دیتی ہے۔ باہر سے دو ہی آدمی فون کرسکتے تھے۔ آئزک بیل یا آپ۔ آئزک بیل آبزرویشن سے خوف زدہ ہے پھر یہ نیویارک میں بہت صبح کا وقت ہوگا۔ وہ یوں ناوقت فون نہیں کرسکتا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ آپ کی کال ہوگی اور دیکھ لیں کہ یہ گواہی درست نکلی۔"
"یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم آمنے سامنے موجود رہیں یا نہ رہیں، ایک دوسرے کے دل میں ضرور رہتے ہیں۔ میرے کارڈ کے یونٹ تیزی سے کم ہو رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اول خان کہاں ہے؟"
"یہیں سامنے بیٹھے میرے اوپر ہنس رہے ہیں۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ ویرا کیسی ہے؟" اس کے الفاظ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی اور لہجے سے والہانہ وارفتگی جھلک رہی تھی جیسے اس نے ایک طویل مدت کے بعد میری آواز سنی ہو۔
"پروگرام کے مطابق وہ مجھ سے بالکل الگ سفر کر رہی ہے اور بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی ہے۔ موقع ملا تو یہاں سے لندن کی پرواز میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا۔"
"اپنے ساتھ اس کا بھی دھیان رکھیں۔ اسے یوں تنہا نہ چھوڑیں۔ میں اس سے زیادہ آپ پر اعتماد کرتی ہوں اور جانتی ہوں کہ میرے اس اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔"
اس کی دردمندانہ آواز سن کر میرے حلق میں ایک گولا سا پھنس گیا۔ میں فوری طور پر اسے کوئی جواب نہیں دے سکا اور اسی اثنا میں اول خان لائن پر آگیا۔
"ویل ڈن! آج تم نے غزالہ کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ میں نے اس سے شرط لگائی ہوئی تھی کہ تمہارا فون نہیں آئے گا اور میں شرط ہار چکا ہوں۔"
"نادرہ کے گھر پر کل رات کیا ہوا؟ صبح ہم اس بارے میں بات ہی نہیں کرسکے۔"
"تمہاری روانگی سے ذرا پہلے تک صورتِ حال واضح نہیں تھی۔ صبح ہیلی کاپٹر دوسری مرتبہ سروے کے لیے آیا تھا۔ اس سے پہلے رات کے تین بجے وہ دیر تک علاقے پر چکراتا رہا تھا۔"
"اور دونوں بار وہ ناکام واپس لوٹے ہیں؟" میں نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔
"تمہارے لوٹ آنے کے بعد بدری اتنا خوف زدہ تھا کہ اس نے ساری رات کھلے آسمان کے نیچے ایک چارپائی پر گزاری۔ اس نے ایک دیوار کے سائے میں چارپائی پر اپنے لیے بستر لگوالیا تھا۔ رات کے سناٹے میں ہیلی کاپٹر کا شور سنتے ہی اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ بار بار باہر نکل کر آسمان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ دونوں بار ہیلی کاپٹر میرے آدمیوں کی رائفلوں کی زد میں تھا۔ اگر تمہاری سخت ہدایت نہ ہوتی تو اسے بہت آسانی کے ساتھ گرایا جاسکتا تھا۔ ان میں سے ایک بھی زندہ بچ کر واپس نہیں جا پاتا اور شکست کا یہ داغ نک موڈلے کا نشہ ہرن کردیتا۔"
"تمہاری اس کامیابی کے بعد میرے اس سفر کا جواز ختم ہوجاتا" میں نے کہا "یہ وہی دو نشستوں والا ہیلی کاپٹر تھا یا کوئی بڑا ماڈل تھا؟"
"اس میں کم از کم چار افراد سوار تھے۔ انفرا ریڈ دوربین استعمال کرنے کے باوجود یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ مقامی ہیں یا غیر ملکی۔"
"ان ناکامیوں کے بعد نک موڈلے نے بدری سے رابطہ کیا تھا؟"
"ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ تم بھول رہے ہو کہ تمہیں کراچی سے روانہ ہوئے ابھی صرف چند ہی گھنٹے ہوئے ہیں۔ واقعات رونما ہونے اور پھر خبریں آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شام تک مجھے اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ ملے۔"
"میرے لندن پہنچنے تک کوئی نہ کوئی صورتِ حال واضح ہوگی۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میرے ساتھ واقعات کچھ زیادہ ہی تیزی سے رونما ہوئے ہیں۔ مجھے جہاز میں ایک عجیب وغریب شخص سے پالا پڑا ہے۔ وہ مدن موہن کی گمشدگی میں الفا ایف کا ہاتھ محسوس کر رہا ہے۔"
"نہیں!" اول خان کی بے ساختہ آواز ابھری "ایسا کون شخص ہوسکتا ہے۔"
"اس کا نام سلیم اکبر خان ہے۔ وہ بڑے پیمانے پر دولت کی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔ مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل اور سوشل ریکٹ کا باقاعدہ ممبر ہے اور اتفاق یہ ہے کہ وہ میرے بالکل برابر والی سیٹ پر سفر کر رہا تھا۔"
"یہ کوئی ناقابلِ یقین اتفاق معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔ میں نوٹس لے رہا ہوں۔" اس کی آواز سے بے اعتباری مترشح تھی۔
میں نے کارڈ فون کے روشن اور متحرک ڈائل پر نگاہ ڈالی۔ میرے کارڈ کی مالیت معقول تھی۔ تیزی سے یونٹ گھٹنے کے باوجود میرے پاس وقت تھا۔ میں نے اپنے مشکوک ہم سفر کے بارے میں اہم باتیں فون پر دہرانی شروع کردیں۔
"وہ اچانک ہی تمہاری نظروں میں آیا ہے" میری بات مکمل ہوجانے پر اول خان نے کہا "میں اس کے خلاف تمہارے جذبات کا اندازہ کرسکتا ہوں لیکن تم اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ جلد ہی وہ پاکستان واپس آئے گا۔ اس وقت اسے دیکھ لیا جائے گا۔"
"اگر بقیہ سفر میں اس کا کوئی اور چونکا دینے والا اعتراف سامنے نہ آیا تو میں ایسا ہی کروں گا ورنہ پھر لندن میں اسے دیکھ لیا جائے گا۔ بدری کی آمد تک میں خالی نہیں بیٹھ سکتا۔ مجھے بہرحال خود کو مصروف رکھنا ہوگا۔"
"تمہیں مصروف رکھنے کے لیے ویرا کافی ہوگی۔ اگر وہ موجود ہے تو ذرا اس سے میری بات کرادو۔"
"ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ کوئی اہم بات کرنی ہے تو وہ تمہیں فون کرلے گی۔ ہم یہاں کافی دیر کے لیے رکے ہیں۔"
اسے ویرا سے کوئی ضروری کام نہیں تھا۔ اس نے الوداعی فقروں کے ساتھ ریسیور سلطان شاہ کو دے دیا جو شاید بے چینی سے اپنی باری کا منتظر تھا۔
سلطان شاہ عملی زندگی میں دلیر اور بے خوف ہونے کے باوجود عجیب وغریب کردار کا مالک تھا۔ وہ فون پر میری آواز سنتے ہی جذباتی ہونے لگا مگر میرے ٹوکنے پر فوراً ہی سنبھل گیا۔
"کال بہت لمبی ہوچکی ہے۔ بس یہ بتادوں کہ تمہارے جانے کے بعد میں نے نام کیٹ کے کوڈ سے بدری سے مقررہ وقت پر بات کی تھی۔ فی الحال اس کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں ہے۔ اس نے مجھ سے ہیلی کاپٹر کی آمد کا کوئی ذکر نہیں کیا لیکن وہ اس واقعے کی وجہ سے پریشان تھا۔ یہ پریشانی اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔ اس نے میری وفاداری کا اندازہ لگانے کے لیے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں تو میں نے فون بند کردیا۔"
"اب وہ تمہارے ہی حوالے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وقتِ ضرورت تم صحیح فیصلے کروگے۔ میرا کارڈ کسی بھی لمحے ختم ہونے والا ہے۔ تفصیلی باتیں بعد میں ہوں گی۔"
"میری نیک خواہشات ویرا تک پہنچا دینا۔ اس کی طرف سے میرا دل بالکل صاف ہے۔ وہ..." اسی دوران میرا کارڈ صفر پر پہنچا، ریسیور پر ایک الارم بیپ سنائی دی اور سلطان شاہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے لائن منقطع ہوگئی۔
میں نے ریسیور کریڈل پر لٹکایا اور باہر آیا ہوا کارڈ قریبی ڈسٹ بن میں ڈال کر اپنی نشست کی طرف ہولیا۔
دبئی کی تپتی ہوئی کھلی فضا کے مقابلے میں ٹرانزٹ ایریا کی خنکی بہت خوش گوار محسوس ہو رہی تھی۔ جہاز کی آرام دہ مگر قدرے تنگ نشست سے نکل کر اس ہال کی آرام دہ کرسی پر کھل کر بیٹھنا بھی بھلا لگ رہا تھا۔ فرش اور دیواریں صاف ستھری تھیں اس کے باوجود بیرونِ ملک سے آئے ہوئے کئی کارکن صفائی ستھرائی کے کام میں مصروف تھے۔ فضائی سفر کے معمولات کی نگرانی کرنے والے اداروں اور محکموں کے چاق وچوبند کارکن اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے یا پھر عجلت میں اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔
ویرا کے انتظار میں، میں ان جزئیات سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ وہ نظر آئی تو اس کا سراپا ہی بالکل بدل چکا تھا۔ چست جینز میں اپنی لمبی لمبی ٹانگوں کے ساتھ وہ ایک لاابالی اور جارح مزاج لڑکی نظر آ رہی تھی۔ اپنے اس روپ میں وہ بے خوف وخطر پوری دنیا کا سفر کرسکتی تھی اور کوئی بھی اوباش طبیعت مرد اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔
"اس وقت تم اتنی مردمار نظر آ رہی ہو کہ ہر شخص تم سے کترا کر نکلنے کی کوشش کرے گا" اس کے قریب آنے پر میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔
"شاید سلطان شاہ اسی لیے مجھ سے دور بھاگتا ہے کہ میں زیادہ تر ایسے لباس استعمال کرتی ہوں" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "پاکستانی طرز کے لباس میں شاید وہ بہتر مفاہمت کا رویّہ اپنا لے گا۔"
"کمال ہے کہ تم اس وقت بھی اسی کے بارے میں سوچ رہی ہو۔"
"وہ مجھے گھونسلے سے گرے ہوئے کسی معصوم سے چوزے کی طرح نظر آتا ہے۔ میں اسے احتیاط سے اپنی ہتھیلیوں میں سمیٹ کر اسے دوبارہ اس کے گھونسلے میں رکھنا چاہتی ہوں مگر وہ میرے بڑھتے ہوئے ہاتھوں سے خوف زدہ ہو کر شور مچانا شروع کردیتا ہے اور میں ٹھٹک جاتی ہوں۔"
"اور پھر اسے اپنی گرفت میں لینے کی دوسری تدبیریں سوچنے لگتی ہوں۔" میں نے گرہ لگائی۔
"مجھے ذرا بھی پروا نہیں کہ تم میری اس ہمدردی کو کیا نام دیتے ہو۔"
"نام بے نام چیزوں کو دیا جاتا ہے۔ تم دونوں کے بارے میں بہت کچھ سامنے آچکا ہے۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے تم اس کے بارے میں سوچ رہی تھیں اور وہ فون پر تمہارے لیے نیک خواہشات کا اظہار کر رہا تھا۔"
"ہاں، کراچی کی کیا خبریں ہیں؟ تم نے فون پر ان لوگوں سے بات کرہی لی ہوگی۔"
سلطان شاہ کے بارے میں، میں نے اسے بتا ہی دیا تھا۔ پھر میں نے اسے غزالہ کی فکرمندی کے بارے میں بتایا اور وہ بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ مغربی معاشرت کے بارے میں وہ ہمیشہ شاکی رہتی تھی کہ وہاں ہر فرد دوسروں سے بے نیازی برتتے ہوئے

صرف اپنی ذات کے خول میں مگن رہتا ہے۔ ذاتی منفعت' اپنی خوشی اور اپنی سہولت کے لیے وہ دوسروں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتا' انہیں روند کر آگے بڑھ جانے کی اپنی سی کوششیں کرتا رہتا ہے جب کہ مشرق میں رہنے والوں کی یہ عمومی ادا ہمیشہ اس کے دل کے نرم گوشوں کو تحریک دیتی تھی کہ یہاں لوگ اپنا دکھ بھول کر دوسروں کے دکھ سکھ میں کسی نہ کسی حد تک حصہ بٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اسے بہت اچھی طرح ادراک تھا کہ غزالہ کے بجائے اس نے سفر پر آنے کی ضد کرکے اس کے ساتھ دل آزاری کی حد تک زیادتی کی ہے۔ اس کے باوجود غزالہ اس کے لیے فکرمند تھی اور مجھے اس کی خبرگیری کا مشورہ دے رہی تھی۔

وہ شاید دیر تک اس انوکھے اور دل گداز رویّے پر بات کرنی چاہ رہی تھی مگر وہ موضوع میرے لیے خاصا گراں تھا۔ غزالہ کو پاکستان میں چھوڑ دینے کے بعد ایسی باتوں کا حاصل ندامت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

میں نے فوراً ہی اسے بدری ناتھ اور رمیش اگروال کے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"میں ہمیشہ یہ کہتی ہوں کہ ہنگامی فیصلوں کے سلسلے میں تم نے شیطانی کھوپڑی پائی ہے اور شاید اسی لیے اب تک اپنے خون آشام دشمنوں سے بچے ہوئے ہو۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ لان پر فٹ بال کھیلنے کی ہدایت اور پھر ایک ہیلی کاپٹر کی پرواز کے بارے میں سن کر کوئی ذہین ترین آدمی بھی چھت کا جائزہ لینے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ کام کوئی شیطانی کھوپڑی ہی کرسکتی تھی۔ تم ایول جینیئس ہو' تمہارا ذہن سب سے پہلے تخریب کے رخ پر چلتا ہے" وہ قصہ سن کر اس نے کہا۔

"اگر یہ میری تعریف ہے تو شکریہ' تنقید ہے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں اب تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سننے کا عادی ہوگیا ہوں۔ تمہارے فرمودات میرے ذہن کی ساخت نہیں بدل سکتے۔"

اس مختصر سی نوک جھونک کے بعد وہ دوسری باتوں کے بارے میں کریدنے لگی۔ میں اس کے سوالوں کے جواب دیتا رہا مگر میرے ذہن کے پردے پر باربار غزالہ کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں نمودار ہورہی تھیں۔ میں وہ سوال سمجھ رہا تھا مگر میرے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد ہم اٹھ کر دبئی کی شہرۂ آفاق ڈیوٹی فری شاپ کی طرف چل دیے جہاں فرش پر ابھرے ہوئے' شوخ رنگ کے ایک گول پلیٹ فارم پر آتشی رنگ کی ایک چمچماتی ہوئی نئی پورشے کار کھڑی ہوئی تھی۔ دبئی کے راستے کوئی بھی بین الاقوامی سفر کرنے والے ہر ہزار مسافروں کے درمیانی واجبی سی قیمت کے ایک ٹکٹ پر ایسی ہی نادر اور بیش قیمت گاڑیاں قرعہ اندازی کے ذریعے کسی ایک خوش نصیب کے دروازے پر پہنچائی جاتی ہیں۔

کراچی میں میرے پاس گن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی خطیر رقم کا اتنا بڑا حصہ محفوظ تھا کہ میں چاہتا تو ایسی کئی گاڑیاں خرید سکتا تھا۔ برائے نام ریلنگ لگے ہوئے اس گول پلیٹ فارم سے میں اس کشادہ ہال کی طرف بڑھ گیا جو اپنے ارزاں ترین داموں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

ہمیں وہاں سے کوئی خاص خریداری نہیں کرنی تھی۔ سیر کے بہانے بس وقت گزاری مقصود تھی۔ اسی بھیڑ میں مجھے سلیم خان نظر آیا جس کے ہاتھوں میں پھولے ہوئے تھیلے موجود تھے مگر پھر بھی وہ کیمروں کے اسٹال پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا تھا۔

میں نے دور سے ویرا کو اس کا چہرہ دکھایا اور پھر ہم مخالف سمت میں ہولیے۔

ویرا اپنے لیے دو پرفیوم خرید رہی تھی کہ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرین پر ہماری پرواز کی بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان نظر آنے لگا۔ پرواز میں خاصا وقت باقی تھا۔ طیارے میں جاکر محبوس ہونے کے بجائے ہم مٹرگشت کرتے رہے' کافی کا ایک ایک کپ پیا اور جب امیگریشن والوں نے ٹرانزٹ میں رکے ہوئے بقیہ مسافروں کی تلاش میں بھاگ دوڑ شروع کی تو ہم بھی نکاس کے راستے کی طرف ہولیے۔

ٹرانزٹ پاس امیگریشن کے عملے کو لوٹا کر ہم جہاز میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بدلا ہوا تھا۔

طیارہ وہی تھا مگر صفائی اور ضروری دیکھ بھال کے بعد اس میں بیشتر نئے چہرے سوار ہوچکے تھے جو مخلوط نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سفید فام مردوں اور عورتوں کے مقابلے میں اس پرواز پر ایشیائی اور عرب مسافروں کی کثرت نظر آرہی تھی۔

جہاز میں سلیم اکبر خان اپنی اسی پرانی نشست پر براجمان نظر آیا۔ میری جگہ ایک مدقوق سی سفید فام بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ اس بار قدرت نے ایک طویل ترپرواز کے لیے اسے ایسی ہم سفر مہیا کی تھی جو اس کے اعمال کے لحاظ سے بہت موزوں تھی۔

ہماری نئی نشستیں اس سے پیچھے تھیں۔ مجھے ویرا کے ساتھ گزرتے دیکھ کر سلیم کے چہرے پر فریاد سی سمٹ آئی۔ میں اس کے قریب سے گزرا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔

"تمہاری جگہ یہ قریب المرگ مصیبت یہاں کیسے آگئی؟" اس نے دھیمی اور پُرتشویش آواز میں مجھ سے پوچھا "اپنا بورڈنگ کارڈ دکھاکر اسے یہاں سے ہٹادو۔"

"تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ مجھے تم سے بہتر ہم سفر مل گئی ہے" میں نے اسے جلانے کے لیے ویرا کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "میں اس کے ساتھ پیچھے بیٹھوں گا۔"

اس کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور میں آگے نکلتا چلا گیا۔

ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ انجن چلے' دروازے بند ہوئے اور پھر سفر کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوگیا۔ ٹیک آف کے احتیاطی مراحل گزرتے ہی بہت سے دیگر مسافروں کے ساتھ ویرا نے بھی سگریٹ سلگالی اور کھڑکی سے باہر خلیج کے نیلے پانیوں کے ساتھ ابھرتی ہوئی جدید تہذیبی علامتوں کا نظارہ کرنے لگی۔

"ویرا" چند ثانیوں بعد میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگا کر اسے پکارا تو وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے لہریے تیر رہے تھے۔

"ایک مدت کے بعد تم نے اس طرح مجھے پکارا ہے' خیریت تو ہے نا؟"

"میرے پکارنے میں بھی اب تمہیں اشارے کنائے نظر آنے لگے!" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"میرا نام لیتے ہوئے اتنی اپنائیت کبھی پہلے ہوا کرتی تھی۔ اس وقت کتنا رومانس تھا تمہاری آواز میں!"

"یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے" میں نے چڑ کر کہا "ساتھ بیٹھ کر اب یوں بور کروگی۔"

"ہوسکتا ہے کہ ایسا غیرارادی طور پر ہوا ہو" اس نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "مگر یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمہاری آواز میرے دل اور کانوں کو بہت بھلی لگی ہے۔ کیا میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ تم آج بھی غیرارادی طور پر مجھے پیار سے پکار سکتے ہو۔"

"مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اپنی پرانی جگہ پر پہنچ کر اس مدقوق بڑھیا کو یہاں بھیج دوں۔"

"چلو' میں کچھ نہیں کہتی مگر ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تم میرا نام نہیں لوگے۔"

"احمقانہ بات ہے" میں نے سر جھٹک کر کہا "تمہارے جھوٹے سچے الزام کو تسلیم کرلوں یا پھر سرے سے تمہارا نام ہی نہ لوں۔ کیا تم اسی لیے میرے ساتھ آئی تھیں؟"

"تم پھر بہک رہے ہو۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سفر میں مَیں مسز روزی برڈ ہوں۔ تم مجھے روزی کہہ کر مخاطب کرسکتے ہو۔"

بات سمجھ میں آتے ہی میں خفت آمیز انداز میں ہنس پڑا۔ ویرا بھی میری ہنسی میں شامل ہوگئی۔ اس نے صحیح یاددہانی کرائی تھی کہ دورانِ سفر ہم دونوں کو ایک دوسرے کا وہی نام ذہن نشین رکھنا چاہیے تھا جس سے وہ سفر کررہا تھا ورنہ کسی بھی مرحلے پر کوئی بڑی پریشانی پیدا ہوسکتی تھی۔

"ہمارے ناموں کا مسئلہ تو طے ہو ہی گیا۔ تم نے اس نام پر بھی غور کیا جو بدری نے تمہیں دیا ہے؟" چند پریشانیوں کے بعد ویرا نے مجھے ٹوکا۔

"فرصت ہی نہیں ملی۔ پھر نام میں کیا رکھا ہے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نام بدری ناتھ نے دیا ہے۔ اس کے باغیانہ رویّے کا ذاتی مشاہدہ کرنے کے بعد میں اس پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔"

"وہ ایک نسوانی نام ہے" ویرا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اچھا ہے۔ مردوں کے مقابلے میں عورتوں سے نمٹنا آسان ہوتا ہے۔"

"مغرب کی عورتیں مشرق سے بہت مختلف اور خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ تم خود بھی مغرب کی بیٹی ہو" اسے اس کی اصل یاد دلاتے ہوئے میں نے اس کے دیگر خواص کا ذکر دانستہ گول کردیا ورنہ اہم ترین بات یہ تھی کہ اسے مردوں کو ترغیب دے کر اپنے جال میں پھانسنے کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔

وہ مسکراتے ہوئے بولی "ابھی میرا اور تمہارا آخری فیصلہ ہونا باقی ہے۔"

"جب دو خون آشام دشمن دسترخوان یا بستر پر یک جا ہوجائیں تو فیصلے کے لیے کچھ باقی نہیں بچتا۔ ہوسکتا ہے کہ فتح مند تم ہی رہی ہو لیکن یہ اہم بات ہے کہ آج ہم دونوں زندہ ہیں۔"

وہ پرواز طویل تھی اس لیے فضائی میزبان عورتیں اور مرد مسافروں کی فرمائشوں کے انتظار میں اطمینان سے راہداریوں میں ٹہل رہے تھے۔ ہمارے حصے میں فضا میں جلتے ہوئے تمباکو کے ساتھ الکحل کی تیز بُو بھی رچتی جارہی تھی۔ ویرا نے ایک اسٹیوارڈ کو طلب کیا تو میرا ارادہ صرف جوس پینے کا تھا مگر وہ ویرا ہی کیا جو ایسی چھوٹی موٹی باتوں پر میرے کسی اختلافِ رائے کو آسانی سے قبول کرلیتی۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک بحث کرتے رہے۔ اسٹیوارڈ خاموش کھڑا اس تکرار سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک موہوم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

میری دانست میں وہ ایک غیرضروری تماشا تھا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیے اور اسٹیوارڈ سرہلا کر رخصت ہوگیا۔ ویرا چڑانے والے انداز میں مجھے گھورنے لگی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس کے وجود میں سوئی ہوئی پرانی ویرا ماحول کی گھٹن سے نکلتے ہی آہستہ آہستہ بیدار ہورہی تھی۔ میرے لیے اس کی وہ تبدیلی خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھی۔

تھوڑی دیر بعد سلیم سے نہ رہا گیا اور وہ اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس راہداری میں آکھڑا ہوا۔

"لڑکی شاندار ہے۔ تم بہت خوش نصیب ہو کہ یہ تمہاری ہم ذوق بھی ہے" اس نے آتے ہی میرے شانے پر جھک کر دھیمی آواز اور اردو زبان میں کہا۔ وہ ویرا کے رنگ روپ سے دھوکا کھا گیا تھا کہ وہ اردو سے یکسر نابلد ہوگی۔

میں نے بوکھلا کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ بلا کی مکار تھی۔ ہونٹوں پر معصومانہ مسکراہٹ لیے وہ یوں سلیم کی طرف دیکھ رہی

تھی جیسے اس کا کہا ہوا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی ہو۔

وہ خود ہی اپنی مٹی پلید کرانے پر تلی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اس سے کوئی رعایت نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور سلیم سے مخاطب ہو کر کہا "حرکت میں برکت ہے۔ تم اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر ڈیوٹی فری شاپ سے خریداری کرتے رہے اور تمہاری لاٹری میں وہ عفیفہ نکل آئی۔ میں نے ذرا ہاتھ پاؤں مارے تو یہ روزی روز میرے ساتھ بیٹھنے پر آمادہ ہوگئی۔"

"روزی روز!" اس نے حیرت سے دہرایا "یہ اس کا نام ہے یا تم محاورتاً ایسا کہہ رہے ہو۔"

"اس کا نام روزی ہے۔ کیا یہ گلاب کی طرح کھلی ہوئی نہیں لگتی؟"

"تم نے ایسی ہی باتیں کرکے اسے شیشے میں اتارا ہوگا۔ اس سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے؟"

"روزی اور یہ سلیم، دبئی تک میں اسی کے ساتھ بیٹھا بور ہو رہا تھا" میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہا اور ویرا نے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

سلیم جیسے اوباش فطرت شخص کے لیے ایک جوان اور خوبرو لڑکی کے نرم و نازک ہاتھ کا حیات آفریں لمس ایک نعمت سے کم نہیں تھا۔ اس نے مزید جھک کر بڑے ادب اور احترام کے انداز میں ویرا کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

رسمی کلمات ادا کرتے ہوئے شاید سلیم نے ویرا کا ہاتھ دبانے کی کوشش کی۔ ویرا نے جواب میں کچھ کہے بغیر نرمی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"برا نہ مانو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنی جگہ مجھے دے دو" سلیم نے مجھ سے گھگیا کر اردو میں کہا۔

"اس سے پوچھ لو۔ یہ رضامند ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

سلیم نے کھنکھار اپنا گلا صاف کیا پھر اٹک اٹک کر ویرا سے بولا۔ "مس روزی! کیا میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں؟"

"کیسے بیٹھو گے؟" ویرا نے معصومانہ سادگی سے پوچھا "یہاں تو صرف دو ہی آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے اور پھر تم یہاں کیوں بیٹھنا چاہ رہے ہو؟ کیا تمہاری سیٹ میں کوئی چبھنے والی چیز نکل آئی ہے؟"

سلیم اکبر خان، ویرا کی سنجیدگی سے بری طرح بوکھلا گیا۔ "نن.... نہیں۔ میری سیٹ بالکل ٹھیک ہے۔ میں تم سے تمہارے ملک کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے اسلم سے سیٹ بدلنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر واپس چلا جاؤں گا۔ اسلم اس کے لیے رضامند ہے۔"

"ابھی تمہیں میری شہریت تک کا پتا نہیں ہے۔ تم کس ملک کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟"

"انگلینڈ.... انگلینڈ!" سلیم نے جلدی سے کہا "میرا اندازہ ہے کہ تم انگلش ہو۔"

"شرافت سے واپس جاکر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے عملے کے کسی رکن سے تمہاری شکایت کردی تو تم سارے راستے کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہو گے" ویرا نے درشت لہجے میں اسے پھٹکار دیا۔

سلیم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا اور پلٹ کر بہت تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"دیکھ لیا" اس کے دور نکل جانے پر ویرا ہنس کر بولی "تم اس کے ذریعے مجھے شرمندہ کرنا چاہ رہے تھے اور وہ خود ہی دُم دبا کر بھاگا۔ اب وہ ادھر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔"

"تم بعض اوقات ناقابلِ فہم ہوجاتی ہو" میں نے گہرا سانس لے کر کہا "میں سمجھا تھا کہ تم اُردو سے انجان بن کر تھوڑی دیر کے لیے اسے اُلّو بنانا چاہ رہی ہو۔"

"وہ اس قابل نہیں تھا" ویرا حقارت سے بولی "ورنہ میں آخر میں اردو بول کر اسے حیران ضرور کرتی۔"

"اسے دھتکار کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس انجام کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں اسے تم سے متعارف ہی نہ کراتا۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اب وہ مجھ سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرے گا۔"

"میں تمہاری دوست یا بیوی نہیں ہوں جو وہ میرے سلوک کی ذمے داری تم پر تھوپے گا۔ اگر وہ دنیا دیکھ چکا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ مغرب میں شہری لڑکیاں کتنی منہ پھٹ ہوتی ہیں۔ ویسے بھی اب تمہیں اس خبیث سے کیا لینا ہے۔ وہ پاکستان واپس لوٹے گا تو اول خان خود ہی اس کی گردن ناپ لے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی اس کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ اگر مدن موہن سے تعلق یا ہمدردی رکھنے والے ہر شخص کو سزاوار سمجھ لیا گیا تو کراچی کے سیکڑوں معززباسی اس مہم کی زد میں آجائیں گے۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال میں لندن میں اس کا سراغ نہیں کھونا چاہتا۔ ابھی تک مجھے یہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ لندن میں کہاں قیام کرے گا۔"

"تم ابھی جاکر اس سے مل لو۔ اس کے سامنے مجھے برا بھلا کہو گے تو اس کی مجروح انا کو ذرا سکون مل جائے گا اور وہ تم سے گڑبڑ نہیں کرے گا۔" وہ بے رحمانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی "میں ایسے دل پھینک مردوں کی رگ رگ کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔"

وہ ویرا تھی اور اپنی مرضی کی مالک۔ وہ جو کچھ کر گزری تھی اسے روکنا میرے بس سے بالکل باہر تھا۔ میں چند منٹ تک اپنی جگہ بیٹھا سلیم سے دوبارہ ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا۔ آخر

ویرا کی تجویز ہی بہتر محسوس ہوئی اور میں نے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سلیم نہایت اداسی کے عالم میں شانے ڈھلکائے اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک خوشگوار سی حیرت ابھر آئی پھر وہ میرے ایک ہی اشارے پر اٹھ کر باہر آگیا۔ اس بار اسے جگہ دیتے ہوئے اس کی ہم سفر نے بہت برا سامنہ بنایا تھا۔ سلیم کے بار بار آنے جانے سے وہ بے آرام ہو رہی تھی۔ اپنی عمر کی وجہ سے اس کا وہ ردِ عمل نامناسب نہیں تھا۔

"سالی صورت سے اتنی خوش اخلاق اور نرم دل معلوم ہوتی ہے لیکن اندر سے بالکل اجڈ اور وحشی ہے۔ پل بھر میں یوں آنکھیں بدل لیں کہ میں بھونچکا رہ گیا۔ پتا نہیں تم کیا دیکھ کر اسے روزی روز کہہ رہے تھے۔ یہ پاکستان میں ملی ہوتی تو اس بدتمیزی پر میں اسے تھپڑ ضرور رسید کرتا۔"

"یہ گوری لڑکیاں ایسی ہی منہ پھٹ اور بدتمیز ہوتی ہیں۔ اپنا موڈ ہو تو کتیوں اور بلیوں کی سطح سے بھی گر جاتی ہیں پھر یکایک پارسائی جھاڑنے پر تل جاتی ہیں۔ ان کو بہت سنبھل کر ڈیل کرنا ہوتا ہے۔"

"مگر میں نے اس صورت حرام لڑکی کو کون سا سینگ مارا تھا؟"

"اب اتنے بھولے نہ بنو۔ تمہارے آجانے کے بعد میں نے اسے کافی لعن طعن کی ہے۔ وہ شکایت کر رہی تھی کہ تم نے معنی خیز انداز میں اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ تم لوٹ آتے تو وہ تمہاری اس حرکت کو نظر انداز کر دیتی لیکن جب تم وہیں پسرنے لگے تو اسے ایک دم غصہ آگیا۔"

"وہ سفید جھوٹ بول رہی ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کا ہاتھ دبا کر ہی مصافحہ کرتے ہیں۔ ڈھیلے اور لجلجے ہاتھوں سے ہر ایک کو وحشت ہوتی ہے بلکہ اسے بداخلاقی سمجھا جاتا ہے۔"

"تم پاکستان کی بات کر رہے ہو مگر یہ بھول رہے ہو کہ ہمارے یہاں عورتوں سے ہاتھ ملانا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں عورت سے اسی وقت ہاتھ ملایا جاتا ہے جب وہ پہل کرتی ہے اور اگر اس سے کوئی بے تکلفانہ تعلق نہ ہو تو بس نرمی سے ہاتھ لے کر سب کچھ عورت کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ جب چاہے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لے۔"

"مجھے یہ سب نخرے نہیں معلوم۔" اس نے چڑ کر کہا "پہلے اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ اسے برداشت سے کام لینا چاہیے تھا۔"

"اب اس پر لعنت بھیجو۔ قصہ دراصل صرف اتنا سا ہے کہ غیر ملکی سیاحتوں میں تمہیں کسی معزز عورت سے ہاتھ ملانے کا اتفاق نہیں ہوا اور تم روزی کے سامنے مار کھا گئے۔"

"یہ بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ میرا طنز سمجھے بغیر روا روی میں کہہ گیا۔

"میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میری حمایت میں تم نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ اب لندن میں تم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟" میں نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"کیوں؟ اب اسے میرا لندن کا پتا دینے کا ارادہ ہے تاکہ وہ اپنے کسی بدمعاش بوائے فرینڈ کو لے کر وہاں پہنچ سکے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا "جہاز میں وہ میرے ساتھ ہے۔ اترنے کے بعد نہ جانے کس کے ساتھ ہوگی۔ جب تک وہ میری ہم سفر ہے میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر شغل نہیں کر سکتا۔ بلاوجہ اس سے بدمزگی ہو جائے گی۔ اب لندن ہی میں کسی وقت مل بیٹھیں گے۔"

میرے جواب سے اس کے شبہات زائل ہو گئے۔ اس نے تمہید اٹھاتے ہوئے کہا "سیر و سیاحت میں میں مہنگے ہوٹلوں میں پیسہ پھونکنے کا قائل نہیں ہوں۔ صبح سے رات تک شہر نوردی کرنے کے بعد رات کو سونے کے لیے ایک صاف بستر درکار ہوتا ہے۔ میں عام طور پر چیرنگ کراس کے رائل ہوٹل میں ٹھہرتا ہوں۔ وہاں کا عملہ میرے لیے کوئی نہ کوئی کمرا نکال ہی لیتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک کارڈ تلاش کیا اور میری طرف بڑھا دیا "مجھے وہاں پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ تم یہ کارڈ رکھ لو۔ جب بھی مل بیٹھنے کا ارادہ ہو تو پہلے فون پر پروگرام طے کر لینا۔"

اس نے جواب میں مجھ سے میرے ٹھکانے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا ورنہ میں نے سوچ لیا تھا کہ ائیرپورٹ پر اپنے کسی فرضی میزبان کی آمد کا ذکر کر کے اسے ٹال دوں گا۔

کچن کے قریب اس سے کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد میں ویرا کے پاس لوٹ آیا۔

"معافی تلافی میں تم نے خاصا وقت لے لیا۔ کامیابی ہوئی اس کا منہ پھولا ہوا ہے۔"

میں نے خاموشی سے رائل ہوٹل کا میل کھایا ہوا پرانا کارڈ اس کی گود میں ڈال دیا۔

کارڈ دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگی "خاک وہیں پہنچتی ہے جہاں خمیر ہو۔ چیرنگ کراس کے علاقے میں ہر وقت دنیا بھر کے سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے اور وہاں آوارہ عورتیں بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔"

"ایسی غیر ذمے دارانہ بات نہ کہو کہ چیرنگ کراس جانے والے شرفا اس کے ذکر سے شرمانے لگیں۔"

"میں حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ کیا تم نے ساگا کے چکر میں نیپئر روڈ پر وقت نہیں گزارا؟ چند گلیوں کو چھوڑ کر وہاں عزت دار لوگ ہی رہتے ہیں لیکن رسوائے زمانہ گلیوں اور بدنام کوٹھوں کی وجہ سے نیپئر روڈ کا نام بدی کی ایک علامت بن کر رہ گیا۔ یہی حال چیرنگ کراس کا ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کے سارے عالمی مراکز شکاری عورتوں کی توجہ کا خاص مرکز ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

وہ کوئی نفیس موضوع نہیں تھا لیکن میری ہم نشین ویرا تھی جو دنیا کے ہر موضوع پر بے تکان بولنے کی خداداد صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ موضوع دراز ہوتا چلا گیا۔

مسافت کے لحاظ سے وہ پرواز طویل ہی تھی لیکن میں نے سارا وقت مصروف رہ کر اطمینان سے گزارا۔ نیچے کے منظر تیزی سے بدلتے رہے اسی کے ساتھ آسمان سے روشنی معدوم ہونے لگی۔ طیارے کے عقب میں گہری سیاہ چادر محیط تھی لیکن تیس ہزار فٹ کی بلندی سے آگے روشن افق نظر آ رہا تھا۔ زمین کی محوری گردش اور وقت کے فرق کی وجہ سے وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف کا سفر کہا جا سکتا تھا۔

پھر جہاز کے گرد بھی اندھیرا ہونے لگا۔ نیچے گہرے بادلوں کے پرے کے پرے تیرتے پھر رہے تھے جن کی وجہ سے زمین کا تفصیلی نظارہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ پھٹے ہوئے بادلوں کے درمیان سے کہیں کہیں زمینی روشنیاں یا سیاہ تر سمندر کے سینے پر تیرتے ہوئے روشن جہاز نظر آ جاتے تھے۔

لندن کی آمد کے اعلان کے بعد جہاز بادلوں کی دبیز چادر کو چیرتا ہوا زمین سے قریب تر ہوا تو نگاہوں کے سامنے یکایک روشن نقطوں کی ایک زمینی کہکشاں روشن ہو گئی جو لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔

ہیتھ رو لندن کا شہری ائرپورٹ ہے جب کہ لندن کے مضافات میں گیٹ وک کے نام سے دوسرا جدید تر ائرپورٹ بھی ہر روز متعدد بین الاقوامی پروازوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ ہماری اس پرواز کا رخ ہیتھ رو ائرپورٹ کی طرف تھا۔

آخر کار لندن کی سرزمین پر ہمارے اس سفر کا دوسرا حصہ تمام ہوا۔ اس بار مسافروں کی اکثریت بظاہر تعلیم یافتہ اور مہذب نظر آتی تھی لیکن وہاں بھی جہاز رکنے سے پہلے بہت سے مسافروں نے اپنی جگہیں چھوڑ کر دستی سامان یکجا کرنا شروع کر دیا۔

جوں کی رفتار سے رینگتا ہوا جہاز آخر کار رک گیا، دروازہ کھلا، ٹیلی اسکوپک گینگ وے کھلے ہوئے اگلے دروازے سے جوڑا گیا اور پھر قطار آگے سرکنے لگی۔

جہاز سے اس راستے میں داخل ہوتے ہوئے میں نے جوڑ سے آنے والی ہوا کی خنکی محسوس کی اور اندازہ ہوا کہ لندن میں کراچی کے مقابلے میں موسم خاصا سرد تھا۔

اس طویل اور کشادہ سرنگ سے نکلنے کے بعد مسافروں کو آگے لے جانے والی فرشی بیلٹ ہموار رفتار سے رواں تھی۔ اس کشادہ بیلٹ کے دونوں طرف پیدل چلنے کے شوقین مسافروں کے لیے صاف ستھرے اور وسیع فرشی راستے موجود تھے۔ بیلٹ کے دونوں طرف بند باڑھ لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کوئی درمیان سے اس متحرک پٹی پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔ ڈسپلن اور قطار کے معاملے میں انگریزوں کا روایتی مزاج یہاں پہنچتے ہی ظاہر ہو جاتا تھا۔ جس کو رواں بیلٹ سے استفادہ کرنا ہو، وہ قطار بندی کر کے ہی اس پر سوار ہو سکتا تھا۔

اس پرواز سے لندن پہنچنے والے بیشتر مسافر انگریز نہیں تھے مگر تحمل کے ساتھ اس سرزمین کی روایات کا پورا پورا احترام کر رہے تھے مگر کچھ عجلت پسند ایسے بھی تھے جو بیلٹ کے دونوں کناروں پر کھڑے ہوئے مسافروں کے درمیان سے دھکے دیتے اور دستی بیگ پنڈلیوں پر مارتے رواں بیلٹ پر آگے دوڑے جا رہے تھے۔

بیلٹ کے اختتام پر وسیع امیگریشن ہال آگیا جہاں موٹے موٹے پائپوں کی محدود رکاوٹوں کے ساتھ مسافر صف آرا ہونے لگے۔ ہال میں پہلے سے بہت سے مسافر موجود تھے۔ اس روز امیگریشن کے تقریباً تمام ہی کاؤنٹرز آباد تھے جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس روز ہیتھ رو پر پروازوں کا خاصا دباؤ تھا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم دونوں نے اپنے لیے الگ الگ قطاروں کا انتخاب کیا۔ مجھ سے پہلے ویرا کی باری آگئی اور وہ امیگریشن کاؤنٹر کے برابر میں سے گزر کر بیگیج ہال کی طرف چل دی۔ کچھ دیر بعد میری بھی باری آگئی۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی معنک اور باوقار خاتون نے میرے پاسپورٹ کا تصویر والا صفحہ الٹ کر میرے چہرے پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور پھر کچھ کہے سنے بغیر اوراق الٹ کر ایک خالی جگہ پر مہر ثبت کر دی۔

پاسپورٹ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے وہ خاتون بند ہونٹ پھیلا کر رسمی انداز میں مسکرائی تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

امیگریشن ہال سے نکلتے ہی بیگیج ہال میں بڑے سے روشن بورڈ پر ان تمام پروازوں کے نمبر نمایاں تھے جو اس وقت ہیتھ رو پر اتر چکی تھیں۔ ان کے مقابل ہی بیلٹ نمبر موجود تھے جن پر متعلقہ پرواز کے مسافروں کا سامان آتا تھا۔ کہیں کوئی بدنظمی یا افراتفری نہیں تھی۔ ہر مسافر اپنے متعلقہ بیلٹ پر اپنے سامان کی آمد کا منتظر تھا۔ برابر والے دوسرے ہال میں بھی یہی منظر تھا۔ وہاں ویرا میری یا شاید سامان کی منتظر تھی۔

قریب جا کر میں نے دیکھا کہ وہ دونوں ہلکے پھلکے سوٹ کیس ٹرالی پر رکھ چکی تھی۔

"باہر نکلنے تک الگ الگ ہی رہو تو بہتر ہے۔ ابھی کسٹم کا ایک مرحلہ باقی ہے۔" میں نے اس کے پاس جا کر ہلکی آواز میں کہا اور وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

میں نے اپنا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکا لیا۔ ویرا ٹرالی لے کر آخری مرحلے سے نمٹنے کے لیے چل دی۔

ہم دونوں کو ہی کسٹم کے تفصیلی معائنے سے گزرنا پڑا جب کہ گرین چینل سے گزرنے والے بہت سے لدے پھندے مسافروں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ اس اتفاق کی دو ہی وجوہ ہو سکتی تھیں۔ اوّل ہمارے پاسپورٹوں کا پاکستانی ہونا دوم ہمارے رختِ سفر کا مشکوک حد تک مختصر ہونا۔

سبب کوئی بھی رہا ہو' وہ مضبوط ہی ہوگا۔ تعصب والی کوئی بات ہوتی تو اس کی ابتدا امیگریشن کاؤنٹر سے ہی ہو جانی چاہیے تھی۔ دراصل پاکستان سے بیرونِ ملک جانے والے بعض سادہ لوح مسافر نادانستگی میں منشیات کے عیار اسمگلروں کے آلۂ کار بن کر بیرونِ ملک اتنی بڑی تعداد میں گرفتار اور سزایاب ہوئے ہیں کہ پاکستانیوں کے لیے برادرانہ جذبات رکھنے والے ممالک کا رویّہ بھی جانچ پڑتال کے معاملے میں ہتک آمیز حد تک سخت ہوتا ہے جس کی وجہ سے معزز اور بے گناہ مسافروں کو دوسروں کے سامنے خفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سامان کی تفصیلی تلاشی' غیر متوقع سوالات پر میرے اضطراری ردِّعمل کے مشاہدے اور پاسپورٹ کی پڑتال کے بعد مجھے رخصت کی اجازت مل گئی۔ اس سفر میں میرے لیے وہی ایک مرحلہ اعصاب شکن ثابت ہوا ورنہ ابتدا سے آخر تک سب کچھ معمول کے مطابق ہی رہا تھا۔

وریا ائرپورٹ کی عمارت کے اس مقام پر میری منتظر تھی جہاں سے ٹیکسی یا ٹیوب کے لیے الگ الگ راستے لیے جاتے ہیں۔ کسٹم والوں کے رویّے نے میرے خوشگوار موڈ کو بالکل چوپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے ٹیوب سے سفر کا ارادہ ترک کر کے قریبی ٹیکسی اسٹینڈ کی راہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

سڑک کی اوپری منزل کے سائے میں قدرے خنک ہوائیں کچھ زیادہ ہی تیز محسوس ہو رہی تھیں۔ آنے والے مسافر اپنے سازوسامان کے ساتھ قطار کے آخری سرے پر رکتے جا رہے تھے۔ خالی ٹیکسی آتی اور سب سے آگے والے مسافر کو اسباب اور متعلقین سمیت سمیٹ کر تیزی سے آگے روانہ ہو جاتی۔ لندن کی کالی ٹیکسیاں میٹر سے چلتی ہیں۔ سامان کا کرایہ مقرر ہے۔ کوئی مول تول نہیں ہوتا۔ مسافر ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی منزل کا پتا بتاتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں ڈرائیور مطلوبہ پتے پر گاڑی روک دیتا ہے۔

وہاں وہ سب کسی مشینی عمل کی طرح ہو رہا تھا۔ ایک پولیس والا جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور ہی سے اس سارے عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔

باری آنے پر ہم دونوں ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوئے۔ سوٹ کیس کشادہ پائیدان کے ایک گوشے میں آ گئے۔ ڈرائیور نے درمیان میں لگے ہوئے شیشے کی شفاف کھڑکی سرکا کر صرف "یس سر؟" کہا اور وریا نے پریذیڈنٹ ہوٹل کا نام لے دیا۔ ٹیکسی زنّاٹے سے آگے بڑھ گئی۔

میرے لیے وہ شہر اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اس کی سڑکوں پر اور بازاروں میں کافی دن گزارے تھے اور شہر کے مضافات میں دیوانہ وار غزالہ کو ڈھونڈتا پھرا تھا۔ وہ وہ دور تھا جب وریا میرے لہو کی پیاسی بنی ہوئی تھی اور کراچی سے غزالہ کو اغوا کر کے انگلستان بھجوا چکی تھی تاکہ مجھے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکے۔

اس وقت غزالہ بیوی نہیں صرف میری چاہت تھی۔ وہ ماں اور پھر باپ کے سائے سے محروم ہو چکی تھی۔ میں نے ہمیشہ اسے کالج سے فارغ التحصیل ہونے والی ایک گھریلو لڑکی کے روپ میں چاہا تھا۔ اس کے اغوا کی وحشت اثر خبر کی تصدیق ہوتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ وریا کے ہاتھوں اس پر ایک قیامت گزرنے والی تھی۔ دیارِ غیر میں وحشی دشمنوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی نرم و نازک سی لڑکی اپنا کوئی دفاع کرنے کے قابل نہیں تھی۔ لندن پہنچنے کے بعد جب غزالہ کا پہلا حوصلہ افزا سراغ ملا تو مجھے اندازہ ہوا کہ پیر کے نیچے آ کر چیونٹی بھی شیر بن سکتی ہے۔

غزالہ نے اپنے مسلح رکھوالوں کے چھکے چھڑا دیے تھے اور کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح ان کے حصار سے نکل کر اتنی سرعت سے فرار ہوئی تھی کہ میں خود بھی اس تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

یہ وقت کا ایک سبق آموز انقلاب تھا کہ اس بار غزالہ میری بیوی بن کر کراچی میں بیٹھی ہوئی تھی اور وریا میری رفیقِ سفر بن کر میرے ساتھ لندن کی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ وہ سب سوچتے ہوئے آسودگی کا ایک عجیب سا سرور میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ میں نے آنکھیں موند کر وریا کا بھرا بھرا گداز بازو سختی سے اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔

میری وہ حرکت بالکل غیر ارادی تھی۔ اس وقت میری کیفیت ایسے کسی جنگجو سے مشابہ تھی جس نے اپنے دشمن کو گھائل کر کے اپنے قدموں میں زیر کر لیا ہو اور فتح کے نشے سے سرشار ہو۔ جنگجو گرے ہوئے دشمن کی کھوپڑی کو ٹھوکر لگانے میں تسکین و لذت محسوس کرتا ہے' میں نے وریا کی مخروطی گردن کے بجائے اس کا بازو دبوچ لیا تھا کیونکہ اب وہ ماضی کی دشمنیوں کو بھول کر میری حلیف بن چکی تھی۔

اپنی انگلیوں کی سخت ہوتی ہوئی اضطراری گرفت پر میں خود ہی چونک پڑا۔ مجھے خیال ہوا کہ اس سخت اور بے رحمانہ گرفت پر اس کی طرف سے کوئی صوتی یا عملی احتجاج ناگزیر تھا مگر وہ خاموش اور ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے لبوں سے کوئی سرگوشیانہ آہ یا سسکاری تک آزاد نہیں ہوئی تھی۔

میں نے اس کا بازو چھوڑ کر آنکھیں کھول دیں اور وریا کی طرف دیکھا تو اس کی حسین آنکھوں میں یکایک ہی خمار کے ڈورے اتر آئے تھے۔

"بازو کیوں چھوڑ دیا؟" اس نے بھرائی ہوئی دھیمی آواز میں سوال کیا "اسے اتنا بھینچتے کہ میرے بازو کی ہڈی تک سرمہ ہو جاتی اور دیکھ لیتے کہ میں پھر بھی اُف نہ کرتی..... بہت سفاک اور جنگلی ہو تم۔ اس بری طرح نوچا ہے کہ میرے بازو پر گہرا نیل پڑ گیا ہوگا۔"

"سوری! اس حرکت میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس وقت میں خیالوں کی کسی اور ہی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔ بے دھیانی میں تمہیں اذیت دے بیٹھا۔"

وہ مجروح انداز میں ہنس پڑی اور بولی "مجھے معلوم ہے کہ لندن کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے تم کیا سوچ سکتے ہو۔ اس وقت تمہیں اپنا پچھلا سفر یاد آ رہا ہوگا جب تم غزالہ کے فراق میں سلگتے اور تڑپتے ہوئے یہاں آئے تھے۔ وہ سب سوچ کر تمہارا خون کھول رہا ہوگا۔ ان تمام مصائب کی جڑ میں تھی۔ اس وقت تمہارا ہاتھ مجھ پر ہی اٹھ سکتا تھا۔ غنیمت ہے کہ اب وہ دشمنیاں تمام ہو چکی ہیں' اسی لیے تمہارا ہاتھ میری شہ رگ سے پہلے بازو پر رک گیا ورنہ یہ کالی ٹیکسی میرا مقتل بھی ثابت ہو سکتی تھی۔"

اس کی ٹھیک ٹھیک قیاس آرائی پر میں اندر سے ہل کر رہ گیا۔ وہ عورت میرے لیے دن بہ دن خطرناک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میرے ساتھ رہ رہ کر اس نے میرے ذہن میں جھانکنے کی حیران کن استعداد حاصل کر لی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی نازک مواقع پر حقیقت سے قریب تر قیاس آرائیاں کر کے مجھے متحیر کرتی رہی تھی لیکن اس وقت اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا کر مجھے ششدر کر دیا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کی حوصلہ شکنی کی غرض سے شاید جھوٹ بولنے کا فیصلہ کر کے جواب دیا "یہ تمہارے گناہ ہیں جو اس وقت تمہارے سر چڑھ کر بول رہے ہیں۔ سچ پوچھو تو میں بہت دور کے ان رومان پرور خوابوں میں کھویا ہوا تھا جب تم بلیک کوئین ہوتی تھیں اور میں کسی نہ کسی وجہ سے تمہاری انا کو بھڑکا کر تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

وریا کے لیے میری وہ قلابازی اس قدر ناقابلِ یقین اور ہیجان انگیز ثابت ہوئی تھی کہ وہ اپنے سارے قیاسات کو بھول بھال کر نشست پر میرے قریب سرک آئی اور مخمور آواز میں کہنے لگی "میں بھی ان ارمان انگیز دنوں کو یاد کر کے اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہوں مگر میں نے کبھی نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کی۔"

"پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں' سارے انسانوں کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا۔" میں نے نشست پر اس سے الگ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "تم نے سنا ہوگا کہ اپنی فطرت کے اعتبار سے عورت سمندر اور مرد ساحل کی طرح ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں صدیوں کے تجربے کے بعد وجود میں آتی ہیں۔"

"میرے لیے یہ ایک نئی مثال ہے۔ سمندر اور ساحل تو ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں۔ مدوجزر کے ساتھ دونوں ہی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔"

"پہلی بات تو یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ سمندر چڑھتا ہے تو ساحل اسے اپنے سینے پر سمیٹ لیتا ہے' اترتا ہے تو پھر سے اس کی شناخت ابھر آتی ہے۔ ساحل کی... بھربھری ریت ہر چیز کا اثر جلد قبول کرتی ہے' دھوپ سے تپنے لگتی ہے' سائے میں خنک ہو جاتی ہے' نمی جلد قبول کرتی ہے اور پھر فوراً ہی سوکھ جاتی ہے' پرانے نشانوں پر ہر نئے قدم کا نشان آسانی سے قبول کر لیتی ہے اور یہی سب مردوں کے اوصاف ہیں۔ وہ پل بھر میں مہربان ہو کے نامہربان ہو جاتے ہیں مگر سمندر عورت کے ظرف کی طرح گہرا ہوتا ہے۔ اس کی تہ میں طوفان مچلتے رہتے ہیں مگر سطح پُرسکون نظر آتی ہے' وہ دھیرے دھیرے گرم ہوتا اور پھر اسی طرح سرد ہوتا ہے' کسی کا اثر قبول نہیں کرتا اور نہ کسی کا کوئی نشان برقرار رہنے دیتا ہے۔"

میں نے اس کے ذہن کو الجھانے کے لیے ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ اس مثال کا حدودِ اربعہ بیان کیا اور وہ میری بتائی ہوئی اس تفسیر میں ڈوب گئی۔ اگر وہ میرے خیالات بھانپ سکتی تھی تو میں بھی بڑی حد تک اس کا مزاج آشنا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ عورت واقعی ایک سمندر ہوتی ہے۔" شاید غور کرنے کے بعد اس پر میری وضاحت کے نئے مفہوم آشکارا ہو رہے تھے۔ "اس کی موجیں ساحل سے چلتی ہیں اور پھر وہیں سر پٹکتی رہتی ہیں۔ یہ وفا کی علامت ہے۔"

"مانا کہ تم سمندر ہو مگر اس ٹیکسی میں میرے اوپر سوار ہونے کی کوشش مت کرو۔" اپنی مدافعانہ کوششوں میں ناکام ہو کر میں نے بے بسی سے کہا "ڈرائیور اپنے عقب نما آئینے میں ساحل اور

سمندر کی یہ کشمکش غور سے دیکھ رہا ہوگا۔ اس نے کہیں گاڑی لڑا دی تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ لندن آکر ایسے انجام سے دوچار ہونا بہت المناک ہوگا۔"

اس وقت تک وہ میرے اوپر جھکی پڑ رہی تھی۔ میری بات پر وہ ہنستے ہوئے الگ ہوگئی "تم بہت سؤر ہو۔ کیبن میں اتنا اندھیرا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ان کالی ٹیکسیوں کی پشت گاہیں اتنی اونچی رکھی جاتی ہیں کہ ڈرائیور مسافروں کے سروں کے اوپر سے براہ راست عقبی ٹریفک پر نگاہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے آئینے کا زاویہ بدل کر مسافروں کے تجسس میں پڑے تو پیچھے آنے والی گاڑیوں کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ تم ہر وقت بے سروپا بہانے تراشنے میں ماہر ہوتے جارہے ہو۔"

"آج تم میرے ساتھ مسلسل زیادتیاں کررہی ہو۔" میں نے احتجاج کیا "پہلے سفاک اور جنگلی کہا پھر سؤر کہہ دیا اور اب بہانے باز قرار دے رہی ہو۔"

"یہ سب پیار کی باتیں ہیں۔ ان سے کوئی اذیت نہیں ہوتی۔ تم نے تو میرے بازو کو کچل کر نیل تک ڈال دیا ہے۔ ظلم کرتے ہو تو ہلکے سے طنز اور مذاق کو بھی سہنے کی عادت ڈالو۔"

ڈرائیور شاید شہر کی مصروف سڑکوں کا رخ کرنے سے گریزاں تھا۔ اس نے ٹیکسی ایسے راستوں سے نکالی کہ ہم پوری آکسفورڈ اسٹریٹ چھوڑ کر ایک چوراہے پر اچانک ہی ماربل آرچ کے قریب جا نکلے۔ اس قدیم آرچ کے سامنے ہی پریذیڈنٹ ہوٹل کی عمارت موجود تھی۔

ہوٹل کے پورچ میں ٹیکسی رکتے ہی کسی پورٹر کے بجائے ہوٹل کا کوئی سینئر رکن تیزی سے ہماری طرف آیا۔

"گڈ ایوننگ سر! کیا آپ ایڈوانس بکنگ کے ساتھ یہاں آئے ہیں؟" اس نے ویرا کے لیے ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔ ہم ائرپورٹ سے سیدھے آرہے ہیں۔" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "اس امید پر کہ یہاں کوئی کمرا مل ہی جائے گا۔ مجھے یہ ہوٹل پسند ہے۔"

"میں حد سے زیادہ شرمسار ہوں مادام... اگلے دس دن تک ہوٹل بُک ہے۔ صرف ویک اینڈ پر ایک یا دو راتوں کے لیے جگہ مل سکے گی۔"

ویرا نے ٹیکسی سے اترنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ نوارد نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور ویرا کا شکریہ قبول کرکے برآمدے کی طرف لوٹ گیا۔

ٹیکسی کے پیچھے دوسری گاڑیاں جگہ خالی ہونے کی منتظر تھیں۔ ہمارے ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھادی اور بڑبڑانے کے انداز میں بولا "سر! تم نے بلاوجہ ہیتھ رو سے یہاں تک آنے کا کرایہ ضائع کیا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم بکنگ کے بغیر ادھر آرہے ہو تو میں پہلے ہی آنے سے منع کردیتا۔ سیزن میں بکنگ کے بغیر سینٹرل لندن کے معقول ہوٹلوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی۔"

وہ لندن کے روایتی ڈرائیوروں کی طرح باتونی تھا اور پہلا موقع میسر آتے ہی اس کی زبان چل پڑی تھی۔ میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ ایڈوانس بکنگ کو بھول کر ہم نے سنگین غلطی کی ہے۔ اب تم ہمیں کہاں لے جارہے ہو؟" میں نے لہجہ بگاڑے بغیر اس سے پوچھا۔

"سر! میں تمہاری ہدایت کے انتظار میں ہوں۔ لندن کے قلب میں پہنچ ہی گئے ہو تو دو چار ہوٹل اور بھی جھانک لو۔ یہاں پورٹ مین، ہلٹن، سیلف رج اور کلفٹن فورڈ ہوٹل قریب ہی ہیں۔ باری باری وہاں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ شاید تمہاری قسمت یاوری کرجائے......"

"نہیں، ہمیں مہنگے ہوٹلوں میں بندھ کر رہنے کا شوق نہیں ہے۔ ہمیں متوسط درجے کا کوئی ہوٹل درکار ہے بلکہ ایک دو راتوں کے لیے کوئی سستا ہوٹل بھی چلے گا۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"ہرگز نہیں۔ اتنی خوب صورت گرل فرینڈ کے ساتھ میں تمہیں کسی سستے ہوٹل کا رخ کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ یہ غلطی کی تو تم پچھتاؤ گے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔ آج کی رات بسر کرنے کا بندوبست ہوجائے تو کل ہم اپنی پسند کا ٹھکانا ڈھونڈ لیں گے۔" اس کی زبان سے اپنی تعریف سننے کے بعد ویرا کے لیے گفتگو میں حصہ لینا ناگزیر ہوگیا۔

"لندن بہت مہمان نواز شہر ہے۔" ڈرائیور کی زبان چل پڑی۔ "تم کسی مشکل میں پڑجاؤ تو ہر شخص پورے خلوص کے ساتھ تمہیں غلط مشورے دینے کی کوشش کرے گا مگر میں فاضل ٹپ کے لالچ کے بغیر اپنی خوب صورت سواریوں کو کارآمد مشورہ دے دیتا ہوں۔ تم ہانسلو میں سیدھے ماسٹر رابرٹ ہوٹل چلے جاؤ۔ وہ موٹروے اے فور پر ہیتھ رو سے چند منٹ کی مسافت پر چھوٹا سا خوب صورت ہوٹل ہے۔ رینی کیریان میرا لنگوٹیا ہے اور وہاں کا جنرل منیجر ہے۔ میرا نام لوگے تو وہ تمہیں یہ رات اپنے ہوٹل سے باہر بسر نہیں کرنے دے گا۔"

"وہ سینٹرل لندن سے بہت دور پڑے گا۔" ویرا نے شکوہ کیا۔

"پھر تم بتاؤ۔ میں وہیں چلتا ہوں۔" اس گفتگو کے دوران ٹیکسی کے ساتھ اس کا میٹر مسلسل چلتا رہا۔

نیم تاریکی میں ویرا نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور میں نے مزید بھاگ دوڑ سے بچنے کے لیے ڈرائیور کو ماسٹر رابرٹ ہوٹل کی طرف چلنے کی ہدایت کردی۔

ہیتھ رو کی طرف واپسی کا وہ سفر زیادہ طویل اور تکلیف دہ ثابت ہوا۔ خدا خدا کرکے ہوٹل کی عمارت آئی تو یہ دیکھ کر دل خوش ہوا کہ وہ صاف ستھری، کشادہ اور صرف تین منزلہ عمارت تھی۔ رینی کیریان اس وقت تک واپس جاچکا تھا لیکن پورٹر نے جس اہتمام سے ہمارے ہلکے پھلکے سوٹ کیس اٹھائے، اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس دور افتادہ ہوٹل میں کسی سفارش کے بغیر بھی کمرا مل سکتا تھا۔

میں نے میٹر میں بننے والے کرائے سے تین پاؤنڈ زائد ادھیڑ عمر ڈرائیور کو دیے اور اسے ریزگاری رکھ لینے کے لیے کہہ دیا۔ ٹپ کے بارے میں وہ روایتی فقرہ میری زبان پر ہی تھا کہ ڈرائیور میرا شکریہ ادا کرکے رقم جیب میں رکھ چکا تھا۔ میری کسی رسمی اجازت سے پہلے ہی اس نے بخشش کا اندازہ لگالیا تھا۔

اس بھاری ٹپ کا یہ فائدہ ہوا کہ ہمارے کاؤنٹر پر پہنچنے تک ڈرائیور بھی اپنی ٹیکسی پارکنگ میں کھڑی کرکے وہیں آگیا۔ میں ہوٹل کا فارم بھرنے میں مصروف تھا کہ اس نے بکنگ کلرک سے ہمارا مجوزہ کمرا دیکھنے کی فرمائش کردی اور پھر پورٹر کے ساتھ اندر کی طرف چل دیا۔

دکھایا جانے والا کمرا اس نے سیلن کی وجہ سے رد کردیا۔ میں اس بھاگ دوڑ سے اتنا اکتاچکا تھا کہ ہوٹل کا عملہ جس کمرے میں پہنچادیتا میں کسی چیز کی پروا کیے بغیر وہیں ڈھیر ہوجاتا۔ کراچی سے لندن تک کے سفر نے مجھے اتنا نہیں تھکایا تھا جتنا ہیتھ رو سے ماسٹر رابرٹ ہوٹل تک کے سفر نے بیزار کردیا تھا۔

ڈرائیور کی محنت کے نتیجے میں ہمیں صرف اسّی پاؤنڈ یومیہ کرائے والے ایک کشادہ، صاف اور آرام دہ کمرے میں پہنچا دیا گیا جو ہوٹل کے گراؤنڈ فلور کی بغلی سمت میں واقع تھا۔ اس کمرے کا دوسرا دروازہ ایک مختصر مگر خوب صورت لان میں کھل رہا تھا۔

وہ عمارت قدرے قدیم طرز کی تھی لیکن اس کی دیکھ بھال کا کام بہت عمدگی سے انجام دیا جارہا تھا۔ ہمارا کمرا اس اعتبار سے غیر روایتی تھا کہ اس میں دو دروازے موجود تھے۔

ڈرائیور نے جانے سے پہلے مجھ سے اگلے دن کے پروگرام کے بارے میں پوچھا تو میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا "نہیں، تمہیں اپنا پٹرول پھونک کر اتنی دور سے یہاں آنا پڑے گا۔ ہمیں یہاں سے کوئی سواری مل جائے گی۔"

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں یہاں قریب ہی رہتا ہوں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

اس انکشاف پر میری کھوپڑی بھنا گئی۔ وہ مکاری سے کام لے کر ہمارے خرچ پر سینٹرل لندن سے تقریباً اپنے گھر تک آپہنچا تھا اور اس کام کے لیے ہم سے ٹپ بھی وصول کرچکا تھا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے خشک لہجے میں اسے آنے سے منع کردیا۔ اس کی نیت جو بھی رہی ہو، یہ ایک حقیقت تھی کہ اس کی کوششوں سے ہمیں رہنے کے لیے ایک پسندیدہ کمرا مل گیا تھا۔

دورانِ سفر کی جانے والی پُرخوری کے سبب مجھے بالکل اشتہا نہیں تھی۔ باہر کی خنک فضا سے بند کمرے میں پہنچنے کے بعد فرحت آمیز حرارت کا احساس ہورہا تھا۔ جوتے موزے اتار کر میں نے کپڑے تبدیل کیے اور بستر پر دراز ہوکر سفید چادر میں لپٹا ہوا دبیز کمبل اپنے اوپر لے لیا۔

ویرا نے ایک کرسی میں جم کر ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی وژن آن کردیا تھا اور اس کی آواز بند کرکے باری باری ہر چینل کا جائزہ لے رہی تھی۔

"اس وقت مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے ہم نے لندن میں محض آرام کرنے کے لیے کراچی سے یہاں تک دوڑ لگائی ہے۔" آخر ویرا نے ٹیلی وژن بند کرکے تیزی سے کہا۔

"یہ حقیقت ہے کہ بدری کے آنے تک ہمیں یہاں آرام ہی کرنا ہے۔ لے دے کر کیتھی کو ایک فون کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ وہ صبح بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی کام ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"کیتھی سے رابطہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کون ہے۔ بدری ناتھ نے بغاوت کا فیصلہ کراچی میں نک موڈلے کے برے رویّے کی وجہ سے کیا ہے۔ اس سے پہلے وہ را کا ہی وفادار تھا۔ اس کے رابطے میں بھی صرف وہی لوگ ہوں گے جو را کے وفادار ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں پیروں پر سے کمبل اچھال کر بستر سے اٹھ گیا۔

"علی شیر کا نام بدری، رمیش اور نک موڈلے کے ذریعے بہت سے لوگوں تک پہنچ چکا ہے۔ تمہیں کیتھی کو اپنی آمد کی اطلاع علی شیر بن کر ہی دینی ہے۔ کیتھی نے بے خبری یا سادہ لوحی میں یہ خبر کسی غلط آدمی تک پہنچادی تو بدری کے آنے سے پہلے تمہیں اس ہوٹل سے اٹھالیا جائے گا۔ نک موڈلے یہ بات فراموش نہیں کرسکے گا کہ اس کے اصرار کے باوجود تم نے اس سے ملاقات نہیں کی۔"

وہ میری ٹیکنیکل غلطی تھی۔ مجھے بدری سے یہ طے کرلینا چاہیے تھا کہ میں کیتھی کو کسی مخصوص کوڈ کے ساتھ اپنا پیغام دوں گا۔ اسے نام بتانا واقعی خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میں نے سگریٹ سلگا کر اضطراری انداز میں فرشی قالین پر ٹہلنا شروع کردیا۔ ویرا نے اس وقت ایک نئی گرہ ڈال کر مجھے پریشان کردیا تھا۔

اپنے ذہن میں گزری ہوئی باتوں کو تازہ کرتے کرتے مجھے کچھ دھیان آیا اور میں نے ویرا سے کہا "سفر نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے۔ تم باتوں کو خلط ملط کررہی ہو۔"

"میری کوئی غلطی ہے تو اس پر بات کی جاسکتی ہے۔ میں نے تمہیں اپنے خدشات سے آگاہ کردیا ہے۔"

"نک موڈلے نے خود مجھ سے ملنے سے انکار کیا ہے کیونکہ وہ یرقان کو متعدی مرض سمجھتا ہے۔"

"یرقان کا مریض گھر چھوڑ کر سیکڑوں میل دور سیاحت کے لیے نہیں جاتا۔"

"یہ بات صرف رمیش کو بتائی گئی ہے کہ میں شمالی علاقوں کی سیر کو جارہا ہوں۔"

"وہ ویسے ہی تم سے بھڑکا ہوا ہے۔ وہ یہ خبر ضرور نک موڈلے تک پہنچائے گا۔"

"بدری نے اسے نک موڈلے سے دور رکھا ہوا ہے۔ اسے کچھ نہیں معلوم کہ بدری نے میرے بارے میں نک سے کیا کہا ہے۔ نک نے مزید کریدا تو بدری اسے یہ بتائے گا کہ میں بڑھتی ہوئی بیماری کی وجہ سے کسی شناسا کے گھر چلا گیا ہوں۔ رمیش کے لیے میں پشاور یا سوات میں ہوں۔ یہ بات صرف بدری جانتا ہے کہ میں لندن میں ہوں۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو جیسا تم سوچ رہے ہو مگر میرا ماتھا ٹھنک رہا ہے۔"

مجھے یاد آگیا کہ لندن کے بارے میں بدری سے ابتدا میں میری کیا بات ہوئی تھی۔ میں نے رک کر ویرا سے کہا "اس وقت تم وسوسے پیدا کرنے کا شیطانی کام کررہی ہو۔ پہلی بار بدری نے مجھ سے کہا تھا کہ میں لندن پہنچ کر اُس کے دیے ہوئے فون نمبر پر اپنا کوئی سراغ چھوڑ دوں تاکہ وہ لندن پہنچنے کے بعد مجھ سے رابطہ کرسکے۔ نام کا سرے سے ذکر ہی نہیں آیا تھا ورنہ میں ضرور اعتراض کرتا۔ دوسری بار اس نے کیتھی کے نام اور فون نمبر کا رقعہ دیا تھا۔ میں نام کے بغیر کوئی بھی ایسا فقرہ استعمال کرسکتا ہوں جو بدری کو اصل پیغام سمجھنے میں مدد دے سکے۔"

"تم اس بارے میں اسی قدر پُریقین ہو تو میرے تفکرات بے بنیاد ہیں۔"

"مگر پھر بھی میں کیتھی کے بارے میں ضرور سوچوں گا۔ پیغام کوئی بھی ہو، مجھے ہوٹل کا نام یا فون نمبر دینا ہی پڑے گا۔ اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے بدری کے کسی پُراسرار دوست کا فون کیتھی کے تجسس کو بیدار کردے گا...... خطرہ یہی ہے کہ کیتھی بے خبری میں یہ اطلاع کسی غلط آدمی تک پہنچا سکتی ہے۔"

"ایک بار کچھ کہتے ہو اور دوسری بار کچھ اور کہنے لگتے ہو۔" ویرا جھلا گئی۔

"نام کا سرے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل پریشانی ہمارے ٹھکانے کی رازداری کے بارے میں ہے۔ یہاں ہم اجنبی اور تنہا ہیں۔ ہمیں کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اگر یہاں کوئی منظم جتھا حملہ آور ہوا تو ہمیں دور دور تک جائے پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ بات خود ویرا نے ہی چھیڑی تھی لیکن وہ خود بھی اصل خطرے کا ادراک نہیں کرسکی تھی جو ہر صورت میں برقرار رہتا۔ اس کے سدِباب کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ بدری کے لیے کوئی پیغام دینے سے پہلے کیتھی کی وفاداریوں کے بارے میں پوری طرح چھان بین کرلی جائے۔

"پہلا کام یہ ہے کہ برٹش ٹیلی کام سے یہ کھوج لگایا جائے کہ کیتھی کا فون نمبر کہاں کا ہے۔"

"اگر یہ نان ڈائرکٹری نمبر نہیں ہے تو پتا آسانی سے مل جائے گا۔" ویرا نے کہا۔

"یہ کیتھی کے گھر کا نمبر ہے تو زیادہ پریشانی کی بات نہیں۔ دفتر کا نمبر ہونے کی صورت میں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ کیا کام کرتی ہے۔ کیا تم ان لوگوں سے کوئی مدد نہیں لے سکتیں جنہوں نے تمہاری ہدایت پر غزالہ کو یہاں اپنی کڑی قید میں رکھا ہوا تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض اب بھی میرے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہوں مگر میں آنکھیں بند کرکے کسی پر اعتماد نہیں کرسکتی۔ ان ہی میں سے کوئی مجھے ڈبل کراس کرسکتا ہے۔ ایک بار میری یہاں موجودگی کی خبر پھیل گئی تو میری تلاش میں ایک پورا لشکر میدان میں اتر پڑے گا۔ پاکستان میں سی آئی اے بری طرح ناکام رہی۔ یہاں انہیں بھرپور سرکاری تعاون ملے گا۔"

"اس بھیڑ میں ایک آدمی بھی اس لائق نہیں کہ اُس سے مدد لی جاسکے؟"

وہ تلخی سے ہنس پڑی "تم زیرِ زمین دنیا کو اچھی طرح جانتے ہو۔ یہاں سب چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں — وقت بگڑ جائے تو خارش زدہ کتے بھی شیر ہو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ وہ میرے عروج کا زمانہ تھا۔ میرا باپ ٹی کا بے تاج بادشاہ تھا۔ آج مجھے جلا وطن سمجھ لیا گیا ہے کیونکہ جمی لائیڈ مارا جاچکا ہے۔ اس کے جانی دشمن ٹی پر قابض ہیں اور وہ سب میری جان کے خواہاں ہیں۔ میں پاکستان سے باہر منظرِ عام پر آنے کا خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

کام سامنے آتے ہی میری تھکن اور سستی دور ہوگئی تھی۔ بدری کا دیا ہوا فون نمبر دیکھ کر ویرا نے ایک بیڈ سائیڈ ٹیبل میں رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائرکٹریاں نکال لیں۔ باریک اوراق پر مشتمل متعدد جلدوں کے ساتھ سب سے اوپر انجیل کا ایک نسخہ رکھا ہوا تھا۔

ویرا ٹیلی فون ڈائرکٹری کی پہلی جلد کی ورق گردانی کرنے لگی۔ میں نے کسی ارادے کے بغیر انجیل اٹھالی۔ میرے لیے وہ ایک مقدس آسمانی کتاب تھی۔ میں نے اسے چوم کر جلد پلٹی تو اندرونی سرورق سے پہلا سادہ ورق سامنے آتے ہی کسی کی خوبصورت قلمی تحریر میرے سامنے تھی۔

کالی سیاہی سے اس چکنے ورق پر بڑے اور کھلے حروف میں ایک شرمناک انگریزی تحریر میرا منہ چڑا رہی تھی۔ وہ تحریر اس وقت کے معاشرے کے زوال کی آئینہ دار تھی۔ لکھا تھا۔

"عزیز قاری! یہ شہر سیاحوں کے لیے تفریحات کی جنت ہے۔ یقین ہے کہ تم نے بھی یہاں بکھری ہوئی مسرتوں میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہوگی اور ناکام رہے ہوگے۔ یہی وجہ ہے

کہ تمہارا دل دنیا سے اچاٹ ہورہا ہے اور تم اپنی دنیا نہیں تو عاقبت سنوارنے کے لیے یہ مقدس کتاب کھول بیٹھے ہو۔ اگر یہ سب درست ہے تو تمہاری مس سینڈی تمہیں ہر قسم کی مسرتوں سے فیض یاب کرانے کے لیے آمادہ ہے۔ فوراً نیچے دیے ہوئے فون نمبر پر رابطہ کرو اور رنج و مایوسی سے نجات حاصل کرلو۔"

اس تحریر کے نیچے ایک فون نمبر موجود تھا۔ میں نے وہ انجیل یوں ہی ویرا کی طرف بڑھادی۔

"تمہارے نزدیک یہ فحش تحریر ہوسکتی ہے مگر یہ قانون کی گرفت میں نہیں آسکتی" ویرا نے وہ مضمون پڑھ کر مایوسی سے کہا۔ "مصروف ٹیوب اسٹیشنوں پر، فون بوتھوں میں اور شراب خانوں کے پیشاب خانوں میں اس سے زیادہ کھلے اسٹیکرز لگے ہوتے ہیں۔ ایسکورٹ سروس اور پرسنل گائیڈ کے ذومعنی اشتہارات اخبارات میں چھپتے ہیں مگر ان پر کوئی گرفت نہیں ہوسکتی۔ ہر لفظ اور فقرہ ذومعنی ہوتا ہے۔ ابتدا میں مقدمے قائم ہوئے مگر سب خارج ہوگئے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ان بدقماش لڑکیوں نے اب انجیل کو بھی اپنا نشانہ بنالیا ہے۔ یہاں ہر معقول ہوٹل کے ہر کمرے میں اس کا نسخہ ضرور ہوتا ہے۔"

اس نے وہ غیر مطبوعہ ورق جلد سے پھاڑ کر انجیل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور مس سینڈی کے پیغام کے پرزے کرکے اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔ اس ضمنی کام سے فارغ ہوکر وہ دوبارہ ڈائرکٹری کی ورق گردانی میں مصروف ہوگئی۔

چند منٹ بعد ہی اس کی مسرت آمیز آواز ابھری "ابتدائی تین ہندسوں کے مطابق یہ لندن کے اس علاقے کا فون نمبر ہے جہاں بیشتر سفارتی مشن واقع ہیں۔ لندن میں موجود غیر ملکی سفارت خانوں کی فہرست میں شاید یہ پورا نمبر ہی مل جائے۔"

متعلقہ جلد میں اس نے آسانی سے کیتھی کا پورا فون نمبر تلاش کرلیا۔ وہ انڈین ہائی کمیشن کے تجارتی شعبے کا فون نمبر تھا لیکن کیتھی کا نام کہیں نہیں تھا۔

اپنا کام پورا کرکے ویرا نے وہ جلد بھی بے پروائی سے ایک طرف ڈال دی۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ کسی افسر کی سیکریٹری یا اسٹینو ہو" میں نے پُرخیال انداز میں رائے زنی کی "اگر اس کا بدری سے کوئی قریبی تعلق ہے تو وہ بھی اسپیشل سروسز بیورو کی رکن ہوسکتی ہے۔ بدری کے لیے میرا پیغام ملتے ہی وہ اپنے قریبی ساتھیوں سے اس کا ذکر کرے گی اور چھان بین شروع ہوجائے گی۔"

"اب اسے بھول جاؤ۔ ہمیں کوئی نئی راہ نکالنی ہوگی" ویرا قالین پر ہی دراز ہوگئی۔

میں نے انٹرکام پر روم سروس انچارج کو دو کپ کافی بھجوانے کی ہدایت کی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ لندن آکر ہم نے کیتھی کے بارے میں جو پوسٹ مارٹم کرلیا تھا وہ کراچی میں ممکن نہیں تھا۔ حد یہ ہے کہ کراچی میں رہ کر میں ان پہلوؤں پر غور تک نہیں کرسکا تھا جن سے مستقبل کے بھیانک خطرات مترشح تھے۔

اس وقت میری رسٹ واچ دس بجا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ پاکستان میں رات کے دو بجے ہوں گے۔ نئی الجھن کے سدِباب کے لیے مجھے پاکستان سے رابطے کی شدید ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ ویرا میری اس ضرورت کا سبب جاننا چاہ رہی تھی جب کہ میرا ذہن بالکل صاف تھا مگر مجھے یہ امید تھی کہ ان لوگوں سے مشورہ کرکے نئی الجھن کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالا جاسکے گا۔

کمرے میں موجود انٹرکام پر نو کا ہندسہ ڈائل کرکے بین الاقوامی فون لائن براہِ راست کمرے میں بھی لی جاسکتی تھی۔ میں نے آپریٹر کو زحمت دینے کے بجائے فون بستر پر ہی لے لیا۔

لائن لے کر میں نے لندن سے کراچی رابطے کے لیے سات ہندسوں پر مشتمل کوڈ اور پھر فلیٹ کا نمبر دبایا اور دوسری طرف گھنٹی بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

تیس سیکنڈ سے زیادہ خاموشی کے بعد آخر کار میری وہ کوشش کامیاب ہوگئی۔ پہلی گھنٹی پر کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری گھنٹی مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں سلطان شاہ کی بہت واضح مگر خوابناک ہیلو گونج اٹھی۔

"تمہاری نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہاں سب خیریت ہے اور تم گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے" میں نے خوشگوار لہجے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ..... تم!" میری آواز سنتے ہی سلطان شاہ کے لہجے سے نیند کے اثرات کافور ہوگئے "معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جانے کے بعد غزالہ کی یاد تمہیں زیادہ ستا رہی ہے۔"

"ایک ایک قدم پر تم سب یاد آرہے ہو۔ میں یہاں خود کو بے دست و بازو محسوس کررہا ہوں۔ لندن پہنچنے کے چند ہی گھنٹوں بعد یہ احساس ہونے لگا ہے کہ جنگ اپنے مورچوں میں بیٹھ کر ہی بہتر انداز میں لڑی جاسکتی ہے۔ اول خان اس وقت کیا کررہا ہے؟"

"وہ گھر پر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ صبح تک نہ لوٹ سکے۔" اس نے بتایا۔

میرے کان کھڑے ہوگئے "وہ کہاں مصروف ہوگیا؟ مدن کے سوا اس کے پاس کام ہی کیا تھا۔"

"تمہیں وہ ہر بات بتاتا تھا۔ میں اس پر جرح نہیں کرتا۔ وہ سات بجے سے غائب ہے۔"

"میرا نمبر لے لو۔ ضرورت ہو تو اب تم ہوٹل میں مجھ سے بات کرسکتے ہو" اسے قلم اور کاغذ سنبھالنے کا موقع دے کر میں نے ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا فون نمبر دہرادیا۔

"ہیلی کاپٹر والے قصے کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے یا اس بارے میں بے خبر ہو۔"

"اول خان میرے سامنے ہی اپنے آدمیوں کے پیغامات

وصول کرتا رہا تھا۔ تک کی وہ مہم بری طرح ناکام ہوگئی۔ اس کا غصہ بھی اس نے بدری پر ہی اتارا۔ وہ اس بات پر برہم تھا کہ علی شیر بیماری میں آرام کرنے کے بہانے وہاں سے کیوں غائب ہوا ہے۔"

"تک موڈلے نے اس سے ہیلی کاپٹر کے بارے میں کچھ کہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں..... اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ کوئی خفیہ طریقے پر اس کے منصوبوں کو سبوتاژ کررہا ہے۔ آدمی غائب ہو رہے ہیں اور کچھ پتا نہیں چل رہا کہ ان حرکتوں کے پیچھے کون کام کررہا ہے۔"

"تم نے نام کیٹ کے نام سے بدری سے بات کی تو وہ اصل موضوع سے ہٹ کر کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کی باتیں مبہم اور غیر مربوط تھیں۔ وہ یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ میں اپنے مالک کے ساتھ کہاں تک وفادار رہوں۔ میں نے اسے مُنہ نہیں لگایا ورنہ وہ کھل بھی سکتا تھا۔"

"اسے کھلنے کا موقع دو۔ دیکھو کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ صبح جب تم اس سے ہدایات لینے کے لیے فون کرو تو میری طرف سے بتا دینا کہ لندن والے بھروسے کے قابل نہیں ہیں۔ میرا فون نمبر بھی اسے دے دینا۔ یہاں آکر وہ مجھ سے اس نمبر پر رابطہ کرلے گا۔ میں بے چینی سے اس کی آمد کا منتظر ہوں۔"

"میں نے یہ پیغام نوٹ کرلیا ہے لیکن تمہاری باتوں سے پریشانی جھلک رہی ہے۔ تم خود کو کس اعتبار سے وہاں بے دست وپا سمجھ رہے ہو۔ ویرا کے رابطے کب کام آئیں گے۔"

"وہ کسی سے بھی ملی تو اس کی موجودگی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ امریکا پہنچنے سے پہلے وہ پس پردہ ہی رہنا چاہ رہی ہے۔ بے کاری کے احساس نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔ جب تک بدری یہاں نہیں آجاتا' کوئی کام نہیں ہوسکے گا۔"

"اگر تمہاری پرواز کا شیڈول درست تھا تو تمہیں لندن پہنچے چند ہی گھنٹے ہوئے ہوں گے۔ تمہیں اتنی جلدی بے کاری کا احساس ستانے لگا۔"

"مجھے آگے سناٹا نظر آرہا ہے۔ مجبوراً ویرا سے مل بیٹھنا پڑا تو وہ دوسرے مسائل پیدا کرے گی۔"

اس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ اس نے پوچھا "ویرا سے ملے بغیر تمہیں کیسے علم ہوگیا کہ امریکا پہنچنے تک وہ پس پردہ رہنا چاہ رہی ہے۔ یہاں تو اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔"

اس کے سوال پر مجھے غلطی کا احساس ہوگیا۔ میں نے بات بناتے ہوئے کہا "ائرپورٹ پر ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہوٹلوں کے ناموں کا تبادلہ ضروری تھا ورنہ انسانوں کے اس جنگل میں کسی کو ڈھونڈنا محال ہے۔ یہ باتیں اس نے اُسی وقت کی تھیں۔"

"وہ بھی اکیلی بور ہورہی ہوگی۔ اس کے ہوٹل کا نمبر بھی لکھوا دو۔ میرے فون سے خوش ہوجائے گی۔"

"پھر کسی وقت لکھوا دوں گا۔ وہ پرچہ میرے میلے کپڑوں کی جیب میں ہے۔"

"میلے کپڑے؟" سلطان شاہ کی آواز تحیر زدہ تھی "کیا اب فضائی سفر میں بھی دھول مٹی پھانکنی پڑتی ہے جو تمہارے کپڑے آدھے ہی دن میں میلے ہوگئے۔"

مجھے غصہ آگیا۔ وہ پہلو بچا کر میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کررہا تھا۔ میں نے پوچھا "تم چبا چبا کر باتیں کیوں کررہے ہو۔ کھل کر بولو تاکہ میں بھی تمہاری ہر بات کا جواب دے سکوں۔"

"میری کیا مجال جو میں تمہارے سامنے بول سکوں۔ بس اتنا کہہ رہا تھا کہ ویرا تمہارے ساتھ موجود ہو تو اس سے میری بات کرا دو۔ جاتے ہوئے وہ میری گولیاں نکال کر کہیں ڈال گئی ہے۔"

"تمہاری گولیاں؟" میں نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا "تم اتنے بے پروا کب سے ہوگئے؟"

"ہاں' میری یعنی میرے پستول کی گولیاں غائب ہیں" اس کی آواز آئی۔

"میری بات پر شبہ مت کرو۔ ویرا میرے ساتھ نہیں ہے۔ اسے غیر ضروری طور پر فون کرنے سے اس کے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ فی الحال اسے الگ تھلگ ہی رہنے دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی" اس نے بے بسی سے کہا "تم دونوں کے چلے جانے کے بعد فلیٹ کی ویرانی پھاڑ کھانے کو دوڑ رہی ہے۔ ویسے تو ویرا کی نوک جھونک سے ہی رونق رہتی تھی۔"

"دعا کرو کہ وہ امریکا سے لوٹ آئے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا "اس نے وہیں رک جانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر یہ تذکرے بھی خواب ہوکر رہ جائیں گے۔"

"وقت ہر زخم کو بھر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ ہم لوگ اسے بھی بھول جائیں گے۔"

"اب میں فون بند کررہا ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ میں بھی غیر ضروری فون کالز پسند نہیں کروں گا۔ میں نے اپنا فون نمبر کسی ایمرجنسی کے لیے دیا ہے۔ جب ضرورت ہوگی خود فون کرلوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اول خان کو بھی تم سے بات کرنے کی ضرورت نہیں؟"

"میں کل صبح گیارہ بجے فون کروں گا تو اس سے بھی بات ہوجائے گی۔" میں نے فون بند کردیا۔

اس کے بعد ہی میں نے کیتھی کا فون نمبر ملانا شروع کردیا۔ اگر اس طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی تو اتنی رات گئے وہاں سے کوئی جواب نہیں ملنا چاہیے تھا لیکن وہاں پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا پھر ایک بھاری مردانہ آواز صرف ہیلو کہہ کر رہ گئی۔

اصولی طور پر فون اٹھانے والے کو اپنے دفتر کا پورا نام بھی بتانا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

"مس کیتھی سے میری بات کرا دو" میں نے سرد لہجے میں

فرمائش کی۔

"یہاں کوئی مس کیتھی نہیں ہوتی" یہ کہہ کر فون بند کردیا گیا۔

"چلو قصہ ہی ختم ہوگیا۔ اس نمبر پر مس کیتھی سرے سے نہیں ہوتی" میں نے ویرا کو مطلع کردیا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس وقت ہائی کمیشن کا کوئی اعلیٰ افسر فون پر قابض ہو۔ تمہیں صبح بھی ایک کوشش کرلینی چاہیے۔ اس کے بعد ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔"

رات گہری ہوچلی تھی۔ ویرا سے ان باتوں پر مزید تبادلۂ خیال کے بعد بھی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو مجھے تھکن کا احساس ایک بار پھر ستانے لگا اور میں نے سونے کی تیاری شروع کردی۔

وہ بہت کشادہ دہرے بستر والا کمرا تھا لیکن ویرا کے ساتھ ایک بستر پر رات بسر کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے صوفے پر تکیہ ڈال کر اپنا بستر جمالیا۔ ویرا باتھ روم میں گئی تو میں نے روشنی گل کرکے کمبل اوڑھ لیا۔

ہمارے لیے وہ دن اٹھائیس گھنٹوں کا ثابت ہورہا تھا۔ دوران سفر ہم نے جو چار گھنٹے کمائے تھے وہ اپنا رنگ دکھا رہے تھے۔ ویرا کے دوبارہ کمرے میں آنے سے پہلے میں نیند کی وادیوں میں پہنچ گیا۔

اگلی صبح میں تقریباً آٹھ بجے بیدار ہوگیا۔ ویرا مسہری پر بے حجابانہ اور پُرکشش انداز میں پہلو کے بل ٹانگیں پسارے سورہی تھی۔ میں اس سے نظریں چُراتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم پانی کی تیز دھاروں میں دیر تک غسل کرنے کے بعد میرا ذہن صاف ہوا تو میں دیگر ضروریات سے فارغ ہوکر کمرے میں آیا اور تیار ہوکر ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا۔

وہ ہوٹل میرے لیے نیا تھا لیکن استقبالیہ کے سامنے ہی ایک ستون پر ہوٹل کے مختلف حصوں کی نشاندہی کرنے والی چوبی تختیاں نصب تھیں۔ ان کی مدد سے میں کسی سے پوچھے بغیر ہال میں پہنچ گیا۔

وہاں کھانے کی متعدد میزوں کو جوڑ کر انگلش طرز کے بھاری ناشتے کے گرم وسرد سارے لوازم قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ میں اپنی پسند کی چند اشیا منتخب کرکے ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔ میرے کمرے کی' جیب میں نہ سمانے والی بڑی سی چابی ہوٹل کے عملے کے لیے میری شناخت بنی ہوئی تھی۔

میزوں پر چائے اور کافی پہنچانے کے لیے دو نوجوان اور خوبرو لڑکیاں بہت پھرتی سے میزوں اور کچن کے درمیان چکراتی پھررہی تھیں۔ میرے ایما پر ایک لڑکی نے میرے سامنے رکھی ہوئی سفید پیالی میں بھاپ اُڑاتی ہوئی مہک دار کافی انڈیل دی۔ شکر' کریم اور دودھ کے برتن میز پر موجود تھے۔ میں نے شکم سیر ہوکر ناشتا کیا اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگالی۔

ڈائننگ ہال میں ضرورت سے زیادہ وقت گزار کر میں واپس لوٹا تو ویرا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیار ہورہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا منہ بن گیا۔

"ناشتے کے لیے مجھے بھی اٹھالیا ہوتا تو کیا ہوجاتا؟" اس نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"اُس وقت تم کرنٹ مار سکتی تھیں" میں نے شوخی سے کہا۔ "اپنے سونے اور اٹھنے کا خود خیال رکھا کرو ورنہ ہمارا ایک ساتھ رہنا دشوار ہوجائے گا۔"

"ڈرتے ہو تو میں الگ کمرا لے لیتی ہوں۔ یہ یاد رکھنا کہ لندن جوڑوں کا شہر ہے۔ روٹھے ہوئے بگلے کی طرح اکیلے رہے تو دو دن میں بیزار ہوجاؤ گے یا پھر کسی مس سینڈی کی تلاش میں نکل پڑو گے۔ تمہارے لیے میری رفاقت اتنی بری نہیں ہے۔"

"اپنی بیزاری کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے فلسفے سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ میں مسکرا کر جس مرد کی طرف دیکھوں گی وہ خوشی سے دُم ہلاتا آئے گا اور میرا وقت آسانی سے گزر جائے گا۔ مردوں کے لیے یہ کام مشکل ہوتا ہے۔"

"پہلے ناشتا کر آؤ۔ پھر اس بارے میں بھی فیصلہ ہوجائے گا۔" میں نے اسے تیاری کے آخری مراحل میں دیکھ کر خوش مزاجی سے کہا۔

وہ کمرے کی چابی لے کر مجھے گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت پاکر ایک باوردی لڑکا اندر آگیا۔ ایک گول طشتری میں رکھے ہوئے بل میرے سامنے چھوڑ کر وہ کافی کے رات والے خالی برتن سمیٹنے لگا۔

پچھلی رات کی کافی اور اوورسیز کال کے بل پر دستخط کرنے کے بعد میرے ناشتے کا بل سامنے آیا تو پتا چلا کہ اس ہوٹل میں ناشتا کمرے کے کرائے میں شامل نہیں تھا۔

ٹپ وصول کرکے وہ لڑکا میرا شکریہ ادا کرکے چلا گیا تو میں فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

کیتھی کے فون کے بارے میں ویرا کا صائب مشورہ پچھلی رات ہی میرے دل کو بھا گیا تھا۔ میں نے اس کا نمبر ملایا اور اس بار بھی پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔

"یس! انڈین ہائی کمیشن اِن لنڈن..... ٹریڈ سیکشن۔ میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟" اس بار مجھے ریسیور میں ایک مترنم نسوانی آواز سنائی دی تھی جو ایک بہتر علامت تھی۔

"میں مس کیتھی سے بات کرنی چاہتا ہوں" میں نے اپنی فرمائش دہرا دی۔

"سوری سر! یہاں کوئی مس کیتھی نہیں ہوتی" لڑکی نے کورا سا جواب دے دیا۔ اس کی آواز سن کر مجھے گمان ہوا تھا کہ کہیں وہ خود ہی کیتھی نہ ہو۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مجھے پورے وثوق کے ساتھ یہ نمبر دیا گیا تھا۔"

"نمبر آپ کو کس نے دیا تھا سر!" لڑکی بہت مہذب اور شائستہ لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب کیتھی ہی کو دیا جا سکتا ہے" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اب آپ بے تکلف ہو کر مجھ سے بات کر سکتے ہیں" لڑکی کی آواز میں دلچسپی عود کر آئی۔

"کیا مطلب؟ یعنی اب تم خود ہی مس کیتھی ہونے کا اقرار کر رہی ہو؟"

"نو سر! مس کیتھی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ آپ کو فون نمبر کے ساتھ صرف کیتھی لکھ کر دیا گیا ہوگا جسے آپ غلطی سے مس کیتھی سمجھتے رہے ہیں۔ اس فون کے لیے کیتھی ایک پاس ورڈ ہے..."

"پہلے انکار کرنے کے بعد اب تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے ناراضی سے پوچھا۔

"اس لیے کہ ایک بار آپ نے صرف کیتھی بھی کہا ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ آپ کیا غلطی کر رہے ہیں۔ اب آپ مجھ سے کھل کر اپنے ہر مسئلے پر بات کر سکتے ہیں۔"

بات کسی حد تک میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ فون نمبر اپنے انوکھے اور مغالطے میں ڈالنے والے پاس ورڈ کے ساتھ ایس ایس بی یا را والوں کا انفارمیشن سینٹر تھا جہاں کوڈ کے ذریعے شناخت کا مرحلہ طے کرنے کے بعد پیغام دینے کے ساتھ ہی اپنے مسائل پر رہنمائی بھی حاصل کی جا سکتی تھی۔

میں نے بدری ناتھ کا ذکر سرے سے گول کرنے کا فیصلہ کر کے رسانیت سے کہا "میں شہر میں بہت شدت سے تنہائی کا شکار ہوں۔ یہاں کی پیشہ ور لڑکیاں میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ کیا تم آج مجھے اپنا کچھ قیمتی وقت دے سکتی ہو۔"

"آپ اپنے بارے میں مزید کچھ بتائیں گے تاکہ میں ریکارڈ سے آپ کی آمد چیک کر سکوں۔"

"مجھے ڈر ہے کہ تمہارے ریکارڈ میں میرا ذکر نہیں ملے گا۔ میرا کام اہم نوعیت کا ہے۔"

"میں ڈیوٹی چھوڑ کر نہیں آ سکتی۔ آپ ایک بجے آکسفورڈ اسٹریٹ پر چائنا کرافٹ کے برابر میں سرے کے میکڈانلڈ میں پہنچیں۔ سرمئی ہیٹ اور اسی رنگ کے اسکارف میں ایک دیسی لڑکی آپ کا ساتھ دینے کے لیے موجود ہوگی۔"

"آکسفورڈ اسٹریٹ بہت لمبی ہے اور شاید وہاں ایک سے زیادہ میکڈانلڈ ہیں۔ میں آسانی سے تمہاری بتائی ہوئی جگہ پر نہیں پہنچ سکوں گا کیونکہ میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔"

"یہ ماربل آرچ کے سامنے پہلی شاپ ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ اسے نظرانداز ہی نہیں کر سکتے۔"

"شکریہ۔ مگر وہ لڑکی مجھے کیسے پہچانے گی؟" یکایک حاصل ہونے والی اس کامیابی پر میرا دورانِ خون تیز ہونے لگا تھا۔

"سرمئی ہیٹ اور اسکارف سے آپ اسے پہچانیں گے اور کیتھی کہہ کر مخاطب کریں گے۔ وہ آپ کو پہچان لے گی۔ اس بندوبست میں سرِمو بھی فرق نہیں ہوگا۔"

"لڑکی کا اصلی نام کیا ہوگا؟" میں اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

"سوری سر! ابھی میں خود اس کے نام سے لاعلم ہوں۔ دیکھنا ہوگا کہ آپ کی خدمت کے لیے کسے روانہ کیا جا سکتا ہے۔ شناخت ہو جانے کے بعد وہ آپ کو اپنا اصلی نام بھی بتا دے گی۔"

"ایک بار پھر شکریہ۔ تم نے میری بڑی مشکل آسان کر دی ہے" میں نے کہا۔

"ایک بجے۔ ماربل آرچ، میکڈانلڈ۔ بائے!" ان الفاظ کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

کیتھی کی گتھی سلجھنے کے ساتھ ہی مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے لندن میں انڈین سیکرٹ سروس کی صفوں میں کوئی کمزور دراڑ تلاش کر لی ہو۔ بدری ناتھ کے لندن پہنچنے تک میں اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بھارتیوں کو خاصا نقصان پہنچا سکتا تھا۔

میری نگاہوں میں وہ کامیابی اتنی اہم تھی کہ میرے لیے کمرے میں رک کر دیرا کی واپسی کا انتظار کرنا دشوار ہو گیا اور میں کمرا مقفل کر کے اس کی تلاش میں ڈائننگ ہال کی طرف چل دیا۔

وہ ایک میز پر بیٹھی ناشتے میں مصروف تھی اور غنیمت تھا کہ اکیلی ہی تھی۔

"ناشتا کر چکے ہو تو اب میرے پیچھے کیوں آئے ہو" مجھے دیکھتے ہی وہ چیخنے لگی۔

"یہ باتیں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ اس وقت میں کیتھی کی پہیلی حل کر کے آیا ہوں۔"

"بتاتے رہو۔ میں سن رہی ہوں" اس نے کسی گرم جوشی یا دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

دل کا بوجھ ہلکا کرنا میری مجبوری تھی۔ میں نے پوری کتھا اسے سنا ڈالی۔

"یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ تمہیں ضرور جانا چاہیے" پوری بات سن کر اس نے کہا "میرے ساتھ رہنے پر تمہیں اعتراض ہے اور دوسری لڑکیوں کے پیچھے رال ٹپکاتے پھرتے ہو۔ جاؤ اور ضرور جاؤ۔ میں تمہارا پیچھا نہیں کروں گی لیکن اب مجھے بھی اپنی من مانی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔"

"اس وقت تمہاری کھوپڑی پر شاید برف جمی ہوئی ہے۔ یہ لڑکی کا نہیں را اور ایس ایس بی کی مقامی تنظیم تک رسائی کا معاملہ ہے۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ لندن جوڑوں کا شہر ہے۔ وہ بات میرے ذہن میں جم گئی تھی۔ میں نے اسی وجہ سے اُس کے سامنے تنہائی کا سوال اٹھایا تھا۔"

"لڑکی سے مل کر تم کیا حاصل کر لو گے؟" دیرا نے کافی ختم [کرکے] سوال کیا۔

"یہی مشورہ کرنے آیا ہوں۔ میں اسے انجام تک پہنچانا چاہتا [ہوں۔]"

"ہو سکتا ہے کہ وہ معاوضے پر کام کرنے والی کسی کال گرل کو بھیج دے۔ اس سے تم کیا اگلوا لو گے؟"

"اور کچھ نہیں تو وہ چند نام یا پتے ہی دے دے گی۔ ہمارے لیے ایسے لوگ اہم ثابت ہو سکتے ہیں جو کیتھی کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ ان کی کوئی کارکن آ گئی تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"ان کی اصل کارکن تمہاری دل لگی کے لیے نہیں، تمہیں پرکھنے کے لیے آئے گی۔ تمہاری بنائی ہوئی زنجیر کی ایک کڑی بہت کمزور ہے کہ ان کے ریکارڈ میں تمہاری آمد کا اندراج نہیں ہے۔"

"پھر بھی مل لینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے پوچھا۔

دیرا نے کرسی چھوڑ دی۔ کاؤنٹر پر ناشتے کے بل پر دستخط کرنے کے بعد ہم دونوں اپنے کمرے کی طرف واپس ہو لیے۔

"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب مقررہ وقت پر تم وہاں نہ پہنچے [تو] وہ لوگ چوکنے ہو جائیں گے۔ انہیں یقین ہو جائے گا کہ لندن میں [ک]وئی ایسا اجنبی موجود ہے جو اُن کے کوڈ سے واقف ہو چکا ہے۔ اگر [ا]نہیں ہوشیار کرنا ہی ہے تو پھر اس لڑکی سے مل لینے میں کوئی [نق]صان نہیں۔ کوئی اہم بات معلوم نہ بھی ہو سکی تو ان کے ذہنوں [می]ں کسی مشکوک اجنبی کا تصور سر نہیں ابھار سکے گا۔"

"کراچی فون کرتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے" میں نے [ک]ہا۔

"مجھے لے جا کر کیا کرو گے۔ کیا ایک وقت میں دو عورتوں کے [س]اتھ گھومتے پھرو گے؟"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم ہوٹل میں ہی آرام کرو۔ میں اکیلا ہو [آ]ؤں گا۔"

وہ اچانک مسکرانے لگی "میں تمہیں ٹٹول رہی تھی۔ زیادہ دلیر [ب]ننے کی کوشش مت کرو۔ میں ساتھ چلوں گی اور دور رہ کر تم دونوں [ک]ی نگرانی کرتی رہوں گی۔ اگر اس لڑکی کے کچھ ساتھی بھی ہوئے تو [ت]م مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

"یہ لندن ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں پولیس کی سختی کی وجہ [س]ے کھلے بندوں ایسے جرائم نہیں ہوتے۔"

"یہ جنت ہی کیوں نہ ہو، میں ساتھ جاؤں گی۔ کمرے کے بستر [او]ر دیواروں کو دیکھ دیکھ کر میرا سر پھٹ جائے گا۔ یکسانیت مجھے زیادہ دیر تک راس نہیں آتی۔"

گیارہ بجے میں نے کراچی فون کیا تو وہاں وہ تینوں ہی میری کال کے انتظار میں جڑے بیٹھے تھے۔ فون اول خان نے اٹھایا اور چہکنا شروع ہو گیا۔

"کل رات تم کہاں غائب تھے؟ تمہارے بارے میں سلطان شاہ بہت فکرمند تھا۔"

"مدن موہن کے مزید کچھ اعترافات ریکارڈ کروائے تھے اس کے علاوہ سلیم اکبر خان کے دفتر کا ریکارڈ سیل کرانا تھا۔ وہ پاکستان کی بعض اہم تنصیبات کے نقشے چرا کر اپنی تحویل میں رکھے بیٹھا ہے۔ پتا نہیں وہ کیا کچھ مدن موہن کے حوالے کر چکا ہوگا۔"

"یہ برا ہوا۔ اب سلیم کو یہ اطلاع ملے گی تو وہ پاکستان لوٹنے کا ارادہ منسوخ یا ملتوی کر دے گا۔"

"دفتر سیل کرنے کے اسباب بہت مختلف ظاہر کیے گئے ہیں۔ وہ باہر سے آنے والے مال کے چھوٹے اور قیمتی حصے بندرگاہ سے چوری کروا کے پارٹیوں سے ان کے انشورنس کلیم داخل کروا دیتا ہے۔ ان کے بغیر بقیہ کھیپ بیکار ہوتی ہے۔ وہ درآمد کنندگان کو وہی مسروقہ حصے منہ مانگے داموں پر فروخت کر دیتا ہے۔ اس کے ان گھپلوں کی شکایات ریکارڈ پر تھیں۔ ساری کارروائی چوری کے ان ہی واقعات کی بنا پر کی گئی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لیے کوئی نہ کوئی کام پیدا ہو رہا ہے۔"

"ہیلی کاپٹر کے معاملے میں بھی سرگرمیاں جاری ہیں۔ سول ایوی ایشن کے قوانین کے مطابق ان کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کوئی غیر فوجی طیارہ فضا میں بلند نہیں ہو سکتا۔ متوقع پروازوں کے لیے وہ مشروط اجازت نامے جاری کرتے ہیں۔ پرسوں رات والے ہیلی کاپٹر کی پروازیں غیر قانونی تھیں۔ یہ چھان بین ہو رہی ہے کہ ہیلی کاپٹر کس کی ملکیت تھا۔ میرے آدمیوں نے اس کی بعض نشانیاں نوٹ کر لی تھیں۔ اس مہم کے نتائج بھی جلد ہی آ جائیں گے۔"

"سلطان شاہ کیا کر رہا ہے۔ اسے میں نے رات ایک کام سونپا تھا۔"

"اس نے وہ پیغام دے دیا ہے۔ بدری مطمئن تھا۔ ان کے پاسپورٹ اور ٹکٹ کل لائے جائیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب ان کی روانگی کے بارے میں فیصلہ کر ہی لیا گیا ہے۔"

اول خان سے بات ہو جانے کے بعد میں نے غزالہ اور سلطان شاہ سے بھی مختصر سی گفتگو کی۔ چوبیس گھنٹوں میں تین مرتبہ رابطہ ہونے کی وجہ سے کسی کے پاس کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کال سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے اسی وقت ہوٹل چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔

کیتھی کا مجوزہ میکڈانلڈ بہت مشہور تھا اور ہم دونوں کا دیکھا ہوا تھا۔ ہم وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے اس لیے اس مشہور سڑک کی لدی پھندی دکانوں کا سروے شروع کر دیا۔ آکسفورڈ اسٹریٹ سے ملنے والی پورٹ مین اسٹریٹ کے نکڑ پر سلفرج اسٹور تک جانے کے بعد ہی ہم ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

میں ٹھیک ایک بجے اس پُر ہجوم فاسٹ فوڈ ریستوران میں داخل ہوا تو فضا مانوس خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ میں نے نچلے فلور پر سروس کاؤنٹر کے سامنے صف آرا گاہکوں کا گہری نظروں سے جائزہ لے ڈالا مگر وہاں سرمئی ہیٹ اور اسکارف کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میں کشادہ زینے طے کر کے بائیں ہاتھ پر مڑ کر آگے بالائی فلور پر گھوما ہی تھا کہ دونوں مطلوبہ چیزیں ایک سرمئی وجود پر نظر آ گئیں۔

وہ چھریرے بدن اور متوسط قامت والی ایک دلکش عورت ضرور تھی مگر جوان نظر آنے کی تمام تر ارادی کوششوں کے باوجود تیس برس کے آس پاس نظر آ رہی تھی۔

اپنے خدوخال سے وہ کافی تیز و طرار معلوم ہو رہی تھی اور کسی کا انتظار کرنے کے انداز میں کنارے سے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر دھیمی آواز میں کیتھی کہا تو اس کے چہرے پر شناسائی کی علامات ابھر آئیں اور اس نے خوش ہو کر میرا داہنا بازو تھام لیا۔

"ہائے ہنی! تم وقت پر آئے ہو مگر شاید میں وقت سے پہلے آ گئی تھی..... آؤ، نیچے چل کر کچھ خرید لاتے ہیں۔ اب لنچ کا وقت ہو گیا ہے۔"

میں دوبارہ زینوں کی طرف پلٹ گیا۔ وہ میرے بازو سے تقریباً لپٹی ہوئی چل رہی تھی۔ وہاں سب جوڑوں کا یہی حال تھا۔ کچھ جوڑے اتنے پُرجوش تھے کہ کھانے کے دوران بھی وقفے وقفے سے چونچیں لڑانے میں مصروف تھے اس لیے کسی نے بھی ہماری طرف توجہ نہیں دی اور میں اسے لے کر باہر فٹ پاتھ پر نکل آیا۔

"کیا کچھ کھانے پینے کا ارادہ نہیں ہے؟" باہر نکلتے ہی اس نے ٹھنک کر پوچھا۔

"بھیڑ بھاڑ سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ کسی پُرسکون جگہ لنچ کریں گے" میں نے اسے تسلی دی۔

"آؤ تو پھر ہائیڈ پارک میں چلتے ہیں۔ سرسبز گھاس پر سکون ہی سکون ہوگا۔ کچھ باتیں کر کے ہم کسی اچھے ہوٹل میں چلیں گے" وہ مجھے لے کر سڑک پار کرنے کے انتظار میں رک گئی۔

"میرا نام گیتا ہے اور تم کو کیا کہتے ہیں؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ٹھاکر سنگھ!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ عورت پیشہ ور ضرور تھی مگر کال گرل نہیں تھی۔ اس کے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد اور چوکنے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بدری کی ہم پیشہ تھی۔

"تم بھارت سے یہاں کب پہنچے ہو؟" سڑک پار کر کے اس نے پوچھا۔

"جب پروگرام طے تھا یہاں آ گیا۔ ان فضول باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ سے لطف اندوز ہونا ہے۔"

"تمہیں بھیجنے والی نے تمہیں یہ بات بتا دی ہوگی۔"

"نہ بتاتی تب بھی میں یہی کرتی۔ تم بہت وجیہہ اور شکیل مرد ہو۔ حیرت ہے کہ تم یہاں تنہا تھے۔"

"آدمی کے ساتھ اس کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ وہ ہر ایک پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ صرف اس وجہ سے میں ہر ایک سے دور رہتا ہوں لیکن کارکردگی بڑھانے کے لئے کبھی کبھی عورت کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔"

"تم کس ایجنسی کے لئے کام کرتے ہو؟" اس نے بہت بے خوفی سے وہ ٹیڑھا سوال کر ڈالا۔

"یہ ممنوعہ سوال ہے۔ میں چاہوں تو اسی وقت تمہارا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ میرے بڑے مجھ سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ یہ دیکھو ہائیڈ پارک کی گھاس کتنی سبز اور حسین ہے.....بالکل تمہاری طرح۔"

"شاید تم نے بھی اب تک سمجھ لیا ہوگا کہ میں یہاں کی کوئی عام سی گشتی نہیں ہوں، ایک ذمے دار عورت ہوں۔ میں نے بھی اپنے بڑوں کی مرضی سے یہ سوال کیا ہے۔ تم اس کا جواب دے سکو تو تمہیں یہاں بہت سی ایسی آسانیاں مل سکتی ہیں جن کے بارے میں سوچنا بھی مشکل ہے۔"

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ میرے سامنے زیادہ دیر تک اپنا بھرم برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔

"اگر میں یہی سوال تم سے پوچھوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنے بڑوں کی مرضی پر چل رہی ہوں۔ تم اپنی مرضی سے سوال کرو گے۔ تمہارے لئے یہ شجرِ ممنوعہ ہوگا اور میں اس کا جواب نہیں دوں گی۔"

"یہ بتا کر تم نے میرا سارا لطف غارت کر دیا۔ اب مجھے ہر قدم پر یہ احساس ستاتا رہے گا کہ تم میری ساتھی نہیں، ایک حریف ہو جس پر میرا زور نہیں چل سکتا۔"

"بھول جاؤ کہ یہ باتیں ہوئی بھی ہیں" وہ بے نیازی سے بولی۔ "ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے کہ ہمیں اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے تن من سے کام کرنا ہوتا ہے۔ ہم دونوں کے راستے جدا ہیں مگر مقصد ایک ہے۔ میرا یہ تن تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہے۔"

سرسبز گھاس پر ٹہلتے ٹہلتے میں نے اچانک یوں رخ بدل لیا کہ میں اپنے عقب پر نگاہ ڈال سکوں اور مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ دیرا بھی مست خرامی کے انداز میں کچھ فاصلے سے چلی آ رہی تھی۔

"کیا تم وطن سے پہلی بار باہر نکلے ہو؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد گیتا نے پوچھا۔

"یہی سمجھ لو۔ ایک بار دو دن کے لئے دبئی ضرور گیا تھا مگر وہ سفر جیسا نہیں تھا۔"

وہ عارفانہ انداز میں ہنس پڑی "ایسی تنہائیاں گھر سے پہلی بار

باہر نکلنے والوں کو بری طرح ستاتی ہیں۔ کنوارے ہوں تو ماں باپ اور بہن بھائی یاد آتے ہیں۔ شادی شدہ ہوں تو جورو کی یاد آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے پھر تو آدمی ایسے ماحول کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے۔ تم شادی شدہ ہو؟"

"ابھی جگہ خالی ہے۔ تم چاہو تو کوشش کر سکتی ہو" میں نے اسے چھیڑا۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی "اس نوکری اور پھر تم جیسے ساتھیوں کی خدمت کے بعد بہت کم لڑکیاں شادی کا حوصلہ کر پاتی ہیں۔ ساری عمر یوں ہی نئے نئے ساتھیوں کے ساتھ گزر جاتی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ زندگی خوشحالی سے بسر کرتی ہیں۔"

میں را میں ہر رتبے پر کام کرنے والی خوبرو مگر بے کردار لڑکیوں کے بارے میں ایک مدت سے بہت سی کہانیاں سنتا چلا آ رہا تھا مگر عملی طور پر گیتا کے روپ میں ایسی کوئی عورت پہلی بار مجھے ٹکرائی تھی۔ ہندوؤں کے دھرم کی طرح ان کی زندگی کے ہر شعبے میں جنس کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی تھا۔ وہ اس کی قوت کے قائل تھے یا پھر اسے سب سے سستا ہتھیار سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی اس زندگی سے خوش نہیں ہو۔"

"واپسی کے راستے بند ہو جائیں تو خوشی اور ناخوشی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب میں نے ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیا ہے۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے ورنہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"یہ سب باتیں مجھے معلوم ہیں" وہ میری طرف دیکھ کر تلخ ہنسی کے ساتھ بولی "یہ بتاؤ کہ کیا مجھے صرف گھاس پر ٹہلانے کے لئے بلایا ہے؟"

"تمہیں اپنے ساتھ ہوٹل لے گیا تو بعد میں مجھے وہاں کے ملازموں کی عجیب سی نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"یہاں تم بازاروں کا حال نہیں دیکھتے۔ یوں لگتا ہے جیسے سارے جوڑے خوشی حاصل کرنے کے بجائے دوسروں کو جلانے کے لئے گھروں سے باہر نکلے ہوں لیکن یہ اچھی بات ہے کہ یہاں کوئی دوسروں کے بارے میں سوچ کر بلاوجہ اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔ ہوٹل میں کسی کو پروا بھی نہیں ہوگی کہ تمہارے ساتھ کون آیا ہے اور کب واپس چلا گیا۔"

"یہ ٹھیک ہے مگر پھر بھی میں جھجک رہا ہوں" میں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"پھر میرے گھر چلو۔ وہاں میں اکیلی رہتی ہوں۔ راستے میں کہیں سے کھانے پینے کا سامان خرید لیں گے۔ جب تک تمہارا جی چاہے، وہاں رک کر رہنا پھر اپنے ہوٹل چلے جانا۔"

"تم کہاں رہتی ہو؟" میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"میں لندن کے اس حصے میں رہتی ہوں جسے گورے منی انڈیا کہتے ہیں۔ وہاں ہر طرف گھر کا سا ماحول ملتا ہے۔ یہ ساؤتھ آل کا علاقہ کہلاتا ہے۔"

وہ علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا اور میرا قیاس تھا کہ وہ ماسٹر رابرٹ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں تھا مگر گیتا کے سامنے میں انجان بنا رہا۔

"گھر کہیں بھی ہو گھر ہی ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہیں ہم زیادہ آزادی سے ایک دوسرے کو سمجھ سکیں گے۔"

"تو کیا تم زیادہ دنوں کے لئے یہاں آئے ہوئے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا؟" میں نے جوابی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"سمجھنے سمجھانے والی دوستیاں زیادہ دنوں کے لئے کی جاتی ہیں ورنہ معاملہ مل بیٹھنے سے زیادہ نہیں چلتا۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میرا کام دو چار روز میں ختم ہو جائے گا مگر مجھے اگلی ہدایت تک یہاں رکنا ہے۔"

"یہ انوکھی بات ہے کہ ہم لوگوں کی لاعلمی میں کوئی اتنی مدت کے لئے یہاں آیا ہو۔ ہمیشہ سے ہم ہی آنے والوں کی مہمان داری کرتے ہیں۔"

اس کے ساتھ پروگرام طے ہو گیا تھا۔ میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی براہِ راست کوششوں میں ناکام رہنے کے بعد وہ گھما پھرا کر سوالات کرتی رہی اور میں پہلو بچا کر اسے جوابات دیتا رہا۔ اس نے دوبارہ پیدل گھومتے رہنے کا شکوہ نہیں کیا اور ہم

ہائیڈ پارک کی سرپنٹائن نامی وسیع جھیل کے کنارے کنارے چلتے ہوئے کافی دور نکل آئے۔ اس دوران میں وہ سفید فام آدمی بھی میری نظروں میں آگیا تھا جو بظاہر لاتعلقانہ انداز میں ہمارے اور ویرا کے درمیان آچکا تھا۔ ویرا ہم سے کافی پیچھے تھی۔

میں نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ تو شروع کردی تھی مگر مجھے اس کا کوئی تسلی بخش اختتام نظر نہیں آرہا تھا۔ گیتا کو اغوا کرکے اس سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک محفوظ ٹھکانے کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اس پہلی ملاقات کے بعد اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بڑوں کو رپورٹ دیتی اور نئی دہلی سے استفسار پر انہیں چند ہی روز میں معلوم ہوجاتا کہ وہاں سے براہِ راست کسی آدمی کو لندن نہیں بھیجا گیا تھا۔ اس انکشاف کے ساتھ ہی میری تلاش شروع ہوجاتی۔

میری شناخت کے لئے گیتا سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔ اگر ان لوگوں کو کہیں سے میری اصلیت کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ قصہ خطرناک روپ دھار سکتا تھا۔

میں اوکھلی میں سر دے ہی چکا تھا پھر موسلوں سے ڈرنا بے سود تھا۔ میں نے تن بہ تقدیر ہوکر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

آخر کار گیتا خود ہی تھک کر ہائیڈ پارک سے باہر فٹ پاتھ پر نکل آئی۔

"ٹیکسی کی عیاشی برداشت کرسکتے ہو یا بس پکڑنے کی فکر کریں۔ تھوڑی دور چل کر ہم لنکاسٹر گیٹ کے اسٹیشن سے ٹیوب بھی لے سکتے ہیں۔"

میں نے تیزی سے ویرا کے بارے میں سوچا۔ اس کی سہولت کے لئے ٹیکسی سے سفر کرنا ہی زیادہ آسان ہوتا۔ وہ اپنے مخصوص حربوں سے کسی بھی ٹیکسی ڈرائیور کو تعاقب کے پُرامن اور قانونی مقاصد کا یقین دلا سکتی تھی۔ اس معاملے میں اس کا سفید فام ہونا بھی اہم کردار ادا کرسکتا تھا۔

"اگر تم ٹیکسی میں سفر کو عیاشی قرار دیتی ہو تو پھر عیاشی ہی سہی" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کسی بازاری لڑکی پر قیمتی زرِ مبادلہ برباد کرنے سے بہتر ہے کہ تم جیسی فرض شناس لڑکی کو ذرا سی عیاشی کرادی جائے۔"

وہ جو کچھ بھی تھی، بنیادی طور پر ایک عورت ہی تھی۔ میری تعریف پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

کینسنگٹن روڈ سے ہمیں چند منٹ میں ہی ٹیکسی مل گئی اور ہم ساؤتھ آل کے لئے روانہ ہوگئے۔

میرے لئے گیتا کی ذات ذرا بھی پریشان کن نہیں تھی لیکن اپنے پیچھے ایک مشتبہ سفید فام کو دیکھ لینے کے بعد میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ شبہ سر ابھار رہا تھا کہ کہیں میں کسی جال میں پھنسنے نہ جارہا ہوں۔ میرے مقابلے میں عام لوگ نہیں تھے۔ ان کا تعلق بھارت کی کسی نہ کسی خفیہ ایجنسی سے تھا۔ ان پر آسانی سے ڈورے ڈالنے کی خوش فہمی میں کوئی بھی جوابی جال میں جکڑا جاسکتا تھا۔

لندن میں گزارے کے لئے روکھے پھیکے ولایتی کھانے اس وقت تک مجبوری نہیں رہے تھے۔ ایشیائیوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے فاسٹ فوڈ کے بین الاقوامی سلسلوں سے لے کر ہندی اور پاکستانی ہوٹلوں کا ایک وسیع جال پورے لندن میں پھیلا ہوا تھا۔

میری رضامندی پاکر گیتا نے ٹیکسی ڈرائیور کو ساؤتھ آل میں ہی اومینز نامی ریستوران کے سامنے روکا اور ہم دونوں اتر گئے۔ ریستوران میں داخل ہوتے ہوئے میں نے یہ دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے تعاقب میں کون وہاں تک آیا تھا لیکن پیچھے میدان صاف تھا۔

میں ویرا کے بارے میں سوچتا ہوا مینو دیکھتا رہا۔ کھانے کے ساتھ گیتا نے اسکاچ اور ریڈ وائن کی چند بوتلیں بھی وہاں سے لیں۔ اور آرڈر پیک ہوتے ہی ہم ٹیکسی میں لوٹ آئے۔ ہندی نژاد بیرے نے سامان ٹیکسی میں پہنچایا اور ہم وہاں سے چل پڑے۔

ریستوران سے چند منٹ کی مسافت پر گیتا کا دو منزلہ مختصر سا مکان تھا جس میں سبزے کے نام پر بس پھولوں کے چند گملے ہی لگانے کی گنجائش تھی اور اس گنجائش کو خاصے قرینے سے استعمال کیا گیا تھا۔ مکان کے گرد کوئی احاطہ وغیرہ نہیں تھا۔ داخلی دروازے کی سیڑھیاں براہِ راست فٹ پاتھ پر اتری ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں بیشتر مکانات اسی طرز کے تھے۔

اندر جاکر مجھے احساس ہوا کہ ایک سنگ دلانہ پیشے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی گیتا جمالیاتی ذوق کی مالک تھی۔ نچلی منزل پر کچن کے ساتھ صرف اسٹور اور ڈرائنگ، ڈائننگ روم تھا جہاں شفاف شیشوں سے لے کر کرسٹل اور چاندی کی ہر آرائشی چیز دمک رہی تھی۔ کچن میں ایک عقبی دروازہ بھی موجود تھا۔

گھر کی اوپری منزل پر مشترکہ باتھ روم کے ساتھ دو مختصر لیکن ہر سہولت سے آراستہ خواب گاہیں موجود تھیں جن سے صفائی ستھرائی کا اظہار ہورہا تھا۔

"کام کے بعد تمہیں اتنے بھرے پُرے گھر کی صفائی کا موقع کیسے مل جاتا ہے؟" میں نے گھر کا مکمل جائزہ لینے کے بعد تو صیفی لہجے میں سوال کیا "کہیں بھی گرد و غبار کے آثار تک نظر نہیں آرہے۔"

"یہاں کے مرطوب اور بارانی موسم میں گرد و غبار کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ ہر کھلی جگہ کو موسم بہار میں خودرَو گھاس چھپالیتی ہے۔ باقی کارکردگی میری ہاؤس میڈ کی ہے۔ میرے دفتر جانے کے بعد وہ ہفتے میں تین دن آتی ہے اور گھر کے سارے کام کرکے چلی جاتی ہے۔"

اپنی خواب گاہ میں گیتا میرے قریب ہوکر بیٹھ گئی اور نہایت لطیف پیرائے میں میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ اس کی وہ حرکتیں اس قدر فطری تھیں کہ اس کے خود ہی سمٹ جانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میرے جسم کے مخصوص حصوں پر ہاتھ پھیر کر میری جامہ تلاشی لے رہی تھی۔

وہ میرا وہم بھی ہوسکتا تھا لیکن میں ایسے کھیلوں میں عمر گزار کر اتنا پختہ کار ہوچکا تھا کہ فیصلوں کی غلطی کا امکان کم ہی ہوا کرتا تھا۔

اس وقت تک میں بالکل نہتا تھا۔ کراچی سے آتشیں ہتھیار ساتھ لانے ممکن نہیں تھے، لندن آنے کے بعد اس بارے میں کچھ سوچنے کا وقت ہی نہیں مل سکا تھا۔ البتہ بدری ناتھ کا پتلے پھل اور دہری دھار والا وہ خنجر میرے داہنے موزے میں موجود تھا جس کی مدد سے وہ نادرہ کے گھر میں نک کے ایک ہرکارے کا نرخرا کاٹ چکا تھا۔

میرا خیال تھا کہ کوئی برا وقت آنے پر وہی خنجر میرا بہترین معاون ثابت ہوسکے گا۔

گھر پہنچنے کے بعد میرے ساتھ گیتا کے رویے میں مثبت اور نمایاں تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ میرے ساتھ مٹھاس اور پیار کے لہجے میں باتیں کرکے میرے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ دوسری طرف میں نے اس کے ساتھ ایک حد سے تجاوز نہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا۔

میری مشکل یہ تھی کہ اس کے سامنے میں کسی خفیہ بھارتی ایجنسی کا ٹھاکر سنگھ نامی افسر بنا ہوا تھا۔ اسے کسی بھی مرحلے پر میرے مسلمان ہونے کا شبہ بھی ہوجاتا تو وہیں سے کوئی خوں ریز تصادم سر ابھار سکتا تھا جب کہ میں اس عورت سے بھڑنے کا خیال دل سے نکال چکا تھا۔ وہ عورت ذات تھی۔ میں اس سے صرف معلومات اگلوا کر ان سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں وہاں تک پہنچا تھا۔

خوش فعلیوں کے بہانے میری جامہ تلاشی لینے کے بعد گیتا کو کھانے کا دھیان آگیا۔ وہ مجھے اپنی خواب گاہ تک محدود رکھنے پر مُصر تھی اور وہیں کھانا کھانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر میں اس کے گھر میں آجانے کے بعد اسے زیادہ دیر تک اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن پر اس وقت دو باتیں ڈنک مار رہی تھیں۔ پہلا ہائیڈ پارک میں نظر آنے والا مشتبہ سفید فام تھا اور دوسرا گیتا کے مختصر سے گھر کا عقبی دروازہ جہاں سے کوئی بھی خاموشی سے اندر داخل ہوسکتا تھا۔

وہ کھانا لانے کے بہانے نیچے جاکر اس سفید فام کو پچھلے دروازے سے اندر بلا کر اسے بریف کردیتی تو میں بے خبری میں کسی بھی وقت اس کا شکار ہوسکتا تھا۔

ان خطرات کو ٹالنے کے لئے میں اس کا ہاتھ بٹانے کے بہانے اوپر سے اتر کر زبردستی کچن میں آگیا۔

کھانا نکالنے سے پہلے گیتا نے اسکاچ کے دو تگڑے پیگ بنائے تو محض اسے اپنی کمزوری کا احساس دلانے کے لئے میں نے احتجاج کیا "میں الکحل کا عادی نہیں ہوں، میرا پیگ ذرا ہلکا کردو۔"

وہ شیر ہوگئی "نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے بھی کم پیو۔ پتا نہیں تم کس سروس سے وابستہ ہو کہ زندگی کی ساری ہی رنگینیوں سے دور ہو۔ آج میں تمہیں مکمل مرد بنا کر رہوں گی۔"

میرا جواب سنے بغیر اس نے بلور کے پیمانوں میں برف کے ڈلے ڈال دیے۔

وہ پیگ خالی کرتے ہوئے چار کرسیوں والی مختصر سی میز پر کھانا سجایا گیا۔ ہم دونوں نے میز پر آمنے سامنے بیٹھ کر میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے وہ پیگ خالی کئے پھر وائن کی بوتلوں کے کارک کھول کر کھانے کا آغاز کردیا۔ اسکاچ کے تیز پیگ نے میری بھوک چمکانے کے ساتھ ہی چاق و چوبند کردیا تھا۔ رہی سہی کسر کھانے کے ساتھ لی جانے والی فرانسیسی وائن نے پوری کردی۔

گیتا نے میز صاف کرنے کے بہانے ایک مرتبہ پھر نیچے رکنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ میں اس پر یہ ظاہر کررہا تھا کہ کھانے سے پہلے زیادہ اسکاچ لینے کے باعث میں اس پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہوچکا تھا۔ مجھے سائے کی طرح اپنے سر پر مسلط پاکر وہ کچھ جھلائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔

وہ شاید میری چالاکی کو نہیں بھانپ سکی تھی مگر میں اس کے ارادوں سے کسی حد تک واقف ہوچکا تھا۔

غیر ضروری طور پر خود کو اِدھر اُدھر مصروف رکھتے ہوئے وہ ایک بار کچن کے عقبی دروازے تک گئی۔ ہضمی قفل کھول کر اُس نے اوپر کا بولٹ گرایا، دروازہ کھول کر چند ثانیوں تک باہر جھانکتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ ادھر کوئی گلی وغیرہ نہیں تھی بلکہ باڑھ میں گھری ہوئی خالی جگہ تھی جس پر ضرورت کے مطابق کچن گارڈن بنایا جاسکتا تھا۔

آخر وہ دروازہ بند کرکے لوٹ آئی۔ اس بار اُس نے اوپر کا بولٹ نہیں لگایا تھا۔

جوں ہی وہ کچن پر آخری نظر ڈال کر واپسی کے ارادے سے مڑی، میں نے اضطراری لہجے میں کہا "اوہ! تم دروازے کا بولٹ لگانا بھول گئی ہو۔"

یہ کہہ کر میں رضاکارانہ طور پر آگے بڑھا اور وہ کارِ خیر انجام دے کر اُس کے پیچھے لوٹ آیا۔

دوبارہ اوپر پہنچنے تک گیتا کی خوش دلی کافور ہوچکی تھی اور اس کی پیشانی پر چند شکنیں نمودار ہوچکی تھیں۔

"تم بہت بدذوق آدمی ہو" اس نے کھڑے کھڑے کہا "جب سے یہاں آئے ہو، میری سپردگی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ پہلے عورت

کی رفاقت کے لئے مرے جارہے تھے اب مجھ سے یوں دور دور ہو جیسے مجھے چھوت کی کوئی بیماری ہو۔ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"عورت کا خیال آتے ہی ایڈز کی دہشت سے میرے جذبات سرد ہو جاتے ہیں" میں نے مردہ سی آواز میں کہا "یہ میری بہت بڑی کمزوری ہے جس کے آگے میں بے بس ہوں۔"

"تو تمہاری دانست میں، مَیں ایڈز کی مریضہ ہوں؟" وہ پہلی بار میرے اوپر غرائی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ یہ میرے ذہن کی ایک گرہ ہے۔ عورت اور ایڈز۔ تم بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اسی طرح میں بھی مرد اور ایڈز کے بارے میں سوچ سکتی تھی" اپنا نرم اور مہربان روپ بھول کر وہ روایتی عورت کی طرح تلخ کلامی پر اتر آئی۔

"بالکل سوچ سکتی تھیں۔ غنیمت ہے کہ تم اس مرض سے محفوظ ہو۔"

"اگر تم نفسیاتی مریض ہو تو تم پر وقت برباد کرنا بے سود ہے۔ تم اپنے حصے کی عیاشی کر چکے ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ۔ میں دوسرے کمرے میں آرام کروں گی۔ شام کی چائے پی کر تم رخصت ہو جانا۔"

"اتنی بیزار ہو گئی ہو تو میں اسی وقت واپس لوٹ جاتا ہوں" میں نے پیش کش کی۔

"نہیں" میری توقع کے مطابق اس نے سختی سے کہا "میں باہر سے تمہارا دروازہ بولٹ کردوں گی۔ اس وقت تم نشے میں ہو۔ سو کر اٹھو گے تو نشہ اتر جائے گا، اس وقت چلے جانا۔"

میری نگرانی سے گلوخلاصی کی کوئی راہ نہ پاکر وہ مجھے کمرے میں قید کرنے پر تل گئی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا "مگر میں اسی وقت جاؤں گا۔ تمہارا لب ولہجہ سرد اور سخت ہوتا جارہا ہے۔ میرے لئے کسی عورت کا یہ رویّہ برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر میں نے پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ گیتا نے یکلخت اپنے بلاؤز سے چھوٹے بور کا ایک سیاہ ریوالور نکال کر مجھ پر تان لیا۔

"تم نے ایک قدم بڑھایا تو میں تمہیں شوٹ کردوں گی" اس نے درشتگی سے کہا۔ وہ دھمکی دیتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھوں میں موت کی سردی سی لہرا تر آئی تھی۔

جب وہ میری جامہ تلاشی لے رہی تھی تو میں نے بھی جستہ جستہ مقامات پر اسے ٹٹولا تھا۔ اس وقت وہ غیر مسلح تھی۔ پتا نہیں اس نے میری بے خبری میں کب اور کہاں سے وہ ریوالور نکال کر اپنے بلاؤز میں اڑس لیا تھا جو اس وقت میرے سینے کے [illegible] گیا تھا۔

"تم اسٹیٹ کے ایک ذمے دار افسر سے تصادم مول لے رہی ہو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری اس جسارت کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مجھے تمہارے اس دعوے پر شبہ ہے۔ جب تک تم اپنی شناخت نہیں کراتے، یہاں سے جا نہیں سکو گے۔"

"اوہ! تو اب تم مجھے حبسِ بے جا میں رکھو گی؟" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"یہ آج تک نہیں ہوا کہ ہمارا کوئی آدمی ہماری بے خبری میں یہاں آیا ہو۔ اگر تم جھوٹے ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"تم ایک لمحے کے لئے بھی میری مرضی کے خلاف مجھے یہاں نہیں روک سکتیں!" میں نے دھمکی دی۔

"قدم ہلاتے ہی تم کوئی کاری زخم کھاؤ گے، کوشش کرکے دیکھ لو۔"

"میں ابھی شور مچاکر تمہارے سارے پڑوسیوں کو یہاں جمع کرلوں گا۔"

"یہ کوشش بھی کرکے دیکھ لو۔ سب جانتے ہیں کہ میں یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ مجرمانہ حملے کے ارادے سے گھر میں گھس کر کسی عورت سے دست درازی یہاں ایک سنگین جرم ہے۔ اپنی مدافعت میں مَیں تمہیں ہلاک بھی کردوں تو قانون مجھے معاف کردے گا۔"

میں خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس نے میرے ساتھ محاذ آرائی شروع کرنے سے پہلے ان تمام امکانات پر اچھی طرح غور کرلیا تھا۔ اپنی دانست میں وہ مجھے چوہے دان میں پھانس چکی تھی۔

"اور کھڑکیوں کا رخ بھی نہ کرنا۔ میں نے اس معاملے میں انگریز کی روایت سے انحراف کرکے شیشوں کا حسن تباہ کیا ہے اور ہر کھڑکی پر مضبوط آہنی گرل لگوائی ہے..... اب اپنے ہوٹل کا پتا بتاؤ تاکہ ہمارا کوئی آدمی وہاں جاکر سامان کی تلاشی کے ذریعے تمہارے بیان کی تصدیق کرسکے۔"

"اپنے کسی بڑے کو بلاؤ۔ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔" میں نے برہمی سے کہا "تم مجھے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت گھیر کر یہاں لائی ہو۔ میں بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

میری بات پوری ہوتے ہی وہ جواب دینے کے بجائے پھرتی سے باہر نکل گئی اور اس نے فوراً ہی پٹ بند کرکے باہر سے بولٹ کردیا۔ پھر زینے پر اس کے قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

کھیل کھیل میں بات بگڑ کر اس مرحلے پر پہنچ گئی تھی جہاں تک میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ اس وقت میرے خلاف سب سے [illegible] نکتہ یہ تھا کہ میں گیتا کے گھر بلکہ ذاتی خوابگاہ میں موجود تھا۔ میری کمزوری اسے میرے خلاف ہر ممکنہ حفاظتی کارروائی کا اختیار دے [illegible] تھی۔

میں نے غیر ارادی طور پر اپنے موزے میں پھنسا ہوا قاتل [illegible] نکال لیا۔ [illegible] اس کی بلیڈ سے زیادہ باریک دھاروں پر انگلی پھیر [illegible]

آنے والے خطرات کے بارے میں سوچنے لگا۔

جوں ہی میری نگاہ فون پر پڑی، میں اس کی طرف لپکا۔ اس آڑے وقت میں میرے پاس اپنے ہوٹل کے منیجر یا سلیم اکبر خان کے ہوٹل کے فون نمبر کے سوا کچھ نہیں تھا پھر بھی میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ وہ بے جان پڑا ہوا تھا۔

گیتا صحیح معنوں میں ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھی اور پوری ذہانت کے ساتھ برق رفتار فیصلے کرسکتی تھی۔ اس کے لیے فون اٹھالے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے اس نے باہر سے شاید تار ہی الگ کردیے تھے۔

میرے خلاف قدم اٹھاتے ہوئے اس نے میری راہیں مسدود کرنے کا ہر ممکن طریقہ استعمال کر ڈالا تھا اور میں اس کے کمرے میں کھلے ہوئے ہاتھ پیروں کے باوجود بالکل بے دست وپا ہو کر رہ گیا تھا۔

معاً مجھے ویرا کا خیال آیا۔ پتا نہیں وہ ہائیڈ پارک سے وہاں تک پہنچ بھی سکی تھی یا راستے میں ہی کہیں بچھڑ گئی تھی۔ میں نے لپک کر کھڑکی کا ایک پردہ ہٹایا پھر دونوں پردوں سے تاحدِ نگاہ سڑک کا جائزہ لے ڈالا مگر وہاں ویرا یا کسی ٹیکسی کا وجود نہیں تھا۔

میں دوسرا پردہ گرا ہی رہا تھا کہ مجھے ویرا محلے کے لبِ سڑک اسٹور سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا اور نظریں گیتا کے مکان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اس وقت ویرا کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی لیکن اسے دیکھ کر مجھے تقویت کا احساس ہوا۔ وہ آگے بڑھتی ہوئی میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

میں نے اسے ہائیڈ پارک میں سفید فام کے پیچھے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ساؤتھ آل تک وہ گیتا کے نہیں بلکہ اس کے ساتھی کے تعاقب میں پہنچی تھی اور اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ اس وقت مجھے گیتا کے ساتھ ہی اس سفید فام کے خطرے سے بھی نمٹنا تھا۔

بہرحال یہی کافی تھا کہ آنے والے لمحوں میں میرے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو جاتی تو اس کی خبر پاکستان پہنچانے کے لیے ویرا باہر موجود تھی۔

ان حالات میں اعصابی بے چینی کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ میں سگریٹ سلگا کر مسہری پر بیٹھ گیا اور مکان میں ابھرنے والی آوازوں کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔

مکان کے فرشی قالینوں کے نیچے موجود چوبی فرش کی وجہ سے مجھے نیچے سے نقل وحرکت کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ وہ یقینی طور پر دو افراد کے قدموں کی آوازیں تھیں۔ شاید گیتا نے مجھ سے نجات حاصل کرتے ہی اپنے سفید فام مددگار کو اندر بلالیا تھا۔

وہ آوازیں کافی دیر تک گھٹتی بڑھتی رہیں۔ ان کا مطلب تھا کہ وہ گھر ہی میں موجود تھے۔ میں نے پنجوں کے بل کئی مرتبہ کھڑکی تک جاکر باہر کا جائزہ لیا مگر ویرا دوبارہ نظر نہیں آسکی۔ پتا نہیں وہ کہاں

اور کس چکر میں مصروف ہوگئی تھی۔

کافی دیر گزرنے کے بعد سیڑھیوں پر قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑی اور بدری ناتھ سے لیا ہوا خنجر سنبھال کر دیوار سے اس طرح چپک کر کھڑا ہوگیا کہ دروازہ کھلنے پر میرے حریف فوری طور پر مجھے نہ دیکھ سکیں۔

چاپ کی آواز بتا رہی تھی کہ آنے والوں کی تعداد دو تھی۔ واضح ہوتے ہوتے وہ آوازیں میرے قید خانے کے دروازے پر آکر رک گئیں۔

"ہے...... تم دیوار کا ساتھ ہینڈز اپ کر کے سامنے کھڑا ہوجاؤ۔ گڑ بڑا کیا تو گولی ماروں گا۔ میرا نام پرفیکٹ کلر ہائے اور میرا ریوالور بالکل سائلنٹ ہائے۔" باہر ایک بگڑی ہوئی کرخت مردانہ آواز گونجی۔

وہ بگڑا ہوا لب ولہجہ ضرور تھا مگر مخصوص الفاظ کی ادائیگی اتنی موزوں تھی کہ میں اسے انگریز سمجھنے پر آمادہ نہ ہوسکا۔ اپنی اردو کے اعتبار سے وہ مخلوط نسل کا کوئی اینگلو انڈین ہوسکتا تھا جس کی پرورش لندن ہی میں ہوئی ہو۔ اس کے لہجے سے اس کے مزاج کی سختی جھلک رہی تھی۔

اس بار وہ سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے بھی لیس ہوچکے تھے۔ میں نے فوری مزاحمت کا ارادہ ترک کر کے انہیں باتوں میں الجھانے اور مناسب موقع کا انتظار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"میں تمہاری ہدایت پر عمل کررہا ہوں کیونکہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" میں نے اونچی آواز میں پیغام کا جواب دیا اور بستر کے برابر میں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

دروازے کا بولٹ سرکا کر انہوں نے احتیاط سے دروازہ کھول کر جھری میں سے اندر کا جائزہ لیا اور مجھے مطلوبہ حالت میں دیکھ کر پورا پٹ کھول دیا۔

گچھے دار، بڑے بڑے سنہری بالوں والا سفید فام لڑکا گیتا کے پیچھے تھا۔ گیتا اپنے چھوٹے ریوالور سمیت کمرے کے وسط میں آگئی۔ لڑکا دروازے میں ہی رک گیا۔

"تم اس کا باڈی سرچ لو اور پاکٹس خالی کرو۔" لڑکے نے مجھے گھورتے ہوئے گیتا کو ہدایت کی۔

"ٹھہرو۔ مجھے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میرے بارے میں تمہارے ارادے اتنے ہی خطرناک ہیں کہ نوبت آتشیں ہتھیاروں تک آگئی ہے تو میں تمہارے سوالات کے جواب دینے کو تیار ہوں۔"

میری اس پیشکش کا سبب یہ تھا کہ ماسٹر رابرٹ ہوٹل کا کارڈ میری جیب سے برآمد ہو کر بھانڈا پھوڑ سکتا تھا۔ اس کوشش میں شاید گیتا کا ہاتھ میرے موزے میں اڑسے ہوئے خنجر تک بھی پہنچ جاتا اور میں اپنے اکلوتے ہتھیار سے بھی محروم ہوجاتا۔ اس سے بہتر تھا کہ میں خود ہی انہیں ہوٹل کا نام بتا کر مطمئن کردیتا۔ مجھے یہ اطمینان بھی تھا کہ میری راہیں مسدود کرنے کے چکر میں گیتا فون کاٹ چکی تھی۔ میں جو کچھ بھی بتاتا وہ ان دونوں تک ہی محدود رہتا۔ وہ فوری طور پر وہ اطلاعات کسی اور تک نہیں پہنچا سکتے تھے۔

گیتا نے استفسار طلب نگاہوں سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے مہیب ریوالور کی سائلنسر چڑھی ہوئی نال کو جنبش دے کر بولا "ٹھیک ہائے۔ تم لندن میں کدھر ٹھیرا ہائے؟"

"گریٹ ویسٹ روڈ پر ماسٹر رابرٹ ہوٹل کے کمرا نمبر سات میں۔"

"تم انڈین ایجنسی کا آدمی ہائے؟" اس نے میرے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا "مجھے امید ہے کہ تم ایجنسی کا نام نہیں پوچھو گے۔" اس وقت وہ دونوں ریوالور بدست، آگے پیچھے کھڑے، میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"انگلینڈ کب آیا؟" اس نے فرعونیت سے اگلا سوال کیا۔

میرا دل چاہا کہ اس سوال کے جواب میں ایک قہقہہ مار کر اسے کوئی بھرپور گالی سناؤں مگر میں نے خود پر جبر کرلیا۔ لڑکی کی پشت پر پہنچی ہوئی ویرا ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کررہی تھی کیونکہ اس کے سر پر پہنچ جانے کے باوجود وہ دونوں بالکل بے خبر تھے۔

"میں ایک ہفتے پہلے ٹمبکٹو سے چلا تھا اور......" میں نے گہری سنجیدگی سے کہنا شروع کیا مگر میرا فقرہ ایک بے آواز فائر کے کھٹکے اور لڑکی کی غضبناک غراہٹ میں دب کر رہ گیا۔

ویرا نے باہر پوزیشن لے کر پوری قوت سے لڑکے کی پشت پر لات رسید کی تھی۔ اس زبردست ضرب سے نہ صرف اس کے پاؤں اکھڑ گئے بلکہ اس کے ہاتھ میں موجود بے آواز ریوالور کا ٹریگر بھی دب گیا۔ وہ گولی پشت سے گیتا کے جسم میں گھسی اور سینہ پھاڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں مل سکا۔

گیتا منہ کے بل قالین پر گر کر ساکت ہوگئی اور اس کے سینے سے بہنے والا خون قالین کو تر کرنے لگا۔ خود کو پرفیکٹ کلر قرار دینے والا سفید فام لڑکا بھی لڑکھڑاتا ہوا ایک بغلی دیوار سے ٹکرا کر گر گیا۔ غیر ارادی طور پر ہونے والے فائر کے جھٹکے سے اس کا بے آواز ریوالور اچھل کر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ گیتا کے گھر میں اس وقت تک رونما ہونے والے واقعات کی بھنک کسی کو نہیں مل سکی ہوگی۔ اس سے پہلے کہ سفید فام کو اوسان بحال کر کے چیخنے چلّانے کا موقع ملتا، پورا قصہ ختم ہوجانا چاہیے تھا۔ وہ لڑکا خود ہی بے داغ قاتل ہونے کا

عتراف کرچکا تھا۔ اس پر رحم کھانے کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں تھی۔

میں نے قالین پر گرا ہوا بے آواز ریوالور اٹھایا اور قالین سے اٹھتے ہوئے سفید فام کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر فائر کردیا۔ اس گولی نے کاسۂ سر سے گزرنے کے بعد اس کا چہرہ ادھیڑ ڈالا اور وہ بھی کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ویرا کے اندر آنے تک سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔

"تم نے اسے کیوں مار دیا؟" ویرا نے سفید فام کو دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"اسے نہ مارتا تو یہ بے داغ قاتل چند لمحوں میں ہمیں مروا دیتا۔ ویسے بھی اس نے ابھی ابھی گیتا کا خون کیا ہے۔ ان چکروں میں مت پڑو اور بس یہاں سے نکل بھاگو۔"

"اس نے عورت کو کیوں مار ڈالا......؟ شاید اس نے تم پر فائر کیا ہوگا جو خطا ہو کر عورت کو لے ڈوبا۔" باہر ہونے کی وجہ سے ویرا کو اپنی لات کی ہولناک تباہ کاری کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔

"لات پڑتے ہی اس کی انگلی ٹریگر پر سخت ہوئی اور غیر ارادی فائر ہوگیا۔ گیتا درمیان میں نہ ہوتی تو وہ آوارہ گولی میرا ہی مقدر بنی ہوتی۔ تم نے بہت خطرناک حرکت کی تھی۔"

میں اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے زینے اترتا چلا گیا۔ کچن کا عقبی دروازہ کھول کر پہلے میں نے ویرا کو باہر نکالا۔ اس کے چلے جانے کے چند ثانیوں بعد میں نے سر باہر نکال کر ادھر ادھر دیکھا۔ دوسری قطار کے مکانوں کا عقبی حصہ بھی اسی طرف واقع تھا اس لیے وہاں بالکل سناٹا تھا۔ میں نے باہر آکر خود کار بیرونی قفل کا بٹن دبا کر دروازہ مقفل کردیا اور جھاڑ جھنکاڑ کے بعد پڑوس کے کچن گارڈن کو روندتا ہوا پتلی سی پختہ سڑک پر نکل گیا۔

لندن کی سرزمین پر قدم رکھنے کے ابتدائی چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے پہلے دو انڈین سیکرٹ ایجنٹ ہماری وجہ سے موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ وہ ہماری ایک معجزانہ کامیابی تھی۔ جملہ واقعات کے دونوں عینی شاہد یکے بعد دیگرے کیفرِ کردار کو پہنچے تھے۔ اس کے بعد کسی کو علم نہیں ہوسکتا تھا کہ ان دونوں پر مرنے سے پہلے کیا گزری ہوگی۔

انڈین ہائی کمیشن کے تجارتی شعبے کی آڑ میں سیکرٹ انفارمیشن والوں کے پاس صرف یہ موہوم سراغ باقی رہ گیا تھا کہ ان سے کسی کا حوالہ دے کر کسی نامعلوم مشتبہ ایجنٹ نے کسی خاتون کی معاونت چاہی تھی اور گیتا کو معاملے کی تفتیش کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ اسے کور دینے کے لیے سفید فام لڑکے کو مامور کیا گیا اور دونوں مارے گئے۔ اس چکر سے میں بال بال بچا تھا۔

سنگین مسئلے کا روپ دھارتی ہوئی حوصلہ شکن صورتِ حال لمحوں میں یوں تبدیل ہوئی تھی کہ مقتولین ہر راز اپنے ساتھ لے کر رخصت ہوچکے تھے۔

دہرے قتل کی اس واردات کے بعد ہم دونوں کا اس علاقے سے جلد از جلد دور نکل جانا ہی ہمارے حق میں بہتر تھا اس لیے میں نے ویرا کو انتظار کرنے کے بجائے ہوٹل پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ میں خود بھی اندازے سے ایسے راستوں پر چل رہا تھا کہ جلد از جلد مین روڈ تک پہنچ سکوں۔

کیمبرج روڈ پر سواری اتارتی ہوئی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں اس میں سوار ہوگیا اور ڈرائیور کو شیفرڈز بش چلنے کی ہدایت کردی۔

بظاہر وہ وقت کا زیاں تھا لیکن میں لندن کے بعض فرض شناس ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں پڑھ چکا تھا کہ کسی بڑی واردات کے بعد انہوں نے جائے واردات کے قرب و جوار سے کسی مشتبہ مسافر کو اس کی منزل تک پہنچایا تھا۔ اس رخ پر تفتیش کے بعد کئی چالاک مجرم لندن پولیس کی گرفت میں آچکے تھے۔ ان کی گرفتاری کا واحد سبب ٹیکسی ڈرائیوروں کی فرض شناسی تھا۔

مجھے علاقے سے نکالنے والا شہریوں کے اسی قبیلے کا فرد ہوتا تو وہ بھی میرے شیفرڈز بش پہنچنے کی کہانی سناتا اور پولیس وہیں جھک مارتی رہ جاتی۔

شیفرڈز بش کے ٹیوب اسٹیشن پر ٹیکسی چھوڑ کر میں نے ہیتھ رو کا ٹکٹ لیا۔ چند منٹ بعد سنٹرل لائن کی ٹیوب مجھے ائرپورٹ کی طرف اڑائے لیے جارہی تھی۔ وہاں اترنے کے بعد میں ٹیکسی سے اپنے ہوٹل روانہ ہوگیا۔ ٹیوب سے ایک طویل سفر کر کے میں نے اپنی ممکنہ تلاش کی درمیانی کڑیاں گم کردی تھیں۔

اس محتاط طریقے پر عمل کرتے ہوئے میں ہوٹل پہنچا تو ویرا میرے لیے پریشان تھی۔ میں نے اسے اپنی واپسی میں تاخیر کا سبب بتایا تو وہ ہنسنے لگی۔ وہ خود بھی ایک سڑک سے بس پکڑ کر کہیں اور سے ہوتی ہوئی ہوٹل پہنچی تھی۔ بس مل جانے کی وجہ سے اس کا سفر مختصر ثابت ہوا تھا۔

"آخر کار یہاں بھی تمہارا اکاؤنٹ کھل ہی گیا۔" اس نے خوش ہو کر دھیمی آواز میں کہا "یہ دہرا قتل پورے شہر کو ہیجان میں مبتلا کردے گا۔ اگر ان کی اصل حیثیت بے نقاب ہوگئی تو زیادہ سنسنی پھیلے گی۔ ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات کو ہفتوں کا مسالا مل جائے گا۔"

"اس بارے میں آئندہ زبان بند رکھنا۔ بھول جاؤ کہ آج کچھ ہوا ہے۔ کراچی والوں سے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی۔ بس اخبارات اور ٹیلی وژن پر نگاہ رکھو کہ وہ کہانی کدھر لے جارہے ہیں۔ سفید فام کے ہاتھ پر بارود کے ذرات دریافت ہونے کے بعد یہ واقعہ بہت الجھ جائے گا کیونکہ اس کے ریوالور میں صرف دو ہی گولیاں کم ملیں گی، وہی دونوں قاتل ثابت ہوئیں۔ لامحالہ یہی سوچا جائے گا کہ لڑکے نے گیتا کو مارا ہے۔"

"مجھے روک کر خود تقریر کررہے ہو۔ واہ! کیسی اچھی احتیاط ہے۔"

"بات ضرور ہوگی مگر محفوظ اور کھلی جگہ پر۔ بند دیواروں کا کوئی بھروسا نہیں۔ ابھی تو میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تمہارا تعاقب اتنا آسان کیسے ثابت ہوا اور پھر تم گیتا کے گھر میں کیسے داخل ہوئیں۔"

"تار کے ذریعے قفل شکنی کی مشق کبھی کبھی بہت کام آتی ہے۔ بہرحال یہ سب باتیں اب کہیں اور ہی ہوں گی اب ہمیں چائے منگوالینی چاہیے۔"

چائے کے لیے آرڈر دیتے ہوئے میں نے گزرے ہوئے واقعات کو سرسری طور پر اپنے دل میں دہرایا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ پوری واردات اتنی بے داغ نہیں تھی جتنی میں سمجھ رہا تھا۔ میرے خلاف دو سے زیادہ مضبوط گواہ ابھی بھی زندہ تھے۔ ان کی گواہی مجھے پھانسی کے پھندے تک لے جاسکتی تھی۔ گیتا کے مکان کے کچن میں اومنیز کے ڈبے ڈسٹ بن میں موجود تھے۔ میں دیر تک گیتا کے ساتھ وہاں رکا رہا تھا اور پھر وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی تھا جس نے ہمیں کینسنگٹن اسٹریٹ اومنیز کے راستے گیتا کے گھر تک پہنچایا تھا۔

میری پریشانی سے باخبر ہوتے ہی ویرا کی پیشانی پر تردد آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"اس ایڈونچر کا آغاز کرتے ہوئے ہم دونوں ہی بھول گئے تھے کہ اس وقت ہم اول خان کے پاکستان میں نہیں بلکہ شہزادی ڈیانا کے انگلستان میں ہیں جہاں بیشتر کام قانون اور ضابطوں کے تحت کیے جاتے ہیں۔ کسی پر شہزادی کی خاص نظر ہو تو چشم پوشی بھی کرلی جاتی ہے" ویرا متردد لہجے میں کہنے لگی "تم ڈیانا کے عاشق ہو نہ میں اس کی سہیلی۔ پھر اب ہمیں کیوں کوئی رعایت ملے گی؟"

"تم نے پتے کی بات کہی ہے" میں نے خوش ہوکر جواب دیا۔ "شاہوں کے دیس میں ایک یہی سب سے بڑی خرابی ہوتی ہے کہ ان کے مقربین اخلاق اور قانون کی ہر پابندی سے ماورا ہوتے ہیں' دوسروں کو قانون بلاامتیاز ایک ہی کڑک لکڑی سے ہانکتا ہے۔"

"کاش تم ڈینی کے بجائے برٹش آرمی کے کوئی ریٹائرڈ اور گنجے میجر ہوتے تو تمہیں بھی چوری چھپے شہزادی کی رومان انگیز خواب گاہ میں داخلے کا حق حاصل ہوتا اور پھر تم کو وہ طلسماتی فقرے معلوم ہوجاتے جو بکنگھم پیلس کے مضافات میں چوکیداری کرنے والے چاق و چوبند گھڑسواروں کو پلک جھپکتے میں گونگا' بہرا اور نابینا بنادیتے ہیں۔"

ویرا کے وہ فقرے اس قدر کاٹ دار تھے کہ ذرا سی دیر کے لیے میں اپنی مصیبت کو بھول گیا۔ میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "تمہارے ایک ایک لفظ سے حسد اور رقابت کی بو آرہی ہے۔ تم ڈیانا سے جلتی کیوں ہو۔ وہ اتنی بری اور بدنام تو نہیں ہے۔"

"مجھے اس سے جلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے چارلس کی بیوی بننے تک بھی چار چھ مردوں سے دوستی کی ہوگی۔ میں اب تک جن مردوں کو اپنا کھلونا بناکر ٹھوکروں سے اڑاچکی ہوں ان کی تعداد بھی مجھے یاد نہیں ہے۔ وہ میرے قدموں کی خاک بھی نہیں ہے۔ تم میری بات لکھ لو کہ یہ عورت کسی نکھٹو عاشق کے چکر میں پڑ کر پورے شاہی خاندان کو برباد کردے گی۔"

یہ پرانی بات ہے۔ ان دنوں شہزادی کی خلوتوں اور پُرخوریوں کی کہانیاں اخباروں کی زینت نہیں بن سکی تھیں مگر وہ ویرا جیسی ایک خالص مغربی لڑکی کا وجدان بول رہا تھا۔ اس وقت بے اعتبار محسوس ہونے والے ویرا کے فقروں نے چند ہی برس میں اپنی سچائی منوالی۔ ڈیانا شاہی ٹھاٹ باٹ میں بندھ کر رہنے والی مقدس گائے نہیں تھی' وہ جذبوں اور ارمانوں کی چتا میں سلگتی ہوئی ایسی آگ تھی جو اماوس کے زہرہ گداز اندھیروں میں بھی لپک لپک کر ہر راہی کو اپنی طرف بلاتی تھی۔

ویرا جذبات کی روانی میں جو کچھ کہہ گئی' اس نے مجھے اندر سے مجروح کردیا۔ میں نے کمزور سی آواز میں پوچھا "تو کیا تم کسی عورت کی کامیابی کا حساب صرف اسی بات سے لگاتی ہو کہ اس نے اپنی آرزوؤں کی سیج سجانے کے لیے کتنے مردوں کو پامال کیا ہے؟"

"مغرب میں یہ حساب لگانے کا ایک معروف پیمانہ ہے" اس نے بہت سکون اور تحمل سے جواب دیا۔ "کہیں کہیں یہ غلط بھی ہوجاتا ہے۔ عورت کا واسطہ تم جیسے ضدی اور ہٹ دھرم شخص سے پڑجائے تو وہ ہر بار جیت کر بھی خود کو اندر سے کھوکھلا اور شکست خوردہ محسوس کرتی ہے۔ وہ خود کو ایک نازک خربوزے کے مانند سمجھنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ سمجھتے ہو ناکہ خربوزہ کیا ہوتا ہے؟ چھری سے سوگنا زیادہ وزنی ہونے کے باوجود یہ جب بھی چھری پر گرتا ہے' اپنے وجود پر ایک نیا زخم پاتا ہے۔ چھری اس پر گرتی ہے تو زخم ہی زخم لگاتی ہے۔ بات ذرا باریک ہے مگر تم کو میرا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔"

"اس وقت تم نے اچانک ہی جلی کٹی باتیں شروع کردی ہیں" میں نے کہا۔

"پھر کیا کروں؟" وہ غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرے ساتھ ایک بستر پر بیٹھتے ہوئے بھی تم کو اپنی پارسائی پامال ہوتی نظر آرہی ہے اور گیتا جیسی آوارہ عورت کے ساتھ تم مزے سے وقت گزارتے رہے۔ آخر میں تمہارا پیچھا کیوں کررہی تھی؟ تمہیں بچانے کیوں پہنچی؟ تم سے میرا تعلق یا رشتہ کیا بنتا ہے؟ تم بھاڑ میں جاؤ اور جو جی چاہے' کرتے رہو۔"

"اوہ' ویرا ڈارلنگ!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کہا "تم بلاوجہ جذباتی ہورہی ہو۔ تم نے خود دیکھا تھا کہ میں گیتا کے گھر میں دو ہولناک ریوالوروں کی زد پر تھا۔ تم نے پیچھے سے آکر گورے کی پشت پر لات نہ جمائی ہوتی تو میں اس وقت کہیں اور ہوتا۔ میں عیاشی کے لیے وہاں نہیں گیا تھا۔ گیتا غیر محسوس طریقے پر مجھے ہانک کر وہاں لے گئی تھی۔"

"تمہارا یہ جھوٹ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا" ویرا زہریلی آواز میں بولی "میرے پہنچنے سے پہلے وہاں بہت دیر تک خون سنانے کا راج رہا تھا۔ پتا نہیں اس دوران میں تم نے وہاں کیا گل کھلائے ہوں گے۔ اب گیتا کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آئے گی تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ ہوس سائڈ والے عورتوں کے قتل کی وارداتوں میں سب سے زیادہ دھیان جنسی تشدد اور جسمانی ایذا رسانی پر دیتے ہیں۔ وہ لاشیں دریافت ہوتے ہی سب پول کھل جائے گی۔"

ویرا کی طرف سے وہ بدگمانی کی انتہا تھی۔ اس کے رشک و حسد سے ایسی عورت بھی محفوظ نہیں رہ سکی تھی جو تھوڑی ہی دیر پہلے زندگی کی ساری رعنائیوں سے اپنا رشتہ توڑ کر موت کی گمنام وادیوں میں جاچکی تھی۔ اس وقت ویرا کی ذہنی رو کچھ زیادہ ہی بہک گئی تھی۔

"مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم پر ذہنی دورے پڑنے لگے ہیں۔ ڈیانا کی بات کرتے کرتے تم اچانک بہکی ہو ورنہ اس سے پہلے تم نارمل نظر آرہی تھیں۔"

"مجھے اس پر غصہ آگیا تھا" اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اقرار کیا اور کہا "وہ شاہی مشاطاؤں سے اپنی آنکھوں میں آئی پنسل کے ڈورے بکھیرتی ہے' پلکوں کو مسکارا سے بوجھل اور سیاہ کرکے خمار آلودہ کرتی ہے اور دو چار سو جواں سال مردوں کو تاڑتی ہے تو صاحب' آدھ پرنس چارلس کے لیے چیلنج بنتا ہے' میں روم میں سوئمنگ پول سے نہا کر نکلتی تھی تو میرے دھلے ہوئے چہرے اور بے داغ آنکھوں میں جھانک کر ہر شخص سانس لینا بھول جاتا تھا۔ پتا نہیں اسے کیوں اور کس لیے اتنی اہمیت دی جاتی ہے۔"

ویرا جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ درست ہی تھا۔ روم میں اسے رئیس زادوں کو پھانسنے کی تربیت دینے والا ڈان مرسیانو کے روپ میں خود اس کا باپ' جمی لائیڈ تھا۔ مجھے وہ بات بے ساختہ یاد آگئی لیکن ویرا کی مزید برہمی کے خوف سے میں اس کا حوالہ دینے کی ہمت نہیں کرسکا۔ میں نے رسانیت سے کہا "ہیرا کھڑ سے ہی بنایا جاتا ہے مگر کھڑ کے کوئی دام نہیں ہوتے۔ ترشے ہوئے ہیرے کو ہر جوہری آنک لیتا ہے۔ ڈیانا شاہی خاندان میں قدم رکھتے ہی آنکھوں کا تارا بن گئی تھی۔ اب تم بھی میرا پیچھا چھوڑ کر کسی شاہ یا شہزادے کو تاک لو تو تم بہت جلد ڈیانا بی بی کو پیچھے چھوڑ دوگی۔"

وہ استہزائیہ انداز میں بے ساختہ ہنس پڑی "میں تمہارا پیچھا کیسے چھوڑ دوں؟ میں شاہ اور شاہزادوں کا پیچھا کرنے والی نہیں ہوں۔ جسے چاہتی ہوں اسے شاہ بنادینا چاہتی ہوں لیکن تم ہو کہ اندھیروں میں اپنا سر ٹکراتے پھررہے ہو۔ ہاتھ میں آئے ہوئے ہر دلگداز وجود کو کسی دیوی کا سراپا سمجھ کر مسحور ہوجاتے ہو۔ میری ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہارا یہ وہم کیسے دور کروں؟" میں نے زچ ہوکر کہا۔

"میں مانتی ہوں کہ غزالہ تمہاری محبوبہ اور بیوی ہے" اس کی آواز یکایک نرم اور دھیمی ہوگئی۔ وہ کہہ رہی تھی "تم مجھے غزالہ نہ سمجھو لیکن ان عورتوں جیسا تو سمجھو جنہیں تم پسند کرتے ہو اور ان کے فراق میں دربہ در مارے مارے پھرتے ہو۔"

"یہ تم کن عورتوں کا ذکر کررہی ہو؟" میں نے غصے میں سوال کیا۔

"دور کیوں جاتے ہو۔ ابھی گیتا کا قصہ ہی تازہ ہے" اس نے میرے غصے کا ذرا بھی اثر لیے بغیر مکمل بے پروائی سے جواب دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ کہا "گیتا کا قصہ تمہاری تجویز کے ساتھ ختم ہوچکا ہے۔ اس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے تک تم اس بارے میں اپنی زبان بند رکھوگی۔"

"ابھی تک تم اپنے دکھڑے سنائے جارہے ہو۔ تم نے ایک بار بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ہائیڈ پارک سے ساؤتھ آل تک تمہارے تعاقب میں مجھ پر کیا بیتی تھی" گرفت میں آتے ہی ویرا نے کسی چکنی مچھلی کی طرح اچانک اپنا پینترا بدل لیا۔ اس کے لہجے میں شکایت کا عنصر ابھر آیا تھا۔

"اگر تمہارے دماغ پر سے ڈیانا کا بھوت اترچکا ہو تو میں یہ قصہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"وہ لنگور کا بچہ تمہارا اور گیتا کا تعاقب کررہا تھا' میں اس کے پیچھے تھی۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کے کہا "یہ قسمت کی بات تھی کہ مجھے شمال میں گلاسگو سے آیا ہوا ایک سادہ لوح ٹیکسی ڈرائیور ٹکرایا اور میں نے اسے اپنے بوائے فرینڈ کی ظالمانہ بے وفائی کی کہانی سناکر تعاقب پر آمادہ کرلیا لیکن جب تم لوگ اومینز پر رکے تو گورے کی ٹیکسی بہت غلط مقام پر رکی اور ہمیں آگے جاکر رکنا پڑا۔ اس موقع پر مجھے ڈر تھا کہ کہیں میں دونوں ٹیکسیوں کا سراغ ہی نہ کھو بیٹھوں....."

"یہ ایک معمولی سی الجھن تھی" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "آدمی جب کسی اور کی مرضی پر عمل کررہا ہو تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ غنیمت ہے کہ تم بھٹکے بغیر گیتا کے گھر تک پہنچ گئیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں گھر میں داخل ہونے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟"

وہ کچھ سوچ کر ہنس پڑی پھر بولی "وہ بلی اور چوہے کا کھیل تھا۔ تم دونوں مکان کے اگلے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور وہ گورا کچن گارڈنز والے عقبی حصے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ شاید وہ گیتا کی طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے انتظار میں جھاڑیوں میں دبکا بیٹھا تھا۔ اس کے اندر جائے بغیر میں کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ میرے لیے خود کو دوسروں کی نظروں سے بچائے رکھنا مشکل ہورہا تھا۔"

وہ سچویشن ذہن میں آتے ہی مجھے مان لینا پڑا کہ ویرا کا وہ کام واقعی بہت کٹھن تھا۔ اس آباد علاقے میں وہ اپنی ذرا سی بھی بے

احتیاطی کے نتیجے میں لوگوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔

وہ کہتی رہی "تم لوگوں تک پہنچنے سے پہلے مجھے تین بار پچھلی گلی کا جائزہ لینا پڑا۔ اس دوغلے گورے کے غائب ہوتے ہی میں گیتا کے گھر کے پچھلے دروازے پر پہنچی اور اندر کی سن گن لینے کے بعد دروازے کے ہضمی قفل پر ایک زنگ خوردہ تار سے طبع آزمائی کی۔ اس کے بعد کام آسان تھا۔"

"ابھی تک تم نے جو کچھ بتایا ہے وہ اطمینان بخش ہے۔ اگر تم اسی بھاگ دوڑ کا شکوہ کررہی ہو تو یہ تمہاری زیادتی ہے۔ مشکل وقت میں نے گزارا ہے۔ دو بھرے ہوئے ریوالوروں کے سائے میں بڑے بڑے سورما چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ میں نے آخر تک ان کا مقابلہ کیا۔"

"لندن کی سڑکوں پر کسی کا تعاقب در تعاقب اتنا آسان نہیں ہے۔ ہر لمحے مجھے کراچی یاد آرہا تھا۔ وہاں میں نے خود کو کبھی بے یارومددگار محسوس نہیں کیا۔"

"بات قابل فہم ہے" میں نے سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "وہاں سلطان شاہ تمہارا یار ہے اور اول خان مددگار۔ یہاں میدان بالکل صاف ہے۔ وہ مزے تو مدتوں یاد آتے رہیں گے۔"

"جن لوگوں کو ہم بہت دور چھوڑ آئے ہیں ان کا ذکر ایسی بے رحمی سے مت کرو۔ ان کی کمی قدم قدم پر محسوس ہوگی۔ مجھے فکر یہ ہے کہ میرے ٹیکسی ڈرائیور نے بھی مجھے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اسے سوچنے کا موقع نہ دینے کے لیے میں سارے راستے اس سے لچھے دار باتیں کرتی رہی تھی۔ وہ مجھے بھول نہیں سکے گا۔ ٹیلی وژن پر یا اخبار میں مرنے والے کی تصویر دیکھتے ہی اس کا ذہن میری طرف جائے گا۔"

میرے ذہن میں تشویش نے ڈیرے ڈال دیے۔ رواداری سے بھرپور اور مہذب معاشرے میں جرم کا ارتکاب کرکے قانون کے لمبے ہاتھوں سے محفوظ رہنا واقعی ایک دشوار کام ہوتا ہے۔

اس وقت تک مجھے سب سے زیادہ فکر گیتا کے کچن کے ڈسٹ بن میں پڑے ہوئے اومیسز کے کھانے کے خالی ڈبوں اور تھیلوں کی تھی۔ "آناً فاناً میں" میں نے اس بارے میں بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ دہرے قتل کی وہ واردات نہایت خاموشی اور رازداری سے ہوئی تھی۔ جب تک باہر سے کوئی شخص گیتا کے گھر نہ پہنچتا' اس کا راز فاش ہونا ممکن نہیں تھا۔ میں ارادہ کرچکا تھا کہ دوبارہ خاموشی سے وہاں پہنچ کر مطلوبہ چیزیں سمیٹوں اور احتیاط سے واپس لوٹ آؤں لیکن ویرا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے وہ خطرہ مول لینے کا ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے لیے اومیسز ریستوران کے خالی اور بے ڈبوں سے زیادہ خطرناک وہ دو ڈرائیور تھے جنہوں نے ہمیں الگ ٹیکسیوں میں کینسنگٹن روڈ سے ساؤتھ آل پہنچایا تھا۔

میں اس وقت صرف یہ دعا ہی کرسکتا تھا کہ ان ڈرائیوروں کو قتل کے بارے میں زیادہ تفصیل کا علم نہ ہو اور ان کا احساس ذمے داری بیدار نہ ہونے پائے۔

"کیوں نہ ہم لندن سے کہیں اور نکل چلیں؟" ویرا نے اچانک ایک احمقانہ تجویز پیش کی۔

"اب اس موضوع کو یہیں ختم کردو" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ان باتوں کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب ہمیں ترح بہ تقدیر ہو کر پردۂ غیب سے ظہور میں آنے والے واقعات کا انتظار کرنا ہے۔"

ویرا نے بھنا کر مجھے منہ چڑایا اور ٹیلی وژن کھول کر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

میں نے بستر پر دراز ہوکر سگریٹ سلگائی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

میں نے ویرا کو بولنے سے روک دیا تھا۔ زبانوں کو لگام دی جاسکتی تھی لیکن ذہن کو سوچنے سے باز نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ خاموشی اور یکسوئی کے لمحات میسر آتے ہی میرے ذہن میں کے تیزی سے پھیلتے ہوئے جال کی طرح اندیشے اور وسوسے سر ابھارنے لگے۔

انگلینڈ ایسا ملک نہیں ہے جہاں حکام جرائم کو مفادِ عامہ کے نام پر چھپا کر "سب ٹھیک ہے" کا ڈھنڈورا پیٹ سکیں۔ وہاں ہونے والے ہر جرم کی صرف اس بنا پر معقول تشہیر کی جاتی ہے کہ جرم کے محرکات اور مجرم کی ذات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات یا شہادتیں مل سکیں۔ قانون کی مدد کے لیے عوام کی میں سے رضاکارانہ طور پر آگے آنے والوں کے ساتھ پولیس کا رویہ آمرانہ نہیں' خادمانہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر باشعور اپنے طور پر آگے آکر معمولی سے معمولی نکتے پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا۔

اس وقت تک گیتا اور اس کے دوغلے حمایتی کے قتل کا افشا نہیں ہوا تھا مگر میں ویرا کی اس رائے سے پوری طرح متفق تھا کہ بھید کھلتے ہی پورے شہر میں ایک بھونچال سا آجائے گا اور ٹیلی وژن سے لے کر اخبارات تک میں کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک سنسنی خیز واقعہ سرفہرست چھپتا رہے گا

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات سترہوں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ مارچ 2007ء شمارے میں